



# الغار الساطع



محقق دوران مفتی زلال حضرت علامہ حافظ

تصنیف  
لطیف

سہارن پوری  
محمد عبد السمیع

۱۹۰۰ء تا ۱۳۱۰ء

حضرت مولانا حاجی محمد مبارک الدین صاحب بریلی  
نمائندہ حجاز  
۱۳۱۶ء تا ۱۸۹۹ء علیہا الرحمۃ والرضوان

تہذیب تجدید، ترویج و تحقیق  
میرا فروز قادی چریا کوٹی

فیض گنج بخش بک سندھ



وَالْجَنُّ تَهْتَفُ وَالْأَنْوَارُ سَاطِعَةٌ  
وَالْحَقُّ يَظْهَرُ مِنْ مَعْنَى وَمِنْ كَلِمٍ



محقق دوران مفتی زمان حضرت علامہ حافظ

محمد عبد السمیع سہارنپوری  
۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء

تصنیف  
لطیف

خلیفہ عجاز حضرت مولانا حاجی محمد امداد اللہ مہاجر مکی  
۱۳۱۶ھ ۱۸۹۹ء علیہا الرحمۃ والرضوان

مقالہ و مہولت الہندت خصوصاً میلاد وفاقیہ و غیرہ کے  
موضوع پر لکھی گئی اپنی نوعیت کی واحد کتاب

تسہیل و تجدید تخریج و تحقیق

محمد افروز قادری حریا کوٹی  
دلاس یونیورسٹی کیمپ ٹاؤن جنوب افریقہ

در بار مارکیٹ داتا دربار لاہور  
0321 4021 314

فیض گنج بخش بک سنٹر



بیاد

حضرت شیخ سید علی بن عثمان جویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری  
قدس العزیز جنہوں نے صغیریت میں ۱۰۳۱ تا ۱۰۷۱ عیسوی میں علمی  
تعلیمات کو پھیلایا۔ ان کا در فیض آج بھی کھلا ہوا ہے۔ نیاز مندان داتا گنج بخش  
اپنے دامن میں گوہر مراد بھر کر لے جاتے ہیں اور اپنی زبان قال و حال سے  
یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں

گنج بخش فیض عالم نظر نور خدا  
ناقصاں را پیر کامل کا ملاں را رہنما

بغیر رضا کا نظر

لاہور کے مستور الحال درویش حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ  
امری جیسے رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے عشق رسول کا علم تھامے رکھا، محبت رسول  
کی شمع کو روشن رکھا، مسکرم رضا کو ایک عالمی تحریک بنایا، کتاب کی خوشبو  
کو پھیلایا، علم و عرفان کو عوام و خواص تک پہنچایا۔ فیض موسوی آج بھی  
جاری ہے۔ تلاش و جستجو کے متوالے ان کے مخزن علم سے برابر مستفید  
ہو رہے ہیں۔

ہرگز نہیں روآنکہ دلش زندہ شد عشق  
ثبت امت بر حسب ریدۃ عالم دوام ما



مصطفیٰ جانِ رحمتؐ پہ لاکھوں سلام

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ  
بلا اجازت چھاپنے پر قانونی کارروائی کا حق محفوظ

الوارساطعہ مولود و فاتحہ

محمد افروز قادری حریا کوٹی  
دلاس ٹی وی کیپٹن ناؤن بنو ب افریقہ

جون 2012

صاحبزادہ  
غلام مصطفیٰ الدین رضا

تمت

فیض گنج بخش بک سنٹر

دربار مارکیٹ داتا دربار لاہور  
0321 4021 314



## اداریہ

فیض گنج بخش بک سنٹر لاہور کی شروع دن سے یہ کوشش رہی کہ اپنے قارئین کیلئے معیاری اور وقت کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے کتب شائع کرائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر اب تک ادارہ اپنے قارئین کے لئے علمی، تحقیقی، اخلاقی اور دیگر موضوعات پر کتب شائع کر چکا ہے۔ جن میں سیرت مصطفیٰ ﷺ، انگھوٹھے چومنے کی حدیث، مرنے کے بعد کیا جاتی، بچوں کی اخلاقی تربیت کے لیے چالیس حدیثیں، موت کیا ہے، وقت ہزار نعمت ہے اور ترجمہ کنز الایمان کا لسانی جائزہ جیسی کتب شامل ہیں۔

زیر نظر کتاب ”انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ“ حضرت علامہ شیخ حافظ محمد عبدالسمیع انصاری رام پوریؒ خلیفہ حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر کی شہرہ آفاق تصنیف ہے جس میں میلاد، فاتحہ، سوئم، چہلم اور دیگر مسائل کو نہایت خوبصورتی سے بیان اور ثابت کیا گیا ہے۔ ادارے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ”انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ“ کا جو نسخہ آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ پہلی مرتبہ پاکستان سے شائع ہو رہا ہے۔ آج سے پہلے یہ کتاب اول تو ناپید تھی اور اگر کوشش بسیار سے تلاش ممکن ہوتی تو وہ بھی قلمی نسخے کی نقل کی صورت میں۔ اس کتاب میں جو تخریج کی گئی تھی وہ مولانا افرام قادری چریا کوٹی نے انتھک محنت کر کے پوری کر دی۔ بلاشبہ ان کا جماعت پر یہ احسان عظیم قابل صد تحسین ہے۔ کتاب کی اشاعت میں مکمل طور پر احتیاط سے کام لیا گیا ہے مگر پھر بھی اگر کوئی بیشی نظر آئے تو برائے کرم مطلع فرمادیں تاکہ ازالہ کیا جاسکے۔

آخر میں میں مولانا افرام قادری کا بے حد مشکور ہوں کی جنہوں نے کتاب شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ معاونین میں میاں زبیر احمد علوی ضیائی قادری گنج بخشی، ڈاکٹر پروفیسر ضیاء المصطفیٰ قصوری، ہمایوں سعیدی، سید محسن اعجاز، ثاقب رضا قادری اور حافظ غلام محی الدین رضا قادری کا احسان مند ہوں جن کے قیمتی مشوروں اور رہنمائی سے اس کتاب کی اشاعت ممکن ہوئی۔

غلام معین الدین

Qadri@live.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## آغازِ سخن

یہ ایک حقیقت ہے کہ عقائد و معمولات اہل سنت و جماعت خصوصاً میلاد و فاتحہ وغیرہ کے موضوع پر تحریر کی گئی اپنی نوعیت کی بے مثال کتاب ”انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ“ مدتوں سے موقوف الاشاعت رہی اور اباب علم و دانش کے علاوہ عام لوگوں کی نگاہوں سے عرصہ سے اوجھل رہی۔ جائے افسوس ہے کہ اس کے جواب میں لکھی گئی رسوائے زمانہ کتاب ”براہین قاطعہ“ تو ہزاروں ہزار کی تعداد میں متعدد ایڈیشنز کے چولے پہن کر منظر عام پر آئے اور دلائل و تحقیقات کے اُجالے بکھیر دینے والی کتاب ”انوارِ ساطعہ“ گوشہ گمنامی میں پڑی رہے۔ اسے اپنوں کی بے اعتنائی کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے۔ لیکن الحمد للہ اب غفلت کے دھندھلکے چھٹنے لگے ہیں اور انوارِ ساطعہ کی اشاعت کا مبارک سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ حال ہی میں دو خوبصورت نسخے حلیہ طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں ان میں ایک تو الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے نباض وقت باذوق طلبہ کی کوششوں کا ثمرہ ہے اور دوسرا جماعت کے ممتاز الصنفی و تربیتی ادارہ ”الجمع الاسلامی“ کا۔ اللہ انھیں اُن کی خدمتوں کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔

”انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ“ فاضل مصنف کے زمانے کی علمی ادبی تحقیقی اور ثقافتی بولمونیہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ کتاب جہاں تفریق بین المسلمین کی تاریخ اور اس کے اسباب و عوامل پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے وہیں علم غیب، مسئلہ حاضر و ناظر اور دوسرے اہم علمی و فقہی مسائل و مباحث کی گرہیں بھی کھولتی ہے۔

ان موضوعات پر اب تک خدا معلوم کتنی کتابیں معرض اشاعت میں آچکی ہیں مگر ان میں حضرت رام پوری رحمۃ اللہ علیہ کا طرز استدلال رنگ تحقیق، انداز نگارش اور وطیرہ بحث دل چھوٹا اور خاصا اچھوتا ہے۔ علمائے حق اور اباب فقہ و بصیرت کی تحریروں کا جو طرہ امتیاز ہوتا ہے وہ اس کتاب کی سطر سطر سے چھلکا پڑتا ہے ان تحریروں میں صلح و مصالحت کا رنگ چڑھانے اور برادرانِ طریقت کے درمیان مفاہمت و مواخات کی سنہری فضا قائم کرنے میں مصنف نے پوری فیاضی اور دیادلی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ فاضل مصنف نے منکرین کے بے سرو پا اعتراضات کے شائستہ انداز میں نہایت معقول جوابات دیے ہیں۔ الزامی جواب کے التزام کے ساتھ ان گوشوں پر فقہی تحقیق و تدقیق کی نہریں بھی بہا دی ہیں۔

جی بات بتاتا ہوں کہ اس کتاب سے میری دلچسپی صرف اسی حد تک تھی کہ میرے وطن مالوف کے ایک نامور ادیب عالم و محقق مولانا محمد فاروق عباسی چریا کوٹی نے اس پر اپنی تقریظ بے بہا ثبت کی ہے اور بس اس کتاب کو پڑھنے کی غلطی میں نے کبھی نہیں کی مگر ہوا کچھ یوں کہ مصنف انوارِ ساطعہ سے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے بھاری بھر کم تعریفی الفاظ اور توصیفی کلمات نے میرے سمندر شوق کو مہمیز لگا دیا اور اس طرح چیدہ چیدہ مقام سے ایک دفعہ پوری کتاب دیکھنے کا خیال پیدا ہوا



لیکن مشکل یہ درپیش ہوئی کہ قریباً تین سو صفحات پر بکھری ہوئی یہ کتاب کوئی ایک ہی پیرا گراف پر اختتام پذیر ہوگئی ہے تو پیرا گراف ختم ہونے کے انتظار میں مجھے پوری کتاب مجبوراً نہ پڑھ ڈالنا پڑا لیکن اس کا تاثر یہ ہوا کہ اب میرے افق ذہن پر اس کتاب کی عظمت کا سورج پورا پورا اظہار پر آچکا تھا اور اس پر کچھ کر گزرنے کا جذبہ بیدار ہو چکا تھا۔

اس کتاب کے عوام و خواص ہر ایک کی خاطر یکساں مفید ہونے کے لیے ضروری تھا کہ یہ کتاب اپنا پیرا بن کہن بدلے اور اپنی افادیت میں اضافہ کرنے کے لیے تحقیق و تخریج کی قبایز بن کرے۔ مرشد گرامی قدر حضور سیدی علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری دام ظلہ النورانی بھی اس کی تسہیل و تخریج سے متعلق کئی بار اپنی نیک خواہشوں کا اظہار فرما چکے تھے۔ مگر یہ کارِ زہرہ گداز کرے کون؟

اسی دوران اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل فراوان سے مجھ ناکارہ جہاں کے لیے دلاص یونیورسٹی جنوب افریقہ میں تدریسی خدمات سرانجام دینے کا ایک خوبصورت بہانہ کر دیا۔ تعطیل کلاں میں کچھ اس کتاب پر کام کرنے کی لگن پیدا ہوئی مگر اول تو انوارِ ساطعہ ہی اپنے پاس نہ تھی اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ تحقیق و تخریج کے لیے ناگزیر کتابوں کی عدم فراہمی۔ انجام کار موسم کی تنہا بستی کے ساتھ میرے جذبات بھی ٹھنڈے پڑ گئے۔

پھر یکا یک اسباب بہم ہونے شروع ہوئے انٹرنیٹ کی وساطت سے انوارِ ساطعہ بھی مل گئی اور تحقیق و تخریج کے لیے انٹرنیٹ کی مدد سے ہزاروں سے زائد امہات الکتب کا انبوہ کثیر بھی ہاتھ آ گیا۔ پھر کیا تھا ”چل مرے خامہ بسم اللہ“ کا ورد کر کے ۱۴ صفر مظفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۴ مارچ ۲۰۰۷ء کو میں نے تسہیل و تجدید اور تخریج و تحقیق کا عمل شروع کر دیا۔ اس دوران بعض مقامات پر سخت مایوسی کا سامنا بھی ہوا مگر پھر ان کی تحلیل کی صورتیں بھی پیدا ہوتی گئیں۔ اس طرح کم و بیش ساڑھے تین ماہ کی جی توڑ کوششوں اور موٹی گاڑھی محنتوں کے بعد ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۷ جون ۲۰۰۷ء میں تسہیل و تحقیق کا یہ آہوئے پرشوق حرم رسیدہ ہو گیا۔ **فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّةُ۔**

تحقیق و تخریج کے حوالے سے ایک ضروری عرض یہ ہے کہ حوالہ جات، مطبوعہ کتابوں سے نسبتاً کم اور انٹرنیٹ کی وساطت سے زیادہ درج کیے گئے ہیں اس لیے حوالوں میں مطالع کتب کا کوئی اہتمام نہیں ہوا ہے تاہم کتب حدیث کے ساتھ حدیثوں کے نمبر اور کتب فقہ وغیرہ میں ابواب کی تعیین کا التزام کر کے اس ضرورت کی کسی حد تک تکمیل کرنے کی کوشش کر دی گئی ہے۔ میں کہ اپنے جیب و داماں زیور علم سے خالی پا کر تخریج و تحقیق کے اس اہم کام کے لیے کبھی ہمت نہیں جٹا سکا تھا مگر پروردگار عالم میرے ارباب فیض و کرم پر اپنی عطا و نوال کے مینہ برسائے جنھوں نے ہر آڑے وقت پر اپنا علمی و فکری تعاون فرما کر میرے حوصلوں کو توانا رکھا۔ دینی علم و فکر سے اپنا بیج شہر میں بیٹھ کر اس طرح کے علمی کام سرانجام دینا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے وہ صرف توفیق الہی ہی کا کمال ہے جس کی وجہ سے ایسا کچھ کر دینا میرے لیے ممکن ہو سکا۔

اس موقع پر میں جماعت کا سپاہِ درِ در کھنے والی اور اصلاح اُمت کے حوالے سے ہمہ وقت فکر مند رہنے والی حضور نعمانی صاحب قبلہ کی عمیقی شخصیت کا کیسے شکر ادا کروں جنھوں نے کثرت کار اور ہجوم افکار کے باوصف پوری کتاب حرفا حرف ملاحظہ فرمائی اور اپنی

گراں قدر اصلاحات و ہدایات سے مجھے نوازا۔ میرے دیرینہ دوست ڈاکٹر مختار گل ہاشمی بھی میرے سپاس کے بھرپور سزاوار ہیں جنھوں نے ہر موقع پر اپنا دست تعاون دراز کرنے میں کبھی بخل سے کام نہ لیا، ساتھ ہی اپنے جملہ اساتذہ و معاونین کے لیے بھی تشکر و امتنان کے جو جذبات درون دل چھپے ہیں شاید ان کی تعبیر سے حرف و صوت آشنا نہ ہو سکیں، شکر و سپاس کے رمی الفاظ کسی طور ان حضرات کی خدمتوں کا صلہ نہیں ہو سکتے ان کی بہترین خدمات کا بس اللہ ہی انھیں بہتر اجر دے۔ آمین۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انوارِ ساطعہ اپنی سلاست و سادگی عبارت کی دل نشینی و پختگی اور تحقیق کی ندرت و عمدگی کے اعتبار سے آج بھی ایک مفید اور زندہ و تابندہ کتاب ہے۔ ہاں اس کے بعض الفاظ و فقرے ضرورتاً تشریح طلب تھے نیز فاضل مصنف کے زمانے کا طریقِ املا کچھ اور تھا، خصوصاً علامات اوقاف کے استعمال کا تو پہلے کوئی دستور ہی نہ تھا پھر بعد میں طریقِ املا تدریجاً اصلاح پاتا رہا، لہذا ضروری تھا کہ قدیم طریقِ املا چھوڑ کر جدید رسم املا اختیار کیا جاتا اور جا بجا اوقاف لگا دیے جاتے تاکہ عبارت عام فہم بن جائے اور کتاب کی افادی حیثیت بڑھ جائے۔ ہم نے بحمد اللہ اس کتاب کے اندر تحقیق و تخریج کی بابت جہاں عالم عرب کا اسلوب جدید اپنایا ہے وہیں تسہیل و تجدید کے سلسلے میں فاضل مصنف کے عہد کا طریقِ املا چھوڑ کر مروجہ طریقِ املا بھی اختیار کیا ہے۔ مثلاً:

☆ فاضل مصنف کے زمانے میں بعض الفاظ ملا کر لکھنے کا دستور تھا جیسے: ”جاکر“ ”تمکو“ وغیرہ، پیش نظر کتاب میں ہر لفظ جدا جدا لکھا گیا ہے۔ ”جان کر“ ”تم کو“۔

☆ فاضل مصنف کے دور میں ”ہو“ اور ”جائے“ کو ”ہوئے“ اور ”جاوے“ لکھا جاتا تھا۔ پیش نظر کتاب میں موجودہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

☆ پوری کتاب میں جا بجا اوقاف لگا دیے گئے ہیں تاکہ فقرے اور جملے ممتاز رہیں اس سلسلے میں بعض مقامات سے ”اور“ یا اس قسم کے دوسرے الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں جو دراصل الٹے واؤ (کاما) اور وقفے (ذیش) کا بدل تھے۔

☆ ہمارے نزدیک ان میں سے کسی بھی چیز کو متن میں تبدیلی قرار نہیں دیا جاسکتا اسے صرف طریقِ املا کا فرق کہنا چاہیے۔

☆ جن الفاظ یا فقرات کا مفہوم توضیح طلب تھا ان کی توضیح حاشیے میں کر دی گئی ہے یا متن میں تو سین کے اندر ایک لفظ یا چند الفاظ بڑھا دیے گئے ہیں۔

☆ جو احادیث متن میں جزوی طور پر نقل تھیں انھیں حاشیے میں مکمل کر دیا گیا ہے نیز حدیث کا اصل متن بھی لکھ دیا گیا ہے۔

☆ فاضل مصنف نے بعض آیات کے ترجمے میں صرف مطالب قرآنی اور اپنا مقصد پیش نظر رکھا ہے اور بعض چھوڑ دی ہیں، ہم نے ہر جگہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا ترجمہ قرآن کنز الایمان درج کر دیا ہے۔

☆ تسہیل و تجدید تہذیب و تذہیب اور تخریج و تحقیق کی یہ حقیر کاوش آپ کے سامنے ہے۔ بساط بھر کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کا مطالعہ زیادہ سے زیادہ سہل و آسان اور قلب و نظر کی جاذبیت کا سامان ہو جائے۔ اب اپنے مقصد میں ہم کتنے کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ تو باذوق اہل علم ہی کریں گے۔ ہاں اس سلسلے میں ملنے والی کامیابی کو ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل بے کراں کا کرشمہ تصور کرتے ہیں اور کہیں فروگزاشت ہوئی ہو تو اسے اپنے فکر و نظر کی لغزش سمجھتے ہوئے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔

☆ ہماری اس کوشش کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ فاضل مصنف رحمہ اللہ کے اس اہم علمی اور تحقیقی کارنامے سے استفادے کا



دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جائے اور امت مسلمہ پامردی کے ساتھ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر جاہ پیا ہو جائے کیوں کہ ہماری ہر کامیابی انہیں کے قدموں کی برکتوں کا استعارہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ، معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین پاک کے صدقے ہمیں کتاب و سنت کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، کدورت و نفرت کے اندھیروں کو اُلفت و محبت کے اُجالوں سے بدل دے اور دارین کی سعادتوں والے کام سرانجام دینے کی توفیق ہمارے رفیق حال کر دے۔

آمین بحاجہ حبیبك سید المرسلین

علیہ افضل الصلوٰۃ و اکرم التسلیم

ناکارہ جہاں

محمد افروز قادری چریا کوٹی

پروفیسر: داس یونیورسٹی۔ کیپ ٹاؤن، جنوبی افریقہ

ایڈیٹر: ماہنامہ چراغِ اُردو، کیپ ٹاؤن، جنوبی افریقہ

۳ جمادی الآخرہ ۱۴۲۸ھ مطابق: ۱۹ جون ۲۰۰۷ء

## تقریب

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم و علی الہ و صحبہ و حزبہ اجمعین

”انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ“ علامہ مولانا حافظ محمد عبد السمیع بے دل رام پوری (سہارن پوری) علمائے ہند میں بڑے با عظمت عالم دین گزرے ہیں۔ حق آگاہ حضرت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر کی علیہ الرحمہ کے خلفا و مریدین میں بھی بلند مقام کے حامل تھے، لیکن چون کہ اہل حق ہمیشہ مظلوم رہے ہیں آپ بھی اسی مظلومیت کا شکار ہو گئے کہ ”انوار ساطعہ“ جیسی جلیل القدر عظیم الشان اور علمی و تحقیقی کتاب کے مصنف ہونے کے باوجود آپ کا قرار واقعی تعارف نہ ہو سکا، نہ ہی آپ کی یہ کتاب مستطاب خاطر خواہ اشاعت پذیر ہو سکی، جب کہ کتاب کا موضوع ایسا ہے کہ اس کو بار بار اور خوب چھپنا چاہیے تھا، شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ کتاب خالص علمی مباحث پر مشتمل ہے اور کہیں کہیں ایسی فی بحشیں بھی ہیں جن کا سمجھنا عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ ہاں کتاب واقعات میلاد پر ہوتی تو خوب چلتی اور بار بار چھپتی، جیسا کہ اسی عہد کی لکھی ہوئی ایک کتاب ”میلاد اکبر“ مصنفہ مولوی اکبر علی وارثی میرٹھی کا حال ہے کہ تاحال اس کے کتنے ایڈیشن نکلے اس کو جاننا بھی ایک امر دشوار ہے۔

میرے علم میں تقریباً 60 سال سے یہ کتاب مارکیٹ سے غائب ہے۔ تقسیم ہند سے قبل حضرت صدر الافاضل مولانا شاہ نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ صاحب تفسیر خزان العرفان نے اپنے مطبع نعیمی مراد آباد سے اسے شائع کیا تھا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے اس کا نہ ٹائٹل ہے نہ ہی اس پر کوئی تاریخ اشاعت۔ کتاب پورے 300 صفحات پر مشتمل ہے اور سائز متوسط سے کچھ بڑا ہے جو اس وقت کا مقبول عام سائز ہے۔

کتاب کیا ہے زرو جواہر سے پڑھے ایسے ایسے علمی نکات اس میں آفتاب کی طرح روشن اور انگوٹھی کے نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں کہ پڑھتے ہی ذہن و دماغ کی گز ہیں کھل جائیں۔ اور دل بیٹا کی روشنی بڑھ جائے۔ وقت کے ایسے ایسے اکابر و اساطین کی تصدیقات و تقریظات اس پر ثبت ہیں کہ جن میں ہر ایک عظمت کا مینار کہے جانے کے لائق ہے۔ ذرا ایک نظر ان کے ناموں پر تو ڈال لیں

ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی

(۱۳۰۴ھ)

مولانا فیض الحسن سہارن پوری

(۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء)

پایہ حریم حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر کی

(۱۳۰۸ھ)

مولانا مفتی محمد ارشاد حسین مجددی رام پوری

(۱۳۱۱ھ)

مولانا غلام دستگیر قصوری

(۱۳۱۵ھ)

حضرت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر کی

(۱۳۱۷ھ)



تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی

(۱۳۱۹ھ)

مولانا وکیل احمد خفی سکندر پوری

(۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء)

مولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی

(۱۳۲۷ھ)

مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی

(۱۳۳۳ھ/۱۹۱۶ء)

مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی صاحب تفسیر حقانی

(۱۳۳۵ھ)

مولانا محمد عبدالمجید فرنگی محلی لکھنؤی

(۱۳۴۰ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

(۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

یہ سب چودھویں صدی کے وہ اساطین و اکابر ہیں جن پر اعتماد کرنا ہمارے لیے باعث سعادت ہے اور جن سے انحراف یقیناً گمراہی کا پیش خیمہ۔

ضرورت ہے کہ اس کتاب کو گھر گھر پہنچایا جائے اس پر عمل کیا جائے اور اس کے دلائل کو ذہنوں میں بٹھایا جائے تاکہ کوئی ہمیں راہ مستقیم سے ہٹانہ سکے۔

زیر نظر کتاب ”انوارِ ساطعہ“ کے ۲ ایڈیشن حال ہی میں طلبہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور الجمع الاسلامی کی طرف سے شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اب یہ تیسرا ایڈیشن فاضل جوان عزیز گرامی قدر مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی زید مجدہ کی تخریج و تحقیق اور تسہیل و تجدید کے ساتھ منظر عام پر لایا گیا ہے جو سابقہ تمام نسخوں سے زیادہ اہمیت و افادیت کا حامل ہے۔ تخریج میں مولانا نے جو محنت کی ہے وہ ہر مطالعہ کرنے والے پر عیاں ہے۔ احادیث اور فقہی عبارات کی تخریج تو بآسانی عمل میں آگئی ہے البتہ بعض دیگر کتب و رسائل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے تخریج کی گرفت سے رہ گئے ہیں۔ شاید آئندہ ان کتابوں کی دستیابی کے بعد یہ کام بھی پایہ تکمیل تک پہنچے گا انشاء اللہ تعالیٰ مولانا تعالیٰ موصوف کی مساعی جمیلہ کو مشکور فرمائے اور انھیں مزید اس قسم کے علمی و دینی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ وعلى آله اکرم الصلوٰۃ والتسلیم۔

محمد عبدالمبین نعمانی قادری

دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ، منو (یوپی)

۴ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ - ۱۳ مارچ ۲۰۰۸ء

## تقدیم نفیس

صاحب انوارِ ساطعہ

حضرت علامہ شیخ محمد عبدالسیع النزاری رام پوری علیہ الرحمۃ والرضوان

نام: محمد عبدالسیع تخلص: بے دل ہے۔ آپ اپنے وطن رام پور منیہارن، ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے جو سہارن پور، شمالی دہلی براؤنچ لائن پر سہارن پور شہر سے تقریباً 38 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ (۱) آپ کا نسبی رشتہ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ النزاری کے واسطے سے مشہور صحابی رسول حضرت ابویوب النزاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ (۲)

ابتدائی تعلیم پایہ حریمین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر کی (بانی مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ، متوفی ۱۳۰۸ھ) سے حاصل کی (۳)۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے ۱۲۷۰ھ سے قبل قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا اس مدرسہ سے سیکڑوں تشنگانِ علوم نے پیاس بجھائی، اسی مدرسے میں مولانا رام پوری نے مولانا کیرانوی سے تعلیم حاصل کی ان کے علاوہ مولانا احمد علی محدث سہارن پوری، مولانا سعادت علی سہارن پوری، مولانا شیخ محمد تھانوی اور مولوی محمد قاسم نانوتوی سے بھی تعلیم پائی۔ (۴)

پھر ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء میں آپ نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے مرکز علم و ادب دہلی کا رخ کیا اور علمائے دہلی خصوصاً صدر الصدور حضرت مولانا مفتی صدر الدین آزرہ دہلوی سے عربی علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں۔ انہیں ایام میں شعر گوئی کا شوق ہوا تو اردو کے مشہور شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ ”بے دل“ تخلص تھا۔ ابتدا میں طبیعت غزل کی طرف زیادہ مائل رہی۔ بعد میں اس ربی شاعری کو چھوڑ کر اپنی تمام تر توجہ مذہبی علوم و مسائل پر محدود کر دی۔ (۵)

حمد باری، نور ایمان، اور سلسبیل جیسے منظوم رسالے آپ کی شاعرانہ مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان کے علاوہ ایک نعتیہ دیوان بھی ہے۔ (۶)

(۱) البراہین النافعہ، سید قمر الدین اشرف، علی گڑھ، ص ۲۷، تقسیم کارڈی، بی بلڈنگ، فوتواں بازار، ضلع مہراج گنج، یو پی، ۲۰۰۳ء

(۲) تذکرہ علمائے اہل سنت، مولانا محمود احمد قادری، ص ۱۶۷، مطبوعہ سنی دارالاشاعت، فیصل آباد پاکستان، ۱۹۹۳ء

(۳) مولانا عبدالسیع صاحب نے خود انوارِ ساطعہ میں اپنے آپ کو مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا شاگرد لکھا ہے اور انہیں بڑے گراں قدر علمی القاب سے نوازا ہے جس سے استاد کے ساتھ گہرے رشتے اور گہری عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور خود مولانا رحمت اللہ صاحب نے انوارِ ساطعہ اور تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والکلیل (مؤلفہ مولانا غلام دھیکر قصوری) پر اپنی تقریظات میں مولانا عبدالسیع رام پوری کو اپنا شاگرد کہا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے انوارِ ساطعہ و تقدیس الوکیل ص ۳۱۵ نوری بک ڈپو، دربار دارا صاحب لاہور پاکستان) اور مولانا محمد سلیم کی، مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ نے انہیں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے تلامذہ میں سرفہرست ذکر کیا ہے (دیکھئے ”ایک مجاہد معمار“ ص ۱۸، مطبوعہ مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ، بحوالہ مقدمہ ”بائبل سے قرآن تک“ ص ۱۸۳، مطبوعہ حافظی بک ڈپو دیوبند)

(۴) براتین قاطعہ، ص ۹، کتب خانہ امدادیہ دیوبند

(۵) مفتی صدر الدین آزرہ از عبد الرحمن پرواز اصلاحی، ص ۱۲۹، مکتبہ جامعہ دینی دہلی طبع اول جولائی ۱۹۷۷ء

(۶) (الف) مصدر سابق (ب) تذکرہ علمائے اہل سنت از مولانا محمود احمد قادری، ص ۱۶۸ (ج) ”ایک مجاہد معمار“ بحوالہ بائبل سے قرآن تک“ ص ۱۶۷



مولانا رام پوری سلسلہ چشتیہ صابریہ میں اپنے وقت کے مشہور مرید طریقت شیخ المشائخ حضرت مولانا الحاج امداد اللہ فاروقی چشتی تھانوی مہاجر کی علیہ الرحمہ (م ۱۳۱۷ھ) سے بیعت تھے۔ آپ کو حضرت حاجی صاحب موصوف سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی، آپ نہایت محتاط، تقویٰ شعار، پرہیزگار اور کامل الاحوال بزرگ تھے۔

مشہور مخیر رئیس حافظ عبدالکریم رئیس لال کرتی میرٹھ نے اپنے لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے لیے آپ کو پکارا روپے اور روٹی پر مدرس رکھ لیا۔ مدرس ہونے کے بعد دونوں وقت انواع و اقسام کے کھانے پہنچنے لگے، مگر آپ کا معمول یہ رہا کہ ان میں سے کچھ بھی تناول نہ فرماتے، صرف روٹی کھا کر پانی پی لیتے۔ حافظ عبدالکریم صاحب کو خبر ہوئی۔ بلا کر تحقیق حال کرنے لگے اور پوچھا کہ کیا کھانا پسند نہیں آتا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ آپ نے بڑی سادگی سے دو ٹوک جواب دیا ”کھانے میں کوئی کمی نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ معاملہ طے کرنے کے وقت صرف ”روٹی“ طے ہوئی تھی اس لیے باقی چیزوں کے کھانے کا مجھے حق نہ تھا۔“ (۱)

آپ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی کے ان خلفا میں تھے جنہیں حاجی صاحب نے از خود خلافت دی تھی۔ آپ نے پوری طرح مذہب اہل سنت کے عقائد و افکار اور شریعت صوفیہ کے وظائف و معمولات میں اپنے شیخ و مرشد کی پیروی کی۔ اور مشائخ کے روحانی فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوئے۔

امداد اللہ مشائخ میں خود حاجی امداد اللہ مہاجر کی نے اپنے خلفاء کے بارے میں فرمایا میرے خلفاء دو قسم کے ہیں ”ایک وہ جنہیں میں نے از خود خلافت دی ہے۔ دوسرے وہ جن کو تبلیغ دین کے لیے ان کی درخواست پر اجازت دی ہے۔“ جن خلفاء کو از خود خلافت دی ہے انہوں نے پوری طرح حاجی صاحب کی اتباع کی۔ مثلاً مولانا لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۳ھ) مولانا احمد صبح کان پوری (متوفی ۱۳۲۲ھ) مولانا محمد حسین الہ آبادی (متوفی ۱۳۲۲ھ) اور مولانا محمد عبدالسمیع رام پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ)۔

اور جن خلفاء نے حاجی صاحب سے اختلاف کیا ان میں مولوی محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) مولوی رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۲ھ) اور مولوی اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) کے نام سرفہرست ہیں۔ (۲)

اردو کے مشہور ادیب اور قلم کار مالک رام نے تلامذہ غالب میں لکھا کہ مولانا رام پوری کی فارسی اور عربی کی استعداد بہت اچھی تھی۔ (۳)

خود آپ کی کتاب ”انوارِ ساطعہ“ کا انصاف و دیانت کے ساتھ مطالعہ کرنے والا اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مذہبی علوم و فنون اور علوم عقلیہ میں آپ کا پایہ بہت بلند اور آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا، جیسا کہ ان کے بزرگوں اور معاصر علمائے کرام نے ”انوارِ ساطعہ“ پر اپنی تقریظات میں کھلے دل سے ان کے علمی تحریر و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ ”انوارِ ساطعہ“ میں مولانا نے اس عالمانہ اسلوب میں بحث کی ہے کہ طبیعت پھڑک اٹھتی ہے، اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کے لیے دعا نکلتی ہے۔

مولانا رام پوری علیہ الرحمہ نے اسی نوے سال کے درمیان عمر پائی اور میرٹھ میں ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں انتقال ہوا اور

(۱) تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۶۷

(۲) صابری سلسلہ از وحید احمد مسعود بدایوں ۱۹۷۱ء

(۳) مفتی صدر الدین آزادہ از عبد الرحمان پرواز، ص ۱۲۹

وہیں قبرستان حضرت شاہ ولایت قدس سرہ میں مدفون ہوئے۔ مولانا حکیم محمد میاں آپ کے فرزند تھے ۱۹۳۰ء میں ان کی رحلت ہو گئی۔ حکیم صاحب کی اولاد میں صرف دو لڑکیاں تھیں، مولانا زینب کوئی نہ تھی۔

مولانا عبدالسمیع رام پوری علیہ الرحمہ نے درج ذیل کتابیں یادگار چھوڑی ہیں

(۱): نور ایمان (منظوم) (۲): سلسبیل (منظوم) (۳): راحت قلوب (۴): بہار جنت

(۵): مظہر حق (۶): حمد باری (۷): انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ (۸): دافع الاوہام فی محفل خیر الانام

(۹): قول النبی فی تحقیق السلام علیک ایہا النبی۔ (۱)

## انوارِ ساطعہ کا تاریخی پس منظر

میلا د النبی اور فاتحہ مروجہ کی اصل حدیث نبوی سے ثابت ہے، ایسی لیے یہ ہمیشہ سے علماء و مشائخ ملت اور اکابر امت کا معمول رہا ہے۔ محفل میلا د النبی کی اصل یہ ہے کہ سرور کائنات، فخر موجودات، سید الانبیاء ﷺ کی ولادت طیبہ اور سیرت طیبہ کو بیان کیا جائے۔ جامع ترمذی جو صحاح ستہ میں سے مشہور اور معتد کتاب ہے اس میں ایک باب ہے ”باب ماجاء فی میلا د النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ (ان احادیث کا بیان جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کے بارے میں آئی ہیں)۔ اس باب میں ایک حدیث صحابی رسول حضرت قیس بن مخزوم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قَالَ: وَلِدْتُ اَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ عَامَ الْفِيلِ. قَالَ: انھوں نے کہا: میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال پیدا ہوئے جس میں اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا اور  
وَسَالُ عِثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ بْنِ أَشِيمَ أَخَا بَنِي يَغْمُرَ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے قباث بن اشیم صحابی  
بَنَ لَيْثٍ: أَنْتَ أَكْبَرُ أُمِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَضَى اللَّهُ عَنْهُ سے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَضَى اللَّهُ عَنْهُ  
مِنِّي، وَأَنَا أَقْدَمُ مِنْهُ فِي الْمِيلَادِ. (۲)

بڑے ہیں اور میں پیدائش میں ان سے پہلے ہوں۔

اس حدیث کی روشنی میں جہاں یہ ثابت ہوا کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کا بیان نہ صرف جائز بلکہ صحابہ کا طریقہ ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سرکارِ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر نہایت تعظیم و ادب سے کرنا چاہیے، جس میں توہین و تنقیص کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ ہو، کیوں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سوال کا مقصد یہی تھا کہ اے قباث بن اشیم! عمر میں آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں؟ جس کا سیدھا سا جواب یہ تھا کہ ”میں بڑا ہوں“۔ مگر اس میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے ہونے کی بات تھی تو صحابی رسول کو یہ بھی گوارا نہ ہوا اس لیے تعبیر بدل کر ایسا جواب دیا کہ ظاہر کے اعتبار سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے ہونے کا شائبہ نہ ہو اور فرمایا کہ ولادت میں میں ان سے مقدم اور پہلے ہوں۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیت

(۱) تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۶۸

(۲) جامع ترمذی، ج ۲، ص ۲۰۳، مطبوعہ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ۱۳۲۳ھ/۲۰۰۲ء



”قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ“ (یقیناً تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور آگیا) اور آیت کریمہ ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ میں سرکاری آمد کا ذکر ہے۔

اسی بنا پر سلف صالحین علمائے دین، مشائخ طریقت اور اساطین امت محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کرتے رہے اور اس میں برابر شرکت کرتے رہے حدیث ہے کہ امام ابو شامہ استاذ امام نووی، امام ابن جزری، حافظ عطاء الدین بن کثیر، حافظ زین الدین عراقی، امام ابن حجر عسقلانی، حافظ جلال الدین سیوطی، علامہ شہاب الدین قسطلانی، علامہ عبد الباقی زرقانی مالکی، علامہ ملا علی قاری حنفی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ بے شمار اساطین امت بلا تکرار محفل میں شریک ہوتے رہے بلکہ بہت سے علمائے کرام نے محفل میلاد کے لیے مستقل کتابیں لکھیں۔ صاحب انوار ساطعہ نے نور سوم کے لمحہ تاسعہ میں ان علماء و محدثین اور مشائخ طریقت کی ایک لمبی فہرست پیش کی ہے۔ اسی طرح فاتحہ اور ایصال ثواب بھی پوری امت مسلمہ میں رائج تھا۔

یہی حالات تھے کہ مغلیہ حکومت کے زوال کے تقریباً 20 سال بعد سہارن پور اور اس کے اطراف کے چند اسلاف بیزار مولویوں نے اس عمل خیر اور مجلس خیر کے خلاف آواز اٹھائی اور دہلی کے غیر مقلد وہابی علماء سے یہ سوال کیا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولود خوانی و مدحت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ہیئت سے کہ جس مجلس میں امر دان خوش الحان گانے والے ہوں اور زیب و زینت و شیرینی و روشنی ہائے کثیر ہو اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب و حاضر ہوں جائز ہے یا نہیں؟ اور قیام و وقت ذکر و ولادت جائز ہے یا نہیں؟ اور حاضر ہونا مفتیان کا ایسی مجلس میں جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز بروز عیدین پنج شنبہ وغیرہ کے آب و طعام سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ وغیرہ ہاتھ اٹھا کر پڑھنا اور اس کا ثواب اموات کو پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز بروز سوم میت کے لوگوں کو جمع کر کے قرآن خوانی اور بھونے ہوئے چنوں پر کلمہ طیبہ مع پنج آیت پڑھنا اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا بحديث نبوی جائز ہے یا نہیں؟ یتینوا تو جروا۔

اس سوال نامہ کا جواب ان کی طرف سے یہ دیا گیا۔

الانقار محفل میلاد اور قیام وقت ذکر پیدائش آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرون ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوا۔ پس یہ بدعت ہے۔ اور علی ہذا القیاس بروز عیدین وغیر عیدین و پنج شنبہ وغیرہ میں فاتحہ مرسومہ ہاتھ اٹھا کر پایا نہیں گیا البتہ نیابت عن المیت بغیر تخصیص ان امور مرقومہ سوال کے لئے مساکین و فقرا کو دے کر ثواب پہنچانا اور دعا اور استغفار کرنے میں امید منفعت ہے۔ اور ایسا ہی حال سوم، دہم، چہلم وغیرہ اور پنج آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا عدم ثبوت حدیث اور کتب دینیہ سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بدعات مختلعات ناپسند شرعیہ ہیں۔ اس فتویٰ پر دہلی کے 3 غیر مقلد علماء کے دستخط تھے۔ (۱) مولوی حفیظ اللہ (۲) مولوی شریف حسین (۳) الہی بخش۔ اور ان کے علاوہ درج ذیل علمائے دیوبند و گنگوہ و سہارن پور کے تائیدی دستخط بھی تھے۔ (۱) مولوی محمد یعقوب، صدر مدرس مدرسہ دیوبند (۲) مولوی محمد محمود حسن، مدرس مدرسہ دیوبند (۳) مولوی محمد عبدالحق دیوبندی (۴) مولوی رشید احمد گنگوہی۔

گنگوہی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے، اور خطاب جناب فخر عالم علیہ السلام کو کرنا اگر حاضر ناظر جان کر کرے کفر ہے ایسی مجلس میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے اور فاتحہ بھی خلاف سنت ہے اور سوم بھی کہ یہ سنت ہندو کی رسوم ہے التزام مجلس میلاد بلا قیام و روشنی و تقسیم شیرینی و قیودات لائینی کے ضلالت سے خالی نہیں ہے۔ علی ہذا القیاس سوم و فاتحہ بر طعام کہ قرون ثلاثہ میں نہیں پائی گئی۔

اس زمانے میں یہ محفل میلاد و فاتحہ و عرس کے خلاف پہلا فتویٰ تھا جو 4 ورق تھا اور ۱۳۰۲ھ میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا اس کی سرخی تھی: فتویٰ مولود و عرس وغیرہ۔ پھر دوسرا فتویٰ مطبع ہاشمی میرٹھ ہی سے چھپا جس کا عنوان تھا: فتویٰ میلاد شریف یعنی مولود مع دیگر فتاویٰ۔ یہ 24 صفحے کا تھا اس میں محفل میلاد شریف کی بڑی مذمت کی گئی تھی اور پہلا چار ورق فتویٰ بھی اس میں شامل کر دیا گیا تھا۔ ان فتوؤں نے مسلمانوں میں اختلاف و انتشار کا بیج بویا اور عوام اہل سنت کو طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا کیا۔ اس علاقے کے لوگ زیادہ تر شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی چشتی تھانوی سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے جو کچھ عرصہ پہلے ہندوستان کے حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۵۹ء میں مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے تھے اور حاجی صاحب کے مرید باصفا اور خلیفہ صادق عالم ربانی حضرت مولانا محمد عبد السمیع بے دل رام پوری سہارن پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ) اہل سنت و جماعت کے مرجع و مقتدا اور صبر و قناعت اور زہد و ورع میں اپنے پیرومرشد کے آئینہ دار تھے اس لیے حاجی صاحب کے مریدین اور دیگر اہل سنت نے آپ سے بصد اصرار فرمائش کی کہ آپ ان کا جواب لکھیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں میلاد و فاتحہ و عرس کا صحیح شرعی حکم واضح فرمائیں۔ اس لیے مولانا رام پوری نے قلم اٹھایا اور چند دنوں میں انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ کے نام سے ایک شاندار و قیوم اور افراط و تفریط سے پاک کتاب تیار کر دی اور اس میں قرآن و حدیث اور اصول شریعت کی روشنی میں میلاد و فاتحہ کا جواز ثابت کیا اور تائید میں سلف صالحین فقہاء و محدثین اور مشائخ طریقت کے اقوال و معمولات کو بھی پیش کیا۔ (۱)

جب یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی تو اہل سنت و جماعت میں مسرت و شادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اسے اس قدر قبول عام حاصل ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے چند دنوں میں اس کے سارے نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ جب یہ کتاب دیوبند، گنگوہ اور سہارن پور کے وہابی علماء تک پہنچی تو انہیں اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی نظر آئی۔ آخر کار ”کھسانی بلی کھبا نو پے“ کے مطابق وہابی دیوبندی علماء کے سرگروہ مولوی رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۲ھ) نے اس کے جواب میں ایک کتاب لکھ کر اپنے مرید خاص مولوی خلیل احمد انبٹھوی سہارن پوری (متوفی ۱۳۳۶ھ) کے نام سے شائع کرائی جس کا لمبا چوڑا 4۱ سطری نام اپنے خاص ذوق کے مطابق یہ رکھا: البراہین القاطعہ علی غلام اللہ انوار الساطعہ، الملقب بالادلل الواضح علی کراہۃ المروج من المولود و الفاتحہ اور نیچے یہ عبارت لکھوائی: ”بامر حضرت بقیۃ السلف حجتہ الخلف رأس الفقہاء والمحدثین تاج العلماء اکاملین جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی“۔ (۲)

(۱) انوار ساطعہ

(۲) براہین قاطعہ گنگوہی صاحب ہی کی تصنیف ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حکیم عبدالحق رائے بریلوی نے اسے گنگوہی صاحب کی تصانیف میں شمار کرایا ہے اور خلیل احمد انبٹھوی کی تصانیف میں اسے ذکر نہیں کیا۔ عبارت یہ ہے: له مصنفات مختصرة قليلة منها البراهین القاطعہ فی الرد علی الانوار الساطعہ للمولوی عبد السمیع الزمافوری۔ طبع باسم الشیخ خلیل احمد السہارنفوری۔ (نزهة الخواطر ج ۸ ص ۱۶۲ مطبوعہ ندوة العلماء لاہور)



اس کتاب میں گنگوہی صاحب اس قدر آپ سے باہر ہو گئے کہ نہ صرف میلا دو فاتحہ و عرس کو بدعت و ناجائز لکھا اور اسے کنھیا کے جنم ہندوؤں کے سوانگ سے تشبیہ دی اور میلا کرنے والے مسلمانوں کو کفار و ہنود سے بھی بدتر قرار دیا۔ (براہین قاطعہ) بلکہ بدحواسی میں یہ بھی لکھ مارا کہ

(۱) اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ (دیکھئے براہین قاطعہ ص: ۱۶)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح ایک بشر ہیں۔ (ایضاً ص: ۱۲)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شیطان اور ملک الموت سے کہیں کم ہے شیطان اور ملک الموت کے علم کا وسیع ہونا نصوص قطعیہ اور دلائل یقینیہ سے ثابت ہے جب کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علم کا ثبوت کسی نص قطعی اور دلیل یقینی سے نہیں۔ اس لیے آپ کے لیے وسیع علم ماننا شرک ہے۔ (ایضاً ص: ۱۲۲)

(۴) سرکارِ اپنے خاتمہ کا حال معلوم نہیں اور انہیں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ (ایضاً ص: ۱۲۱) (۵) فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اردو علمائے مدرسہ دیوبند سے سیکھی۔ (ایضاً ص: ۶۳)

اس کے علاوہ اپنے پیر بھائی مولانا محمد عبدالسمیع رام پوری کے خلاف اپنی افتاد طبع کے مطابق فحش مغالطات بکنے سے بھی گریز نہیں کیا اور لکھا کہ وہ کم فہم جاہل بے شرم بے غیرت بے سمجھ کم عقل دین سے بے بہرہ ہوش و حواس سے قاصر پھلکوا باز قوت شہوانیہ سے محروم کوز مغز اور تیلی کے تیل وغیرہ وغیرہ ہیں۔ گنگوہی صاحب نے خود کولسانی محاسبہ اور ضابطہ اخلاق سے بالاتر سمجھتے ہوئے جس جاگیر دارانہ ذہنیت کا اظہار کیا ہے ان تمام ملفوظات شریفہ کو باضابطہ یک جا کر دیا جائے تو ایک رسالہ تیار ہو جائے جو مغالطات نویسی اور سب و شتم میں گنگوہی صاحب کے پیشہ ورانہ کمال اور فنی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہوگا۔ (۱) مگر گنگوہی صاحب جیسے لوگوں سے اس کا کیا شکوہ؟ کیوں کہ جب اللہ و رسول کی شان بھی ان کے سمندر قلم کی مندرجہ ذیل سے محفوظ نہیں تو کسی اور کی کیا حیثیت ہے؟

ادھر مولانا رام پوری علیہ الرحمہ کی کتاب انوار ساطعہ جب ان کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر کی خدمت میں مکہ مکرمہ پہنچی تو انھوں نے اسے ملاحظہ کرنے کے بعد مورخہ ۲۲ شوال ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۶ء کو مولانا رام پوری کو ایک خط لکھ کر کچھ اس طرح اظہار خیال فرمایا۔ درحقیقت کتاب کا اصل مضمون اس فقیر اور بزرگان فقیر کے مذہب و مشرب کے مطابق ہے آپ نے خوب لکھا۔

جزاک اللہ خیراً۔ (اللہ تعالیٰ آپ کو جزاے خیر دے)۔ (۲)

اور اسی کے ساتھ تیز قلمی اور غیظ نفسانی والی عبارتوں کو آئندہ ایڈیشن میں کتاب سے خارج کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد مولوی خلیل الرحمن کے ذریعہ یہ بھی کہلوا یا کہ جب دوبارہ کتاب انوار ساطعہ چھپے تو پانچ چھ نئے میرے پاس ضرور بھیج دیے جائیں۔ (۳)

(۱) محترم سید قمر الدین اشرف (علی گڑھی) نے براہین قاطعہ کا مطالعہ کرنے کے بعد مولانا گنگوہی کے مولانا رام پوری پر تسخر اور استہزاء کے ریمارکس اور مغالطات کی تفصیل اپنی کتاب البراہین النافعہ کے باب سوم میں ص: ۱۳۶ سے ص: ۱۶۸ تک صفحہ اور سطر کی نشاندہی کے ساتھ ذکر کی ہے جو میرے دعوے کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ (دیکھئے البراہین النافعہ ڈی. بی بلڈنگ 'نوتخوان بازار' ضلع مہراج گنج یو. پی.)

(۲) پورا خط انوار ساطعہ پر فارسی زبان میں مطبوع ہو چکا ہے

(۳) دیکھئے انوار ساطعہ

ان کے علاوہ اس زمانہ کے ایک نامور عالم دین مصنف انوار ساطعہ کے استاذ پایہ حریم شریفین حضرت مولانا رحمت اللہ بن خلیل الرحمن کیرانوی مہاجر کی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے مولانا رام پوری کو بذریعہ خط لکھا کہ ”آپ کی اور مولوی رشید احمد صاحب کی مخالفت حد درجہ کو پہنچ گئی ہے۔ لہذا یہ مقدمہ جتنا دیر سکے دباؤ اور ہرگز نہ بڑھائیو۔“ (۱)

اس کے بعد مولانا بے دل رام پوری صاحب نے انوار ساطعہ کے اس نسخہ پر ۱۳۰۶ھ میں نظر ثانی کی اور اپنے پیر و مرشد اور استاد کے حکم کے مطابق جو کچھ سخت الفاظ اور طنزیہ کلمات کتاب میں آگئے تھے انہیں یک سر کتاب سے خارج کر دیا اور لکھا مجھ کو رضا جوئی حضرت مرشدی و مولائی کی بجان و دل منظور ہے تعمیل ارشاد مرشد میں قصور (کو تا ہی) کرنا سر اسر قصور ہے۔ (۲)

یہ خیال رہے کہ صاحب انوار ساطعہ مولانا عبدالسمیع رام پوری اور صاحب براہین قاطعہ مولوی رشید احمد گنگوہی دونوں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی کے خلیفہ ہیں حاجی صاحب نے دونوں کو خوب خوب سمجھایا اور ان کے درمیان صلح و مصالحت کی بہت کوشش فرمائی۔ صاحب انوار ساطعہ نے تو اپنے پیر و مرشد کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ مگر گنگوہی صاحب اپنی ضد پراڑے رہے اور اپنے پیر و مرشد کی ایک نہ مانی۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ براہین قاطعہ آج تک اسی انداز سے چھپ رہی ہے جیسی ابتدا میں لکھی گئی تھی۔ یہاں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی کے تعلق سے چند حقائق حاضر خدمت ہیں امداد المصنوع میں حاجی امداد اللہ صاحب نے اپنے خلفا کے بارے میں فرمایا

میرے خلفا دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جنہیں میں نے از خود خلافت دی ہے۔ دوسرے وہ جن کو تبلیغ دین کے لیے ان کی درخواست پر اجازت دی ہے۔

جن خلفا کو از خود خلافت دی ہے انھوں نے پوری طرح حاجی صاحب کی اتباع کی۔ مثلاً مولانا لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۲ھ) مولانا احمد حسن کان پوری (متوفی ۱۳۲۲ھ) مولانا محمد حسین الہ آبادی (متوفی ۱۳۲۲ھ) اور مولانا محمد عبدالسمیع رام پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ) اور جن خلفا نے حاجی صاحب سے اختلاف کیا ان میں مولوی محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) مولوی رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۲ھ) اور مولوی اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ) کے نام سرفہرست ہیں۔ (۳)

اپنے خلفا کے درمیان مسلکی اختلاف کی اطلاع پا کر ان کے تصفیہ کے لیے حاجی صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی جو (۱) مولود شریف (۲) فاتحہ (۳) عرس و سماع (۴) ندائے غیر اللہ (۵) جماعت ثانیہ (۶) امکان نظیر (۷) امکان کذب کے مسائل میں اثبات مسلک اہل سنت پر مشتمل ہے۔ اس فیصلہ ہفت مسئلہ کے ساتھ یہ سلوک ہوا کہ اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ اس وقت تک مولانا اشرف علی تھانوی حاجی صاحب کے مسلک سے کچھ قریب تھے مگر بعد میں انھوں نے بھی انحراف کیا اور مولانا رشید احمد گنگوہی شروع ہی سے اپنے پیر و مرشد کے مسلک و معمول کے برعکس خیالات رکھتے تھے۔ اب نذر آتش کرنے کا

(۱) حوالہ سابق (۲) نفس مصدر ص: ۸

(۳) صابری سلسلہ از وجید احمد مسعود، ص: ۴۶، بدایوں ۱۹۷۱ء۔ بحوالہ اگرین نوازی کی حقیقت ص: ۳۸، از مولانا سلیم اختر مصباحی، دار القلم دہلی

طبع اول ۱۳۲۸ھ/۲۰۰۷ء



حادثہ خواجہ حسن ثانی نظامی (درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی) کی زبانی سنئے

نذر آتش کرنے کی یہ خدمت والدی حضرت خواجہ حسن نظامی کے سپرد ہوئی جو اس وقت گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے یہاں زیر تعلیم تھے۔ لیکن خواجہ صاحب نے جلانے سے پہلے اس کو پڑھا اور جب ان کو وہ کتاب اچھی معلوم ہوئی تو انھوں نے استاد کے حکم کی تعمیل میں آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی بچا کر رکھ لیں۔

اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا گنگوہی سے ملنے آئے اور ان سے پوچھا کہ میں نے کچھ کتابیں تقسیم کرنے کے لیے آپ کے پاس بھیجی تھیں ان کا کیا ہوا؟ مولانا گنگوہی نے اس کا جواب ”خاموشی“ سے دیا۔ لیکن کسی حاضر الوقت نے کہا کہ علی حسن (خواجہ حسن نظامی) کو حکم ہوا تھا کہ انھیں جلا دو۔ مولانا تھانوی نے میاں علی حسن سے پوچھا کہ کیا واقعی تم نے کتابیں جلا دیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ استاد کا حکم ماننا ضروری تھا اس لیے میں نے آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی میرے پاس موجود ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب بیان کرتے تھے کہ مولانا تھانوی اس سے اتنے خوش ہوئے کہ آم کھا رہے تھے فوراً 2 آم اٹھا کر مجھے انعام میں دیے۔ (۱)

حضرت حاجی صاحب نے اپنے خلیفہ حضرت مولانا صوفی محمد حسین الدیادی کے نام ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۳ء میں مکہ مکرمہ سے ایک خط لکھ کر معلوم کیا کہ ہماری تحریر سے اختلاف کا کچھ تصفیہ ہوا یا نہیں؟ تو آپ نے تحقیق حال کر کے حاجی صاحب کو لکھا کہ علمائے دیوبند نے آپ کی تحریر کو نگاہ غلط انداز سے بھی نہ دیکھا، بلکہ فیصلہ مفت مسئلہ کو نذر آتش کر دیا۔ (۲)

ساتھ ہی جرأت و جسارت اور اپنے شیخ کے مقابلے میں سینہ زوری ایسی تھی کہ بقول مولانا رشید احمد گنگوہی جس فن کے امام حاجی صاحب ہیں اس میں ہم ان کے مقلد ہیں باقی فرعیات کے امام ہم ہیں۔ حاجی صاحب کو چاہیے کہ ہم سے پوچھ کر عمل کریں۔

اور مولوی قاسم نانوتوی نے کہا: ”ہماری معلومات زائد اور حاجی صاحب کا علم زائد ہے۔“

اور مولوی اشرف علی تھانوی نے تو اس اختلاف کو جائز قرار دینے کے لیے اپنی ساری قابلیت صرف کر دی۔ مگر ساتھ ہی ازراہ انصاف یہ بھی تحریر کیا کہ بقول شخصے ”تا نباشد چیز کے مردم گویند چیز ہا“۔ (۳)

بہر حال اس کتاب کے تاریخی پس منظر اور پیش منظر پر نگاہ ڈالنے کے بعد یہ تاریخی حقیقت ابھر کر سامنے آگئی کہ اس وقت سنیت اور دیوبندیت کا اختلاف دراصل حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی کے خلفاء کے مابین پیدا ہوا اور ان ہی کے درمیان پلا بڑھا اور پروان چڑھا اور اس میں دیگر علماء و مشائخ کی شرکت بہت بعد میں ہوئی۔ لہذا یہ کہنا کہ سنیت اور دیوبندیت کے درمیان اختلاف کا آغاز مولانا احمد رضا بریلوی نے کیا تاریخ سے ناواقفیت اور جہالت پڑتی ہے۔

براہین قاطعہ کا ایک تاریخی پہلو یہ بھی ہے کہ جب یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی تو مولانا غلام دستگیر قصوری اور مولوی خلیل احمد انیسٹھوی جن کے درمیان پہلے دوستانہ تعلقات تھے ایک دوسرے کے سخت مخالف ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولوی خلیل احمد

(۱) ماہ نامہ منادی دہلی جلد ۳۹ شماره ۱۲ ص ۲۲ بحوالہ تقدیس الوکیل (حاشیہ) ص ۷۷ نوری بک ڈپولا ہور

(۲) صابری سلسلہ ص ۳۷۰ (۳) حوالہ سابق

انیسٹھوی اس زمانے میں مدرسہ عربیہ ریاست بہاول پور (پاکستان) میں مدرسہ اول کے عہدہ پرفائز تھے اور علمائے اہل سنت کی ان تمام تحریروں پر ان کی تائیدات و تصدیقات ہوتی تھیں جو اعتقادی و فکری مسائل پر سامنے آتیں۔ ”ابحاث فرید کوٹ“ میں مولوی خلیل احمد صاحب ان تمام اعتقادی مسائل کو تصدیقی مہروں سے مزین فرما چکے تھے جو علمائے اہل سنت کے اعتقادی نظریات پر مبنی تھے۔ براہین قاطعہ چوں کہ انیسٹھوی صاحب کے نام سے چھپی تھی اس لیے اس کو دیکھنے کے بعد مولانا غلام دستگیر قصوری صاحب کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور وہ بہ نفس نفیس بہاول پور پہنچے اور اپنے دیرینہ دوست سے براہ راست گفتگو کر کے صورت حال معلوم فرمائی اور انہیں سمجھانے کی بہت کوشش فرمائی، مگر انیسٹھوی صاحب کو اپنی ضد پر قائم پا کر حیرت زدہ رہ گئے۔ جب انھوں نے افہام و تفہیم کی تمام تدبیروں کو ناکام ہوتے ہوئے دیکھا تو انیسٹھوی صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ انیسٹھوی صاحب اپنے ساتھ چھ دیوبندی علماء لے کر حاضر ہوئے اور مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ساتھ 6 علمائے اہل سنت کے ہمراہ تشریف لائے۔ سوال ۱۳۰۶ھ میں بمقام بہاول پور نواب بہاول پور کی نگرانی میں ان مسائل پر مناظرہ ہوا جو انوار ساطعہ اور براہین قاطعہ میں زیر بحث آچکے تھے۔ اس مناظرہ کے حکم اور فیصلہ والی ریاست بہاول پور کے پیر و مرشد شیخ المشائخ خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف تھے۔ مناظرہ میں مولوی خلیل احمد انیسٹھوی کو شکست فاش ہوئی اور حکم مناظرہ نے یہ فیصلہ سنایا کہ ”انیسٹھوی صاحب مع اپنے معاونین کے وہابی اہل سنت سے خارج ہیں۔“ اس فیصلہ کے بعد مولوی خلیل احمد صاحب کو بہاول پور سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔

اس مناظرہ کی تفصیلی روداد مولانا قصوری علیہ الرحمہ نے ”تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل“ کے نام سے لکھی پھر اس کے مباحث کا عربی ترجمہ کر کے علمائے حرمین طہیین سے اپنے موقف کے حق ہونے اور انیسٹھوی صاحب کے موقف کے باطل ہونے پر تصدیقات و تقریظات لکھوائیں اور انہیں بھی کتاب میں شامل کر کے شائع کیا۔ (۱) ان تصدیقات و تقریظات میں شیخ الدلائل مولانا محمد عبدالحق آبادی (متوفی ۱۳۳۳ھ)، شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر کی اور اساتذہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے علاوہ پایہ حرمین شریفین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر کی کی صفحات پر مشتمل طویل تقریظ و تصدیق ہے جس کے بنیادی عناصر درج ذیل ہیں

(الف) میں جناب مولوی رشید کور رشید سمجھتا تھا، مگر میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے۔ (یعنی نارشید) جس طرف آئے اس طرف ایسا تعصب برتا کہ اس میں ان کی تقریر اور تحریر دیکھنے سے روکنے کھڑے ہوتے ہیں۔

(ب) پھر مولوی رشید احمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے (امام حسینؑ) کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی شہادت کے بیان کو بڑی شدت سے محرم کے دنوں میں، گو کیسا ہی روایت صحیح سے ہو منع فرمایا۔ حالانکہ حضوت شاہ ولی اللہ صاحب سے جناب مولانا اسحاق مرحوم تک عادت تھی کہ عاشورے کے دن بادشاہ دہلی کے پاس جا کر روایات صحیح سے بیان حال شہادت کرتے تھے۔

(ج) پھر حضرت رشید نے جو نواسے کی طرف توجہ کی تھی اس پر بھی اکتفا نہ کر کے خود ذات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی طرف توجہ کی۔ پہلے مولود کو کنہیا کے جنم اشٹمی ٹھہرایا اور اس کے بیان کو حرام بتلایا، اور کھڑے ہونے کو گو کوئی کیسے ذوق و شوق میں ہو بڑا منکر فرمایا۔

(۱) تقدیس الوکیل ص ۱۳۵۱ نوری بک ڈپولا ہور، پاکستان



(د) پھر ذات نبوی ﷺ میں اس پر بھی اکتفا نہ کر کے اور امکان ذاتی سے تجاوز کر کے چھ خاتم النبیین بالفعل ثابت کر بیٹھے۔  
 (ه) اور امکان ذاتی کے باعتبار تو کچھ حد ہی نہ رہی اور ان کا مرتبہ کچھ بڑے بھائی سے بڑا نہ رہا۔  
 (و) اور بڑی کوشش اس میں کی کہ حضرت محمد ﷺ کا علم شیطان لعین کے علم سے کہیں کم تر ہے۔ اور اس عقیدے کے خلاف کو شرک ٹھہرایا۔

(ز) پھر اس توجہ پر جو ذات اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی اکتفا نہ کیا، ذات اقدس الہی کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور جناب باری تعالیٰ کے حق میں دعویٰ کیا کہ اللہ کا جھوٹ بولنا ممتنع بالذات نہیں بلکہ امکان جھوٹ بولنے کو اللہ کی بڑی صفت کمال کی فرمائی۔ نعوذ باللہ من هذا الخرافات۔

(ح) میں تو ان امور کو ظاہر و باطن میں بہت برا سمجھتا ہوں اور اپنے مجاہدین کو منع کرتا ہوں کہ حضرت مولوی رشید کے اور ان کے چلیے چانٹوں کے ایسے ارشادات نہ سنیں۔ (۱)

اب اس کے بعد ان اکابر علمائے ہند کے اجمالی احوال قارئین کرام کے سامنے رکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جنہوں نے انوار ساطعہ کی تائید و تصدیق کی اور اس پر گراں قدر تقریظات لکھیں۔ ان علماء و مشائخ کی تعداد 24 ہے۔

## انوار ساطعہ کی تصدیق و تائید کرنے والے معاصر علمائے ہند

(۱): حضرت مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء)

پلکھنہ ضلع علی گڑھ (بو. پی) میں ۱۲۴۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی والد کا نام اسد اللہ بن فیض اللہ ہے مقامی معلموں سے ابتدائی درسیات پڑھنے کے بعد مدرسہ فیض عام کان پور میں مفتی عنایت احمد کا کوری (متوفی ۱۲۷۹ھ) سے مروجہ علوم و فنون کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ فیض عام کان پور اور مدرسہ جامعہ مسجد علی گڑھ میں تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد والی ریاست حیدرآباد کی دعوت پر حیدرآباد گئے اور وہاں دارالعلوم کے صدر المدرسین اور پھر مفتی عدالت کے عہدے پر تقرر ہوا مولانا شاہ احمد حسن کان پوری نواب حبیب الرحمن خاں شروانی وغیرہ آپ کے تلامذہ ہیں۔ مروجہ علوم و فنون میں مہارت ہی کی بنا پر کثیر علماء نے آپ سے استفادہ کیا اور "استاذ العلماء" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ کان پور میں قیام کے دوران غیر مقلد عالم اسماعیل علی گڑھی سے تحریری مناظرہ کیا۔ (۲)

(۲): حضرت مولانا فیض الحسن سہارن پوری (متوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء)

سہارن پور کے ایک زمین دار گھرانے میں مولانا حافظ علی بخش بن خدا بخش قریشی کے یہاں ۱۸۱۶ء/۱۲۳۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور مروجہ عربی و فارسی کی کتابیں گھر ہی پر اپنے والد سے پڑھیں پھر مفتی صدر الدین آزدہ شاہ احمد سعید مجددی علامہ فضل حق خیر آبادی وغیرہ سے معقولات و منقولات کی کتابیں پڑھیں مولانا امام بخش صہبائی، حکیم مومن خان مومن، مرزا اسد اللہ خاں غالب اور

(۱) تقدیس الوکیل: ص: ۳۱۵، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵



(۴): حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد حسین فاروقی مجددی رام پوری (متوفی ۱۳۱۱ھ)

آپ ۱۲ صفر ۱۲۳۸ھ کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام احمد حسین بن غلام محی الدین ہے، حضرت خواجہ محمد یحییٰ خلف اصغر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سے نبی تعلق تھا، علماء رام پور و کھنؤ سے درسی کتابیں پڑھنے کے بعد حضرت مولانا محمد نواب خاں مجددی سے تکمیل کی۔ دہلی جا کر حضرت مولانا شاہ احمد سعید مجددی سے مرید ہوئے، محبوبیت و مرادیت کا بلند مقام پایا، اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کا شمار حضرت شاہ احمد سعید مجددی علیہ الرحمہ کے بلند پایہ خلفاء میں ہوتا تھا۔ آپ حافظ قرآن، محدث، مفسر، فقیہ، مفتی، درویش، مدبر تھے غرض کہ کمالات ظاہری و باطنی کے مخزن تھے۔ آپ اپنے زمانے کے بزرگ ترین عالم دین، مرشد، طریقت اور مصلح قوم و ملت تھے۔ نواب کلب علی خاں غلام آشیاں والی رام پور سے زمانہ طالب علمی سے ہی محبت و مودت تھی، نواب صاحب والی تخت و تاج ہونے کے بعد آپ کا بے حد اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ امور سلطنت میں بھی آپ سے مشورہ لیتے تھے اور اوراد و وظائف، حلقہ، ذکر اور درس و تدریس سے آپ کے اوقات معمور تھے۔ ہر جمعہ کو بعد نماز اپنی مسجد میں وعظ فرماتے جو بڑا پر اثر ہوتا، ذوق و شوق اور گریہ و کما سے مجلس وعظ، حشر کا نمونہ ہوتی۔ مسلمانان اہل سنت پر حد درجہ شفقت فرماتے اور باطل پرستوں اور بد مذہبوں سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد کی کتاب معیار حق کے جواب میں انصار الحق لکھی، مولانا سید دیدار علی الوری، مولانا سلامت اللہ رام پوری، مولانا ظہور الحسن رام پوری، مولانا عبدالغفار خاں رام پوری وغیرہ آپ کے مشہور شاگرد ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے بھی رام پور میں آپ سے فقہ کا درس لیا۔ تصنیفات میں انصار الحق، ارشاد الصرف اور ترجمہ کتاب الحیل فتاویٰ عالمگیری ہے۔ (۱)

(۵): اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی (متوفی ۱۳۳۰ھ/۱۹۲۱ء)

آپ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ/جون ۱۸۵۶ء کو صوبہ اتر پردیش کے مشہور شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے ذہانت و فطانت اور ولایت کے آثار آپ کی پیشانی سے ہو جاتے۔ درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی تقی علی خاں قادری بریلوی (متوفی ۱۲۵۷ھ) سے بریلی ہی میں کی۔ ۱۲۸۶ھ میں تیرہ برس کی مختصر عمر میں ہی درسیات کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ خاتم الاکابر حضرت مولانا شاہ آل رسول مارہروی سے بیعت ہوئے۔ اسی وقت اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ ۱۲۹۵ھ میں پہلی بار والد ماجد کے ہمراہ حج و زیارت کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ شیخ عبدالرحمن سراج مفتی احناف مکہ مکرمہ نے فقہ کی اور شیخ الاسلام علامہ احمد زینی دحلان نے حدیث کی اجازت و سند دی۔ مولانا حسین صالح شافعی امام مسجد حرام بغیر کسی سابقہ تعارف کے مقام ابراہیم میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو تھامے ہوئے: اِنِّیْ لَا جِدُّ نُوْرُ اللّٰہِ فِیْ ہٰذَا الْجَبِیْنِ فرماتے رہے اور ضیافت کے بعد صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت و سند دے کر رخصت کیا۔ ۱۳۲۳ھ میں دوسری بار حج و زیارت کے موقع پر علمائے حرمین شریفین نے آپ کا حد درجہ اعزاز و اکرام کیا، بڑے بڑے علماء و مشائخ نے آپ سے علمی استفادہ کیا، اجازت و خلافت حاصل کی اور آپ کے علمی تبحر اور فقیہانہ بصیرت و ژرف نگاہی کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ عظیم حنفی عالم علامہ صالح کمال مکی کے علم

(۱) (الف) تذکرہ کلامان رام پور: ص ۳۰-۳۳ مطبوعہ خدابخش اور نیشنل لائبریری، پٹنہ ۱۹۸۶ء۔ (ب) تذکرہ علمائے اہل سنت: ص ۲۳-۲۵، مطبوعہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد پاکستان، ۱۹۹۲ء۔ (ج) نزہۃ الخواطر: ج ۸: ص ۵۷-۵۸

غیب نبوی سے متعلق پانچ علمی سوالات کے جواب میں بغیر مراجعت کتب تین دن کی مختلف نشستوں میں ساڑھے آٹھ گھنٹے میں ”الدولۃ المکیہ“ نامی کتاب عربی زبان میں تصنیف کی۔ اور دوسرے بعض علمائے مکہ ہی کے سوال کے جواب میں ”کفیل الفقیہ الفہام فی احکام قرطاس الدراہم“ لکھی جس میں کرنسی نوٹ کے متعلق احکام و مسائل کو فصیح عربی میں بڑی وضاحت سے بیان کیا۔ پوری زندگی تحریر و تقریر اور تصنیف و افتا کے ذریعہ مذہب اہل سنت کی خدمت اور تائید و حمایت کرتے رہے اور ہر باطل فرقہ اور غیر اسلامی تحریک سے قلمی جہاد فرمایا۔ آپ کی خدمات جلیلہ کے اعتراف میں اکابر علمائے اہل سنت نے آپ کے مجدد ہونے کا اعلان و اعتراف کیا۔ عربی، اردو اور فارسی زبانوں میں سیکڑوں کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ ۲۵ صفر ۱۳۳۰ھ/۱۹۲۱ء کو بریلی میں آپ کا وصال ہوا۔ (۱)

(۶): تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ)

آپ علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کے فرزند اصغر ہیں، ۱۷ رجب ۱۲۵۳ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا جان مولانا شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہ العزیز نے تاریخی نام ”مظہر حق“ تجویز فرمایا، ”عبدالقادر“ اصل قرار پایا۔ استاذ العلماء مولانا نور احمد بدایونی (متوفی ۱۳۰۱ھ) سے تحصیل علم شروع کی۔ اکوڑ اور دہلی میں رہ کر حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی سے علوم و فنون کی تحصیل کی۔

علامہ خیر آبادی آپ کے بڑے مداح تھے، آپ پر ناز فرماتے تھے۔ اکثر فرماتے کہ ”صاحب قوت قدسیہ ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے، وقاعدہ وقت اور عصر بعد عصر پیدا ہوتے ہیں، اگر اس زمانے میں کسی کا وجود مانا جائے تو آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ یہ ہیں“

علامہ فضل حق خیر آبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ) کے شاگردوں میں استاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری (متوفی ۱۳۲۶ھ) مولانا فیض الحسن سہارن پوری (متوفی ۱۳۰۳ھ) مولانا عبدالحق خیر آبادی (متوفی ۱۳۱۶ھ) اور حضرت تاج الفحول عناصر راجہ سمجھے جاتے تھے۔

مولانا عبدالحق خیر آبادی آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ: ”یہ تینوں علماء کسی خاص فن میں یکتاے روزگار ہیں مگر مولانا عبد القادر بدایونی کا تبحر اور جامعیت تمام علوم و فنون میں ہے۔“ تعلیم سے فارغ ہونے بعد اپنے والد ماجد سے حدیث کی سند حاصل کی اور ان ہی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

۱۲۷۹ھ میں پہلے سفر حج و زیارت کے موقع پر شیخ جمال عمر کی سے سند حدیث حاصل کی۔ ۱۲۹۰ھ میں بغداد شریف کا سفر کیا اور حضرت نقیب الاشراف نے آپ کا بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ شروع میں آپ کو درس و تدریس سے خصوصی شغف تھا، بڑی توجہ اور انتہاک سے تعلیم دیتے تھے۔ آخر میں مصروفیات کی کثرت کے باعث تدریس کا مشغلہ ترک کر دیا تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی (متوفی ۱۳۳۰ھ) آپ کا بڑا احترام فرماتے تھے۔ مولانا محبت احمد بدایونی، مولانا فضل احمد بدایونی، مولانا فضل مجید بدایونی اور حافظ بخاری مولانا سید عبد الصمد چشتی جیسے نام ور علماء آپ کے شاگرد ہیں۔

(۱) (الف) تذکرہ علمائے اہل سنت: ص ۳۲-۳۶ (ب) اور تفصیل کے لیے دیکھیے حیات اعلیٰ حضرت از ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی بہاری



پوری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور اپنی تقریر و تحریر سے مذہب اہل سنت کی نصرت و حمایت فرماتے رہے۔ اپنے زمانے کے چند نامور اکابر علمائے اہل سنت میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ فارسی، عربی اور اردو میں متعدد تصانیف اور شعری دیوان آپ کی یادگار ہیں۔ (۱)

(۷): حضرت مولانا شاہ محمد عبید اللہ کی بدایونی (متوفی ۱۳۱۵ھ)

آپ حضرت مولانا شیخ عبدالکریم کی کے فرزند ارجمند ہیں۔ مولانا حبیب الرحمن ردولوی، مولانا آل احمد پھلواری، شیخ جمال الدین کی مفتی احناف مکہ مکرمہ اور کبار علمائے حرمین شریفین سے علم حاصل کیا۔ پھر ہندوستان آئے اور علامہ شاہ فضل رسول عثمانی بدایونی قدس سرہ (متوفی ۱۲۸۹ھ) سے تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم اور استاذ الاساتذہ تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ محمدیہ جامع مسجد بمبئی کے مدرس مقرر ہوئے۔ تیس سال تک مختلف علوم فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ ایک خلقت نے آپ سے علم حاصل کیا۔ علامہ فضل رسول بدایونی سے بیعت تھے، شیخ و مرشد کی محبت میں اس قدر شیدا تھے کہ اپنے کو ”بدایونی“ لکھتے تھے۔ بڑے متقی، پرہیزگار اور عابد شب زندہ دار تھے۔ ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے، مولانا محمد عمر الدین قادری ہزاروی آپ کے شاگرد رشید اور مولانا سید شاہ غلام حسین جونا گڑھی آپ کے نامور خلیفہ تھے۔ بمبئی میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ (۲)

(۸): حضرت مولانا صوفی سید عماد الدین رفاعی سورتی گجراتی (متوفی ۱۳۱۰ھ)

مولانا سید عماد الدین رفاعی بن شاہ جہاں بن زین العابدین رفاعی ۱۲۴۶ھ کو گجرات کے مشہور شہر سورت میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں پلے بڑھے اور پروان چڑھے اپنے زمانے کے جلیل القدر علماء سے علم حاصل کیا۔ فقہ عقائد، نحو و صرف اور علوم عربیہ میں مہارت تامہ حاصل تھی، اور اُس زمانے کے نامور علماء میں شمار کیے جاتے تھے، سورت سے نقل مکانی کر کے جھنڈی بازار بمبئی میں سکونت اختیار کی، اور وہیں ۴ صفر ۱۳۱۰ھ کو وصال فرمایا۔ (۳)

(۹): حضرت مولانا وکیل احمد خفی سکندر پوری (م ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء)

مولانا وکیل احمد بن قلندر حسین بن محمد وسیم، حضرت شاہ محمد عبدالعلیم آسی رشیدی علیہ الرحمہ (م ۱۳۳۵ھ) کے چچا زاد بھائی تھے۔ ۹ ربیع الحج ۱۲۵۸ھ میں اپنے گاؤں سکندر پور ضلع بلیا (یو. پی.) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ حضرت مولانا عبد الحکیم فرنگی محلی کا شاگرد بن کر جون پور پہنچے۔ مولانا فرنگی محلی نے نور الانوار کا حاشیہ قمر الاقمار آپ ہی کے لیے لکھا تھا۔ ۱۲۷۶ھ میں درس نظامی کی کتابوں سے فراغت ہوئی۔ لکھنؤ میں حکیم نور کریم دریا آبادی لکھنؤ سے طب پڑھی، کچھ عرصہ مطب بھی کیا۔ ۱۲۸۳ھ میں حیدر آباد دکن گئے، اور سرکار آصفیہ کے صوبہ شرقی کے نائب مقرر ہوئے۔ بڑے ذہین، طباع اور باصلاحیت تھے، قوت حافظہ بڑے غضب کی تھی۔ مولانا عبد الحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) اور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ) کے

(۱) (الف) اکل التاريخ حصہ دوم (ب) تذکرہ علمائے اہل سنت، ص: ۱۲۵-۱۲۷

(۲) (الف) اکل التاريخ، ج ۲، ص (ب) تذکرہ علمائے اہل سنت، ص: ۱۸۱

(۳) (الف) نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص: ۳۳۱-۳۳۲

درمیان جب مشہور تحریری مناظرہ ہوا تو آپ مولانا فرنگی محلی کے دوش بدوش تھے اور نواب کے رسالہ منظوم کا جواب نظم میں بعنوان دیوان خفی دیا اور نشر کا جواب نشر میں دیا۔ اپنے زمانے کے مشہور اکابر علمائے اہل سنت سے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علامہ شاہ احمد رضا بریلوی سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ سلسلہ عالیہ میں حضرت مولانا شاہ میر اشرف علی بن مولانا میر سلطان علی قدس سرہما سے بیعت تھے۔ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء کو حیدرآباد میں انتقال ہوا۔ آپ نے مختلف علوم و فنون میں بہت سی کتابیں یادگار چھوڑیں جن کی تعداد نوے تک پہنچتی ہے۔ (۱)

(۱۰): حضرت مولانا نذیر احمد خاں رام پوری (م ۱۳۲۳ھ)

والد کا نام مولوی محمد خاں تھا، رام پور میں ولادت ہوئی، علمائے رام پور پھر علمائے دہلی سے علوم دینیہ و عقلیہ کی تعلیم حاصل کی فن طب بھی حاصل کیا، عربی زبان و ادب میں بڑا کمال حاصل تھا، تحریک ندوہ کے سخت مخالف تھے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کی کفری عبارت پر سب سے پہلے ۱۳۰۹ھ میں فتویٰ تکفیر صادر فرمایا، جو خیر المطالع میرٹھ سے طبع ہوا تھا۔ آپ بڑے متقی، پرہیزگار اور صاحب عرفان بزرگ تھے۔ مدرسہ طیبہ احمد آباد گجرات میں مدرس تھے، اس علاقے میں آپ کے علم و فضل کا بڑا شہرہ تھا۔ تمام علوم و فنون میں کامل دست گاہ تھی، طب میں بھی بڑی مہارت تھی۔ ۱۳۲۳ھ میں احمد آباد ہی میں انتقال ہوا۔ درج ذیل کتابیں آپ کی تصانیف ہیں:

(۱) رسالہ النذیر الاحمد (تحریک ندوہ کا رد) (۲) امطار الحق (غیر مقلدین کے رد میں) (۳) السیف المسلول علی منکر علم غیب الرسول (۴) البوارق اللامع علی من اراد اطفاء الانوار الساطعہ۔ (۲)

(۱۱): حضرت مولانا محمد فاروق چریا کوٹی (م ۱۳۲۷ھ)

آپ قاضی علی اکبر بن قاضی عطاءے رسول عباسی چریا کوٹی کے فرزند اصغر تھے۔ چریا کوٹ ضلع اعظم گڑھ (حال ضلع منو) میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ اپنے بڑے بھائی قاضی عنایت رسول عباسی چریا کوٹی (م ۱۳۲۰ھ) سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی کتابیں پڑھیں، علم ہیئت مولانا رحمت اللہ فرنگی محلی (م ۱۳۰۵ھ) سے غازی پور میں اور علم فقہ و اصول فقہ مفتی محمد یوسف فرنگی محلی (م ۱۲۸۲ھ) سے مدرسہ امامیہ حنفیہ، جون پور میں حاصل کیا اور حاشیہ زاہد یہ بر شرح ملا جلال مولانا ابوالحسن منطقی سے پڑھا۔ مختلف مقامات پر تعلیم و تدریس کا کام کیا۔ فارسی و عربی زبان و ادب میں بڑی مہارت تھی، ۱۰ ارشوال ۱۳۲۷ھ کو انتقال ہوا۔ (۳)

(۱۲): حضرت مولانا محمد عبد المجید فرنگی محلی (م ۱۳۴۰ھ)

یہ مولانا عبد الحکیم بن عبد الرب بن بحر العلوم علامہ عبد العلی لکھنؤی فرنگی محلی کے صاحب زادے ہیں۔ لکھنؤ ہی میں ولادت اور نشو و نما ہوئی۔ کچھ دن اپنے چچا مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (م ۱۳۱۸ھ) سے تعلیم پائی۔ پھر ابوالحسنات مولانا عبد الحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) سے اکثر درسی کتابیں پڑھیں۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا عین القضاۃ حیدر آبادی (م ۱۳۲۳ھ) سے تعلیم مکمل کی، پھر حج و زیارت کے لیے حرمین طہیین کا سفر کیا۔ واپسی کے بعد کیننگ کالج، لکھنؤ میں بحیثیت

(۱) (الف) تذکرہ علمائے اہل سنت، ص: ۲۵۶ (ب) نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص: ۵۲۳-۵۲۵

(۲) (الف) تذکرہ علمائے ہند (فارسی) از رحمان علی، ص: ۲۰۷-۲۱۰ (ب) نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص: ۴۷۷-۴۷۹

(۳) (الف) تذکرہ علمائے ہند (فارسی) از رحمان علی، ص: ۲۰۷-۲۱۰ (ب) نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص: ۴۷۷-۴۷۹



استاذ تقرر ہو گیا۔ فقہ اصول فقہ اور علوم عقلیہ میں ماہر تھے، متواضع اور خوش اخلاق تھے، اسی لیے لوگوں کے محبوب نظر اور فقہ و افتاء کے مرجع تھے اور عید گاہ کے خطیب بھی۔ ۱۳۴۰ھ میں لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ (۱)

(۱۳): حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ)

کنیت ابو الحسنات اور والد کا نام مولانا عبدالحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر انصاری لکھنوی فرنگی محلی ہے۔ آپ کا نسب سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ۱۲۶۲ھ میں بمقام باندہ (یو. پی.) آپ کی ولادت ہوئی۔ گیارہ برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور سترہ برس کی عمر میں علوم نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ درس نظامی کی ساری کتابیں اپنے والد گرامی حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی قدس سرہ (م ۱۲۸۵ھ) سے پڑھیں اور علم ہیئت کی بعض کتابیں اپنے والد کے ماموں مفتی نعمت اللہ بن نور اللہ فرنگی محلی سے پڑھیں۔ فراغت کے بعد ایک عرصہ تک حیدر آباد (دکن) میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے، پھر اپنے وطن فرنگی محل لکھنؤ چلے آئے اور یہیں مدرسہ نظامیہ میں تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے۔ آپ پوری زندگی درس و افتادہ اور خدمت دین میں مصروف رہے۔ دوبار حج و زیارت کی سعادت پائی۔ پہلی بار ۱۲۷۹ھ میں اپنے والد گرامی کے ساتھ اور دوسری بار ۱۲۹۶ھ میں جب کہ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ کو علمائے مکہ میں سے علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی اور مفتی محمد بن عبد اللہ جنبلی سے اور علمائے مدینہ منورہ میں سے شیخ محمد بن محمد غربی شافعی اور شاہ عبدالغنی بن ابوسعید خفنی دہلوی سے حدیث کی سند حاصل تھی۔ مختلف موضوعات پر درجنوں کتابیں تحریر کیں۔ مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی کی تردید میں رسالے لکھے۔ ۳۸ برس کی مختصر عمر میں بے شمار دینی و علمی کارنامے انجام دیے۔ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی قبر باغ مولوی انوار لکھنؤ میں ہے جہاں آپ کے خاندان کے بہت سے لوگ محو استراحت ہیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی اور مولانا سید عین القضاۃ حیدر آبادی لکھنوی جیسے نام ور علمائے اہل سنت آپ کے شاگرد ہیں۔ (۲)

(۱۴): حضرت مولانا شاہ محمد عادل کان پوری (م ۱۳۲۵ھ)

آپ کی ولادت قصبہ نارہ ضلع الہ آباد میں ۱۱ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ میں ہوئی۔ تاریخی نام ”غلام نعیم“ تھا، چھ سال کی عمر میں اپنے والد شیخ محی الدین بخش بن کریم بخش کے پاس فتح پور آئے جہاں وہ منصف تھے۔ اور یہاں کے علماء سے کافیہ تک کتابیں پڑھیں۔ بیس سال کی عمر میں حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی (متوفی ۱۲۸۱ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تعلیم مکمل کی۔ حضرت کشفی نے ۱۰ ربیع الآخر ۱۲۷۶ھ کو تعلیم سے فراغت کے بعد سند فضیلت سے نوازا۔ ۱۲۸۲ھ میں علامہ سید احمد دحلان مکی نے سند حدیث بھیجی جس میں آپ کو ”قدوة العلماء الأعلام“ کے لقب سے یاد کیا جس کے آپ صحیح مصداق تھے۔ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۲ھ میں قطب عالم حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز اخوند دہلوی (متوفی ۱۲۹۶ھ) سے دہلی میں بیعت ہوئے اور اسی مجلس میں اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ ۲۱ محرم الحرام ۱۲۹۷ھ میں حضرت شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی قدس سرہ (متوفی ۱۳۲۳ھ)

(۱) نزہۃ الخواطر ج ۸/ص ۳۲۹

(۲) (الف) علمائے اہل سنت ص ۱۳۳ (ب) نزہۃ الخواطر ج ۸/ص ۲۵۰-۲۵۶ (ج) تذکرہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی (از راقم سطور نقیض احمد مصباحی) مشمولہ مقدمہ ہدایہ ج ۱ مطبوعہ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

نے بھی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ کان پور میں اپنے استاذ شاہ سلامت اللہ کشفی کی مسند پر بیٹھ کر پوری زندگی تدریس افتاء اور خدمت دین میں گزاری۔ ۹ رذوالحجہ ۱۳۲۵ھ کو اس دار فانی سے کوچ کیا۔ حضرت کشفی علیہ الرحمہ کی مزار کے پاس مدفون ہوئے۔ مشہور قاری حضرت مولانا ضیاء الدین ناروی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۵۸ء) آپ کے نواسے تھے۔ آپ کی تصانیف میں تنزیہ الفقہ ادعٰی سوء الاعتقاد بہت مشہور ہے۔ یہ کتاب دہائیوں کے رد میں ہے۔ (۱)

(۱۵): حضرت مولانا عبدالحق خفنی دہلوی صاحب تفسیر حقانی (م ۱۳۳۵ھ)

والد کا نام محمد میر تھا، آپ کی پیدائش گتھلہ ضلع انبالہ (پنجاب) میں ۲۷ رجب ۱۲۶۷ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی، پھر کانپور آئے اور کچھ کتابیں مولانا عبدالحق بن غلام رسول حسینی کانپوری (متوفی ۱۳۱۲ھ) سے اور پیش تر استاذ العلماء مولانا لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۳ھ) سے پڑھیں، پھر مراد آباد میں مولانا عالم علی ٹکینوی سے صحاح ستہ کا درس لیا اور دہلی میں میاں نذیر حسین دہلوی (غیر مقلد) سے بھی حدیث پڑھی۔ پھر فتح پور مسجد دہلی کے مدرسہ میں مدرس ہو گئے اور ایک زمانہ تک درس و تدریس کا کام کرتے رہے۔ وہیں شادی کر کے مستقل رہائش اختیار کر لی۔ پھر تدریس کا مشغلہ ترک کر کے تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے۔ ریاست حیدر آباد (دکن) سے وظیفہ جاری ہو گیا، آخر عمر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں پانچ سو روپے ماہانہ پر تقرر ہو گیا، انگریزی حکومت سے ”مفسر العلماء“ کا خطاب ملا۔ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ کو انتقال ہوا۔ تصنیفات میں التعلیق النامی علی الحسامی (عربی) عقائد الاسلام (اردو) البرہان فی علوم القرآن (اردو) اور فتح المنان فی تفسیر القرآن معزوف بہ تفسیر حقانی (اردو) مشہور ہیں۔ (۲)

(۱۶): حضرت مولانا محمد یعقوب بن مولانا محمد کریم اللہ دہلوی (م ۱۳۰۴ھ)

ولادت اور نشوونما دہلی میں ہوئی۔ اپنے والد مولانا کریم اللہ دہلوی (متوفی ۱۲۹۱ھ) سے تعلیم حاصل کی اور ایک زمانہ تک ان کی صحبت میں رہ کر اکتساب فیض کیا۔ آپ کے والد گرامی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) مولانا رشید الدین خاں دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) اور مولانا محمد کاظم دہلوی کے شاگرد اور حضرت مولانا سید آل احمد اچھے میاں مارہروی (متوفی ۱۳۶۲ھ) کے مرید و خلیفہ تھے والد گرامی کے انتقال کے بعد درس و تدریس اور تذکیر و ارشاد میں ان کے جانشین ہوئے، اپنے زمانے میں تدریس و افتاء میں بہت مشہور تھے، اہل شہر کے محبوب نظر اور مرکز نگاہ تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مقبولیت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی تھی۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ کو دہلی میں انتقال ہوا اور خواجہ عبدالباقی نقشبندی کے مقبرہ میں اپنے والد کے پاس مدفون ہوئے۔ (۳)

(۱۷): پایہ حریم شریفین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی (م ۱۳۰۸ھ)

آپ کا نسب تعلق قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر (یو. پی.) کے معروف عثمانی خانوادے سے ہے والد کا نام غلیل الرحمن بن نجیب اللہ تھا۔ کیرانہ ہی میں جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے بزرگوں سے حاصل کی۔

(۱) (الف) تذکرہ علمائے اہل سنت ص ۱۱۳-۱۱۴ (ب) تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۲۵۵ (ج) نزہۃ الخواطر ج ۸/ص ۳۶۳-۳۶۴

(۲) نزہۃ الخواطر ج ۸/ص ۲۳۱-۲۳۲

(۳) (الف) تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۱۷۲ (ب) نزہۃ الخواطر ج ۸/ص ۵۳۹



پھر دہلی گئے جہاں ان کے والد مبارک ہندو راؤ بہادر کے میسر تھے۔ وہیں مولانا محمد حیات پنجابی اور مولانا عبدالرحمن چشتی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ مولانا امام بخش صہبائی سے فارسی پڑھی، فراغت کے بعد اپنے وطن قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس سے سیکڑوں تشنگان علم نے اپنی علمی پیاس بجھائی، انوار ساطعہ کے مصنف مولانا عبدالسیح بے دل رام پوری نے اسی مدرسہ میں آپ سے تعلیم پائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں تیز کر رکھی تھیں، پادری فائدر عیسائیوں کا سرگروہ تھا مولانا کیرانوی نے اکبر آباد اگرہ میں ۱۱۲۰ھ/۱۸۰۷ء اپریل ۱۸۵۳ء کو اس سے مناظرہ کیا، دو دن تک مناظرہ چلتا رہا بالآخر تیسرے دن پادری فائدر مناظرہ کے لیے نہیں آیا۔ پھر اس کے بعد اسی سبب سے انگریز آپ کے مخالف ہو گئے، یہاں تک کہ آپ ہندوستان سے ہجرت کے لیے مجبور ہو گئے۔ آپ نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور شیخ العلماء علامہ سید احمد زینی دحلان کی علیہ الرحمہ سے گہرے روابط پیدا کیے، جس کے نتیجے میں آپ کو مسجد حرام میں درس دینے کی باقاعدہ اجازت مل گئی۔ آپ مولانا سید احمد زینی دحلان سے بہت متاثر تھے اپنی کتاب اظہار الحق کے مقدمہ میں ان کا ذکر بڑی عقیدت و محبت سے بلند پایہ آداب والقباب کے ساتھ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کتاب کو عربی زبان میں لکھنے کا اصل سبب علامہ سید احمد زینی دحلان کی کا حکم ہی ہے۔ پھر ۱۲۹۰ھ میں آپ نے مکہ مکرمہ ہی میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس کا نام ”مدرسہ صولت“ رکھا جو کلکتہ کی ایک مخیر اور فیاض خاتون محترمہ صولت النساء کے نام سے منسوب ہے، جنہوں نے اپنی جیب خاص سے مکہ مکرمہ کے محلہ خندریہ میں مدرسے کے لیے ایک جگہ خرید کر اپنی نگرانی میں اس کی تعمیر کرائی تھی۔ اس مدرسہ میں دینی علوم و فنون کے علاوہ مولانا نے ایک صنعتی اسکول بھی قائم کیا تھا جس میں مہاجرین اور عرب طلبہ کو صنعت اور دست کاری بھی سکھائی جاتی تھی۔

آپ نے تین بار قسطنطنیہ کا سفر فرمایا، پہلا سفر سلطان عبدالعزیز خان مرحوم کی دعوت پر ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں ہوا، جب کہ دوسرا سفر سلطان عبدالجبار خاں مرحوم کی دعوت پر ۱۳۰۰ھ میں ہوا اور اسی موقع پر سلطان کی طرف سے آپ کو ”پایہ حرین شریفین“ کا لقب ملا۔ اور تیسرا سفر ۱۳۰۳ھ میں موتیابند کے علاج کے لیے سلطان کی دعوت پر کیا۔ مولانا کیرانوی کا شمار اپنے دور کے اکابر علمائے اہل سنت میں ہوتا ہے۔ وہ تمام عقائد و معمولات میں مذہب اہل سنت کے ناصر و حامی اور اس پر سختی کے ساتھ کاربند رہے، جس کا ثبوت زیر نظر کتاب انوار ساطعہ اور تقدیس الوکیل مؤلفہ مولانا غلام دیگر قصوری پر آپ کی شان دار تقریفات و تائیدات ہیں۔ ہم ثبوت کے لیے اسی مقدمہ میں تقدیس الوکیل پر آپ کی تقریفات کو نقل کر رہے ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کی گونا گوں علمی و عملی خدمات کے بعد آپ نے پچتر سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۲ رمضان ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور جنت المعلىٰ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں صدیقین و شہداء کے قریب مدفون ہوئے۔ اس چھوٹے سے احاطہ میں پانچ مزارات ہیں جن میں مولانا کیرانوی کے علاوہ حاجی امداد اللہ مہاجر کی اور مولانا عبدالحق الہ آبادی شیخ الدلائل (مصنف اکلیل شرح مدارک التنزیل) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

آپ نے درج ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں: اذلالہ الاوہام (فارسی) اذلالہ الشکوہ (اردو) اعجاز عیسوی (اردو) اوضح الاحادیث بروق لامعہ معدل احوال المیزان، تقلیب المطالعین، معیار الحق، اظہار الحق (عربی)۔ یہ ساری کتابیں عیسائیوں کے رویوں ہیں۔ آخر الذکر کتاب مولانا کیرانوی کی رو عیسائیت پر آخری اور سب سے گراں قدر اور مدلل کتاب ہے، امام احمد رضا لاہوری، جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں موجود ہے، راقم نے اس کا جستہ جستہ مطالعہ کیا ہے۔ (۱)

(۱) (الف) مقدمہ بائبل سے قرآن تک، ج ۱/۱۲۸-۱۲۹، مطبوعہ حافظی بک ڈپو، بوند (ب) نزہۃ الخواطر، ج ۸/۱۶۰-۱۶۲، (ج) انوار ساطعہ (د) تقدیس الوکیل از

مولانا غلام دیگر قصوری، ص ۳۱۵، مطبوعہ نوری بک ڈپو، لاہور (ہ) انگریز نواری کی حقیقت از مولانا حسین اختر مصباحی، ص ۳۸، مطبوعہ دار القلم، دہلی، ۱۳۲۸ھ/۲۰۰۷ء

(۱۸): شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ چشتی تھانوی مہاجر کی (م ۱۳۱۷ھ)

شیخ المشائخ مولانا الحاج امداد اللہ فاروقی چشتی، دو شنبہ کے دن ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ میں نانوتہ ضلع سہارن پور (یو. پی.) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں پائی، حصن حصین اور مثنوی مولانا جلال الدین رومی، مولانا قلندر بخش جلال آبادی، شاگرد مفتی الہی بخش کاندھلوی سے پڑھیں، پھر دہلی گئے اور مولانا نصیر الدین شافعی کے درس میں پابندی کے ساتھ حاضر رہ کر طریقت و تصوف کی تعلیم پائی۔ ان کے انتقال کے بعد قصبہ تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر آکر سکونت اختیار کر لی۔ پھر لوہاری آئے اور میاں جی شیخ نور محمد تھنجھانوی چشتی سے طریقت و تصوف کی تعلیم و تربیت حاصل کی اور ان ہی سے بیعت ہو گئے، اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کے ایک زبردست شیخ و مرشد کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دل آپ کی جانب موڑ دیے اور آپ کو قبول عام حاصل ہوا، عوام و خواص جوق در جوق آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اور آپ کی ذات سے برصغیر میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ پھر جب آپ نے ہندوستان کے حالات اپنے حق میں ناموافق پائے تو حجاز مقدس ہجرت کر گئے اور ۱۲۷۶ھ میں مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور ابتدائی ایام سخت تنگی اور فقر و فاقہ کی حالت میں بسر کیے، پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا آپ کے قدموں پر ڈال دی اور تنگ دستی خوش حالی میں بدل گئی۔ اور وہیں ۱۲۷۶ھ بمطابق ۱۳۱۷ھ میں چہار شنبہ کے دن اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، اور مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلىٰ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے پاس مدفون ہوئے۔

آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں: (۱) ضیاء القلوب (۲) فیصلہ ہفت مسئلہ (۳) ارشاد مرشد (۴) مثنوی تختہ العشاق (۵) بیان وحدۃ الوجود (۶) غذائے روح (۷) گل زار معرفت (۸) دروغناک (۹) جہاد اکبر (۱۰) نالہ امداد غریب۔ آپ پورے طور پر اہل سنت کے عقائد و افکار اور مشائخ طریقت کے معمولات و مراسم پر کاربند اور عمل پیرا تھے، جس پر آپ کی تصانیف گواہ ہیں، خصوصاً ضیاء القلوب، فیصلہ ہفت مسئلہ، بیان وحدۃ الوجود، کیوں کہ اول الذکر کتاب میں مشائخ چشتیہ قادریہ نقش بندیہ و سہروردیہ کے اوراد و وظائف اور اشتغال و اذکار و مراقبات کو بیان کیا ہے، اور آخر الذکر کتاب میں نظریہ وحدۃ الوجود کا بیان ہے اور فیصلہ ہفت مسئلہ میں میلاد شریف، فاتحہ عرس و سماع، ندائے غیر اللہ، جماعت ثانیہ، امکان نظیر اور امکان کذب جیسے سات مسائل کا فیصلہ فرمایا ہے۔ اس میں خاص طور سے میلاد شریف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں، اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔ (۱)

ان کے علاوہ زیر نظر کتاب انوار ساطعہ در بیان مولود فاتحہ از مولانا عبدالسیح رام پوری تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل از مولانا غلام دیگر قصوری (م ۱۳۱۵ھ)، اور الد را مظہم فی بیان حکم مولد النبی الاعظم از شیخ الدلائل مولانا محمد عبدالحق الہ آبادی مہاجر کی (م ۱۳۳۳ھ) وغیرہ کتب اہل سنت پر آپ کی تقریفات اور تصدیقات و تائیدات بھی اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ آپ (۱) فیصلہ ہفت مسئلہ، مشمولہ کلیات امدادیہ، ص ۱۰۵، مکتبہ تھانوی، لاہور



کے افکار و نظریات اور عقائد و معمولات وہی تھے جو علماء و مشائخ اہل سنت کے افکار و عقائد اور نظریات و معمولات ہیں۔ (۱)  
آپ کے مریدین و خلفاء میں درج ذیل حضرات مشہور ہیں: (۱) استاذ العلماء مولانا محمد لطف اللہ علی گڑھی (۱۳۳۲ھ) (۲) استاذِ زمن مولانا احمد حسن کانپوری (۱۳۲۲ھ) (۳) حضرت مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی (۱۳۲۲ھ) (۴) مولانا عبدالسیح رام پوری سہارن پوری مصنف انوار ساطعہ (۱۳۱۸ھ) (۵) مولانا محمد انوار اللہ فاروقی حیدر آبادی (۱۳۳۶ھ) مصنف انوار احمدی (در بیان میلاد النبی) (۶) مولوی محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) (۷) مولوی رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۲ھ) (۸) مولوی اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) (۹) مولوی محمد یعقوب نانوتوی (۱۳۰۲ھ)۔ (۲)  
یہ کل اٹھارہ علمائے کرام و مشائخ عظام ہیں جن کے حالات میں نے یہاں درج کیے جب کہ درج ذیل سات علمائے کرام نے بھی انوار ساطعہ کی تائید و تصدیق کی ہے

(۱): مولانا محمد اعجاز حسین رام پوری۔ (۲): مولانا محمد ابوالبرکات غازی پوری۔ (۳): مولانا سعید الدین رام پور ضلع سہارن پور۔ (۴): مولانا محمد عبدالغفور بلندہ ضلع فتح پور ہنسوہ۔ (۵): مولانا محمد عبدالحق سہارن پوری (رژکی)۔ (۶): مولانا ابو محمد صادق علی مداح میرٹھ۔ (۷): مولانا محمد عبداللہ صدر المدرسین مدرسہ اکبر آباد آگرہ۔  
لیکن تلاش بسیار کے باوجود مجھے ان کے حالات دستیاب نہ ہو سکے۔ لعل اللہ يحدث بعد ذلک امرا۔

انوار ساطعہ کی زبان اپنے دور کے لحاظ سے بہت عمدہ، سلیس اور فصیح و بلیغ ہے، مگر ماہرین لسانیات کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر بیس پچیس سال کے بعد لاشعوری طور پر زبان میں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ضرور رونما ہوتی ہیں، کچھ قدیم الفاظ کو دیس نکالا جاتا ہے اور ان کی جگہ جدید الفاظ کو شہریت ملتی ہے۔ یہ تبدیلی مفردات میں بھی ہوتی ہے اور مرکبات میں بھی۔ انوار ساطعہ کا زیر نظر نسخہ ۱۳۰۷ھ کی تصنیف ہے اس لحاظ سے اس کی زبان و بیان ممکنہ لسانی تبدیلیوں کے کئی ادوار سے گزر چکی ہے۔ اب بہت سے وہ الفاظ و مفردات جو اس زمانے میں فصیح و بلیغ سمجھے جاتے تھے اس دور کے لحاظ سے فصاحت و بلاغت کا جامہ اتار چکے ہیں الفاظ کی نشست و برخاست استعمال میں تقدم و تاخر اور الفاظ کے زیر و بم میں بھی گونا گوں تبدیلیاں آچکی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے اس زبان کے لسانی پایہ اور ادبی قیمت میں کمی نہیں آئی، کیوں کہ ہر تحریر کی ادبی قدر و قیمت اس کے دور کے ادبی و لسانی معیار کے مطابق ہوتی ہے، مگر زمانہ کی تبدیلی سے بعد کے ادوار کے قارئین تک معنی و مفہوم کی ترسیل کی قوت اور تاثیر ضرور متاثر ہوتی ہے کیونکہ ان کا ذوق اپنے دور کے ادبی محاسن سے آشنا اور انھیں کا خوگر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں اپنے دور کی ادبی کسوٹی پر پوری اترنے والی تحریروں کے پڑھنے میں جو مزہ آتا ہے وہ مزہ اس وصف سے خالی تحریروں کے پڑھنے میں نہیں آتا اور استدلال کی جو قوت اور معنی کی جو تاثیر وہ اپنے زمانے کی عمدہ اور معیاری تحریروں میں محسوس کرتے ہیں دوسرے ادوار کی تحریروں میں انھیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح زمانے کی تبدیلی کے ساتھ املا اور رسم الخط کے اصول و ضوابط بھی کچھ نہ کچھ بدلتے ہیں۔ اس لیے

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے (الف) انوار ساطعہ (ب) تقدیس الوکیل، ص ۴۴۴۔ (ج) الدر المنظم، ص ۱۳۶ ناشر صاحب زادہ محمد ابو بکر نقشبندی

شرق پور شریف شیخوپورہ پاکستان

(۲) (الف) نزہۃ النواظر، ج ۸/ص (ب) انگریز نوازی کی حقیقت، ص ۳۷ دار القلم، دہلی

اب ضرورت تھی کہ انوار ساطعہ کی زبان بھی ممکنہ حد تک عصر حاضر کے معیار کے مطابق کی جائے اور اس کی کتابت اور کمپوزنگ میں بھی موجودہ دور کے اصول املا اور قواعد رسم الخط کا لحاظ کیا جائے۔

خدا بھلا کرے فاضل نو جوان حضرت مولانا محمد افروز قادری چریا کوئی زید مجدہ کا کہ انھوں نے جامعہ اشرفیہ میں اپنے قیام کے دوران اس ضرورت کو محسوس کیا اور کسی حد تک کام کا آغاز بھی کر دیا تھا، پھر جب خدمت دین متین کے لیے ساؤتھ افریقہ گئے تو وہاں پوری محنت، جال فشانی اور جتن و لگن کے ساتھ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا اور بجاطور پر یہ انھیں کا حق تھا۔

مولانا موصوف ماشاء اللہ بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے حسن صورتی کے ساتھ جمال معنوی سے بھی بہرہ ور کیا ہے۔ بہترین عالم دین، شان دار قاری، باذوق قلم کار، نکتہ رس ادیب اور اچھے شاعر تو ہیں ہی، اس پر مستزاد یہ کہ ان کا مزاج تعمیری، فکر صالح اور روش عالمانہ اور دین دارانہ ہے۔ عمر کے لحاظ سے تو ابھی جواں سال ہیں لیکن تحریک ایک تجربہ کار، مجھے مجھائے پختہ عمر قلم کار کی طرح پختہ بے جھول، شستہ اور رواں دواں ہوتی ہے۔ مولانا کا وطن مالوف مشرقی اتر پردیش کا مردم خیز قصبہ چریا کوٹ ضلع منو ہے جو عہد ماضی میں اہل علم و ادب کا مرکز رہ چکا ہے۔ مولانا موصوف سر دست سیاسیات کے حوالے سے کیپ ٹاؤن ساؤتھ افریقہ کی مشہور یونیورسٹی ”دلاس“ میں مذہب مالکی اور زبان اردو کی تعلیم و تدریس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں ساتھ ہی ساؤتھ افریقہ کی تاریخ میں ”چراغِ اردو“ کے نام سے پہلا مستقل ماہانہ اردو اخبار نکال کر اپنی تحریری سرگرمیاں بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مقام حیرت و مسرت ہے کہ افریقہ کی سرزمین صدیوں سے ارباب علم و فضل کی آماجگاہ رہی ہے مگر کبھی بھی وہاں کوئی اردو اخبار اشاعت پذیر نہ ہوا شاید یہ سعادت بھی انہی کے حصے میں آنا تھی۔ مولانا کی یہ کوشش انقلاب آفریں اور تاریخ ساز کہی جائے گی اس کے لیے وہ نہ صرف مجھ سے بلکہ پوری اردو داں برادری سے بندھائیوں کے مستحق ہیں۔ اب تک ان کے اہم قلم سے درج ذیل کتابیں منصہ شہود پر آچکی ہیں اور درجنوں زیر تریب ہیں

(۱): چند لمحے ام المومنین کی آغوش میں (سیرت عائشہ) (۷): چالیس حدیثیں

(۲): بزم گاہ آرزو (۸): وقت ہزار نعمت ہے

(۳): اے میرے عزیز (۹): موت کیا ہے

(۴): برکات الترتیل

(۵): مرنے کے بعد کیا ہوتی؟

(۶): بولوں سے حکمت پھولنے

انوار ساطعہ کے زیر نظر نسخہ میں مولانا موصوف نے عبارت کی تسہیل و تجدید اور تہذیب و تہذیب کے ساتھ آیات کریمہ احادیث طیبہ اور عربی و فارسی عبارتوں کی تخریج و تحقیق کا کام بھی کیا ہے ساتھ ہی جن عربی و فارسی عبارتوں کو مصنف نے بلا ترجمہ ذکر کیا تھا ان کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے اور ہر طرح سے کتاب کو سہل عام فہم اور مفید عام و خاص بنانے کی کوشش کی ہے۔ مولانا اپنی کوششوں میں کس حد تک کامیاب ہیں اسے باذوق قارئین دوران مطالعہ خود محسوس کریں گے۔



اخیر میں دعا ہے کہ مولا تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اسے شرف قبول سے نوازے اور مولانا موصوف کو دونوں جہان کی سعادتوں سے بہرہ ور کرے ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور انھیں بیش از بیش خدمات جلیلہ و مقبولہ کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔ وصلى الله على خير خلقه محمد وآله وصحبه أجمعين.

### نفیس احمد مصباحی بارہ بتکوی

استاذ: الجامعة الاشرفية مبارک پور اعظم گڑھ یوپی البند

مورخہ: ۶ جمادی الاولیٰ: ۱۴۲۸ھ / ۲۳ مئی ۲۰۰۷ء بروز چہارشنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

### کتاب کی وجہ تالیف

اے حقیقی انعام فرمانے والے تیرا ہزار ہا ہزار شکر کہ تو نے ایک ایسا مقبول جہاں محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث فرمایا کہ جس کا وجود باجود اہل ایمان کے لیے نور ساماں اور باعث آرام جاں ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (۱) بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان۔

پھر لاکھوں کروڑوں درود و سلام اس امام رسل اور ہادی شہل کی روح پر فتوح پر کہ جس کی تعلیم و ہدایت کے فیضان سے آج ہر زندہ دل اپنے مرحومین کی روحوں کے لیے فاتحہ و درود کے ذریعہ راحت رسانی کا سامان کر رہا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (۲) اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ اے ہمارے رب بے شک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔

اما بعد! امیدوار فضل کردگار احقر العباد عبد السمیع انصاری عرض گزار ہے کہ اہل اسلام کو اپنی اس نازک صورت حال پر رونا چاہیے کہ اختلاف بے جا کی زہر آفرینیوں سے مذہب اسلام کسی گل پر مہرہ کی طرح کم لایا جاتا ہے اور کسی طوفانی ہوائے شدید کی طرح عناد و فساد چہار سو سے اٹھا چلا آتا ہے نہ تو زبانیں سچی رہیں اور نہ ہی سینے صاف۔ سیکڑوں فتنے اور ہزاروں اختلاف۔ کوئی جناب باری تعالیٰ کی ذات والا صفات پر امکان کذب کا دھبہ لگا رہا ہے حالانکہ اس کی شان تو یہ ہے

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا (۳) اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔

اور وہ حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم جنھوں نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمایا

أَنتُمْ مِنِّي (۴) یعنی تم میں میری طرح کون ہے؟

مزید فرمایا

(۱) سورہ توبہ: ۱۲۸/۹

(۲) سورہ حشر: ۱۰/۵۹

(۳) سورہ نساء: ۸۷

(۴) صحیح بخاری: ۱/۷۷ حدیث: ۱۸۲۹-۳۵/۲۱-۶۳۳۵-۲۴۰۱/۲۲-۲۰۱/۲۲ حدیث: ۶۷۰۱ صحیح مسلم: ۴۰۰۰/۵۵ حدیث: ۱۸۳۶ سنن بیہقی: ۲۸۲/۳۰ سنن نسائی: ۲۳۲/۲

معجم کبیر طبرانی: ۱۹/۱۵۶ حدیث: ۳۸۵ معجم اوسط طبرانی: ۳/۲۸۸ حدیث: ۱۳۲۷ مستخرج ابی عوانہ: ۶/۱۱۰ حدیث: ۲۴۲۱ مسند شامی: ۸/۲۸۳

حدیث: ۲۸۳۷ مسند جامع: ۳۳۳/۳۱ حدیث: ۱۳۳۳۹



إِنِّي لَسْتُ كَمَا خَدَّيْكُمْ (۱) میں تم سائیں یعنی تم میں کا کوئی ایک بھی میری طرح نہیں۔  
پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کہنا؟ آپ کی ازواج مطہرات نے وہ شان والا پائی ہے کہ جن کی بابت خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

يَسَاءَ النَّبِيُّ لَسْتُ كَمَا خَدَّيْكَ مِنَ النَّسَاءِ (۲) اے نبی کی بیوی تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔  
پھر اس دور میں ایک ادنیٰ درجہ کا آدمی ہے یہ بک رہا ہے کہ ”رسول اللہ میرے بھائی ہیں“۔

واضح ہونا چاہیے کہ بھائی جتنے بھی ہوں سب اپنے باپ کے کل ترکہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس جملہ سے معاذ اللہ حضور فخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعویٰ برابری کا وہم ہوتا ہے۔

کس کس اختلاف کو بیان کیا جائے؟ کوئی کہتا ہے کہ نماز وتر ایک رکعت پڑھنی چاہیے تین رکعت کوئی ضروری نہیں۔ اور تراویح کی بیس (۲۰) رکعتیں بدعت اور آٹھ (۸) سنت ہیں۔ ہمارے ملک میں عہد قدیم ہی سے تین رکعت وتر اور بیس رکعت تراویح پر اجماع و اتفاق تھا مگر اب اس میں پھوٹ ڈالی جا رہی ہے اور ایک یہی نہیں بہت ساری باتوں میں طرح طرح کی شاخیں نکالی جا رہی ہیں۔

وہ محفل میلاد جس کے بارے میں عالم عامل محدث کامل اور فقیہ فاضل حافظ ابو الخیر سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اہل اسلام دنیا کے ہر خطہ میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے اور اس کے ذریعہ عظیم و جلیل برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ مگر اس دور میں کوئی اسے کفر و شرک تو کوئی بدعت سے تعبیر کر رہا ہے (نعوذ باللہ منہا)۔

یوں ہی وہ اُداس و حزیں مردے جو ایک تنگ و تاریک غار میں پڑے آس لگائے بیٹھے ہیں کہ کاش میری اولاد مجھے کچھ دے (یعنی کچھ صدقہ و خیرات کرے) یا بھائی بہن فاتحہ و درود بھیجیں۔ تو اب کچھ لوگ دھڑلے سے فتوے چھوڑ رہے ہیں کہ یہ سب کے سب بدعت کے کام اور حرام ہیں۔ عوام جو کہ تاریخیں متعین ہونے کی وجہ سے کچھ کر گزرتے تھے اب بالکل شتر بے مہار (بے لگام اونٹ سے) ہو گئے۔ بدعت کا نام کیا سنا کہ نیکیوں کے کام سے یکسر دست بردار ہو گئے مردوں کے لیے خیرات و امداد بند ہو گئی۔ تیرہویں صدی کے لوگوں کے احوال ہی کیا کم غضب تھے اور اب تو چودھویں صدی شروع ہو گئی ہے دیکھیے کیا کیا قیامتیں ٹوٹی ہیں اور دین و دنیا میں کیا کچھ خرابیاں در آتی ہیں۔

دہلی کے تین غیر مقلد علماء اور یوبند و گنگوہ و سہارنپور کے عالموں کی حسن توجہ نیز مطبع ہاشمی میرٹھ کی کوشش سے چار ورق پر مشتمل ایک فتویٰ ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۴ء) میں شائع کر کے اکثر علاقوں میں پھیلا یا گیا جس کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا۔ (فتویٰ مولود و عرس وغیرہ)۔ اس کتاب میں جہاں اس فتوے کا ذکر آئے گا وہاں ”فتویٰ اول انکاری“ لکھا جائے گا۔

(۱) سنن ترمذی: ۲۵۵/۳ حدیث: ۷۰۹، سنن نسائی: ۲۷۳/۶ حدیث: ۱۷۳۲، مسند احمد: ۵۸/۱۰ حدیث: ۲۵۲۲، مشکوٰۃ المصابیح: ۴۲۸/۱ حدیث: ۱۹۸۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۷۳/۳ حدیث: ۶۹۳۱، سنن نسائی: ۲۲۲/۲، معجم طبرانی: ۳۱۸/۱۸ حدیث: ۲۰۸۳۷، سنن داری: ۲۰۱/۵ حدیث: ۱۷۵۷، مسند ابی یعلیٰ موسلی: ۳۲۱/۳ حدیث: ۱۳۷۷، مسند حمیدی: ۱۳۷/۷ حدیث: ۲۹۰۱، معجم ابن حبان: ۱۳۷/۱۵ حدیث: ۳۶۲۳، معجم ابن خزیمہ: ۳۰۲/۷ حدیث: ۳۰۱۷، مسند الخلیف بن راہویہ: ۱۹۲/۵ حدیث: ۲۳۲۰، التوحید ابن مندہ: ۱۵۱/۱۱ حدیث: ۱۱۷۷، مشکوٰۃ ابن جازود: ۲۲۷/۱ حدیث: ۳۸۱، کنز العمال: ۵۱۲/۸ حدیث: ۲۳۹۰۰، معجم الزوائد: ۲۲۲/۲، المسند الجامع: ۵۸/۱۳ حدیث: ۳۷۷۳

اس فتوے کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ محفل میلاد شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بدعت و ضلالت ہے یوں ہی ہندوستان میں مردوں کے لیے جو فاتحہ و درود کا رواج ہے وہ بھی حرام اور کارگنہ ہے۔

ابھی کچھ دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ چوبیس صفحے کا ایک دوسرا فتویٰ اسی مطبع ہاشمی سے چھپ کر شائع ہوا جس کی پیشانی پر یہ لکھا گیا ”فتویٰ میلاد شریف یعنی مولود مع دیگر فتاویٰ“ اس فتویٰ کا اس کتاب میں جہاں ذکر آئے گا وہاں ”فتویٰ ثانی انکاری“ لکھا جائے گا۔ اس فتوے میں زیادہ تر میلاد شریف کی مذمت کی گئی ہے ساتھ ہی وہ پہلا چارورقی فتویٰ بھی اس میں شائع ہوا ہے۔

مجھ سے بعض پیر بھائیوں نے تاکید تمام کے ساتھ یہ فرمایش کی کہ ان فتوؤں کی وجہ سے کچے دل لوگ شک و شبہ میں پڑے جاتے ہیں اور دشمنانِ دین جگہ جگہ ان فتوے کو نہ صرف دکھاتے ہیں بلکہ پڑھ کر مسلمان بھائیوں کو بے دردی سے چڑھاتے ہیں اور نفس کی پیروی میں فتنہ و فساد کی آگ ہر طرف بھڑکاتے ہیں۔ ایسے نازک موقع پر آپ کو چاہیے کہ آپ ان کی خبر لیں اور افراط و تفریط سے ہٹ کر اس سلسلہ میں خالص سچی بات رقم فرمادیں ورنہ کچے دل عوام گمراہی کے بھنور میں پھنس جائیں گے اور پھر کبھی انھیں ساحل ہدایت نصیب نہ ہوگا۔

پھر کیا تھا حق و صواب کی توفیق دینے والے پروردگار نے (کہ جس کے قبضہ قدرت میں بنی آدم کا دل ہے) میرے دل میں بھی وہی بات ڈال دی کہ اس سلسلہ میں ضرور بالضرور کوئی حکم فیصل لکھ دینا چاہیے تاکہ عوام کے شکوک و شبہات دور ہوں اور وہ جنگ و دو گنگے سے بچ جائیں۔ تب میں نے ”انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ“ نامی یہ رسالہ لکھا۔ اس کے اندر چار انوار ہیں۔

### نور اول میں پانچ لمعے ہیں

لمعہ اولیٰ میں مفتیان فتاویٰ انکاری کی کچھ عبارتیں نقل ہیں۔

لمعہ ثانیہ میں انوار ساطعہ پر نظر ثانی کی وجہ بیان ہوئی ہے۔

لمعہ ثالثہ میں براہین قاطعہ کا حال مذکور ہے۔

لمعہ رابعی میں علماء و مشائخ اور مسلم الثبوت مفتیان فتاویٰ انکاری کا ذکر ہے۔

لمعہ خامسہ میں بدعت حسنة کی تحقیق حدیث خیر القرون کی تفریح اور اس سلسلے میں علمائے کرام کے اقوال کچھ ان چیزوں کا بیان کہ جن میں باہم انکار و اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً اذان جمعہ اور اعراب قرآن وغیرہ عقلی و نقلی دلیلوں کی روشنی میں بدعت حسنة کا ثبوت حدیث من احدث فی امرنا اور کچھ دیگر احادیث بدعت کی تشریح، اثر عبد اللہ بن مسعود کی تشریح اور صحابہ کرام کی ایجاد کردہ کچھ نئی چیزوں کی وضاحت کچھ ان چیزوں کا بیان جو کہ زمانہ رسالت میں نہ تھیں مثلاً عید گاہ کا منبر جمعہ کی پہلی اذان، رجع القہر، طواف رخصت۔ مقام حیرت و تعجب ہے کہ جو شخص مشائخ کا مقلد اور ان کے معمولات پر عمل پیرا ہے آخر فاتحہ و میلاد شریف کو وہ غلط کیسے کہتا ہے من سن فی الاسلام سنة حسنة کی تحقیق اور بدعت حسنة کے اثبات میں فقہاء و محدثین کے اقوال۔

### نور دوم میں چھ لمعے ہیں

لمعہ اولیٰ میں جواز فاتحہ اور انکاریوں کے دلائل کا جواب مذکور ہے۔

لمعہ ثانیہ میں جمعرات کی فاتحہ کا بیان ہے۔



لحمہ ثالثہ میں عیدین شب براءت اور عشرہ محرم میں فاتحہ کا جواز ہے۔

لحمہ رابعہ میں تیجہ کی فاتحہ کا ثبوت ہے۔

لحمہ خامسہ میں چالیسویں بیسویں اور دسویں کی فاتحہ نیز مسجدوں میں نمازیوں کی امداد کی نیت سے گھڑوں کے بھیجنے کا ذکر ہے۔

لحمہ سادسہ میں اموات کے سلسلہ میں کچھ نصیحتیں مذکور ہیں۔

### نور سوم میں نولحمے ہیں

لحمہ اولیٰ میں مذہب جمہور کے مطابق محفل میلاد مبارک کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

لحمہ ثانیہ میں خاندان عزیزیہ کے مشائخ کرام کا ذکر ہے جو کہ محفل میلاد شریف میں شامل ہوا کرتے تھے۔ اور میرے

مرشد و مولا حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب عم فیوضہ بھی محفل میلاد شریف میں شریک ہوا کرتے ہیں۔

لحمہ ثالثہ میں یہ اعتراض اور پھر اس کا جواب نقل ہے کہ محفل میلاد شریف کو کتبہا کے جنم اور نصاریٰ کے بڑے دن سے

مشابہت ہے۔

لحمہ رابعہ میں یہ اعتراض و جواب مذکور ہے کہ محفل میلاد بدعت منیہ ہے۔ نیز مولوی اسماعیل کے مقرر کردہ اصول کے مطابق

محفل میلاد کے سنت ہونے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے کیوں کہ اس کی اصل بھی ثابت ہے اور نظیر و مثل بھی۔

لحمہ خامسہ میں یہ اعتراض و جواب منقول ہے کہ محفل میلاد خاص بارہویں ربیع الاول کو کیوں منعقد کرتے ہیں اور ہر سال کیوں

مناتے ہیں۔ نیز چند دلیلوں سے دن متعین کرنے اور دائمی عمل کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

لحمہ سادسہ میں یہ اعتراض و جواب تحریر ہے کہ قیام شرک ہے اور روح کا وہاں حاضر جاننا بھی شرک۔ پھر روجوں کے چلنے

پھرنے کا قوی دلیلوں سے اثبات۔ نیز یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد شریف سے باخبر ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی اس کی تحقیق بھی

کہ قیام کی تعیین اس لیے نہیں کہ روح مبارک تشریف لاتی ہے بلکہ قیام کی نظیریں چند وجوہ سے شریعت میں پائی گئی ہیں۔

لحمہ سابعہ میں یہ اعتراض بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غائب ہیں۔ اور حاضر کے الفاظ ان کے لیے بولنا کفر

ہے۔ پھر ثبوت دلیلوں سے اس کا جواب ساتھ ہی عہد صحابہ سے لے کر اب تک ”ندائے یا رسول اللہ“ کا ثبوت۔

لحمہ ثامنہ میں متفرق اعتراضات نقل کرنے کے بعد اس کے جواب دیے گئے ہیں۔

لحمہ ناسعہ میں ان عالی مرتبت فقہاء و محدثین کے اسمائے گرامی نقل کیے گئے ہیں جنہوں نے محفل میلاد مبارک کے جواز

کا قول فرمایا ہے۔

### نور چہارم

معاصرین علمائے کرام اور فضلاء عظام کی روشن روشن تقریظوں اور کچھ شفقت ناموں کا تذکرہ ہے۔

مولف کتاب اہل اسلام کی خدمت میں بصد التجا عرض پرداز ہے کہ میں ایک مریض و ناتواں اور عذیم الفرصت آدمی ہوں دم

مارنے کی مہلت نہیں جنگ و جدال اور ضیاع وقت سے بچتا ہوں کیوں کہ میں کوئی وارستہ مزاج لا ابالی نہیں۔ محض اصلاح دین کے

لیے اپنے کاروبار کو چھوڑ کر یہ رسالہ ترتیب دے رہا ہوں۔ لہذا اہل اسلام سے گزارش ہے کہ وہ اللہ واسطے اسے انصاف کی نظر سے

دیکھیں نفسانیت کو ہرگز دخل نہ دیں اگر حق سمجھ میں آجائے تو فوراً قبول کر لیں اور اپنے پرانے قول سے رجوع کو بالکل کسر شان نہ سمجھیں اور اگر ایسا کرنے پر دل رضا مند نہ ہو تو اتنا ضرور کریں کہ دوسرے گروہ کو برا بھلا کہنے سے اپنی زبان روک رکھیں۔ ع:

مرا بخیر تو امید نیست بدرمہاں

جو لوگ سلف صالحین کی اتباع میں ان امور حسنہ کے قائل ہیں ان کے پاس اپنی تقویت کے حوالے سے بہت دلائل ہیں اور

ان کے جملہ شرعی مسائل دلیلوں سے ثابت ہیں۔

## نور اول میں پانچ لحمے ہیں

لحمہ اولیٰ مفتیان فتاویٰ انکاری کی کچھ عبارتیں

قال: (وہ کہتے ہیں کہ) محفل میلاد کا انعقاد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے

وقت کھڑے ہونا قرون ثلاثہ (تیسری صدی) سے ثابت نہیں لہذا یہ بدعت ہے۔ یوں ہی عیدین اور عیدین کے علاوہ جمعرات وغیرہ

کو جو ہاتھ اٹھا کر فاتحہ کرنے کا رواج ہے اس کا بھی ثبوت نہیں ملتا۔ ہاں میت کے لیے دعائے مغفرت اور دن خاص کیے بغیر میت کو

ثواب پہنچانے کی غرض سے فقرا و مساکین (کو کچھ صدقہ وغیرہ دے کر) اگر یہ امور محض اللہ کے لیے انجام دیے جائیں تو نفع کی

امید ہے۔ اور یہی حال تیجہ دسواں، چہلم وغیرہ پانچ آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا بھی ہے کہ حدیث اور دینی کتابوں میں اس

کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ خلاصہ یہ کہ یہ نو پیدا اور خود ایجاد کردہ بدعتیں ہیں جسے شریعت پسند نہیں کرتی۔

(مولوی حفیظ اللہ صاحب) (مولوی شریف حسین صاحب) (مولوی الہی بخش صاحب) (مولوی محمد یعقوب

صاحب مدرس اول مدرسہ دیوبند) (مولوی محمد محمود صاحب مدرس مدرسہ دیوبند)۔

یہ عبارت فتویٰ اول انکاری کے صفحہ ۱۳ اور فتویٰ ثانی انکاری کے صفحہ ۱۶ پر رقم ہے۔

قال: کبھی جوابات صحیح ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار۔ فقیر محمد عبد الخالق

دیوبندی عفی عنہ (فتویٰ اول انکاری صفحہ ۳۳ فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۷)

قال: ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے اور فخر عالم علیہ السلام کو حاضر و ناظر جان کر خطاب کرنا کفر ہے ایسی

محفل میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے اور فاتحہ و تیجہ بھی خلاف سنت ہے کہ یہ ہندو کا طریقہ ہے البتہ بلا کسی قید کے مردوں کو ایصال

ثواب کرنا درست ہے اور کوئی حرج بھی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد عفی عنہ (فتویٰ اول انکاری صفحہ ۳۳ فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۷)

قال: چراغان، قیام تقسیم شیرینی اور لایعنی قیدوں کے بغیر مجلس میلاد کا التزام بھی گمراہی سے خالی نہیں ہے اور یہی حال تیجہ اور

کھانے پر فاتحہ کا بھی ہے کہ یہ قرون ثلاثہ میں نہیں پائے گئے۔ (فتویٰ اول انکاری صفحہ ۳۳ فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۷)

قال: مجلس مولود جیسا کہ اس زمانہ میں اپنے مخصوص و مشہور طریقہ پر رائج ہے یعنی ایک جگہ جمع ہونا، چھوٹوں بڑوں بلکہ

عورتوں اور مردوں کو کا خلط ملط ہونا، راگ کے ساتھ اشعار پڑھنا، بالکل موضوع اور بے اصل روایتیں پڑھنا۔ بے دین اور دنیا

کے طلبگار لوگوں نے روپیہ کمانے اور عوام الناس کی تسخیر کے لیے ان کو گڑھ کراپنی باتوں کو چکنی چپڑی کرنا چاہا اور ہر کس و نا کس کو اس



میں دعوت دینا خواہ ان کے لباس اور پہناوے خلاف شرع ہوں اور ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی ہوں۔ (فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۸)  
 قال: یا یہ کہ یہ قیام روح پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے ہے جو کہ عالم ارواح سے عالم شہادت میں تشریف لائی تو بھی محض حماقت ہے کیونکہ اس بنیاد پر قیام کرنا صرف ولادت شریف ہونے کے وقت ہونا چاہیے اب ہر روز کون سی ولادت مکرر ہو رہی ہے لہذا یہ ہر روز ولادت کا اعادہ تو بالکل ہندوؤں کی طرح ہوا جو کہ ہر سال ساگ کہنیا کا یوم ولادت مناتے ہیں یا رافضیوں کی مانند ہوا جو ہر سال اہل بیت کی شہادت کی نقل اُتارتے ہیں۔ معاذ اللہ ساگ آپ کی ولادت کا ٹھہرا اور یہ خود قابل مذمت و ملامت حرکت ہے جو کہ فسق و حرام ہے بلکہ یہ لوگ تو اس قوم سے بھی بڑھ کر ہوئے کہ وہ تو تاریخ متعینہ پر کرتے ہیں مگر ان کے یہاں کوئی قید نہیں جب چاہیں یہ فرضی خرافات بناتے رہتے ہیں۔ (فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۲)

قال: میں اس مجلس مولود کی کتاب وسنت میں کچھ اصل نہیں جانتا اور نہ ہی پیشواؤں دین علمائے امت میں کسی سے منقول ہے جو کہ اسلاف کے آثار پر چلنے والے ہیں بلکہ یہ بدعت ہے جسے یہودہ لوگوں نے ایجاد کیا اور خواہش نفسانی ہے جسے ٹکڑ گدوں پیٹ کے کتوں اور بہت کھانے والوں نے (رانج کیا) نجانا اللہ منهم وأعادنا اللہ من ضرورہم۔ اللہ ہمیں ان سے بچائے اور ان کے شر سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔ (فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۸)

مولوی محمد حسین صاحب (لکھتے ہیں کہ) فقیر اگرچہ اس فتویٰ میں شریک نہیں مگر میلاد شریف کی بہت کچھ مذمت کرتا ہے وہ اس فتویٰ سے بہت پہلے شائع شدہ اپنے ”حرب فقیر“ میں لکھتے ہیں۔

ہزاروں فاسق و فاجر ہیں جمع محفل میں ① عجیب نفس کی لذت ہے محفل میلاد جو چشم دل بھی ہے پینا تو دیکھ شیطان کو ② کہ اس کے زیر حکومت ہے محفل میلاد حرام فعل ہو یا ہو حلال ان کے لیے ③ قضاے جملہ حاجت ہے محفل میلاد چڑھی ہے داڑھی تو مونچھے بڑھی ہیں اکثر کی ④ بھری انھیں سے بکثرت ہے محفل میلاد بہت ندائے رسول خدا میں شاغل ہیں ⑤ یہ مشرکوں کی علامت ہے محفل میلاد اگرچہ یہ عبارتیں اس لائق نہ تھیں کہ اس کتاب میں درج کی جاتیں لیکن اس معذرت کے لیے لکھی گئی ہیں تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ میں نے ان مقالات پریشانی سے تنگ آ کر قلم اٹھایا ہے۔ ارباب عدل و انصاف مجھے معذور رکھیں۔

لحہ ثانیہ انوار ساطعہ پر نظر ثانی کی وجہ

واضح رہے کہ جب مانعین حضرات کی دراز نفسی بڑھی میلاد شریف منانے والوں کو ٹکڑ گدے اور پیٹ کے کتے لکھا ہندوؤں سے بھی بدتر ٹھہرایا اور میلاد شریف کو خرافات اور ساگ بتایا (یہ سارے کلمات لمحہ اولیٰ میں فتاویٰ مطبوعہ ہاشمی صفحہ نمبر کی تعیین کے ساتھ نقل ہو چکے ہیں) ان کے علاوہ بعض منکرین کے ناشائستہ الفاظ سے بھرے رسالے بھی دیکھنے میں آئے تو اسی وجہ سے میں نے ۱۳۰۲ھ (1884ء) میں مطبوعہ ”انوار ساطعہ“ کے اندر کہیں کنایہ بطور ظرافت اور کہیں صراحتہ بطور ملامت کچھ کلمات لکھ دیے ہیں مگر ان کی برابری نہیں کی ان سے کم ہی لکھا ہے اور وہ بھی اس لیے چونکہ شرعی طور پر ہم اس انتقام کے مجاز ہیں۔ سورہ شوریٰ میں ہے

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (۱)

اور برائی کا بدلہ اسی کی برابر برائی ہے۔

بخلاف ان لوگوں کے کہ جنہوں نے پہلے تو اپنا سلیقہ زبان درازی ظاہر فرمایا اور اس پیش دستی کی ان کے پاس ہرگز کوئی شرعی دلیل نہیں اس کے جواب میں میں نے جو کچھ لکھا وہ کچھ بھی نہیں تھا اور وہ بھی میرے طرز کے خلاف تھا کیونکہ طعن و تشنیع میری عادت نہیں اور ہر کسی سے مہر و سلامتی کا رد یہ رکھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۳۰۲ھ (1884ء) میں مطبوعہ ”انوار ساطعہ“ پر میں نے اپنا نام نہیں لکھا لیکن بالآخر لوگوں میں اور شہر بہ شہر خود بخود اس کا چرچا ہو گیا یہاں تک کہ ملک عرب میں بھی میرا ہی نام ظاہر ہوا۔ (چنانچہ) مکہ مکرمہ زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً سے جناب مرشدی و مستندی سیدی و ملتحدی ملاذبیومی و غدی نعیم روحی و جسدی مرشد العلماء والفضلاء شیخ العرفاء الکملہ شریعت آگاہ طریقت پناہ معرفت دست گاہ حقیقت اکناہ المولیٰ الحافظ المہاجر فی سبیل اللہ شیخنا المدعو بحاجی شاہ امداد اللہ مدظلہ العالی میدی الایام واللیالی کا ۱۳۰۳ھ (1886ء) میں یہ ارشاد موصول ہوا کہ ”انوار ساطعہ“ کے مسائل و دلائل مجھے پسند آئے لیکن خلاف مرضی بات یہ ہے کہ آپ نے معاصروہم قافلہ علماء کے بارے میں کچھ نامناسب الفاظ لکھ دیے ہیں اور یہ ارباب تحقیق (کی شان) سے بعید ہے۔ میں نے یہ عذر پیش کیا کہ آغاز دھڑی سے ہوا تھا لیکن قبول نہ ہوا اور ہوتا بھی کیوں کر کہ آپ تو اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ ہی سے نصیحت فرمائیں گے یعنی خودی کو مٹائے ہوئے اپنے نفس پر جابر و قاہر لوگوں کی ایذاؤں پر صابر و شاکر۔ آیت وَ الْكَاطِمِينَ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (۲) آپ کا دستور و شیوہ اور زبان پر یہ آیت کریمہ جاری۔ وَلَعَنَ صَبْرًا وَ غَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (۳)

الحاصل میں نے حضرت کا فرمان مان لیا اور مولوی ظلیل الرحمن کو ایک خط لکھا جو ان دنوں وہیں قیام پذیر ہو کر حضرت سے مشغول شریف پڑھا کرتے تھے جس کا مضمون یہ تھا کہ حضرت سے عرض کر دیں کہ جو تیز و تند الفاظ کسی کی نسبت لکھ دیے گئے ہیں انہیں میں نکال دوں گا اور فریق ثانی جو کچھ زبان درازی کر چکے ہیں اس پر صبر کر کے انتقام نہ لوں گا۔ اس کے جواب میں حضرت مرشدی کا جو کرامت نامہ و تقدس شامہ صادر ہوا اسے نقل کرتا ہوں

عزیزی و محبی مولوی عبد السمیع صاحب دام محبتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد دعاے از دیاد علم و اخلاص مکشوف باد کہ باطلاع مضمون خط شکا کہ بہ ظلیل الرحمن نوشتہ بودید نہایت محظوظ شدم چون کہ آخر کار معاملہ بخدائے علیم بذات الصدور افتاد نیست لازم آں کہ از کتاب انوار ساطعہ خود کلامے کہ در ایں تیز قلمی و غیظ نفسانی شدہ باشد کہ ایں از طرز تحریر اصحاب تحقیق و ارباب تہذیب بعید است و اسمائے برادران طریقت خود و عبارت و اسمائے دیگر کہ از فور نفسانی صادر شدہ باشد اخراج نہ نمایند و مضمونے کہ فیما بینکم و بین اللہ تعالیٰ باخلاص و برائے اظہار امر حق باشد باقی دارند انشاء اللہ تعالیٰ مقبول خواہ شد و اگر کسے برتر دید آں چیزے نو پسند شاد رہے تحریر جواب الجواب نشوید چرا کہ قصد شما ظہار حق بود و ظاہر شد و بس و فی الحقیقت نفس مطلب کتاب موافق مذہب و مشرب فقیر و



بزرگان فقیر است خوب نوشنید (جزاکم اللہ خیر الجزاء) اللہ تعالیٰ ماوشا و جمع مومنان را در ذوق و محبت خود داشته حسن خاتمہ نصیب کند۔ آمین۔

علم و اخلاص کی بے پایاں برکتوں سے حصہ وافر عطا ہونے کے بعد آپ پر یہ بات آشکار ہونی چاہیے کہ خلیل الرحمن کے نام مرسلہ آپ کے مکتوب کے مضمون کو پڑھ کر میں کافی محظوظ ہوا۔ چوں کہ آخر کار معاملہ اللہ رب العزت کے حضور پیش ہونا ہے اس لیے انوار ساطعہ کے اندر جو کچھ تیز کلامی اور غیظ نفسانی کے پہلو در آئے ہیں جو اصحاب تحقیق اور ارباب تہذیب کے شایان شان نہیں نیز اس کے اندر ہوائے نفسانی کی وجہ سے جو کچھ اپنے برادران طریقت کے اسماء عبارتیں اور بعض دیگر نام بھی مندرج ہو گئے ہیں انھیں اس سے خارج کر دینا چاہیے۔ اور صرف وہی مضامین باقی رکھنے چاہئیں جو اخلاص و للہیت کے ساتھ اظہار حق کی خاطر قلم بند ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ۔ اس کی برکت سے قبولیت عامہ نصیب ہوگی اور اگر کوئی اس کی تردید میں کچھ پیش کر دے تو آپ اس کے جواب الجواب کے پیچھے نہ پڑیں کیوں کہ آپ کا مقصد اظہار حق تھا اور وہ حاصل ہو گیا اور بس۔ سچی بات یہ ہے کہ کتاب کا نفس مفہوم و مطلب آپ نے فقیر اور بزرگان دین کے مذہب و مشرب کے موافق خوب قلم بند کیا ہے۔ اللہ آپ کو اس کی بہتر جزا عطا فرمائے اور ہمیں آپ کو اور جملہ مؤمنین کو اپنی سچی محبت اور ذوق و شوق میں لگن رکھ کر حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔

الراقم الاثم :

فقیر امداد اللہ علیہ عنہ

محرمہ ۲۲ شوال ۱۳۰۴ھ از: مکہ معظمہ محلہ حارۃ الباب

ایک خط اور مولوی غلیل الرحمن صاحب کا مکہ معظمہ سے آیا جس میں یہ لکھا تھا کہ حضرت مرشدی ارشاد فرماتے ہیں کہ ”انوار ساطعہ“ کی جب دوبارہ طبعیت ہو تو پانچ یا چھ کاپی ہمارے پاس ضرور روانہ کر دیں۔

الحاصل حضرت مرشدی و مستندی کا صحیفہ مبارک آجانے کے بعد مجھے نظر ثانی کی فرصت نہ ملی۔ اسی وجہ سے یہ بات ملتوی رہی۔ لیکن جب چاروں طرف سے ”انوار ساطعہ“ کے مطالبے کے خطوط آنے لگے تو مجبور ہو کر یہ ٹھہرا کہ اب دوبارہ اس کی طباعت ہو جانی چاہیے۔ چنانچہ ۱۳۰۶ھ (1888ء) میں نظر ثانی شروع کر دی۔

مکہ معظمہ سے بعض آنے والوں کی زبانی حضرت مرشدی و مولائی کا ارشاد (محض) چار پانچ مقام (کی تصحیح) کے لیے تھا مگر میں نے یہ کیا کہ ہر مقام سے جس لفظ کو ملال کا باعث یا بار سامت سمجھا اس کو نکال دیا یہاں تک کہ مانعین کی طعن سے بھری ہوئیں عبارتیں جوابوں کے ساتھ خارج کر دی گئیں یعنی نہ تو بعینہ ان کے الفاظ ”انوار ساطعہ“ میں نقل کیے جائیں گے اور نہ ہی ان کے ترکیب و ترکی دے گئے جواب کی عبارتیں ہی۔ ہاں صرف اس پر اختصار ہوا ہے کہ فریق ثانی کی بعض عبارتوں کو بغیر جواب کے لمعہ اولیٰ میں نمونہ کے طور پر نقل کر دیا گیا ہے کیونکہ حضرت مرشدی و مولائی کی رضا جوئی مجھے بدل و جاں منظور ہے اور مرشد کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کرنا سراسر قصور ہے۔

مجھے حیرت ہے ان لوگوں پر جنہوں نے شہر میرٹھ کے مطبع حدیقۃ العلوم سے ایک اشتہار شائع کیا کہ فلاں فلاں عالم نے

جناب حاجی صاحب (حضرت مرشدی و مستندی) سے صرف سلسلہ تصوف میں بیعت کی ہے شریعت میں نہیں۔ الی آخرہ۔

اگر وہ لوگ یہ گفتگو اپنی ذات ہی تک محدود رکھتے تو میں بھی خاموشی اختیار کر لیتا لیکن جب یہ بات چھپ کر مشہور ہو گئی اور کسی صاحب نے اس کی تلافی بھی نہیں کی تو (مجھے اپنی صفائی کے لیے) اس کا دفعہ کرنا ضروری ہوا۔

واضح ہونا چاہیے کہ تصوف کی چار منزلیں ہیں: شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت۔

جب تصوف میں بیعت مان لی تو گویا چاروں میں بیعت مان لی پھر ایک منزل سے خارج ہونا عجیب فسانہ ہے۔

إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَبٌ (۱)

بے شک یہ عجیب بات ہے۔

(میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ لوگ) حضرت کی بیعت شریعت سے کیوں انکار کرتے ہیں جب کہ حضرت تو اتباع شریعت کا بڑا اہتمام کرتے اور اہل سنت کے اصولی و فروعی مسائل میں پوری تحقیق فرماتے تھے اور پھر وہ عارف بھی ہیں اور عالم بھی۔ اور عالم شریعت ہونے کے لیے علم فلسفہ وغیرہ کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔ لہذا اگر حضرت کو منطق و معقولات میں مشق و مزاولت نہیں تو کیا ہوا؟ منطق ایک آلہ ہی تو ہے جس سے انسان خطائی فکر سے محفوظ رہتا ہے۔

میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے خود صراحت فرمائی ہے کہ وہ نفس قدسیہ جنھیں تائید الہی حاصل ہوتی ہے اور حقیقتوں کے علم میں فکر و نظر کے محتاج نہیں ہوتے۔ یعنی انھیں منطق سے کوئی کام نہیں ہوتا اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کے ذہن میں حدس (دانائی) پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ بلا فکر و نظر، یکنخت آغاز سے انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔ جس کو اس کی آزمائش درکار ہو اسے حضرت کے مثنوی شریف کے درس میں شرکت کرنی چاہیے اس پر یہ آشکار ہو جائے گا کہ جن مطالب میں بڑے بڑے اہل عقل و خرد حیران و سرگرداں ہیں اسے آپ ایک اشارہ میں حل فرما دیتے ہیں۔ سچی بات یہ کہ حق تعالیٰ نے آپ کی ذات کو علم شریعت و طریقت کا جامع بنایا ہے۔ اور یہ ناتواں شریعت و طریقت بہر طور حضرت سے (سچی) عقیدت رکھتا ہے اسی لیے حضور کے حکم کی تعمیل و بجا آوری ضروری سمجھی اور نظر ثانی کر کے اس کتاب سے طعن و تشنیع والی عبارتیں نکال دیں۔ لیکن جب برائے ترمیم اس وجہ خاص کے لیے قلم اٹھایا تو پھر ایسا بھی ہوا کہ کچھ وہ چیزیں جو ہمارے اصلی مطلب سے ہٹ کر تھیں (مثلاً مسجد یوہندی تعمیر اور سماع و حقد وغیرہ کے مسائل) گھٹادی گئیں اور کچھ ایسے فوائد جن سے اپنے مطلوب و مقصود کی تائید ہو رہی تھی بڑھادیے گئے اور بعض مضامین جن کی عبارت مانعین کی سمجھ میں نہ آتی تھی وہ دوسرے طریقے سے انھیں سمجھائی گئیں۔ و اللہ ولی التوفیق و بیدہ ازمة التحقيق۔

لمعہ ثالثہ براہین قاطعہ کے احوال

واضح رہے کہ جب ۱۳۰۲ھ (بمطابق 1884ء) میں ”انوار ساطعہ“ طبع ہو کر چاروں طرف پھیلی تو دور دور سے طالبان حق نے کچھ قیمتی اور کچھ بدیہ منگا کر اس کا مطالعہ کیا اور دور دراز شہروں سے شکرے کے بہت سے مضامین یوں لکھے آئے کہ الحمد للہ ہمیں اس کتاب کے ذریعہ بہت سے شکوک و شبہات اوہام اور مغالطوں سے نجات و امان ملی۔

پھر دو سال بعد یعنی ۱۳۰۴ھ (1886ء) میں ”براہین قاطعہ“ جو اب ”انوار ساطعہ“ نامی ایک کتاب مطبع ہاشمی میرٹھ سے اس وضاحت کے ساتھ شائع ہوئی کہ یہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے حکم سے چھپی ہے۔ دیباچہ میں جہاں کہ مولف کا نام لکھا



جاتا ہے ان کے مرید مولوی خلیل احمد صاحب انڈھوی کا نام لکھا تھا اور کتاب کے اختتام پر تصدیق جواب اور تائید و تحسین کتاب کے طور پر مولوی رشید احمد صاحب موصوف کی تقریظ زیب قرطاس ہے۔

میرے کچھ احباب نیز دہلی و پنجاب وغیرہ کے بعض علماء نے خطوط لکھے کہ تم ”براہین قاطعہ“ کا جواب کیوں نہیں لکھتے۔ یعنی اس کتاب میں تحقیق حق تو اپنی جگہ صرف دلی بخار نکالا گیا ہے نہ تو کوئی دلیل ہی مقبول ہے اور نہ کوئی جواب ہی موزوں و درست ہے صرف غیر شائستہ اور بے ڈھنگے کلمات سے پوری کتاب بھر دی گئی ہے۔ غلیظ ترین الفاظ میں شاید کوئی ایسا لفظ ہو جس کا استعمال اس کتاب میں نہ ہوا ہو اگر ساری کتاب کا (دیانت داری سے) انتخاب کیا جائے تو غالباً آدھی کتاب گالی گلوچ اور غیظ و غضب سے بھری ملے گی۔ (اس لیے) اس کا جواب لکھنا بہت ضروری ہے۔ میں نے کہا چند وجوہ کے باعث میرے لیے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ خواہ اس کتاب یا کسی اور بے ڈھنگے رسالے کا جواب الجواب لکھنے سے باقضاے رفع نزاع (میرے لیے) حضرت مرشدی جناب حاجی صاحب ادا م اللہ ارشادہ (کی ذات) مانع ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت کا رقعہ مبارکہ لعلہ ثانیہ میں منقول ہو چکا ہے۔ مرید برآں یہ کہ علامہ ذی جہاہ المشہر باللسنۃ والافواہ استاذنا الحاج المہاجر مولانا رحمۃ اللہ الہندی الکبیر انوی ثم المکی خصہ اللہ بانیعامہ الجلی والخفی نے بھی ایک رحمت نامہ کچھ اسی مضمون کا روانہ فرمایا جسے بعینہ نقل کیا جاتا ہے

مولوی صاحب شفیق عالم مولوی عبد السمیع صاحب سلامت سلام مسنون کے بعد آپ سے دیرینہ محبت اور بے تکلفی کی بنیاد پر اپنا مقصد (نگارش) ظاہر کر رہا ہوں کہ آپ کی اور مولوی رشید احمد صاحب کی مخالفت حد کو پہنچ گئی اور تحریر بھی اب بڑی سخت ہو گئی ہے اس لیے مدرسہ فقیر کے مدرس دوم حافظ عبد اللہ صاحب کو سرکار چھتاری کے ذریعہ مقرر کردہ وظیفہ (جو دو سال سے وصول نہیں ہوا) لینے کے لیے دہلی سے چھتاری بھیجنا ضرور تھا اور ان کو تاکید کی گئی ہے کہ جاتے یا آتے آپ سے میرٹھ میں ملاقات کریں تو وہ آپ سے مل کر زبانی بھی کہیں گے کہ اس مقدمہ کو جتنا ہو سکے دبایا جائے ہرگز بڑھاوانہ دیا جائے۔ فقط والسلام

راقم آثم :

محمد رحمت اللہ از: مکہ معظمہ

تو جب پیر اور استاد دونوں کا ایک ہی ارشاد قابل ادب و احترام ملک عرب سے آئے تو بھلا بندہ اس باب میں اب کیسے قلم اٹھائے!

دوسری وجہ یہ ہے کہ شروع میں جب مانعین نے میلاد شریف کرنے والوں کو احمق، گمراہ اور کنہیا کا جنم دن منانے والوں سے بھی بڑھ کر لکھا اور اس کی چوٹ دور دور یعنی روم و شام، مصر و یمن، حرمین شریفین اور بیت المقدس وغیرہ کے علماء و مشائخ اگلے پچھلے اعیاء و اموات غرضیکہ تمام ذوات قدسیہ تک پہنچتی تھی تو ان سب کی براءت اور مذہب حق کی نصرت کے لیے میں نے یہ رسالہ ”انوار ساطعہ“ لکھا تھا اور اسی اخلاص نیت اور امداد حق کے باعث یہ طالبان حق میں کافی مشہور و مقبول ہوا اور دور دور تک اس کی شہرت ہو گئی۔

اب (اس کے جواب میں) یہ جو ”براہین قاطعہ“ چھپی ہے وہ پوری کی پوری لعن طعن سے بھری پڑی ہے۔ نہ تو مضمون ہی سنجیدہ نہ ہی تقریر موزوں۔ تا حد نگاہ خاص میری ذات ہی کی توہین و تحقیر۔ لیکن میں اپنی ذات کا انتقام لینے نہیں اٹھتا ہی ان کے بھونڈے الفاظ کا جواب دینے چلا ہوں۔ حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک سے ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جب تک بندہ اپنی برائیوں کو سن کر چپ رہتا ہے فرشتے اس کی طرف سے جواب دیتے ہیں اور جب یہ خود جواب دینے لگتا ہے تو وہ انتقام والا فرشتہ خاموش ہو کر اپنی راہ لے لیتا ہے۔ اس لیے مجھے منظور نہیں کہ میں بذات خود اپنے نفس کا انتقام لوں اور اب بہتر یہی ہے کہ ان کے جواب سے اپنے قلم کو تھام لوں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جب ”براہین قاطعہ“ چھپ کر ادھر ادھر شائع ہوئی اور اس کے مقلدین نے ”انوار ساطعہ“ کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو میں نے اپنا رسالہ ”انوار ساطعہ“ علمائے عصر کی خدمت میں بھیج دیا تاکہ وہ اسے شروع سے اخیر تک حرفاً قاطلاً حفظ فرمائیں، اگر مضمون درست اور دلیل ٹھوس پائیں تو اپنی تصدیق و تقریظ سے اسے مزین فرمائیں۔ چنانچہ بڑے بڑے شہروں کے نامور کار فضل اور دور دور کے مشاہیر علماء نے اس کتاب کو بالاتفاق پسند کیا اور اپنی (گراں قدر) تقریظ رقم فرما کر اس تحیف کو سر بلند کیا۔ ان کی تقریظوں سے ہویدا ہوا کہ ”انوار ساطعہ“ کا دعویٰ و دلیل سب درست و بجا ہے۔ وہ تقریظیں انشاء اللہ ہم نور چہارم میں درج کریں گے اور اہل نظر ان کے فصیح و بلیغ مضامین پر مطلع ہوں گے۔ تو اب ہمیں ”براہین قاطعہ“ کا جواب دینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہمارے مضامین پر سلف و خلف اور معاصر علمائے ذی شرف کا کثرت سے اجماع و اتفاق کافی حجت ہے۔ چونکہ وجہ یہ ہے کہ مولف براہین قاطعہ نے بہت سے مضامین ایسے لکھ دیے ہیں جس سے اکثر اہل اسلام کو وحشت و نفرت سی ہو گئی ہے۔

مثلاً براہین قاطعہ کے صفحہ ۳ پر ہے

جو کوئی یوں کہے کہ خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے اس پر طعن کرنا جہالت ہے۔

صفحہ ۴ پر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ بنی آدم کے بھائی ہیں۔ الی آخرہ۔

قید ایمان کی بھی شرط نہ رکھی جو کہ بعض لوگ آیت کریمہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ سے ثابت کرتے ہیں۔

اسی پر ہے

وترکی ایک رکعت کو قوت ہے۔

صفحہ ۵ پر ہے

جو کوئی تراویح کی بیس رکعت کی بجائے آٹھ رکعت کو سنت جانے وہ قابل اعتراض نہیں۔

صفحہ ۲۶ پر ہے

دیوبند کے عالموں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہندی کلام کرنا آگیا۔

صفحہ ۱۸ پر ہے



حرمین شریفین کے علماء کو رشوت دے کر جو چاہو فتویٰ لکھوا لو۔ الی آخرہ۔

تو گویا وہ آیت کریمہ: وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (۱) کے مصداق ہیں۔

صفحہ ۹۹ پر ہے

عوام کا مذہب معین نہیں ہوتا۔ الی آخرہ۔

یعنی سب لامذہب ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ دنیا میں زیادہ تر عوام ہیں اور جو خواص ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم کو خود بصیرت حاصل ہے جیسا کہ فرقہ غیر مقلدین کی زبان پر جاری ہے تو خواص اپنی علمیت اور عوام اپنی نادانیت کے باعث تقلید سے نکل گئے تو تقلید ائمہ جس پر مدت سے اجماع چلا آ رہا ہے کدھر گئی۔ ایسا مسئلہ ایسے فتنہ و فساد کے وقت میں لکھنا مخلوق میں آگ لگانا ہے۔

صفحہ ۱۳۲ پر ہے

مسئلہ اختلافی بلا ضرورت بھی جائز ہے۔

یعنی ایک امام کی تقلید واجب نہیں جس کا جی چاہا بلا ضرورت کسی امام کا مسئلہ لے لیا۔

صفحہ ۲۷ پر ہے

جس کو ایک نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو اس کے ذمہ سے حج ساقط ہو جاتا ہے۔

مگر اور حیلہ جو آدمیوں کے لیے اچھی دستاویز لکھ دی وہ کہہ دیا کریں گے کہ ہم سے جہاز اور اونٹوں کے سفر میں بے شک نماز ادا نہ ہوگی تو اس بنیاد پر ہم کوچ کے لیے جانا ضروری نہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے کہ ایک فرض ادا کرنے کو جائیں اور دوسرا قضا ہو جائے۔

صفحہ ۱۲۷ پر ہے

ہندوستان کے لوگ مردوں (کی طرف سے) صدقہ رہا ادا کرتے ہیں۔

دوسری جگہ صفحہ ۱۳۲ پر لکھا

الرباء شرک الخ۔

تو ان کے صدقہ کو ربا اور ریائی بتا کر ان کو شرک ٹھہرایا۔

صفحہ ۱۰۹ پر ہے

اور ہندوستان کے لوگ تاریخ کے تعین میں ہندوؤں سے مشابہت کرتے ہیں۔

تنبہ کو دوسری جگہ صفحہ ۱۱۳ پر لکھا کہ

(ایسا کرنا) کفر ہے۔

گویا تیجہ و چالیسواں کرنے والے کافر ٹھہرے۔ یہ کیسی بے انصافی اور زور زبانی ہے کہ سب کے متعلق رسم و ریا اور تنبیہ بالہند کا حکم دے دیا۔

(۱) اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ (سورہ مائدہ ۵۵/۴۴)

صفحہ ۱۴۱ پر ہے

محفل مولد شریف کرنے والے کنہیا کا جنم کرنے والوں سے بھی بڑھ کر ہیں وہ تو سال بھر میں ایک بار کرتے ہیں اور یہ جب چاہتے ہیں فرضی خرافات اور ولادت کا سانگ کر لیتے ہیں۔

الحاصل بہت سے مقامات پر ایسی ایسی دل آواز تقریریں رقم کیں کہ جس سے اہل اسلام علماء اور غیر عالم سبھی کبیدہ خاطر ہو گئے۔ کوئی قلم سے کوئی زبان سے ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق ان کے مسائل کی تردید کر رہا ہے۔ جب اس کتاب کی یہ حالت ہے تو مجھے جواب لکھنے کی کیا حاجت ہے۔ ہاں براہین قاطعہ کے جس کسی شبہ کا ازالہ ضروری سمجھا جائے گا تو چونکہ انوار ساطعہ پر نظر ثانی ہو ہی رہی ہے اس کا حل بھی پیش کر دیا جائے گا۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ مولف براہین قاطعہ کو اگرچہ بظاہر میرے مسائل و دلائل پر شدت سے انکار ہے مگر اسی انکار میں خاص اقرار (کے پہلو بھی نظر آرہے ہیں) چنانچہ صفحہ ۲۳ کی سولہویں سطر میں انوار ساطعہ کی مندرجہ روایات کی بابت آپ لکھتے ہیں: آپ کی سب روایات منقولہ مسلم ہیں۔

صفحہ ۱۸ کی اٹھارہویں سطر (پر لکھا)

جمع بین العبادتین کا کوئی منکر نہیں۔ الی آخرہ۔

ہم کہتے ہیں کہ فاتحہ اور کھانا کھلانے میں جمع بین العبادتین ہی تو ہے۔

صفحہ ۸۶ کی پانچویں سطر (پر لکھا)

ہر روز ثواب پہنچانا درست ہے (حتی کہ) عیدین اور شب براءت کو بھی۔ الی آخرہ۔

پھر ان ایام میں کھانا و فاتحہ ایصال ثواب کے لیے ہی تو ہوتا ہے۔

صفحہ ۱۱۹ کی پہلی سطر (میں لکھا)

جو فقرا کے واسطے بطور صدقہ ہو تو فقرا کو نفس طعام مباح ہے اگرچہ دن متعین کرنا بدعت ہے۔ الخ۔

صفحہ ۱۲۹ کی چودھویں سطر (پر لکھا)

اگرچہ طعام صدقہ ہے اور اس کا ثواب پہنچے گا مگر یہ کام تعین کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔ الی آخرہ۔

صفحہ ۷ کی بارہویں سطر پر لکھا

مانعین اس عمل کے بدعت ہونے کے قائل ہیں نہ اس کے کہ ثواب نہیں پہنچے گا۔

دیکھیے ہندوستان میں رائج تعین (ایام) میں بھی ایصال ثواب ہو جانا تسلیم کیا اور تعین کو بدعت کہا جس کو ہم بدعت حسنة کہتے ہیں۔ اس پر دلائل اس کتاب میں مذکور ہیں۔

صفحہ ۱۳۳ کی تیرہویں سطر (پر لکھا)

طرز اشغال کو متقدمین سے لے کر آج تک بدلتے چلتے آتے ہیں اور نسبت کارنگ بھی بدلتا رہتا ہے مگر اصل مطلق واحد ہے۔ الی آخرہ۔

فاتحہ اموات اور محفل میلاد شریف میں ہمارا یہی جواب ہے کہ اصل مطلق واحد ہے گورنگ اور طریقہ بدل گیا ہے۔



صفحہ ۷۳ کی چودھویں سطر (پر لکھا)

مانعین نہ فرحت میلا دو برا کہیں اور نہ ذکر ولادت کو منع کریں بلکہ ایسے امر مستحسن ہیں۔ الی آخرہ۔

صفحہ ۷۸ کی نویں سطر (پر لکھا)

سچ ہے کہ فرحت ولادت فخر عالم میں جس قدر کی جائے بوجہ شروع وہ تھوڑا ہے۔ الی آخرہ۔

صفحہ ۱۹۶ کی ساتویں سطر (پر لکھا)

بدعت حسنہ سنت ہی ہوتی ہے اس کو باعتبار ظہور اور شیوع کے کہا جاتا ہے۔ الی آخرہ۔

تو ہم کہتے ہیں کہ کھانے پر فاتحہ اور میلاد شریف دونوں سنت ہیں کیونکہ ان کی اصلیں قرونِ خلافت سے ثابت ہیں گو کہ ان امور کا اس انداز میں ظہور و رواج بعد میں ہوا۔ تو بس اس ظہور خارجی اور شیوع کے سبب ان کو بدعت حسنہ کہنا چاہیے نہ کہ بدعت و ضلالت۔

صفحہ ۹۱ کی پندرہویں سطر (پر لکھا)

کھانے اور شیرینی کی بحث تو چند دفعہ ہو چکی کہ اصل اس کی مباح اور تخصیص و تا کد مروج سے کراہت پیدا ہوئی۔

یہ ذکر ہے کھانے اور محفل میلاد شریف کی شیرینی کا۔

صفحہ ۲۰۰ کی دوسری سطر (پر لکھا)

قیام مباح تو تھا مطلقاً اور تعظیم شان ذکر فخر عالم علیہ السلام کے واسطے مستحب بھی تھا مگر جہلا کی تعقید و تخصیص اور عوام کے سنت اور وجوب سے بدعت ہوا تھا۔

صفحہ ۲۰۰ کی چوتھی سطر (پر لکھا)

اور مولد کبیر وغیرہ میں جو مستحسن کہا ہے۔ (یعنی قیام مولد شریف کو) تو اصل مطلق کے فرد کی وجہ سے کہا ہے بظن غالب وہاں عروض اس قید اور تا کد کا نہ ہوا تھا بخلاف ہمارے زمانے کے۔ الخ۔

صفحہ ۲۴۲ کی پانچویں سطر (پر لکھا)

تاویل حلی کی یہ ہے کہ وہ ذکر مطلق کے فرد کی وجہ سے قیام کرتے تھے اور تعقید مطلق کا درجہ اس قیام میں نہیں تھا اور نہ عوام کا اندیشہ تھا لہذا جائز جانتے تھے اور وہ امر نہیں رہا مگر وہ ہو گیا۔

دیکھیے قیام کو بھی مان لیا باقی یہ بات کہ اب مکروہ ہو گیا تو ان حضرات کے اجتہاد سے مکروہ ہوا جس کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔

دوسرے وہ جو بعض اشعار و قصائد میں ”مدائے یار رسول اللہ“ ہوتی ہے اس کی بابت براہین قاطعہ کے صفحہ ۲۲ کی سولہویں سطر میں لکھا

اگر ذات فخر عالم کو حاضر و ناظر بالذات کوئی عقیدہ کرے تو مشرک ہوتا ہے اور اگر یہ عقیدہ نہیں بلکہ محض محبت

میں کہتا ہے یا بوجہ اس کے کہ اگر ضمن صلاۃ و سلام میں ہے تو ملائکہ آپ تک پہنچا دیں گے اور جو بدون اس کے ہے

وقت عرض اعمال کے پیش ہو جائے گا۔ الخ۔

دیکھیے کہ انھوں نے انوار ساطعہ کے سارے مطالب تسلیم کر لیے ہیں اور وہ جو ہر ایک بات میں تسلیم کے باوجود کچھ کچھ انکار کی شاخ بھی درج کی ہے تو اس کی حقیقت طالبان حق انوار ساطعہ میں ملاحظہ کریں۔ ہر حجت کی کیفیت اپنے اپنے مقام پر کھول کر رکھ دی گئی ہے۔

علاوہ ازیں اہل عقل و دانش بخوبی سمجھتے ہیں کہ یہ شاخ اس لیے نکالی گئی ہے کہ جب انوار ساطعہ کی تردید کا نام لیا جا رہا ہے تو کچھ تو شاخ نکالیں گے ہی وہ ورنہ لوگ کہیں گے کہ یہ کیسا رد لکھا ہے کہ ہر بات کو مان لیا ہے۔

براہین قاطعہ سے ایک بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اکثر ناواقف لوگ مجھ سے الجھا کرتے تھے کہ میلاد و سرور کائنات علیہ افضل التسلیمات نیز مردوں کی فاتحہ بدعت ہے۔ بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں جو بدعت ہے وہ ضلالت ہے اور جو ضلالت ہے جہنم جانے کا ذریعہ ہے۔ ہر چند ہم ثبوت دیتے کہ بدعت دو قسم کی ہوتی ہے ایک بدعت سیئہ مذمومہ اور دوسری حسنہ محمودہ لیکن وہ کسی قیمت پر ماننے کو تیار نہ تھے۔ جب میں نے انوار ساطعہ میں بدعت کی تقسیم کا قاعدہ شرعی دلیلوں کی روشنی میں رقم کیا تو مولف براہین قاطعہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ صفحہ ۳۰ کی تیرہویں سطر پر ان کی عبارت یوں ہے۔

جو امر بعد فخر عالم علیہ السلام کے حادث ہوا مطلقاً خواہ محمود ہو خواہ مذموم یعنی اس کے جواز کی دلیل شرع میں

موجود ہو یا نہ ہو اس کی دو قسم کرتے ہیں قسم اول محمود کہ جس کی دلیل جواز شرع میں ہے اور دوسری مذموم کہ دلیل اس

کے جواز کی نہیں پس قسم اول کا بدعت حسنہ نام رکھتے ہیں اور ملحق بالسنہ جانتے ہیں اور دوسری قسم بدعت ضلالت

ہے۔ الخ۔

واضح ہو کہ اگرچہ مولف براہین قاطعہ یعنی مولوی خلیل احمد انیسٹوی کا اس قاعدہ کو فی نفسہ تسلیم کرنا ان کی ذات و صفات کو دیکھتے ہوئے (مخالفین یا موافقین میں) کسی بشر کے نزدیک قابل اعتماد و استناد نہ تھا لیکن چونکہ ان کا یہ سارا مسودہ درحقیقت ان کے پیر و مرشد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے افادات و افاضات کا عکس و آئینہ ہے اور پھر آخر کتاب میں جملہ مسائل و دلائل کی تصدیق کرتی ہوئی ان کی تقریظ بھی جلوہ گر ہے لہذا اس کتاب کے ہر مضمون کو مشہور قاعدہ ”نور القمر مستفاد من نور الشمس“ کی روشنی میں مولوی رشید احمد صاحب ہی کا مضمون سمجھنا چاہیے کہ (ان کی ذات) ہمارے اضلاع و نواح میں جملہ مانعین کے نزدیک مستند و معتبر ہے۔ الحمد للہ مانعین کو اپنے ایک ایسے مسلم الثبوت کی زبانی ہمارے قاعدہ کی کامل تصدیق ہو گئی اور ہمیں ان کی الایحیٰ مع خراشی سے نجات بھی مل گئی۔

براہین قاطعہ سے دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ بعض اصحاب علم و نظر اگر تقسیم بدعت کے قائل بھی ہوتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ بدعت حسنہ اگر ہے تو بس قرونِ ثلاثہ تک کی ایجاد درست اور لا کلام ہے ورنہ ان صدیوں کے بعد کی ایجاد بالکل ہی ضلالت و حرام ہے۔ میں نے انوار ساطعہ میں اس کا نہ صرف رد کامل کیا بلکہ شرعی دلیلیں بھی بطور ثبوت پیش کی ہیں کہ بھلائی و سعادت کے کام ایجاد کرنا جائز ہے گرچہ قرونِ اولیٰ کے بہت بعد ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ براہین قاطعہ کے مولف نے اسے بھی تسلیم کر لیا ہے۔

صفحہ ۲۹ کی پہلی سطر میں یہ عبارت ہے

جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ کسی وجود خارجی کی وجہ سے اس صدی میں ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کے جنس کا وجود خارج میں ہو یا نہ ہو وہ سب سنت ہے۔ الی آخرہ۔

پھر اسی صفحہ کی گیارہویں سطر کے بعد لکھتے ہیں

دیکھو کہ تقلید شخصی کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں موجود ہے گو اس کا وجود خارجی کبھی ہو اس سے ہم کو بحث نہیں۔ الی

آخرہ۔



پھر چار سطر کے بعد لکھا

لہذا بالبعین تقلید شخصی کے وجہ غیرہ کا وجود قرون ثلاثہ کے بعد ہوا اگرچہ اس کا وجود شرعی قرون ثلاثہ میں ثابت تھا۔ الی آخرہ۔

دیکھیے مولف براہین قاطعہ نے اس مقام پر اقرار کر لیا کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جس امر کا وجود خارجی قرون ثلاثہ میں نہ ہوا ہو وہ منع ہو بلکہ دلیل جواز کے لیے قرون ثلاثہ میں صرف اس کا وجود پایا جانا کافی ہے۔ جس امر کی دلیل کا وجود ان قرون میں پایا گیا پھر وہ کسی وجود خارجی کی وجہ سے خواہ کسی زمانہ قریب یا بعید میں موجود ہو تو وہ سب کا سب سنت ہے۔

صفحہ ۱۹۶ میں لکھا

بدعت حسنہ سنت ہی ہوتی ہے اس کو بدعت اس کے ظہور و شیوع کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔

چنانچہ اوپر بھی یہ عبارت نقل ہو چکی ہے۔ تو وہ جو بعض ناواقف منکرین بھگڑا کرتے تھے کہ محفل میلاد شریف نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمائی نہ کسی صحابی و تابعی نے اور نہ تابعین کے اتباع نے اس بنیاد پر یہ محفل بدعت سیدہ ہے تو ان کے اس دعویٰ و دلیل اور سب قیل و قال کی براہین قاطعہ کی اس تقریر سے بالکل تردید ہو گئی اس لیے کہ اس محفل کا وجود خارجی کے ساتھ ان صدیوں میں موجود ہونا کچھ ضروری نہیں صرف دلیل جواز کا پایا جانا کافی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کوئی تھوڑی سمجھ کا آدمی دلیل کا معنی یہ نہ سمجھے کہ اگر اس فعل خاص کا نام صراحۃً اور اس کی کل کیفیات کا بیان بعینہ تشریحاً قرون ثلاثہ میں ہو گا تب وہ فعل ان صدیوں کے بعد جائز ہو گا ورنہ ناجائز۔ تو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا ہرگز مراد نہیں اور اس کا تصفیہ بھی مولف براہین قاطعہ نے کر دیا ہے۔ کیونکہ انوار ساطعہ میں یہ مضمون لکھا گیا ہے کہ تعمیر مدرسہ کو بھی تم بدعت حسنہ یعنی ملحق بالسنۃ اور سنت حکمیہ مانتے ہو تو پھر ایسے ہی محفل میلاد شریف اور فاتحہ اموات بھی ہے۔ اگر یہ امور ان صدیوں میں اس ہیئت کے ساتھ ثابت نہیں تو تعمیر مدرسہ بھی مروجہ ہیئت و کیفیت کے ساتھ قرون ثلاثہ سے ثابت نہیں۔

تو اس کا جواب براہین قاطعہ کے صفحہ ۱۸۵ کی تیسری سطر میں یہ دیا

تعمیر مدرسہ کی مثال محض کم فہمی ہے صفحہ کہ جس پر اصحاب صفہ طالب علم دین اور فقرائے مہاجرین رہتے تھے مدرسہ ہی تو تھا نام کا فرق ہے لہذا اصل سنت وہی ہے ہاں مکان کی ہیئت تبدیل ہو گئی۔ الی آخرہ۔

اب ہم صاحب براہین قاطعہ کی دلیل کا پول کھولتے ہیں۔ واضح ہو کہ صفحہ مسجد نبوی میں ایک سایہ دار مکان تھا اور اس کی اصل یہ تھی کہ تحویل قبلہ سے پہلے مسجد شریف کی شمالی جانب قبلہ تھا، تحویل قبلہ کا حکم ہو جانے کے بعد قبلہ اولیٰ کی دیوار قائم رکھی گئی تاکہ بے گھر فقیر و مسکین یہاں رہا کریں۔ ”جذب القلوب“ میں ذہبی کے حوالے سے یوں ہی مذکور ہے۔

”فتخب اللغات“ میں ہے

جمع از غریبان اہل اسلام کہ خانہ نہ داشتند در موضع از مسجد کہ بالالیش پوشیدہ بودند گزرا نند۔

بے خانماں غریبائے اہل اسلام کا ایک گروہ مسجد کے اندر ایک چھت دار جگہ پر زندگی گزارتا تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب کہیں سے صدقات آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کو بھیج دیتے۔ مشکوٰۃ کے باب ”فضل الفقراء“ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ستر اصحاب صفہ (اس حال میں) دیکھے کہ کسی کے پاس اوپر اوڑھنے کے لیے چادر بھی نہ تھی بس ایک ایک کپڑا تھا، کسی کے پاس نیچے باندھنے کو فقط ایک تہبند تھا، کسی کے پاس اوپر اوڑھنے

کو ایک کلمی جسے وہ گلے میں باندھ لیتے تھے، کلمی یا تہبند کسی کی آدمی پنڈلی تک پہنچتا تھا اور کسی کے ٹخنوں تک۔ وہ لوگ اپنے کپڑوں کو سجدہ وغیرہ کی حالت میں سمیٹ لیا کرتے تھے کہ کہیں ستر عورت کھل کر دوسروں کو نہ نظر آ جائے۔ انتہی۔

قرآن میں ان کا کام یہ بیان ہوا ہے۔

يَذْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ. (۱)

رضائے رب کی خاطر وہ اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں مفسر قادم نے کہا کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے حق میں نازل ہوئی ہے وہ ایک نماز پڑھ کر بیٹھے رہتے کہ اب دوسری نماز پڑھیں گے۔ اس صورت میں یدعون ربہم کے معنی یہ ہوئے کہ نماز پڑھتے ہیں اور حضرت ابن عباس اور مجاہد سے بھی یہی معنی مروی ہیں۔ جب کہ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یدعون ربہم سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا سے دعا کرتے ہیں۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اس کو یاد کرتے ہیں۔ تفسیر کبیر اور معالم التنزیل میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی سورہ انعام میں مذکورہ بالا آیت کے لیے یہی معنی اختیار کیے ہیں فرماتے ہیں

مناجات می کنند پروردگار خویش را بامداد و مسامی طلبند روئے اور۔ انتہی۔

وہ اپنے رب سے صبح و شام مناجات کرتے ہیں خاص اس کی رضا کی خاطر۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں

پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام چاہتے ہیں اس کا منہ۔ انتہی۔

صبح و شام سے مراد دوام ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ مناجات الہی میں لگے رہتے اور اللہ کو پکارتے ہیں۔

اب مدرسہ کا مسئلہ معلوم کرنا چاہیے کہ فی زمانہ بھی علماء مدرسے کی تعمیر کو جائز فرماتے ہیں کسی نے اپنی اصطلاح کے موافق سنت حکمیہ اور ملحق بالسنۃ کہا اور کسی نے بدعت حسنہ قرار دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب صفہ کو اس کی نظیر اور دلیل ٹھہراتے ہیں اب اصحاب عدل و انصاف خیال فرمائیں کہ اصحاب صفہ کی حقیقت اور ان کے کام اور طلبہ مدرسہ کی کیفیت اور ان کے کاموں میں کتنا کچھ فرق ہے۔ اور اسی طرح مقام صفہ اور تعمیر مدرسہ میں حقیقت صفہ اور وضعاً کس قدر خلاف ہے کسی چیز میں اشتراک نہیں نہ نام نہ تعمیر مکان اور نہ ان کے کاموں ہی میں بجز اس کے کہ صفحہ بھی ایک مکان تھا جس میں مسلمان طالب دین رہتے تھے اور مدرسہ بھی ایک مکان ہے جس میں مسلمان طالب دین رہتے ہیں اور دونوں میں یہی ایک مشترکہ علت دیکھ کر موافق و مخالف تمام علماء مدرسہ کو جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی علت و بنیاد پر مولف براہین قاطعہ اور ان کے مرشد و تقریظ نگار نے تعمیر مدرسہ کا جواز مسلم رکھا۔ تو ثابت ہو گیا کہ کسی نئے اور نیک کام کی ایجاد کے جواز و استحسان کے لیے اتنی ہی دلیل کافی ہے۔ جیسے آج کل کے مدارس کی ہیئت و کیفیت کے جواز کے لیے صفحہ کا وجود دلیل کافی سمجھا گیا گو ہیئت کی تبدیلی بدرجہ کمال ہے۔ جب یہ قاعدہ صاحب براہین قاطعہ نے اس تشریح و توضیح سے خود تسلیم کر لیا تو اب ہم کو ان کی کتاب کے رد و جواب کی کیا حاجت رہی۔

ہماری ”انوار ساطعہ“ کا مقصود اصلی اور مطلوب حقیقی دو چیزیں ہیں: محفل سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ اور فاتحہ اموات۔ اور یہ دونوں مسئلے مولف براہین قاطعہ کی تقریر سے ثابت ہو گئے۔



ہم کہتے ہیں کہ فاتحہ اموات، دسویں اور چالیسویں وغیرہ کے طور پر ایصالِ ثواب ہی تو ہے۔ اور محفل میلاد شریف روایت معجزات ہی تو ہے گو ہیئت تبدیل ہو گئی اور نام بدل گیا۔ جس طرح بدرہہ مولف براہین قاطعہ کے اقرار کے مطابق صفہ ہی تو ہے گو ہیئت بدل گئی اور نام بدل گیا۔

نادان لوگ ہیئت کذا ایہ ہی میں بلا وجہ سمجھ خراشی کیا کرتے تھے مولف براہین نے صفہ کے نام و ہیئت کی تبدیلی، مدرسہ کے باب میں تسلیم کر کے ہم کو اس قسم کے جھگڑاؤں سے نجات بخش دی کہ پرانی ہیئت کی تبدیلی اور ہیئت کذا ایہ کا الحاق کسی نزاع کا باعث نہیں۔ اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ اگر بغور دیکھا جائے تو براہین قاطعہ درحقیقت ہمارے مخالف نہیں بلکہ ہمارے مدعا کے عین موافق ہے اور ہم نے جن اصول و دلائل اور نظیروں کو انوار ساطعہ کے دعوؤں کے اثبات کے لیے جا بجا قائم کیا ہے اہل نظر بلا تامل ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہماری ہر دلیل، دلیل صفہ کی دلیل سازی سے کہیں بلند و اعلیٰ ہے۔ معلوم رہے کہ اس کتاب میں جہاں ”براہین قاطعہ“ کا نام آئے گا تو فصل اور تیز کے لیے اسے ”مولوی رشید احمد گنگوہی کے چھپوانے اور شائع کرنے کی وجہ سے“ براہین قاطعہ گنگوہی“ لکھا جائے گا۔ اس لیے کہ براہین قاطعہ کے نام سے ایک اور رسالہ بھی ہے جس کا جواب ”دلائل ساطعہ قاطعہ براہین قاطعہ“ ہے۔

لمعہ رابعہ مفتیان فتاویٰ انکاری کے مسلم الثبوت علماء و مشائخ کا تذکرہ

واضح رہے کہ ان فتاویٰ کے (لکھنے والے) مفتیان کرام ہیں وہ ان دو عالموں مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی اسحاق صاحب دہلوی کے معتقد ہیں، بعضوں کو ان صاحبوں کے خاندان میں واسطہ درواسطہ رابطہ شاگردی حاصل ہے، بعضوں کو مریدی و طالبی، اور بعضوں کو محض تقلید اور پیروی۔ تو مولوی اسماعیل صاحب کا خاندان طریقت یہ ہے کہ وہ سید احمد صاحب کے مرید ہیں اور وہ شاہ عبد العزیز صاحب کے اور وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کا سلسلہ اوپر کی طرف خاندان مجددیہ میں یوں چلتا ہے کہ وہ اپنے باپ شاہ عبد الرحیم صاحب کے مرید ہیں اور وہ سید عبد اللہ سے اور وہ سید آدم بنوری سے اور وہ امام ربانی مجدد الف ثانی سے۔ الخ۔

اپنے دوسرے سلسلہ کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ”انتباہ“ میں یہ لکھا ہے

اس فقیر نے شیخ ابوطاہر سے علم حدیث لیا، خرقہ تصوف پہنا اور خلافت پائی اور انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے اور انھوں نے شیخ احمد شتاوی سے اور انھوں نے اپنے باپ علی ابن عبد القدوس سے اور انھوں نے شیخ عبد الوہاب شتراوی سے اور انھوں نے شیخ جلال الدین سیوطی سے اور انھوں نے شیخ کمال الدین امام کاہلیہ سے اور انھوں نے شیخ الاسلام ابوالخیر ابن الجوزی شیخ القرآن الحمد ثین سے۔ الی آخرہ۔

الحاصل یہ اوپر سلاسل مذکورہ میں درج ہوئے بزرگواران مفتیان فتاویٰ انکاری کے مقتدا اور پیشوا ہیں اور ہم نے ان اسماء کو ان کے مسلم الثبوت مشائخ کی کتابوں مثلاً ”انتباہ“ اور ”قول جمیل“ وغیرہ سے نقل کیا، اور یہ اس لیے کہ ہم جو قول یا دلیل پیدا کریں گے تو یا تو خود ان بزرگواروں کی تصانیف میں ہوگی یا ان بزرگواروں کی مسلم الثبوت کتابوں میں ہوگی۔

لمعہ خامسہ بدعت حسنہ کا اثبات

واضح ہو کہ یہ مسئلہ اصول دین متین سے ایک اصل عظیم ہے اگر یہ ثابت ہو گیا تو سمجھ لیں کہ اکثر اختلافی مسائل طے ہو گئے۔ اس بنیاد پر پہلے ہم (اللہ کی قوت و مدد سے) اسی سے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ اے حق کے طلب گارو! بیدار دل ہو کر سنو کہ بدعت حسنہ کے متعلق چند اقوال ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ جو امر قرون ثلاثہ یعنی صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں ایجاد ہوا وہ سنت ہے اور جو ان کے بعد ہوا وہ بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

یہ مولوی اسماعیل صاحب کے مقلدوں کا قول ہے جو بارہا اپنے اعتراضوں میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اور رسالہ ”تذکیر الاخوان“ میں مولوی اسماعیل صاحب نے جو نظیر کی قید لکھی ہے تو اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اسی رسالہ کے ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ نظیر کا سمجھنا مجتہد کا کام ہے۔ تو اگر کوئی کام از روئے نظیر و مثل ان مجتہدین مطلق کے وقت میں ایجاد ہوگا تو جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر مفتیان فتاویٰ انکاری میلاد و فاتحہ کو بدعت ٹھہرا چکے ہیں اور ان کی عبارتیں لمعہ اولیٰ میں نقل ہو چکی ہیں کہ محفل میلاد کا انعقاد اور قیام چونکہ قرون ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوا لہذا یہ بدعت ہے۔ (فتویٰ انکاری ثانی: ۱۷)

مولوی اسحاق صاحب کے ”مائتہ مسائل“ کے چند ہویں سوال میں ہے۔

معلوذ اور مولود ہم اختلاف است زیرا کہ در قرون ثلاثہ کہ اس کے ساتھ یہ بھی کہ مولود کے سلسلہ میں اختلاف مشہود لہم بالخیر است ایں امر معمول نہ بود بعد قرون ثلاثہ ایں ہوا ہے کیوں کہ قرون ثلاثہ (جس کی بہتری کی شہادت و دلیل امر حادث شدہ بنا بریں علماء در جواز آن مختلف شدہ اند۔ انتہی۔ موجود ہے) میں یہ امر رائج العمل نہیں تھا قرون ثلاثہ کے بعد اس کی ایجاد ہوئی ہے اسی بنیاد پر اس کے جواز کے بارے میں علماء اختلاف رائے رکھتے ہیں۔

اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ جو علماء میلاد شریف سے منع کرتے ہیں وہ اس کام کے ان صدیوں میں نہ ہونے کے باعث منع کرتے ہیں نہ کہ نظیر نہ پائی جانے کی وجہ سے۔

”تحقیق الحق“ کے صفحہ ۳ میں ”تفہیم المسائل“ قرۃ العیون“ سے نقل کیا ہے

جو چیز ان تینوں صدی کے بعد ایجاد ہوئی وہ بدعت سیئہ سراسر ظلمت اور موجب ضلالت ہے۔ ”نصاب الفقہ“ میں ہے۔

ہر آنچہ بدعت حسنہ مجتہدان قرار دادہ اند ہماں صحیح است ہر وہ بدعت حسنہ جو مجتہدین کی متعین کردہ ہے وہ تو صحیح اگر دریں زمان چیزے را بدعت حسنہ قرار دہند خلاف است ہے۔ لیکن اس دور میں جس چیز کو بدعت حسنہ قرار دیا جائے تو وہ زیر کہ در مصفی گوید کل بدعت ضلالہ۔ انتہی۔ اس مقررہ قاعدے کے خلاف ہے کیوں مصفی میں کہا گیا ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

یہ مضمون مانعین کے چند رسائل میں موجود ہے۔ الحاصل یہ لوگ ”تذکیر الاخوان“ کا مطلب اسی طرف پھیرتے ہیں کہ



مجہدین اربعہ تک جو ہو گیا ہو گیا، آگے سب بدعت ضلالت ہے اور اراقم الحروف کے نزدیک ”تذکیر الاخوان“ کی عبارت کے معنی وہ ہیں جو بعد اربعہ میں میلاد شریف کے مباحث میں لکھے جائیں گے، لیکن یہاں گفتگو اس سلسلے میں کی جاتی ہے جو ان کے مقلدین کافی زمانہ قرار داد ہے۔ اور بعض لوگ اس گروہ کی یہ بات بھی زبان پر لاتے ہیں کہ بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں جو چیز بدعت ہوئی اس میں حسن کہاں؟ یہ بات ”رسالہ فتویٰ“ وغیرہ میں درج ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جو چیز صحابہ اور تابعین کے بعد نکالی جائے وہ بدعت اور نامشروع ہے۔ یہ ”مائۃ مسائل“ کے ۸۴ ویں سوال میں لکھا ہے

امریہ کہ منقول نہ باشد از آل حضرت و صحابہ و تابعین غیر مشروع است۔ الی آخرہ۔  
بروہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور تابعین سے منقول نہ ہو وہ خلاف شریعت ہے۔  
تمامی مسئلہ ہذا میں لکھا ہے

عدم نقل از حضرت و صحابہ و تابعین دلالت بر بدعت و کراہت فعل دارد۔ الی آخرہ۔  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور تابعین عظام سے اس کا نقل نہ ہونا اس کی بدعت اور کراہت کی دلیل ہے۔  
پہلے قول میں تبع تابعین تک کی بات سنت معلوم ہوتی تھی اور اس قول میں صرف تابعین تک کا قول مستند ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ صحابہ کا فعل تو سنت میں داخل ہے لیکن صحابہ کے بعد جو قول و فعل حادث ہو وہ بدعت اور ضلالت ہے چنانچہ ”مکتوبات مجددیہ“ کی جلد اول کے مکتوب نمبر ۱۸۶ میں ہے

ہر چہ در دین محدث و مبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر و حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں خلفائے راشدین اور نہ بودہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اگرچہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمیع کہ باو مستند گرفتار عمل آں محدث بگرداند۔  
بروہ چیز جس کی دین میں نئی ایجاد و ساخت ہوئی مگر وہ محدث ہی شمار کیا جائے گا۔

اسی مکتوب کے آخر میں لکھا ہے  
فعلیکم بالاعتصار علی متابعتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والاكتفاء علی اقتداء اصحابہ الکرام۔  
تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع اور صحابہ کرام کی اقتداء پر اکتفا کرنا چاہیے۔

اب دیکھیے اگر اس کلام سے استدلال کیا جائے تو تابعی کا قول و فعل بھی نامستند اور واجب الاجتناب رہے گا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ تابعین تو تابعین ہیں خود صحابہ کا بھی کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ان کی باتوں کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ ان علماء کے نزدیک بدعت کے معنی یہ ہیں البدعة ما لم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ رہی ہو۔

اللہ علیہ وسلم (۱)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر صحابہ بھی ایجاد کریں تو ان علماء کے نزدیک وہ بدعت ضلالت ہے اور غیر مقلدوں کا اسی پر عمل ہے کہ وہ خلفائے راشدین کے فعل کو بھی بدعت اور ناجائز کہتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا

تم میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ (۱)

تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ”مسک الختام شرح بلوغ المرام“ میں ہے کہ سنت خلفائے راشدین سے ایسا طریقہ مراد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے موافق ہو اور قواعد شریعت سے (یہ بات) معلوم ہے کہ کسی خلیفہ راشد کو (حق) نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے سوا کوئی طریقہ ایجاد کرے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اتنی ملخصاً۔  
”مفتاح اسرار التواریخ“ میں ہے

سنة الخلفاء سے ان کی وہی سنت مراد ہے جس میں وہ سنت نبوی کے قبیح اور موافق ہیں نہ کہ وہ جس کے وہ خود موجد ہیں۔ الی آخرہ۔

پس ان بزرگواروں کے نزدیک بعض امور زائد کرنے کی وجہ سے تو صحابہ کرام بھی بدعتی ٹھہرتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔  
چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب ”مصانح التواریخ“ میں لکھتے ہیں  
منکرین گیارہ رکعت کو سنت جانتے ہیں اور بیس کو بدعت۔

اب طالبان حق غور سے سنیں کہ یہ چاروں بیان کیے گئے اقوال بعض علماء کے نزدیک شاذ اور مختلف فیہ ہیں۔ چوتھے قول کو تیسرا رد کرتا ہے تیسرے کو دوسرا اور دوسرے کو پہلا۔ اور پہلا قول جو ہمارے معاصرین پیش کیا کرتے ہیں اور زیادہ تر اسی کو مستند ٹھہراتے ہیں تو اس میں جو خلل ہے اب اس عاجز سے اس کا بیان سنئے۔

واضح ہو کہ معتدین و متاخرین میں کسی نے سنت کی تعریف یہ نہیں لکھی کہ سنت وہ شے ہے جو قرون ثلاثہ میں پائی جائے یا یہ کہ جو قرون ثلاثہ میں حادث ہو وہ سب سنت ہے۔ اور نہ کسی نے حدیث یا قول صحابہ یا تابعین و تبع تابعین سے یہ بات صراحتاً ثابت کی ہے۔ ہم نے بارہا اس مذہب والوں کو مہلت دی کہ مہینہ دو مہینہ برس دو برس میں کسی کتاب سے خود یا اپنے مددگاروں سے تلاش کرا کر کوئی ایسی معتبر حدیث ہم کو دکھاؤ جس میں خاص یہ الفاظ ہوں کہ قرون ثلاثہ کے بعد جو بات نکلے گی وہ بدعت ہوگی اور جو معین قرون ثلاثہ میں ایجاد ہوگی وہ سنت ہوگی اور اگر حدیث نہ ملی تو خاص یہی الفاظ جماعت صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین کی زبانی معتبر اسناد اور معتد کتاب سے ارشاد فرمائے ہوئے ہم کو دکھاؤ اس لیے کہ تمہارے نزدیک اعتماد و استناد قرون ثلاثہ پر ہی منحصر ہو گیا ہے چنانچہ براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۴۱ کی دوسری سطر میں اس کی تصریح کی عبارت یوں ہے

یہ ضرور اور واجب ہے کہ تمہید قواعد جواز و عدم جواز کی محدود بزمان ہے بعد قرون ثلاثہ کے جو کوئی قاعدہ تجویز ہو وہ ہر حال میں مردود ہوگا۔ انتہی۔

(۱) علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين۔ (نصب الراية لاحاديث الهداية: ۲۲۸/۱ فصل فی البرکة كشف الخفاء: ۲۰۶/۲۰ تلخیص حیر: ۳۹۸/۵۰ تخریج احادیث الاحیاء: ۱۶۸/۹ حدیث: ۳۰۱۶/۳۰ مشکل الآثار طحاوی: ۱۸۳/۳۰ حدیث: ۹۹۸/۱۱ الاوسط لابن منذر: ۱۶۵/۱ حدیث: ۱۲۸/۱ السنۃ محمد بن نصر مروزی: ۵۸۸/۱ حدیث: ۵۵۸/۱ الشریعة آجری: ۲۹۲/۳ جامع بیان العلم وفضلہ ابن عبد البر: ۱۳۶/۳ حدیث: ۱۰۸۰/۱ غریب الحدیث ابراہیم حربی: ۳۵۲/۴ حدیث: ۱۳۶۵/۷



اسی لیے تو ہم قاعدہ کا بھی خاص قرون ثلاثہ ہی سے ثبوت مانگتے ہیں کہ طبقات مذکورہ میں سے کس طبقہ میں یہ قاعدہ جاری کیا گیا اور اگر بعد میں یہ قاعدہ ایجاد ہوا یا اسی دور میں ہوا اور اس پر کیا بھی واقع ہوئی تو یہ قاعدہ تمہاری قرارداد کے مطابق بدعت سیئہ ہوا جاتا ہے اور تم: مَن اَحَدٌ فِيْ اَمْرِنَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ کے مصداق ہوئے جاتے ہو۔

الغرض بارہا دلیل کا مطالبہ کیا گیا لیکن کوئی نہ لاسکا یہاں تک کہ مولف برائین قاطعہ بھی اس مقام پر ظاہری جوش و خروش دکھا کر حرف مدعا میں خاموش ہو گئے اور اپنی نئی پرانی کسی کتاب سے حسب شرائط مطلوبہ کوئی سند نہ لاسکے اور لائیں بھی تو کہاں سے کہ سب کے سب فقط ایک حدیث پڑھ دیتے ہیں

خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنُهُمْ (۱)

سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس سے لگا ہوا پھر اس سے لگا ہوا۔

(۱) التلخيص المحمر في تخریج احادیث الراغب الکلبی: ۳۲۶/۶ حدیث: ۲۶۶۳

اس مفہوم کی دوسری حدیثیں یوں ہیں

❖ خیر کم قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم۔ (بخاری: ۱۳۲۹/۹ حدیث: ۲۵۷۷، مسند احمد: ۳۹۳/۸ حدیث: ۳۹۵۹، سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۱۰ سنن: کبریٰ نسائی: ۱۳۵۸/۳ حدیث: ۲۷۵۱، معجم کبیر طبرانی: ۱۳/۱۳۸ حدیث: ۱۳۹۸۵، دلائل النبوة بیہقی: ۳۵۸/۸ حدیث: ۲۹۳۹، مستخرج ابوداؤد: ۲۸۹/۱۲ حدیث: ۵۱۸۰، مشکل الآثار: ۳۳۳/۵ حدیث: ۲۰۵۲، مسند ابن راہویہ: ۲۵۸/۲ حدیث: ۳۲۳۲/۲، مسند ابن الجعد: ۱۹۱/۳ حدیث: ۱۰۵۳، المقاصد الحسنة: ۱۱/۱۲۱ کنز العمال: ۵۴۷/۱۱ حدیث: ۳۲۳۵/۷، مسند جامع: ۲۶۹/۳۳ حدیث: ۱۰۹۰۵، تحفۃ الاشراف: ۳۰/۱۰ حدیث: ۱۰۸۴۷)

❖ خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم۔ (بخاری: ۱۳۲۹/۹ حدیث: ۲۵۷۷، مسند احمد: ۳۹۳/۸ حدیث: ۳۹۵۹، سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۱۰ سنن ترمذی: ۸/۱۶۰ حدیث: ۲۱۴۷، مشکوٰۃ المصابیح: ۳۵۷/۲ حدیث: ۳۷۶۷، مسند احمد: ۳۳۸/۷ حدیث: ۳۳۱۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۱۰ بغیۃ الخارث: ۳۱/۱ حدیث: ۱۰۲۰، سنن کبریٰ نسائی: ۱۳۵۸/۳ حدیث: ۲۷۵۱، معجم کبیر طبرانی: ۱۳/۱۳۸ حدیث: ۱۳۹۸۵، مستدرک: ۱۹۸/۱۱ حدیث: ۲۸۵۹، معجم کبیر طبرانی: ۱۳/۱۳۸ حدیث: ۲۸۵۹، مسند ابن حبان: ۲۸۵/۲۷ حدیث: ۶۸۵۱، مسند عبد بن حمید: ۳۳۷/۱ حدیث: ۳۸۶، معرفۃ الصحابہ: ۱۵۶۸/۵ حدیث: ۱۵۶۸، مشکل الآثار: ۳۳۳/۵ حدیث: ۳۲۳۲/۲، مسند ابن ابی شیبہ: ۲۲۳/۱ حدیث: ۵۶۹، مسند بزار: ۱۸۵/۵ حدیث: ۱۵۷۷، اخلاق و آداب السامع: ۸۰/۳ حدیث: ۱۳۷۳، الکفایۃ فی علم الروایۃ: خطیب بغدادی: ۱۱۲/۱ حدیث: ۹۹، مسند شاشی: ۳۲۳/۲ حدیث: ۷۲۷، المطالب العالی: ۳۲/۱۲ حدیث: ۳۲۶۰، تثبیت الامامة و ترتیب الخلافة ابونعیم اصبہانی: ۶/۱ حدیث: ۶۱، مسند الحارث: ۳/۱۳۸ حدیث: ۱۰۲۳، معجم ابن الاعرابی: ۱۳۵/۱ حدیث: ۱۳۳، معجم الصحابہ: ۳۱۸/۸ حدیث: ۲۳۹، معرفۃ علوم الحدیث: ۸۱/۱ حدیث: ۶۷، مجمع الرواۃ و منبع الرواۃ: ۳۲۳/۳ حدیث: ۳۲۳۳، المقاصد الحسنة: ۱۱/۱۲۱ کنز العمال: ۱۹۹/۱ حدیث: ۲۳۰، نظم المتناثر: ۱۹۹/۱ حدیث: ۲۳۰، کنز العمال: ۱۱۲/۱ حدیث: ۹۹، الاشراف: ۸/۹ حدیث: ۹۳۰۳)

❖ خیر الناس قرنی الذی انا فیہ ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم۔ (مسند احمد: ۳۸۲/۳۷ حدیث: ۷۷۷۰، مجمع الرواۃ و منبع الرواۃ: ۳/۳۲۳ کنز العمال: ۵۴۷/۱۱ حدیث: ۳۲۳۵/۷)

❖ خیر امتی القرن الذی انا فیہ ثم الذین یلونهم۔ (تثبیت الامامة و ترتیب الخلافة ابونعیم اصبہانی: ۳/۱ حدیث: ۳۱)

❖ خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم۔ (بخاری: ۱۳۲۹/۹ حدیث: ۲۵۷۷، مسند احمد: ۳۹۳/۸ حدیث: ۳۹۵۹، سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۱۰ سنن نسائی: ۱۳۵۸/۳ حدیث: ۲۷۵۱، معجم کبیر طبرانی: ۱۳/۱۳۸ حدیث: ۱۳۹۸۵، مستدرک: ۱۹۸/۱۱ حدیث: ۲۸۵۹، معجم کبیر طبرانی: ۱۳/۱۳۸ حدیث: ۲۸۵۹، مسند ابن حبان: ۲۸۵/۲۷ حدیث: ۶۸۵۱، مسند عبد بن حمید: ۳۳۷/۱ حدیث: ۳۸۶، معرفۃ الصحابہ: ۱۵۶۸/۵ حدیث: ۱۵۶۸، مشکل الآثار: ۳۳۳/۵ حدیث: ۳۲۳۲/۲، مسند ابن ابی شیبہ: ۲۲۳/۱ حدیث: ۵۶۹، مسند بزار: ۱۸۵/۵ حدیث: ۱۵۷۷، اخلاق و آداب السامع: ۸۰/۳ حدیث: ۱۳۷۳، الکفایۃ فی علم الروایۃ: خطیب بغدادی: ۱۱۲/۱ حدیث: ۹۹، مسند ابن الجعد: ۱۹۱/۳ حدیث: ۱۰۵۳، المقاصد الحسنة: ۱۱/۱۲۱ کنز العمال: ۱۹۹/۱ حدیث: ۲۳۰، نظم المتناثر: ۱۹۹/۱ حدیث: ۲۳۰، مجمع الرواۃ و منبع الرواۃ: ۳۲۳/۳ حدیث: ۳۲۳۳، مشکوٰۃ المصابیح: ۳۵۷/۲ حدیث: ۳۷۶۷، سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۱۰ سنن ترمذی: ۸/۱۶۰ حدیث: ۲۱۴۷، سنن کبریٰ نسائی: ۱۳۵۸/۳ حدیث: ۲۷۵۱، معجم کبیر طبرانی: ۱۳/۱۳۸ حدیث: ۱۳۹۸۵، مستخرج ابوداؤد: ۲۸۹/۱۲ حدیث: ۵۱۸۰، مشکل الآثار: ۳۳۳/۵ حدیث: ۳۲۳۲/۲، مسند ابن راہویہ: ۲۵۸/۲ حدیث: ۳۲۳۲/۲، مسند ابن الجعد: ۱۹۱/۳ حدیث: ۱۰۵۳، المقاصد الحسنة: ۱۱/۱۲۱ کنز العمال: ۵۴۷/۱۱ حدیث: ۳۲۳۵/۷، مسند جامع: ۲۶۹/۳۳ حدیث: ۱۰۹۰۵، تحفۃ الاشراف: ۳۰/۱۰ حدیث: ۱۰۸۴۷)

اس استدلال کا حال یہ ہے۔

اولاً: اس حدیث کے راوی حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ عنہ شک بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن کے بعد دو قرن بیان فرمائے ہیں یا تین۔ صحیح مسلم میں ہے

قَالَ عِمْرَانُ فَلَا اَذْرِيْ اَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ بَعْدَ قَرْنِہٖ قَرْنَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا (۱)

حضرت عمران کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صدی کے بعد دو یا تین صدیوں کا ذکر فرمایا۔

بخاری شریف میں بھی یوں ہی ہے

مسلم میں عبد اللہ بن مسعود سے بھی اس حدیث کی روایت آئی ہے اور اس میں بھی شک ہے

قَالَ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ فَلَا اَذْرِيْ فِيْ الثَّلَاثَةِ اَوْ فِيْ الرَّابِعَةِ قَالَ ثُمَّ يَتَخَلَّفُ مِنْ بَعْدِہُمْ (۲)

وہ جو پھر اس کے بعد والے کا ذکر آیا ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ تیسری صدی تک کہا یا چوتھی صدی تک۔ پھر فرمایا کہ کچھ ایسے لوگ ہوں گے

بقیہ: صفحہ نمبر 52

❖ خیر امتی القرن الذین یلونہی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ (صحیح مسلم: ۳۵۶/۱۲ حدیث: ۳۵۹۹، مسند ابویعلیٰ موصلی: ۳۶۱/۱۰ حدیث: ۳۹۷۵، صحیح ابن حبان: ۲۷۶/۲۹ حدیث: ۷۳۶۶، معجم ابن الاعرابی: ۳۳۵/۵ حدیث: ۲۰۳۵، مسند جامع: ۳۲۷/۲۸ حدیث: ۳۲۹۰)

❖ خیر امتی القرن الذی یبعث فیہم ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ (صحیح مسلم: ۳۵۹/۱۲ حدیث: ۳۶۰۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۹/۱۲ حدیث: ۳۰۳۸، سنن ترمذی: ۱۶۱/۸ حدیث: ۲۱۳۸، مسند احمد: ۳۶۷/۱۳ حدیث: ۳۶۷۷، مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۸۷۷ حدیث: ۱۹۹۹۶، معجم کبیر طبرانی: ۱۳/۱۱۷ حدیث: ۱۲۹۳۱، معرفۃ الصحابہ: ۳۲۲/۲ حدیث: ۳۱، مسند طحاوی: ۳۲۳/۲ حدیث: ۸۸۲، مشکل الآثار: ۳۳۳/۵ حدیث: ۳۲۳۲/۲، مسند ابی بن ہریران: ۱۱/۳۵۶ حدیث: ۳۳۷، مسند بزار: ۳۲۸/۸ حدیث: ۳۰۳۵، تثبیت الامامة و ترتیب الخلافة ابونعیم اصبہانی: ۳/۱ حدیث: ۳، مسند ابن ابی شیبہ: ۲۲۳/۱ حدیث: ۲۱۳، معرفۃ علوم الحدیث: ۸۱/۵ حدیث: ۷۷، مجمع الرواۃ و منبع الرواۃ: ۳۲۳/۳ حدیث: ۳۲۳۳، نظم المتناثر: ۱۹۹/۱ حدیث: ۲۳۰، کنز العمال: ۱۱۲/۱ حدیث: ۹۹، مسند جامع: ۲۶۹/۳۳ حدیث: ۱۰۹۰۵، تحفۃ الاشراف: ۳۰/۱۰ حدیث: ۱۰۸۴۷)

❖ ان خیر کم قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ (صحیح مسلم: ۳۶۰/۱۲ حدیث: ۳۶۰۳)

❖ خیر هذه الامۃ القرن الذی یبعث فیہم ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ (مسند احمد: ۳۰۷/۳۷ حدیث: ۱۷۶۶، معجم کبیر: ۱۱۸/۱۳ حدیث: ۱۳۹۳۲، مسند رویانی: ۶۳/۱ حدیث: ۵۵)

❖ خیر هذه الامۃ قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ (معجم کبیر طبرانی: ۷۷/۷ حدیث: ۱۰۱۸۳، مشکل الآثار: ۳۳۳/۵ حدیث: ۳۲۳۲/۲، مسند شاشی: ۳۲۶/۲ حدیث: ۷۲۹)

(۱) صحیح بخاری: ۱۳۲۹/۹ حدیث: ۲۵۷۷، مسند احمد: ۳۸۱/۱۱ حدیث: ۳۳۷۷، صحیح مسلم: ۳۶۰/۱۲ حدیث: ۳۶۰۳، سنن بیہقی: ۲/۱۰ سنن نسائی: ۱۳۵۸/۳ حدیث: ۲۷۵۱، مستخرج ابی عوانہ: ۳۸۹/۱۲ حدیث: ۵۱۸۰، مسند شاشی: ۳۲۷/۲ حدیث: ۷۳۰، مسند ابن جعد: ۱۹۱/۳ حدیث: ۱۰۵۳، مسند جامع: ۳۲۶/۲۹ حدیث: ۱۰۹۰۵

(۲) مسلم شریف: ۳۵۸/۱۲ حدیث: ۳۶۰۱



اس سلسلہ کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی شک ہے۔

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَلَا أَكْذَرِي مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا. مجھے نہیں معلوم کہ حضور نے ایسا دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔ بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر محدثین بھی شک بیان کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن کے بعد دو قرون بیان فرمائے یا تین۔ جب اپنے بعد تین قرون بیان فرمانے کا شک ہے تو چار قرون کا احتمال بھی صحیح روایتوں سے پیدا ہو گیا (تو چاہیے تو یہ تھا کہ) چار قرون تک کی بات اس فریق کے نزدیک سنت ہو پھر قرون اربعہ کے بعد جو پیدا ہو وہ بدعت ضلالت و سیر ہو۔ لہذا قرون ثلاثہ کا قاعدہ صحیح روایتوں کی روشنی میں مشکوک ٹھہرا۔

ثانیاً: یہ کہ اس حدیث میں لفظ قرون واقع ہوا ہے اور یہ کئی معنوں میں مشترک ہے۔ قرن سید القوم کو بھی کہتے ہیں (کذا فی القاموس) بعضوں نے کہا کہ قرن مطلق زمانہ کو کہتے ہیں۔

بعض نے کہا مقید زمانہ کو کہتے ہیں۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے دس برس یا چالیس برس یا ستر برس یا سو برس یا ایک سو بیس برس۔

شرح مسلم میں ہے قَالَ الْحَسَنُ وَغَيْرُهُ: الْقَرْنُ عَشْرُ سِنِينَ وَ قَاعِدَةُ سَبْعُونَ، وَ النَّحْيِيُّ أَرْبَعُونَ، وَ زُرَّارَةُ بْنُ أَبِي أَوْفَى مِائَةً وَ عَشْرُونَ، وَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمِيرٍ مِائَةً وَ قَالَ ابْنُ الْأَعْرَابِيِّ: هُوَ الْوَقْتُ. انتہی (۱)

بعض نے کہا کہ اس سے اہل زمانہ مراد ہیں۔ قرن ایک طبقہ کے آدمیوں کو کہتے ہیں

أَنَّ الْقَرْنَ كُلُّ أُمَّةٍ هَلَكَتْ فَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا أَحَدٌ. (۲) یعنی مکمل ایک طبقہ کے لوگ قرن کہلاتے ہیں۔

اس تقریر پر بعضوں نے کہا کہ حدیث میں "قرنی" سے اصحاب "الذین یلونہم" سے ان کی اولاد اور دوسرے "الذین یلونہم" سے اولاد کی اولاد مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ اول وہ جنہوں نے آپ کا جمال باکمال دیکھا پھر جس نے ان کو دیکھا پھر جس نے ان کو دیکھا۔ بعض نے کہا کہ اس لفظ سے اول صحابہ مراد ہیں دوسرے تابعی اور تیسرے تبع تابعی۔ یہ سب اقوال شرح مسلم میں موجود ہیں تو لفظ قرن معانی کثیرہ میں مشترک ٹھہرا اور لفظ مشترک قطعیت اور یقین کا فائدہ نہیں دیتا۔ اور اس کا حکم توقف ہے جیسا کہ علم اصول میں یہ قاعدہ مقرر ہے۔

ثالثاً: یہ کہ لفظ مشترک میں غور و خوض کر کے متعدد معنوں میں سے کسی ایک معنی کو جب دلائل و قرائن کے ذریعہ ترجیح دے

(۱) شرح نووی علی مسلم: ۳۱۳/۸

(۲) شرح نووی علی مسلم: ۳۱۳/۸

کر عمل کے لیے لے لیا کرتے ہیں تو اس کا حال بھی مختلف ہوتا ہے کوئی کسی کو ترجیح دیتا ہے کوئی کسی کو۔ مولوی عبد الجبار اور امداد علی صاحب اپنے رسائل میں عینی شرح بخاری سے نقل کرتے ہیں

هَذَا إِنَّمَا كَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ إِلَى انْقِضَاءِ الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ وَ هِيَ تَسْعُونَ سَنَةً وَ أَمَّا بَعْدَ فَقَدْ تَغَيَّرَتِ الْأَحْوَالُ وَ كَثُرَتِ الْبِدَعُ إِلَى آخِرِهِ. قرون ثلاثہ یعنی نوے ہجری ختم ہونے تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں ایسا ہی تھا پھر اس کے بعد حالات بدل گئے اور بدعتوں کی بہتات ہو گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ سن نوے ہجری پر قرون ثلاثہ کی نوبت تمام ہو چکی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب "ازالۃ الخفاء" مطبوعہ بریلی کے صفحہ ۷۵ میں لکھتے ہیں

وَأَمَّا مَا يَسْتَدِلُّ بِهِ عَلَى خِلَافَتِهِمْ مِنْ حَدِيثِ الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ فَقَدْ أَخْرَجَ أَحْمَدُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَيْسَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ النَّاسِ قُرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَأْتِي بَعْدَ ذَلِكَ قَوْمٌ تَسْتَبِقُ شَهَادَتُهُمْ إِيْمَانُهُمْ وَإِيْمَانُهُمْ شَهَادَتُهُمْ. دینائے اس استدلال بر توجیہ صحیح ست کہ اکثر احادیث شاہد آن ست قرن اول از زمان ہجرت آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم تا زمان وفات وے صلی اللہ علیہ وسلم و قرن ثانی از ابتدائے خلافت حضرت صدیق تا وفات حضرت فاروق رضی اللہ عنہما و قرن ثالث قرن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و ہر قرن قریب بہ دو ازدہ سال بودہ است۔ انتہی ۱۲۔

یعنی خلافت راشدہ کے سلسلے میں حدیث خیر القرون سے جو استدلال کیا گیا ہے تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ امام احمد نے ابراہیم عبیدہ اور عبد اللہ کے حوالے سے تخریج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر زمانہ تو میرا زمانہ ہے پھر اس سے ملا ہوا پھر اس سے ملا ہوا اور اس کے بعد پھر ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ ان کی شہادتیں ان کی قسموں پر اور ان کی قسمیں ان کی شہادتوں پر بازیاں لے جائیں گی۔ اس استدلال کی بنیاد صحیح توجیہ پر ہے کہ اکثر حدیثیں اس پر روشنی ڈالتی ہیں کہ ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر وصال حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تک کا زمانہ قرن اول، خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آغاز سے لے کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات تک کا زمانہ قرن ثانی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ قرن ثالث کہلاتا ہے اور ہر زمانہ قریباً بارہ سال کی مدت پر محیط رہا ہے۔

مجمع البحار کی جلد سوم صفحہ ۵۴۶ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات سے متعلق لکھا ہے وَ قُتِلَ لِثَانِي عَشَرَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ لِسَنَةِ خَمْسٍ وَ ثَلَاثِينَ. حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۱۲ ذی الحجہ ۳۵ھ (654ء) میں شہید کیے گئے۔

لہذا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تقریر کے مطابق ۳۵ ہجری میں قرون ثلاثہ کا خاتمہ ہو گیا۔

جناب مولانا احمد علی صاحب محدث مرحوم سہارن پوری فرماتے تھے کہ خیر القرون کے یہ معنی نہایت موزوں اور



چہاں ہیں۔ اسلام کی شوکت جہی تک خوب رہی پھر خانہ جنگی شروع ہو گئی اور قرون ثلاثہ کی خیریت کم ہو گئی۔  
تکملہ مجمع البحار کے صفحہ ۱۴۴ میں ہے

وقد ظهر أن مدة ما بين البعثة إلى آخر من  
مات من الصحابة مائة وعشرون سنة بالتقريب و  
إن اعتبرت وفاته كان مائة واما قرن التابعين فإن  
اعتبر من سنة مائة كان نحو سبعين واما من بعدهم  
فإن اعتبر من سنة مائة كان نحو خمسين فظهر أن  
عدة القرن يختلف باعتبار أعمار أهل كل زمان و  
اتفق أن آخر أتباع التابعين من عاش إلى عشرين و  
مائتين. إلى آخره.

یہ بدیہی بات ہے کہ بعثت رسول سے لے  
کر آخری صحابہ کی وفات تک کا زمانہ قریباً ۱۲۰ سال پر محیط ہے۔  
اور اگر وفات کا اعتبار کر لیا جائے تو سو سال مزید۔ اور تابعین  
کے دور کا اگر ۱۰۰ سے اعتبار کیا جائے تو قریباً ستر سال پر محیط  
ہوگا پھر ان کے بعد اگر ۱۰۰ سے مانا جائے تو قریباً پچاس  
سال ہوگا لہذا یہ بات واضح ہو گئی کہ صدیوں کا شمار ہر دور کے  
لوگوں کی عمروں کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔ اور یہ متفقہ بات  
ہے کہ تبع تابعین کا سلسلہ ۲۲۰ میں ختم ہوا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قرون ثلاثہ کی مدت ۲۲۰ ہجری کے بعد تمام ہوئی۔

اب دیکھیے کہ قول اول کے مطابق تو یہ چاہیے تھا کہ جن چیزوں کو مجتہدین بدعت حسنہ قرار دے کر بقیاس واجتہاد جائز فرما چکے  
ہیں وہ بھی سب بدعت ضلالت اور سیدہ ٹھہریں کیونکہ مجتہدین اربعہ کا افتاء اجتہاد نوے سال کے بعد شائع ہوا ہے اس سے پہلے نہیں۔  
اور قول ثانی کے موافق خود صحابہ کرام کی باتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کے بعد بدعت ٹھہرتی ہیں۔ اور قول ثالث کے موافق  
اکثر مذاہب مبتدعین مثلاً روافض و خوارج مرجعہ و قدریہ اور معتزلہ سب سنت میں داخل ہوئے جاتے ہیں کیوں کہ یہ سب مذاہب  
دوسوئیس (۲۲۰) سال سے پہلے ایجاد ہو چکے تھے اور ان لوگوں کے نزدیک جو چیز خیر القرون میں ایجاد ہوئی سنت ہے تو ان سب  
مبتدعین کی بدعتیں سنت ہوئیں۔

اعتراض: بعض لوگ ان اعتراضات سے بچنے کے لیے جو یہ قید لگاتے ہیں کہ جو چیز قرون ثلاثہ میں بلا تکبر رائج ہوئی وہ سنت  
ہے اور جس پر انکار ہوا وہ بدعت۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس فقرہ کی سند بھی ہم قرون ثلاثہ سے طلب کرتے ہیں۔ حدیث صحیح یا جماعت صحابہ یا تابعین یا تبع  
تابعین سے دلیل لاؤ کہ کس نے یہ فقرہ روایت کیا ہے؟

اولاً: تمہارا یہ فقرہ ہی بالکل غیر مستند اور غیر مسلم ہے۔  
ثانیاً: اگر تم اس کو مان لو گے تو تمہاری بہت ساری چیزیں جن کو تمہارے پیشوا مقتدا و اعظمین مدرسین اور محدثین استعمال کرتے چلے  
آ رہے ہیں بدعت ضلالت اور سیدہ مظلمہ ہو جائیں گی۔

اب لیجئے دو چار باتیں سنتے چلیے۔  
شرح بخاری میں ہے کہ جدید اور محدث چیزوں میں سے کتابی شکل میں احادیث کا جمع کرنا، قرآن کی تفسیر کرنا، مسائل فقہ کو جمع  
کرنا، اور اعمال قلوب سے متعلق چیزوں کو جمع کرنا بھی ہے تو پہلی بات پر عمر ابو موسیٰ اور ایک جماعت رضی اللہ عنہم نے انکار کیا مگر

اکثر نے اس کی اجازت دی۔ دوسری بات پر تابعین شععی وغیرہ کی ایک جماعت نے انکار کیا۔ اور تیسری بات پر امام احمد اور ایک  
جماعت نے انکار کیا۔ الی آخرہ۔

اب قرآن کریم کی کتابت میں اختلاف دیکھیے۔ احیاء العلوم وغیرہ میں ہے کہ حضرت حسن بصری اور ابن سیرین انکار کرتے  
تھے کہ قرآن شریف میں تخیس و تفسیر لکھے جائیں۔ اور شععی و ابراہیم زبر زبر لکھنے کو مکروہ جانتے تھے اور ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ  
زبر زبر لکھنے کو ہمارے جملہ ائمہ متقدمین مکروہ جانتے تھے۔

شرح بخاری میں سند صحیح کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود انکار فرماتے تھے کہ قبل أعود برب القلق اور قل  
أعود برب الناس قرآن میں لکھی جائیں اور یہ بھی روایت ہے کہ وہ جہاں لکھی دیکھتے تھے ان دونوں سورتوں کو چھیل دیتے تھے۔  
فقہ حنفی کی کتابوں میں ہے کہ حضرت امام اعظم ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین قرآن حدیث اور فقہ کی پڑھائی کو درست  
نہیں جانتے تھے یوں ہی اجرت پر وعظ اور اذان و امامت بھی۔

جس وقت مدرسہ (بقاعدہ) متعین ہوا تو اس پر علماء نے انکار کیا۔ ”کشف الظنون“ میں ہے کہ جب علمائے ماوراء النہر کو خبر پہنچی  
کہ بغداد میں مدرسہ قائم ہو گئے ہیں تو وہ بہت غمگین ہوئے کہ اب تک ابراہیم طاب آخرت (مقی و پرہیزگار لوگ) خالص اللہ پڑھتے  
پڑھاتے تھے نتیجتاً ان میں کچھ کا ملین نکل آتے تھے اب جب کہ اجرت متعین ہو گئی تو علماء دنیا کے طلب گار ہو بیٹھے۔

مواہب وغیرہ میں ہے کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انھوں نے فرمایا  
الأذان الأول يوم الجمعة بدعة۔

بروز جمعہ پہلی اذان بدعت ہے۔  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف وہی ایک اذان تھی جو خطبہ سے پہلے کہی جاتی تھی اب جو اس کے پہلے ایک اور  
اذان کا اضافہ ہو گیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو بدعت فرمایا۔

تفسیر عزیزی پارہ الم میں ہے کہ ابراہیم نخعی، عیش، ابو موسیٰ اشعری، حسن بصری، سعید بن مسیب، عبداللہ بن عمر امیر المومنین  
عمر فاروق اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم قرآن شریف کی بیج کو برا جانتے تھے اور اس پر تکبر فرماتے تھے۔

الحاصل صحابہ و تابعین کے اختلاف اور تکبر کو کہاں تک شمار کیا جائے۔ اگر یاروں کا گڑھا ہو یا یہ قاعدہ صحیح مان لیا جائے تو تمام  
روئے زمین پر کوئی آدمی سنی نہ نکلے گا کسی نہ کسی بدعت میں ضرور گرفتار ہوگا کیوں کہ ایسی باتیں بہت کم ہیں جن پر کسی کا انکار نہ  
ہوا ہو اور چند باتیں جو ہم نے اوپر لکھی ہیں وہ محض ایک جھلک ہیں۔ لباس و طعام نکاح و معاملات اور مسجد و فرش کی تعمیر سے متعلق  
بہت ساری چیزیں ہیں جن پر انکار ہوا ہے مگر منکرین اب انھیں بلا انکار استعمال کیے جا رہے ہیں۔

یہ قاعدہ یاد رکھیں کہ منکرین اس بات کو مان چکے ہیں کہ ایک آدمی کا انکار بھی معتبر ہے اور اجماع کو توڑ دیتا ہے۔ پھر منکرین  
میلا و اپنی عبادات و معاملات میں سوائے متفق علیہ فرائض کے دکھادیں کہ ان کی کون کون سی بات ایسی اجماعی ہے کہ جس میں کسی  
ایک کا بھی قرون ثلاثہ میں اختلاف و انکار نہ ہوا ہو۔ لہذا واضح ہونا چاہیے کہ اس فقرہ اور اس قاعدہ کے ماننے میں تمام اہل اسلام کے  
عقائد و اعمال درہم برہم ہوئے جاتے ہیں۔



اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے یہ قاعدہ سمجھ جاتے تو تین صدیوں تک کسی چیز کی ایجاد پر ہرگز انکار نہ فرماتے۔ حالانکہ صحابہ نے اپنے زمانہ میں بہت ساری ایجادات پر انکار فرمایا ہے۔ اس حدیث خیر القرون کے راوی عبد اللہ بن مسعود بھی ہیں (جیسا کہ صحیحین میں ہے) تو اب دیکھیے کہ انھوں نے جہر کے ساتھ ذکر اللہ کرنے والی ایک جماعت کو دھمکایا اور ان کے فعل کو بدعت قرار دیا ہے۔ کتب فقہ و حدیث میں یہ روایت موجود ہے حالانکہ وہ لوگ ان کے ہم عصر تھے یا صحابہ تھے یا تابعین اس حدیث کے موافق ان کا یہ فعل اگر سنت ہوتا تو اس حدیث کے راوی عبد اللہ صحابی ان کو کیوں منع فرماتے۔

## خامس

صحابہ اور تابعین اس حدیث کے یہ معنی کس طرح سمجھتے وہ تو کلام کا مغز سمجھنے والے تھے استدلال کا کوئی قاعدہ اس حدیث شریف سے نہیں بن پڑتا اس لیے کہ مراد شارع سمجھنے کے لیے قواعد یہ ٹھہرے ہیں کہ مدعا یا عبارة النص یا اشارة النص یا دلالة النص یا اقتضاء النص سے ثابت ہوگا اور عبارة النص کے اندر یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ مدعا کے الفاظ ظاہر ہوں اور کلام اسی مدعا کے لیے واقع ہوا ہو۔

منار میں ہے

و أما الاستدلال بعبارة النص فهو العمل بظاهر ما سبق الكلام له (۱) مسلم شریف کی حدیث ہے

سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ قَرْنِي (۲)

یہاں لوگوں نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ کس کی ایجاد بدعت ہوگی اور کس کی سنت۔ اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے اس قاعدہ کو یہاں بیان فرمایا۔ کم سے کم پڑھا آدمی بھی جان سکتا ہے کہ احکام و معانی الفاظ سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ پھر اس حدیث میں بدعت سنت اور احداث کے الفاظ کہاں ہیں۔ لہذا یہ استدلال عبارة النص سے نہ ہوا۔ اور اقتضاء النص سے بھی نہیں کیوں کہ اقتضاء کی تعریف تلوت کے صفحہ ۱۳۵ پر یہ ہے

دلالة اللفظ على معنى خارج يتوقف عليه لفظ کی دلالت ایک ایسے معنی خارجی پر ہو رہی ہو جس صدقہ او صحتہ۔ الى آخره (۳)

تو قرون خلاصہ کی ”خیریت“ کے صدق و صحت کے لیے یہ بات کب لازم ہے کہ اگر ان کی ایجاد سنت ہو جائے تو ان کی ”خیریت“ بھی ثابت ہو جائے اور نہیں تو نہیں۔ لہذا یہ اقتضاء النص بھی نہ ہوا۔

(۱) منار: ۱۵۰ کشف الاسرار: ۱۸۱/۱۸۲ الاستدلال بعبارة النص

(۲) صحیح بخاری: ۳۲۵/۲۰۰ حدیث: ۶۱۶۶، صحیح مسلم: ۳۵۷/۱۲ حدیث: ۳۶۰۰، سنن بیہقی: ۳۵۰/۱۰، معجم طبرانی: ۸/۹۰ حدیث: ۱۰۱۸۳، مستدرک ابویعلیٰ موطی: ۱۰۰

(۳) حدیث: ۴۰۱، صحیح ابن حبان: ۵۰۱۵، صحیح ابن حبان: ۱۵۷/۱۸ حدیث: ۳۲۰۵، معرفۃ الصحابہ: ۳۱/۱۱ حدیث: ۳۰

(۳) تلوت علی التوضیح: ۳۵/۲ تقسیم الرابع فی کیفیت دلالة

اب رہی بات دلالة النص اور اشارة النص کی تو اگر ”خیر القرون“ کے لفظ ”خیر“ سے یہ بات ثابت کرنا چاہیں تو یہ قاعدہ شرعی پیش کریں کہ اچھا (اگر کوئی) آدمی اصول شرع کے مطابق یا غیر موافق جو کچھ ایجاد و احداث کر دیا کرے تو کیا وہ سب کچھ خیر ہوتا ہے؟ حالانکہ یہ بالاتفاق غیر مسلم ہے۔ عنقریب قرون ثلاثہ کے چند ایسے واقعے قول پنجم (بدعت) میں ہم بیان کریں گے کہ وہ کسی کے نزدیک معمول بہ نہیں ہیں۔

لہذا واضح ہو گیا کہ مراد شارع جاننے کے وہ چاروں طریقے یہاں نہیں چل پائیں گے اور جہاں پر ان چار طریقوں سے سوا استدلال کیا جائے تو اس کی بابت ”نور الانوار“ میں لکھا ہے

فهو من الاستدلالات الفاسدة.

ایسے سارے استدلال فاسد اور باطل قرار پائیں گے۔

اس سے قطع نظر ہم کہتے ہیں کہ اگر لفظ خیر سے ان کا استدلال ہے کہ جب وہ لوگ خیر ہیں تو ان کی ایجاد بھی خیر ہی ہوگی۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ لفظ ”خیر“ تو بہت سی حدیثوں میں آیا ہے۔ مثلاً عشرہ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابو عبیدہ بن الجراح سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

يَا رَسُولَ اللَّهِ أَحَدٌ خَيْرٌ مِّنَّا أَسْلَمْنَا وَجَاهَدْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَهْلًا كَوْنِي هَمَّ سَمْعًا مَعَكَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ يَكُونُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُونَ بِي وَ

لَمْ يَرَوْنِي (۱) اچھا ہو سکتا ہے کہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ ہو کر جہاد کیے۔ آپ نے جواب دیا: ہاں تمہارے بعد تم سے اچھے وہ لوگ ہوں گے جو بن دیکھے مجھ پر ایمان لے آئیں گے۔

مشکوٰۃ کے اندر موجود اس حدیث کو احمد اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ اب دیکھیے کہ اس میں خیر القرون کی طرح لفظ ”خیر“ موجود ہے تو چاہیے کہ بعد کے آدمیوں کا نکالا ہو فعل بھی سنت ہو اور بدعت میں داخل نہ ہو۔

ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

طُوبَى لِمَنْ رَأَىيَ وَ طُوبَى سَمِعَ مَرَاتِ لَمَنْ لَمْ يَرِنِي وَ آمَنَ بِي (۲) خوش حالی ہو اسے جسے میری زیارت نصیب ہوئی اور ان لوگوں کو سات بار خوشحالی نصیب ہو جنھوں نے مجھے دیکھا تو نہیں مگر مجھ پر ایمان لائے۔

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۳۷۲/۳۳ حدیث: ۶۲۹۱، مستدرک: ۳۳۷/۳۳ حدیث: ۱۶۳۶۳، مستدرک حاکم: ۱۶/۳۱۳ حدیث: ۲۰۹۳، معجم طبرانی: ۱۲/۳۳ حدیث: ۳۲۵۷، سنن دارمی: ۳۲۱/۸۸ حدیث: ۲۸۰۰، مستدرک ابی یعلیٰ موطی: ۱۰۵/۳۲۹ حدیث: ۱۵۲۶، مستدرک حیدری: ۳/۱۰۵ حدیث: ۱۵۲۶، مشکل الآثار لمطحاوی: ۳۳۰/۵۵ حدیث: ۳۲۰، معرفۃ الصحابہ: ۱۹/۳۹۷ حدیث: ۶۱۲۸، کنز العمال: ۳۶/۱۳۳ حدیث: ۳۷۸۹۵، المسند الناجح: ۷/۱۱۱ حدیث: ۳۲۲۸، روضۃ المحدثین: ۳۶۳/۳۳ حدیث: ۱۲۳۸

(۲) مشکوٰۃ المصابیح: ۳۷۲/۳۳ حدیث: ۶۲۸۱، مستدرک: ۱۸۲/۳۵ حدیث: ۲۱۱۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۲/۳۵ حدیث: ۲۱۱۸۷، معجم طبرانی: ۲۹۸/۷۷ حدیث: ۲۹۳۳، مستدرک ابی یعلیٰ موطی: ۳۱۱/۷۷ حدیث: ۳۲۹۷، مستدرک حیدری: ۳۱۱/۷۷ حدیث: ۳۲۹۷، مستدرک عبد بن حمید: ۳۸۸/۲۲ حدیث: ۷۷۱، کنز العمال: ۶۷/۱۱ حدیث: ۳۲۷۷

۳۱۵ حدیث: ۱۲۱۵، الاحادیث المرفوعة من التاريخ الكبير بخاری: ۳۶۲/۳۶۲ حدیث: ۳۶۲، کنز العمال: ۶۷/۱۱ حدیث: ۳۲۷۷



یہ حدیث بھی مشکوٰۃ کے اندر موجود ہے۔

حدیث میں آیا ہے

مَثَلُ أَمْنِيٍّ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا يَذُرُّ أَوَّلُهُ خَيْرًا أَمَّا  
آخِرُهُ. (۱)

محدثین لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ میری پوری کی پوری امت خیر ہے جیسے مینہ اول سے آخر تک اچھا ہوتا ہے۔  
لہذا ان احادیث کے سبب چاہیے کہ آخر امت کی ایجاد بھی سنت ہو جس طرح خیر القرون کی ایجاد کو سنت کہتے ہو۔ اور اگر فضیلت  
سے خیریت جزئی نہیں بلکہ خیریت کلی مراد لوگے تو صحابہ کی خیریت کلی صرف تابعین اور تبع تابعین ہی پر ہونی چاہیے کہ بعد کی  
دو مفضل صدی کی ایجاد بھی جائز نہ ہو۔ اور اگر عام مراد لیتے ہو کہ خیریت خواہ کلی ہو خواہ جزئی تو خیریت جزئی میں وہ سب افراد  
شامل ہیں جن کی نسبت احادیث میں لفظ خیر وارد ہوا ہے تو چاہیے کہ ان کی ایجاد بھی درست ہو۔

واضح ہو کہ یہاں تک کلام ان کے جملہ اولیٰ کے (جو امر قرون ثلاثہ میں ہوگا وہ سنت ہے) پر تھا۔ اب ہم ان کے دوسرے جملہ  
پر کلام شروع کرتے ہیں کہ جو چیز قرون ثلاثہ کے بعد پیدا ہوگی وہ سب بدعت اور ضلالت ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل ہی  
بے اصل ہے۔

اولاً: اس لیے کہ یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابواب شہادت میں عمران بن حصین سے روایت کرتے ہیں

خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمِنُونَ وَلَا

يَشْهَدُونَ وَلَا يَسْتَشْهَدُونَ وَيُنْذِرُونَ وَلَا يَقُونَ وَيُظْهَرُ فِيهِمُ السَّمَنُ. (۲)

دوسری روایت عبد اللہ بن مسعود سے ہے جس میں ثم الذين يلونهم کے بعد یہ ہے

ثُمَّ يَجِيءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينُهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتُهُ. (۳)

یہ دونوں روایتیں بخاری کے باب فضائل اصحاب میں بھی ہیں

صحیح مسلم میں ثم الذين يلونهم کے بعد ہے

ثُمَّ يَجِيءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينُهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتُهُ. (۴)

(۱) سنن ترمذی: ۹۶۱/۱۰ حدیث: ۲۷۹۵ سنن نسائی: ۹۶۱/۱۰ حدیث: ۲۷۹۵ مسند احمد: ۲۳۲/۲۳ حدیث: ۱۱۸۷۸ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۲/۲۳ حدیث:

۱۱۸۷۸ مجمع طبرانی: ۲۵۹/۹۰ حدیث: ۳۲۰۶ مسند ابویعلیٰ موصلی: ۲۳۳/۸ حدیث: ۳۶۱۷ مسند حمیدی: ۲۳۳/۸ حدیث: ۳۶۱۷ صحیح ابن حبان: ۲۹/۲۹

۲۸۲ حدیث: ۷۳۹۹ مسند شہاب قضاہی: ۳۷/۵ حدیث: ۱۲۳۵ مسند طحاوی: ۲۱۶/۲۲ حدیث: ۶۷۵ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۷۱/۳ حدیث: ۶۷۵ مجمع

الزوائد: ۳۵۶/۳ المقاصد الحسنة: ۱۹۹/۱ الدرر المنيرة: ۱۷۱/۱ الاحادیث المستمرة: ۱۷۱/۱ كشف الخفا: ۱۹۷/۲ حدیث: ۲۲۶۶ کنز العمال: ۱۶۲/۱۲ حدیث:

۳۳۳۸۵ المسند الجامع: ۷۵/۵ حدیث: ۱۵۳۱ تحفة الاشراف: ۱۰۳/۳ حدیث: ۳۹۱

(۲) صحیح بخاری: ۱۳۲/۹ حدیث: ۲۳۵۷ صحیح مسلم: ۳۶۰/۱۲ حدیث: ۳۶۰۳

(۳) صحیح بخاری: ۱۳۲/۹ حدیث: ۲۳۵۸ صحیح مسلم: ۳۵۷/۱۲ حدیث: ۳۶۰۰

(۴) صحیح مسلم: ۳۵۷/۱۲ حدیث: ۳۶۰۰

اس کی دوسری روایت یہ ہے

ثُمَّ يَتَخَلَّفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينُهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتُهُ. (۱)

اس کی تیسری روایت میں ہے

ثُمَّ يَخْلِفُ قَوْمٌ يُحِبُّونَ السَّمَانَةَ يَشْهَدُونَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَشْهَدُوا.

چوتھی روایت میں ہے

ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ وَلَا يَسْتَشْهَدُونَ وَيُنْذِرُونَ وَلَا يَقُونَ وَيُظْهَرُ فِيهِمُ السَّمَنُ. (۲)

نسائی کے باب الوفاء بالندب میں بھی اسی طرح ہے۔ اور ابو داؤد کے باب فضائل میں ہے

ثُمَّ يَظْهَرُ قَوْمٌ إِلَى آخِرِهِ. وَيَفْشُو فِيهِمُ السَّمَنُ. (۳)

ترمذی کے باب فضائل میں یہ الفاظ ہیں

ثُمَّ يَأْتِي قَوْمٌ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ تَسْبِقُ أَيْمَانُهُمْ شَهَادَاتِهِمْ أَوْ شَهَادَاتُهُمْ أَيْمَانُهُمْ. (۴)

ابن ماجہ کے ابواب شہادت میں ہے

ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَبْدُرُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينُهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتُهُ. (۵)

اس کی دوسری روایت یہ ہے

ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتَّى يَشْهَدَ الرَّجُلُ وَ مَا يَسْتَشْهَدُ وَيَخْلِفُ وَ مَا يَسْتَخْلِفُ. (۶)

یہ حدیث کی چھ مشہور معروف کتابوں ”صحاح ستہ“ کی روایتیں ہیں۔ جن کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ ان قرون خیر کے بعد  
ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے کہ گواہی دینے پر بڑے حریص ہوں گے اور انھیں کوئی پروا نہ ہوگی کبھی قسم سے پہلے گواہی اور کبھی گواہی سے  
پہلے قسم کھائیں گے اپنا بدن موٹا کرنا پسند کریں گے خیانت کریں گے کوئی انھیں امانت دار نہ جانے گا وعدے کر کے پورے نہیں  
کریں گے اور ان کا جھوٹ ظاہر و باہر ہوگا بلا گواہی طلب کیے وہ گواہی دیں گے اور قسم کھانے کا مطالبہ کیے بغیر قسمیں کھائیں گے۔

دیکھیے ان روایتوں میں کہیں بدعت اور احداث کا ذکر نہیں۔ یہ بات آخر کس طرح سمجھ میں آئی؟ ان لوگوں کا قاعدہ ایسا جامع  
و مانع کلیہ ہے کہ جس کے سبب اہل اسلام میں پھوٹ خانہ جنگی، تفسیق و تضلیل، سب و شتم، غیبت و کینہ اور فساد باہم ڈال رکھا ہے پھر  
اس حدیث میں کسی راوی نے لفظ بدعت و احداث روایت نہیں کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ دانائے لغت اور حکم شریعت  
(کھول کر) بیان کرنے والے تھے جو بدعتوں سے بچنے کے لیے جا بجا لفظ کل بدعت و کل محدثہ و من أحدث فی امرنا اور من ابتدع  
بدعت ضلالة وغیرہ الفاظ ظاہرہ منصوصہ فرماتے تھے اس حدیث میں انھوں نے لفظ صریح منصوص نہ فرمایا۔ اگر یہ قاعدہ ایسا زبردست  
امتیاز دینے والا سنت و بدعت کے درمیان خط فاصل کھینچنے والا اور حقیقت سنت و بدعت کی تعریف و تشریح کرنے والا ہوتا تو ضرور

(۱) صحیح مسلم: ۳۵۸/۱۲ حدیث: ۳۶۰۱ (۲) صحیح مسلم: ۳۶۰/۱۲ حدیث: ۳۶۰۳

(۳) سنن نسائی: ۱۳۲/۱۲ حدیث: ۳۷۱۷ (۴) سنن ترمذی: ۳۵۷/۱۲ حدیث: ۳۷۱۷

(۵) سنن ابن ماجہ: ۷۵/۵ حدیث: ۲۲۶۶ (۶) سنن ترمذی: ۲۷۸/۸ حدیث: ۲۲۶۵



بالضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا راویان حدیث صحابہ میں سے کوئی تو احداث و بدعت کا نام صراحۃً بیان فرمادیتا، تعجب ہے کہ یہاں تو اس کا نام بھی نہیں اور ان حضرات نے دھوم مچا کے رکھ دی۔

**ثانی:** اگر لفظ کذب سے استدلال کریں جو گرچہ صرف ایک روایت میں وارد ہوا ہے۔ صحیحین وغیرہ کی بہت ساری ایسی روایتیں ہیں جن میں لفظ کذب نہیں آیا (جیسا کہ اوپر روایتیں گزریں) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر محاورہ داں جانتا ہے کہ کذب کے معنی جھوٹ ہیں اور بدعت کے معنی نئی بات۔ پھر کہاں جھوٹ بولنا اور کہاں نئی بات۔

تعجب کی بات ہے مولوی عبد الجبار صاحب فرماتے ہیں

بدعتی بدعت کو ثواب کا باعث جانتے ہیں تو یہ کذب ہوا۔ الخ۔

دیکھیے یہ کیسی بڑی جرأت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر شاہ عبدالعزیز صاحب اور مولوی اسحق صاحب تک فقہاء محدثین تو بدعت حسنہ کو مسلم رکھتے آئے (جسے عنقریب بیان کیا جائے گا) پھر یہ سب لوگ معاذ اللہ اس قول کے موافق جھوٹ کے مرتکب ہو کر ان کے نزدیک کذاب ٹھہرے کہ انھوں نے بدعت کو حسن اور مستحسن قرار دیا، کسی نے فرمایا

نَعَمْتُ الْبِدْعَةُ هَذِهِ . (۱)

کسی نے فرمایا

بدعة حسنة . (۲)

کسی نے فرمایا

من البدعة ما يكون واجبا ومنها ما يكون مستحبا ومستحسنا .

اس مقام پر براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۳۸ کی عبارت یوں ہے۔

بدعت بھی جھوٹ میں داخل ہے کذب عام ہے اور بدعت خاص ایک فرد کذب کی ہے۔

(۱) موطا امام مالک: ۳۳۰/۱: حدیث: ۲۳۱: صحیح بخاری: ۱۳۵/۷: حدیث: ۱۸۷۱: معجم طبرانی: ۵۴/۱۱: حدیث: ۱۳۳۸: شعب الایمان: ۲۷۱/۷: حدیث: ۱۳۲۲: الصیام قریابی: ۱۵۷/۱: حدیث: ۱۳۸: البدخل: ۱۹۱/۱: حدیث: ۱۹۰: فضائل الاوقات: ۲۲۳: نوادر محمد بن خالد: ۶۱/۱: حدیث: ۵: قیام رمضان مروزی: ۲۰/۱: حدیث: ۱۶: نصب الراية: ۲۸۸/۳: تلخیص حیر: ۱۲۲/۲: حدیث: ۵۵۱: تحفۃ الاشراف: ۲۵۴/۹: حدیث: ۱۰۵۹۳: روضۃ المحررین: ۱۱: حدیث: ۵۰۰

نعم البدعة هذه کے الفاظ بھی درج ذیل کتابوں میں ملتے ہیں۔ (سنن بیہقی: ۴۹۳/۲: مصنف عبدالرزاق: ۲۵۹/۳۰: حدیث: ۷۷۲۳: صحیح ابن خزیمرہ: ۲۳۷/۲: حدیث: ۱۰۳۶: معرفۃ السنن والآثار: ۲۰۶/۳: حدیث: ۱۴۳۲: کنز العمال: ۴۰۸/۸: حدیث: ۲۳۳۶۶)

(۲) فیض القدر: ۷۷/۳: حدیث: ۳۳۶۳: جامع العلوم والحکم: ۲۸/۲۸: حاشیہ رفقار: ۲۲۰/۲: درر الحکام شرح غرر الاحکام: ۲۸۳/۱: البحر الرائق: ۹۳/۳: رد المحتار: ۲۰۲/۳: مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل: ۳۱۰/۳: الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید قیروانی: ۲۳۰/۳: حافیۃ الدسوقی: ۲۲۰/۲: حافیۃ الصادی علی الشرح الصغیر: ۲۲۳/۱: اعانۃ الطالبین: ۸۶/۲: حواشی الشروانی: ۱۰۸/۳: حافیۃ قلیوبی وغیرہ: ۷۹/۳: تحفۃ الکناج: ۲۱۹/۱۵: نہایۃ الکناج: ۱۱۴/۱: حافیۃ النحل: ۵۷/۵: حافیۃ البحر علی الخطیب: ۳۶۳/۱: حافیۃ البحر علی المنج: ۱۰۷/۳: کشف الخفاء: ۹۴/۱: حدیث: ۲۵۳: سیرت حلبیہ: ۱۲۲/۱

میں کہتا ہوں کہ اس قول پر بھی وہ اعتراض سابق بحال رہا کہ صحابہ سے لے کر آج تک بدعت حسنہ کو جائز کرنے والے علماء کذب میں داخل رہے اور ایک دوسرا پیشہ بھی بے خبری سے اپنے پاؤں میں مار لیا یعنی آپ نے عام خاص کا لفظ جما کر یہ چاہا کہ حدیث میں: یفشوا الکذب اور یظہر الکذب کے معنی یہ ہو جائیں کہ یظہر البدعة حالانکہ اس میں تو بالکل اپنے ہاتھ قلم کر چکے کیونکہ جب کذب کو عام مان لیا تو عام کا وجود خاص کو مستلزم نہیں ہوتا یہ قاعدہ کلیہ ہر عاقل کے نزدیک مسلم الثبوت ہے تو جھوٹ ظاہر ہونے کے لیے یہ لازم نہیں کہ خاص بدعت ہی میں ظاہر ہوا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ افراد خیانت اور دروغ حلفی وغیرہ میں ظاہر ہو جائے۔ اور مولف براہین اس قاعدہ کو جانتا ہے چنانچہ صفحہ ۵۵ کی بارہویں سطر میں اس کی عبارت یوں ہے۔

عام کا وجود خاص کے وجود کے بغیر ہو سکتا ہے مثلاً حیوان بغیر انسان کے۔ اس کو ہر عاقل جانتا ہے۔ الی آخرہ۔

اب آپ دیکھیں کہ حضرت جی کی زبانی خود ثابت ہو گیا یعنی آپ صفحہ ۳۸ پر فرماتے ہیں کہ کذب عام ہے اور بدعت خاص۔ اور یہاں یعنی صفحہ ۵۵ پر فرماتے ہیں کہ عام کا وجود خاص کے وجود کے بغیر ہو سکتا ہے لہذا یہ نتیجہ نکل آیا کہ کذب کا وجود بدعت کے وجود کے بغیر ہو سکتا ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ قرون ثلاثہ کے بعد کذب شائع ہو مگر بدعت نہ ہو۔ تو انہی کی زبانی ان کا مدعا غلط ثابت ہو گیا۔

یہ لوگ اس وقت اپنے مطلب میں کامیاب ہو سکتے تھے جب کہ کذب اور بدعت میں مساوات و مترادف کی نسبت ثابت کرتے تو کذب کا ثبوت بدعت کو مستلزم ہو جاتا۔ واذ لیس فلیس۔ (اور جب ایسا نہیں تو حکم بھی ایسا نہ ہوگا)۔

**ثالثاً:** یہ کہ محدثین کے درمیان یہ بات متفقہ ہے کہ بعض حدیثیں بعض کی شرح ہوتی ہیں۔ جس روایت میں لفظ کذب واقع ہوا ہے کہ پھر جھوٹ ظاہر ہوگا تو اس کی وہی شرح ہے جو صحیحین وغیرہ کی حدیث میں گزری کہ وہ لوگ خیانت و بدعہ دی کریں گے، بلا قسم کھلائے قسم کھانے کو تیار ہوں گے اور بلا گواہی طلب کیے گواہی دینے کو تیار ہوں گے۔ اس میں یہ نہیں آیا کہ وہ دین میں نئی باتیں نکالا کریں گے، تو لازم ہوا کہ جھوٹ سے یہی باتیں مراد لی جائیں نہ کہ بدعت۔

**دابعاً:** یہ کہ یہ لوگ اپنے اس دعویٰ پر کہ (جو چیز بعد قرون ثلاثہ پیدا ہوگی وہ بدعت ضلالت ہوگی) اس حدیث کو بطور سند پیش کرتے ہیں تو اس صورت میں مانعین کے دعویٰ کے مطابق حدیث کے اندر لفظ یظہر کے معنی ظہور و جود کی ہوں گے یعنی پھر تین صدی کے بعد جھوٹ پیدا ہوگا تو اس کا منشا یہ ہے کہ اس سے پہلے نہ ہوگا حالانکہ بدعتوں کا وجود عین انہیں قرون میں ہوا ہے۔ یعنی معتزلہ اور قدریہ و مرجئیہ (بدعتی فرقے) قرون ثلاثہ گزرنے کے پہلے ہی پیدا ہو گئے تھے۔ پھر اگر کذب سے بدعت مراد لیں اور یظہر اور یفشوا سے یوجد پھر تو بڑا اعتراض یہ پڑے گا کہ حدیث واقع کے مطابق نہیں قرار دی جاسکتی۔

**خامساً:** یہ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرون ثلاثہ کے بعد اہل اسلام میں جو یونانیوں کا علم فلسفہ رائج ہوا تو اس کو پڑھنے اور اس میں غور و خوض کرنے سے مسلمانوں کے عقائد عقلی طور پر بدل گئے۔ سلف کے عقیدوں کے برخلاف لوگوں میں فلسفیانہ عقائد جز پکڑ گئے، معتزلی وغیرہ بدعتوں کو علم فلسفی سے طاقت پیدا ہوئی اور مبتدعین اور اہل سنت کے درمیان اعتقادی مباحثے پھیل گئے۔ بھلا اگر کوئی لفظ حدیث ثم یظہر الکذب سے یہ مراد لے تو بھی صحیح ہو سکتا ہے کیوں کہ فلسفیانہ مسائل جھوٹے ہوتے ہیں مگر کہاں فلسفیانہ دلائل اور یونانیوں کے مجادلے اور کہاں محفل میلاد شریف اور مردوں کا درود و فاتحہ۔ بھلا فلسفیوں کے مسائل کو ان اعمال سے کیا علاقہ؟ اور



بدعتوں کے وجود کا حصر گرچہ فلسفیانہ عقائد میں نہیں لیکن صدق حدیث کے لیے ان افراد میں وجود کذب پایا جانا بس (کفایت) کرتا ہے۔ یہ کہاں سے لازم آیا کہ حدیث شریف کی تصدیق اسی وقت پوری ہو جب کہ قرون ثلاثہ کے بعد حادث ہونے والا ہر فرد بدعت اور ضلالت ہو جائے۔

**سادس:** یہ لوگ جو مطلب ثابت کرتے ہیں یہ اس وقت ثابت ہوتا جب کہ حدیث کے الفاظ یہ ہوتے: ثم لا یظهر الا الکذب۔ یعنی قرون ثلاثہ کے بعد جھوٹ کے سوا اور کچھ ظاہر نہ ہوگا۔ یا یہ ہوتے کہ: ثم کل شیء یشہو فیہ کون کذباً یعنی جو کچھ بھی ظاہر ہوگا سب کا سب جھوٹ ہی جھوٹ ہوگا۔ لیکن حدیث میں ایسے الفاظ تو نہیں نہ تو کوئی کلمہ مفید حصر ہے اور نہ ہی مفید کلیت۔ تو حدیث کے معنی یہ ہو گئے: ثم یظهر الکذب یعنی پھر جھوٹ کا ظہور ہوگا۔ تو جھوٹ کے ظہور کو سچ ہونے کے لیے بعض افراد محدثات میں کذب کا پایا جانا کافی ہوگا یہ کیا ضروری ہے کہ پھر جو چیز ظاہر ہو وہ سب جھوٹی ہی ہو۔

لہذا حدیث کا اصل مطلب یہ ہوا کہ لوگوں میں سب سے اچھے میری صدی کے لوگ ہیں پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے۔ اور پھر ان کے بعد کھلا ہوا جھوٹ ظاہر ہوگا یعنی جس طرح قرون ثلاثہ میں اچھائی غالب تھی اسی طرح بعد میں چل کر جھوٹ غالب ہوگا۔ لیکن غلبہ خیر کے معنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرون اولیٰ میں جو کچھ ہوگا سب خیر ہی ہوگا اس لیے کہ قدر یہ و مر جیہ اور خارجی و رافضی وغیرہ فرقوں کی تمام بدعتیں قرون ثلاثہ ہی میں ظاہر ہوئیں اور خیر القرون میں ہونے کے باوجود کوئی اہل سنت و جماعت ان کو خیر نہیں کہتا۔ پھر اسی طرح اس کے مقابلہ میں قرون ثلاثہ کے بعد جھوٹ کا حال بھی سمجھنا چاہیے یعنی بعد میں جھوٹ ظاہر ہونے کے معنی یہ نہیں کہ جو کچھ ظاہر ہوگا سب کا سب جھوٹ ہی ہوگا جس طرح ایسا نہ ہوا کہ جو چیز خیر القرون میں ایجاد ہو وہ سب خیر ہو۔ اس تقریر سے یہ بھی صاف ظاہر ہو گیا کہ بعض چیزیں جن کو خدا کے نیک بندے قرون ثلاثہ کے بعد ایجاد کریں درست اور صحیح ہوں گی اور بعض باتیں جو خلاف شرع ایجاد ہوں گی وہ بری اور گمراہی کا سبب ہوں گی جس طرح عین قرون ثلاثہ کی نقلی ہوئی بعض بدعتیں خراب اور ضلالت ہیں۔ مذہب منصور اور قول جمہور یہی ہے۔

شیوع و ظہور کذب میں یہ بھی ضرور نہیں کہ اس کا تحقق بدعت کے شائع ہونے ہی سے ہو بلکہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ خیانت کا پہلے اگر ایک تھا تو اب لاکھوں ہیں جھوٹی قسمیں اٹھانے والے قرون اولیٰ میں اگر دو چار ہوں گے تو اس وقت کڑوڑوں ہیں۔ اسی طرح اور گناہوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ہر گناہ اب زوروں پر ہے اور قرون ثلاثہ میں پیدا ہونے والے بدعتی لوگ اب بہت زیادہ بلکہ اضعافاً مضاعفہ (کئی گنا) ہو کر پھیل گئے ہیں تو مذکورہ بالا صحیح حدیثوں کے سچ ہونے کے لیے اتنا افتضا و ظہور کافی ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جب بعد کے صالحین کے تمام نیک کاموں کو کذب میں داخل کر دو تب ہی حدیث کا مضمون صحیح ہو (حاشا وکھا) انصاف شرط ہے۔ واللہ یمہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۳۲ اور ۳۳ میں جو یہ بات لکھی ہے

بدعت کے سلسلہ میں یہ چاروں اقوال نریشہ اور قول پنجم (جو آیا چاہتا ہے) پانچوں قول ایک ہیں۔ الی آخرہ۔

یہ ایک عجیب افسانہ ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمادنا خیال کر کے دیکھے کہ تیسرے قول کو جو لوگوں نے حضرت مجدد کے قول سے استدلال کیا ہے کہ جو چیز خلفائے راشدین کے وقت میں نہ تھی خدا ہم کو اس بدعت میں گرفتار نہ کرے یہ دوسرے اقوال کے ساتھ کس طرح

جمع ہو سکتا ہے۔ حالانکہ خود حضرت مجدد کے مکتوبات مطبوعہ دہلی جلد ثانی کے صفحہ ۳۸ مکتوب نمبر ۲۳ میں یہ عبارت اقوال باقیہ کے خلاف ہے

گزشتگان در بدعت حسنی دیدہ باشند کہ پہلے دور کے لوگوں نے جب بدعت حسنہ کو دیکھا تو بعض

بعض افراد آنرا مستحسن داشتہ اند اما این فقیر افراد نے اس کو مستحسن قرار دیا۔ لیکن فقیر کا موقف اس سلسلے میں

در این مسئلہ با ایشان موافقت ندارد و هیچ اس کے موافق نہیں اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں سمجھتا۔

فرد بدعت را حسنہ نمی داند۔

دیکھیے کہ وہ خود اپنے منہ سے فرما رہے ہیں کہ جو علماء بدعت حسنہ کو مستحسن کہتے ہیں میں ان کے ساتھ موافقت نہیں کرتا پھر پانچوں قول آخر کس طرح باہم موافق ہوں گے؟

پھر مکتوب مذکور میں آٹھ سطر کے بعد لکھتے ہیں

ایں جا فتویٰ متقدمین و متاخرین متمشی اس سلسلہ میں متقدمین و متاخرین کے فتاوے قابل

نباید ساخت چہ ہر وقت را احکام علاحدہ قبول نہ سمجھے جائیں کیونکہ ہر دور میں احکام کے تقاضے مختلف

است۔ الی آخرہ۔ اور جدا گانہ ہوتے ہیں۔

دیکھیے کہ یہاں خود اپنی زبان سے بدعت حسنہ کے جواز پر تمام متقدمین و متاخرین کا فتویٰ تسلیم فرما کر فرماتے ہیں کہ اب وہ فتویٰ نہیں چل سکتا کیوں کہ ہر زمانے کا حکم جدا ہوتا ہے۔ بھلا اگر تمام متقدمین و متاخرین مفتیان دین کا قول حضرت مجدد کے موافق ہوتا تو اختلاف زمانہ کا یہ عذر کیوں پیش فرماتے نہیں نہیں نا انسانی کا کوئی علاج نہیں۔ حق یہی ہے کہ پانچوں قول جدا ہیں ہر ایک عالم نے اپنے نزدیک زمانے کی کچھ مصلحت سمجھ کر ایک قول اختیار کیا لیکن فتویٰ جمہور علمائے اہل سنت کے قول کے سوا عمومی طور پر نہ دیا جائے گا۔ (اس کا بیان عنقریب آ رہا ہے)۔

بعض لوگوں کا یہ فرمانا کہ بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں۔ تو یہ عقلی و نقلی دلیلوں کے بالکل خلاف ہے۔ خلاف عقل اس لیے کہ دو مفہوم کلی یا تو دونوں متساوی ہوں گے جیسے انسان اور ناطق یعنی جسے ناطق کہیں گے وہی انسان ہوگا اور جس کو انسان کہیں گے وہی ناطق ہوگا۔ یا وہ دونوں متباہن ہوں گے جیسے انسان اور پتھر کہ جو چیز پتھر ہوگی اس کو انسان نہ کہا جائے گا اور جو انسان ہوگا اسے پتھر نہ کہیں گے تو دونوں بالکل جدا جدا ہیں یہ کچھ اور ہے اور وہ کچھ اور۔ یا وہ دونوں مفہوم عام خاص مطلق ہوں گے جیسے حیوان و انسان کہ حیوان تو ہر جاندار کو کہہ سکیں گے خواہ وہ انسان ہو یا گھوڑا یا تھی یا اونٹ وغیرہ مگر انسان آدمی کے سوا کسی کو نہیں کہہ سکتے تو انسان خاص مطلق ہوا اور حیوان عام مطلق۔ یا وہ دونوں مفہوم عام خاص من وجہ ہوں گے جیسے کبوتر اور سفید رنگ اس میں تین مادے ہوتے ہیں دو افتراق کے اور ایک اجتماع کا افتراق اس کا اس طور پر کہ جیسے قلعی میں سفید رنگ موجود ہے لیکن کبوتر سفید نہیں اور سرمئی کبوتر میں کبوتر تو موجود ہے لیکن سفید رنگ نہیں اور سفید رنگ کے کبوتر میں دونوں موجود کبوتر بھی اور سفید رنگ بھی۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَنْ ابْتَدَعَ بَدْعَةً ضَلَّالَةً لَا يَرْصُهَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ جس نے اللہ و رسول کی مرضی کے خلاف کوئی بری چیز

كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ایجاد کی تو اس کے اوپر اس کے اپنے گناہ کے علاوہ ان لوگوں



ذَلِكَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْنًا. (۱)

کے گناہ کا بوجھ بھی ہوگا جو اس کی ایجاد کردہ چیز پر عمل پیرا ہیں اور ان کے گناہ سے کچھ کم بھی نہ کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ لفظ حدیث: بدعة ضلالة کی روایت صیغہ اضافت کے ساتھ ہم کو اپنے اساتذہ سے پہنچی ہے۔

اسی طرح مولانا احمد علی صاحب محدث مرحوم سہارنپوری نے اپنے مطبع کی کتابوں یعنی مشکوٰۃ شریف مطبوعہ ۱۲۷۱ھ (1854ء) اور ترمذی شریف مطبوعہ ۱۲۸۲ھ (1865ء) میں ضبط کیا ہے۔

صاحب مجمع البحار نے بھی تکرار کے صفحہ ۱۶ میں لکھا ہے

يُرْوَى بِالْإِضَافَةِ وَيَجُوزُ نَصْبُهَا عَلَى  
الْبَدْعَةِ ضَلَالَةٍ، كِيُضَافَتْ كَيْفَ تَضَافُ إِلَى  
رَوَايَةٍ كَيْفَ تَكُونُ رَوَايَةً كَوَيْسُوفٍ  
مُوصُوفٍ هُوَ فِي بَنِيَادِ بَرٍ۔

دیکھیے کہ اگرچہ موصوف کو بھی جائز رکھا لیکن اصحاب حدیث کی روایت کو اضافت کے ساتھ ہی لکھا، جب بدعت اور ضلالت میں اضافت ثابت ہوگئی تو اب اضافت کا قاعدہ سمجھنا چاہیے۔ بدعت ضلالت میں اگر یہ اضافت بیانی ہے (جیسا کہ فریق ثانی اکثر بیان کرتے ہیں) تب تو ہمارا عین مدعا ثابت ہے اس لیے کہ اضافت بیانی میں عموم خصوص من وجہ ہوتا ہے

قال المولى الجامي في بيان الإضافة: وإما  
بمعنى من البانية في جنس المضاف الصادق عليه  
وعلى غيره بشرط أن يكون المضاف أيضا صادقا  
على غير المضاف إليه فيكون بينهما عموم و  
خصوص من وجه۔

بیان اضافت کے سلسلہ میں مولانا جامی فرماتے ہیں

یعنی اضافت یا تو من بیانیہ کے معنی میں ہوگی جب کہ مضاف الیہ اس جنس مضاف سے ہو جو خود مضاف اور اس کے سوا دوسری چیزوں پر صادق ہو اس شرط کے ساتھ کہ خود مضاف بھی مضاف الیہ کے علاوہ پر صادق ہو تو اس طرح مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی۔

اوپر بیان ہو چکا کہ عموم خصوص من وجہ میں دو مادے افتراق کے اور ایک مادہ اجتماع کا ہوتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ کوئی شے ایسی ہوگی جو بدعت بھی ہو اور ضلالت بھی جیسے مذہب قدریہ و جبریہ وغیرہ اور کوئی شے ایسی ہوگی جو ضلالت تو ہو مگر بدعت نہ ہو جیسے کفر و ارتداد معاذ اللہ اور کوئی شے ایسی ہوگی جو بدعت تو ہو مگر ضلالت نہ ہو جیسے مدرسہ، محفل میلاد شریف وغیرہ اور جلالت قلب و صفائے باطن کے لیے مشائخ کرام کے ایجاد کردہ اذکار۔ ایسی ہی چیزوں کا نام بدعت حسنہ ہے۔

دوسری تقریر یہ کہ بدعت اور ضلالت دو مفہوم کلی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باہم متباہین نہیں کیوں کہ ضلالت بدعت پر محمول ہوتی ہے۔ اور تشاؤی بھی نہیں کیوں کہ شرک و کفر پر بھی ضلال کا اطلاق جا بجا قرآن میں موجود ہے۔

(۱) سنن ترمذی: ۲۸۸/۹، حدیث: ۲۶۰۱، مشکوٰۃ المصابیح: ۳۶۱/۱، حدیث: ۱۶۸، کنز العمال: ۱۸۰/۱، حدیث: ۹۰۸، مسند جامع: ۱۱۵/۳۳، حدیث: ۱۰۸۱۳۔ مگر سنن ترمذی اور مسند جامع کے الفاظ ذرا مختلف ہیں

من ابتدع بدعة ضلالة لا ترضي الله ورسوله كان عليه مثل آثام من عمل بها لا ينقص ذلك من أوزار الناس شيئا۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (۱)

اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا

وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكِتَابِهِ وَرُسُلِهِ وَ  
الْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا. (۲)

یہاں شرک و کفر پر لفظ ضلال کا اطلاق ہوا ہے حالانکہ یہاں کوئی بدعت نہیں کیوں کہ بدعت کی حقیقت اور ہے اور کفر کی کچھ اور۔ بدعت سنت کا مقابل ہے جب کہ کفر ایمان کا مقابل۔ اور بدعت عام مطلق بھی نہیں ورنہ کل بدعة ضلالة کا کلیہ صحیح نہ ہوگا۔ جس طرح کل حیوان انسان صحیح نہیں اور خاص مطلق بھی نہیں اس لیے کہ خاص مطلق کی عام مطلق کی طرف اضافت ممتنع ہے۔ کتب نحو شرح جامی اور مسالک بیہ وغیرہ میں یہ مسئلہ موجود ہے یعنی ایسا کہنا جائز نہیں کہ: سبت اليوم اور فقه العلم بلکہ یوں کہا جائے گا: يوم السبت اور علم الفقه تو من ابتدع بدعة ضلالة کی اضافت صحیح نہیں ٹھہرتی۔

اب باقی رہی نسبت عام خاص من وجہ تو اس میں وہی دو مادے افتراق کے ہوں گے اور ایک اجتماع کا (جیسا کہ پہلی تقریر میں ہم ثابت کر چکے ہیں) تو ایک بدعت ایسی نکلے گی جو ضلالت نہیں لہذا ایسی بدعت اگر ضابطہ اباحت میں داخل ہو تو مباح ہوگی اور کلیہ استحباب میں شامل ہو تو مستحب ہوگی اور اگر قاعدہ استحباب کے تحت مندرج ہو تو واجب ہوگی، انہیں تین قسم کی بدعتوں کو بدعت حسنہ کہتے ہیں کیونکہ واجب، مستحب اور مباح وہی چیزیں ہو سکتی ہیں جن میں رنگ حسن موجود ہو اور اسی حسن کے سبب ایسی بدعتوں کو صفت حسنہ نصیب ہوئی ہے۔

وہ جو صاحب مجمع البحار نے لکھا ہے کہ يجوز نصبها على النعت تو اس صورت میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے ایسی بدعت ضلالت نکالی۔ الی آخر۔

ہم کہتے ہیں کہ اس میں بھی بدعت حسنہ کا ثبوت ہے اس لیے کہ نکرہ کو نکرہ کے ساتھ صفت کرنے کے سلسلہ میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ وہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے، تو صفت ضلالت نے اپنے موصوف بدعت کو (جو عام یعنی ضلالت و ہدایت دونوں کو شامل تھا) خاص کر دیا اور بعض افراد یعنی بدعت ضلالت کو بعض افراد یعنی بدعت ہدایت و حسنہ سے تمیز دے دی۔ جیسے رجل عالم میں صفت عالم نے رجل کو غیر عالم سے تمیز دے دی۔

نعت و صفت کی صورت میں دو وجہ سے یہ معنی کرنے ضروری ہوئے۔ ایک تو یہ کہ اصل تو صیغہ نکرہ میں افادہ تخصیص ہونا نحو کا قاعدہ مطرد ہے۔ دوسرے یہ کہ صفت کے ساتھ پڑھنا روایت اضافت کے مطابق ہو جائے جو اصحاب حدیث میں شائع ہے تو جس طرح روایت اضافت میں لفظ بدعت عام من وجہ رہا تھا اسی طرح صفت و نعت میں بھی عام من وجہ رہے۔ اثبات بدعت حسنہ کے سلسلہ میں یہ تقریر عاجز کو اپنے بعض اساتذہ سے پہنچی ہے۔ تعمدہم اللہ بغفرانہ۔

اب ہم دوسری تقریر شروع کریں یعنی بدعت حسنہ کو لاشی محض قرار دینا اور اس کے وجود کا انکار کرنا نقل کے مخالف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کرامت مہد میں سابق کی بہ نسبت کیفیت نماز تراویح میں جب کچھ زیادہ حقوق



ہوا تو آپ نے اسے پسند کیا اور فرمایا

نِعْمَتِ الْبِدْعَةِ (۱)

کیا ہی اچھی بدعت ہے۔

زبان عرب میں لفظ نعمت افعال مدح سے مانا گیا ہے اس سے وہ کسی چیز کی تعریف کیا کرتے تھے تو آپ نے قدر سابق پر اس کیفیت زائدہ کی تعریف فرمائی کہ یہ نئی بات اچھی ہے۔

دیکھو حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ جن کی اقتدا کا حکم ہمیں از روے حدیث ہے۔ انھوں نے بدعت کو اچھا فرمایا تو معلوم ہو گیا کہ بدعت محمود بھی ہوتی ہے۔

ایسے ہی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے لوگوں کو جس طرح صلوٰۃ غنچ پڑھتے دیکھا اور لوگوں نے اس کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا

إِنَّهَا مُحَدَّثَةٌ وَإِنَّهَا لَمِنْ أَحْسَنِ مَا أُخْذُوا (۲)

بلاشبہ یہ ایک نئی چیز ہے لیکن کیا ہی عمدہ اور بہترین چیز ہے۔  
تو امر محدث اور بدعت کو حسن کہنا قول صحابی کے نص سے ثابت ہے۔ اُس وقت سے لے کر اب تک صحابہ کرام کی اقتدا میں تمام مجتہدین اعلام اور ائمہ اسلام جملہ محدثات حسنہ کو جائز رکھتے اور بدعت حسنہ فرماتے چلے آئے ہیں (اس سلسلہ میں اقوال فقہاء و محدثین کی نقلیں عنقریب آنے والی ہیں) لہذا عقلاً اور نقلاً ہر طرح ثابت ہو گیا کہ بدعت حسنہ کا وجود ثابت ہے اور بدعت حسنہ کا اطلاق درست اور صحیح ہے۔

### پانچواں قول مذہب جمہور

واضح ہو کہ جملہ علمائے اہل تحقیق کے نزدیک سینہ اور حسنہ ہونے کی بنیاد زمانہ پر نہیں یعنی ایسا نہیں کہ قرون ثلاثہ کے اندر جو کچھ خیر و شر ہو گیا وہ سب سنت اور مقبول ہے اور جو کچھ بھلا یا برا قرون ثلاثہ کے بعد ہوا وہ سب بد اور مردود ہے (جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے) صرف ایک ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

### پہلا قصہ

حضرت امیر المومنین عمر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما نہانے کی حاجت والے (جنسی) کو تیمم سے منع فرماتے تھے۔ یہ حدیث صحیح مسلم کے صفحہ ۱۶۱ میں موجود ہے۔ اب دیکھیے کہ یہ صحابی کا حکم ہے اور صحابی بھی کیسے خلفائے راشدین سے۔ لیکن ائمہ مذاہب سے کسی نے اس قول پر عمل نہ کیا۔

### دوسرا قصہ

(۱) موطا امام مالک: ۳۲۰/۱ حدیث: ۲۳۱ صحیح بخاری: ۱۳۵/۷ حدیث: ۱۳۳۸ شعب الایمان: ۲۷۱ حدیث: ۳۱۲۲ الصیام فریانی: ۱۵۷/۱ حدیث: ۱۳۸ المدخل: ۱۹۱/۱ حدیث: ۱۹۰ فضائل الاوقات بیہقی: ۲۴۱ حدیث: ۲۲۴ نوادہ محمد بن خالد: ۶/۱ حدیث: ۵۱۴۱ رمضان مروزی: ۲۰/۱ حدیث: ۱۶۱ نصب الراية: ۲۲۸/۳ تلخیص حیر: ۱۲۲/۲ حدیث: ۵۵۱ تحفۃ الاشراف: ۳۵۲/۹ حدیث: ۱۰۵۹۳ روضۃ المحررین: ۱/۱

۵۰۰ حدیث: ۵۰۰

(۲) فتح الباری ابن حجر: ۱۳۳/۱ صلاۃ الغنچ فی السفر

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے جن کا بیٹا یزید طبقہ وسطی تابعین سے تھا یعنی جس طبقہ میں حسن بصری اور ابن سیرین ہیں یہ اسی طبقہ میں تھا کذا فی التقریب خیر القرون کے اس تابعی نے دیکھیے کہ کیسا سعادت مندی کا کام کیا (خدا کسی کو نصیب نہ کرے) کہ امام حسین رضی اللہ عنہ پر مظالم (ڈھانے کا بوجھ) اس کی گردن پر ہے۔

### تیسرا قصہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی تھے اور ان کا شاگرد و اصل بن عطاء تابعین سے تھا جو مذہب معتزلی کا موجد اور امام ہوا اس نے یہ مذہب نکالا کہ جو مسلمان گناہ کبیرہ کرے اسے نہ تو مومن کہنا چاہیے اور نہ کافر بلکہ یہ ان دونوں کے درمیان ایک درجہ ہے۔ یہ عقیدہ اس نے اہل سنت و جماعت کے بالکل خلاف ایجاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کی صرف دو قسم فرمائی ہے فَبَيْنَكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ (۱)

کوئی تیسری قسم نہیں فرمائی۔ تو جب واصل بن عطاء نے اپنا وہ عقیدہ بیان کیا تو ان کے استاد حضرت امام حسن بصری نے ارشاد فرمایا اب یہ ہم سے الگ ہو گیا۔

قد اعتزل عنا (۲)

تو اُسی دن سے اس فرقہ کا نام معتزلہ پڑ گیا۔ وہ سخت قسم کے بدعتی ہیں مگر اپنا نام "اصحاب العدل والتوحید" رکھتے ہیں (شرح عقائد وغیرہ میں یوں ہی مذکور ہے)۔  
یہ تین قصے قرون ثلاثہ کے بیان کیے گئے ہیں اور ایسے بہت سے قصے ہیں۔ غرض کہ ان مثالوں سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ خواہ کوئی فعل ہو یا قول یا اعتقاد اس کا حسنہ اور سیئہ ہونا زمانہ پر موقوف نہیں بلکہ اس کا مدار شریعت کی مخالفت اور عدم مخالفت پر ہے اپنے اس دعویٰ پر بھی دو صحیح حدیث لکھ دیتا ہوں۔

### حدیث اول

قال نبينا الامر الناهي عليه وعلى آله  
الصلوة والسلام من احدث في امرنا هذا ما ليس  
منه فهو رد (۳)

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو دین سے نہیں یعنی کتاب و سنت کے مخالف ہے تو اس کی وہ بات رد ہے۔

(۱) سورۃ لقمان: ۲۶/۲

(۲) شرح عقائد صفیہ: ۶۰

(۳) صحیح بخاری: ۲۰۱/۹ حدیث: ۲۳۹۹ صحیح مسلم: ۱۱۸/۹ حدیث: ۳۲۳۲ سنن ابوداؤد: ۴۱۰/۱۲ حدیث: ۳۹۹۰ سنن ابن ماجہ: ۱۷۱/۱۲ حدیث: ۱۳۰ مشکوٰۃ

الصالح: ۳۱/۱ حدیث: ۱۳۰ مسند احمد: ۳۹۷/۵۲ حدیث: ۲۳۸۳۰ مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۲/۵۳ حدیث: ۲۵۱۲۳ سنن بیہقی: ۱۱۹/۱۰ مستخرج ابوعوانہ:

۲۸۳/۱۲ حدیث: ۵۱۷/۵ سنن دارقطنی: ۳۳۳/۱۰ حدیث: ۳۵۹۰ صحیح ابن حبان: ۵۰/۱ حدیث: ۲۶ معرفۃ السنن والآثار: ۸۷/۱۰ حدیث: ۳۷۵۷

مسند شہاب قضاہی: ۹۷/۲ حدیث: ۳۳۵ الاقصاد بیہقی: ۲۳۳/۱ حدیث: ۲۰۸ سنن صغیر بیہقی: ۳۴۷/۱۸ حدیث: ۳۲۸۰ القوائد الشہیر بالعیالیات: ۳/۳

حدیث: ۹۵۶ مشکوٰۃ ابن جبارود: ۸۳/۳ حدیث: ۹۷۴ کنز العمال: ۲۱۹/۱ حدیث: ۱۱۰۱ المسند الجامع: ۲۱۰/۵۱ حدیث: ۱۷۱۰۳ تحفۃ الاشراف:

۱۸۵/۱۲ حدیث: ۲۵۵۵ المستخرج احادیث الاحیاء: ۱۸۵/۱ حدیث: ۱۸۵



یہ صحیحین کی حدیث ہے۔

شارحین حدیث نے لفظ مالیس منہ کی شرح میں لکھا ہے

فہ إشارة إلى أن إحداث ما لا ينزع الكتاب و السنة ليس بمذموم .

محدث دہلوی نے لفظ ما لیس منہ کی شرح میں لکھا

مراد چیزے ست کہ مخالف و غیر دین باشد۔

دینے والی ہو۔

نواب قطب الدین خاں صاحب نے ترجمہ مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے

لفظ ما لیس منہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو چیز کتاب اور سنت کے مخالف نہ ہو اس کا نکالنا برا نہیں۔

عربی و فارسی اور اردو کی ان شرحوں کی ایک ایک نظیر بس کرتی ہے۔ ان شارحین حدیث کو اس طرح کا معنی بیان کرنے کی وجہ پڑی کہ ابوداؤد میں ہے

مَنْ صَنَعَ أَمْرًا عَلَى غَيْرِ أَمْرِنَا فَهُوَ رَدٌّ (۱)

جس نے کوئی کام ہمارے طریقہ کار کے علاوہ کیا تو وہ رد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تو کتاب و سنت ہے۔ اور کتاب و سنت کے غیر وہی طریقہ ہوگا جو بالکل اس کے مخالف اور اس کو بدل دینے والا ہوگا۔ الحاصل اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

ایک تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ مَنْ ارشاد فرمایا یہ لفظ عربی میں عام ہے اس میں کسی قرن کی قید نہیں یعنی آپ نے یوں نہیں فرمایا کہ جو کوئی پہلی صدی، دوسری صدی، تیسری صدی یا بالکل آخری زمانہ میں کوئی نئی بات نکالے بلکہ عام فرمایا کہ جب کبھی کوئی نکالے وہ رد ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس نکالی ہوئی نئی بات کا مردود ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ وہ بس کتاب و سنت کے مخالف ہو اور یہی ہم نے دعویٰ کیا تھا کہ امور محدثہ کا حسنہ اور سیدہ ہونا کتاب و سنت کی مخالفت اور عدم مخالفت پر موقوف ہے نہ کہ زمانے پر۔ اور یہ مسئلہ اصول میں طے شدہ ہے کہ جب کسی امر مقید پر کوئی حکم ہوتا ہے تو وہ حکم قید کی طرف راجع ہوتا ہے اس حدیث میں فہو رد حکم ہے لہذا اصل احداث کی طرف نہیں بلکہ اس کی قید مالیس منہ کی طرف لوٹے گا یعنی جو نئی بات دین کے مخالف اور اس کو بدل دینے والی ہو رد ہے نہ یہ کہ جو کوئی عمدہ نیک اور اصول دین کے موافق بات نکالی جائے وہ بھی رد ہے۔

دیکھو! اب قاعدہ اصول کے مطابق معنی کرنے سے اسی حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بدعت حسنہ یعنی اچھی بات کی ایجاد کرنا برا نہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احداث کو لفظ ما لیس منہ کے ساتھ مقید نہ فرماتے بلکہ یوں فرماتے: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا فَهُوَ رَدٌّ لفظ ما لیس منہ بڑھانے کی کیا حاجت تھی۔

(۱) سنن ابوداؤد: ۲۱۰۱۲/۱۲، حدیث: ۳۹۹۰، مستدرک: ۳۶۷/۳۹، حدیث: ۲۳۳۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۶۷/۳۹، حدیث: ۲۳۳۱۱، کنز العمال

شرح جواہر التوحید میں ہے

و من الجهلة من يجعل كل أمر لم يكن في زمن الصحابة بدعة مذمومة و إن لم يقم دليل على قبحة تمسكا بقوله صلى الله عليه وسلم إياكم و محدثات الأمور و لا يعلمون المراد بذلك أن يجعل في الدين ما هو ليس منه . انتهى .

اس تقریر سے ان لوگوں کا جواب حاصل ہو گیا جو بلا سمجھے جو جیسے حدیثیں پڑھا کرتے ہیں کہ بشر الأمور محدثاتہا اور پڑھا کرتے ہیں: و إياكم و محدثات الأمور و كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة حصول جواب کی وجہ یہ ہے کہ حدیثیں سب ارشاد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں وہ باہم مخالف نہیں ہو سکتیں جب مقام مذمت میں احداث کو آپ مالیس منہ کے ساتھ مقید فرما چکے، یعنی وہ محدث بات مردود ہے جو کہ طریقہ اسلامی کے علاوہ ہو اور مخالف ہو تو جس قدر منع اور بدعت کی حدیثیں ہوں گی وہ احداث و بدعت، مخالف اسلام کی طرف لوٹیں گی نہ کہ احداث خیر اور بدعت حسنہ کی طرف۔ اور اس تقریر سے اس حدیث کے معنی بھی بلا تکلف صحیح ہو گئے

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ . (۱)

اس لیے کہ جو بدعت مخالف سنت ایجاد ہوگی ظاہر ہے کہ وہ سنت کو مٹا دے گی۔ چنانچہ مولوی قطب الدین خاں صاحب نے بھی ”مظاہر الحق“ میں اس حدیث کے ترجمہ میں لکھا ہے

نہیں نکالی کسی قوم نے بدعت یعنی جو بدعت کہ مزام سنت کے ہو۔

دیکھیے اس حدیث میں بھی ان لوگوں کے مستند علماء سے خاص اسی بدعت کی برائی ثابت ہوئی جو مخالف سنت ہو۔ باقی رہی حدیث تَفْتَرِقَ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَ سَبْعِينَ مِْلَةً كُلُّهُمْ فِي السَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً قَالُوا وَ مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِي . (۲)

(۱) مستدرک: ۳۲۵/۳۳، حدیث: ۱۶۳۵۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۵/۳۳، حدیث: ۱۶۳۵۶، ابی ابی الکبریٰ ابن بطلان: ۲۳۸/۱، حدیث: ۲۳۲، مجمع الزوائد: ۱۱۲/۱، کنز العمال: ۲۱۹/۱، حدیث: ۱۰۹۸، المسند الجامع: ۳۱/۳۳، حدیث: ۱۱۱۰۳۔ اور سنن دارمی وغیرہ میں یوں بھی آیا ہے: مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةٍ فِي دِينِهِمْ إِلَّا نَزَعَ اللَّهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا، ثُمَّ لَا يُعِيدُهَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .

(۲) سنن ترمذی: ۲۳۵/۹، حدیث: ۲۵۶۵، سنن نسائی: ۲۳۵/۹، حدیث: ۲۵۶۵، ابی ابی الکبریٰ: ۲۸۱/۱، حدیث: ۲۵۶۵، مستدرک: ۳۳۰/۱، حدیث: ۳۰۸۔ یہ حدیث الفاظ کے ذرا ذرا سے فرق کے ساتھ کئی طریقوں سے مروی ہے۔ مثلاً ازخروارے ملاحظہ فرمائیں

تَفْتَرِقَ هَذِهِ الْأُمَّةَ عَلَى ثَلَاثٍ وَ سَبْعِينَ فَرَقَةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً قَالُوا وَ مَا تِلْكَ الْفَرَقَةُ؟ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَ أَصْحَابِي . (مجموع اوسط: ۱۱۳/۱۱، حدیث: ۵۰۴۳)

إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ افْتَرَقُوا عَلَى إِحْدَى وَ سَبْعِينَ فَرَقَةً، وَ النَّصَارَى عَلَى ثَتْنِ وَ سَبْعِينَ فَرَقَةً كُلُّهُمْ عَلَى الضَّلَالَةِ إِلَّا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ مِنَ السَّوَادِ الْأَعْظَمِ؟ قَالَ مَنْ كَانَ عَلَى مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِي . (مجموع کبیر: ۱۶۷/۷، حدیث: ۵۵۳، ابی ابی الکبریٰ: ۳۷۳/۱، حدیث: ۵۳) <<



افترقت بنو اسرائیل علی إحدى وسبعین ملة، و لن تذهب اللیالی و لا الأيام حتی تفترق أمتی علی مثلها أو قال عن مثل ذلك و كل فرقة منها فی النار إلا واحدة و هي الجماعة. (مسند عبد بن حمید: ۱۵۹/۱ حدیث: ۱۵۰، الباب الکبریٰ: ۲۸۲/۱ حدیث: ۲۷۵، مسند سعد بن ابی وقاص: ۸۲/۱ حدیث: ۷۲، مسند الجالی: ۲۷۷/۱۳ حدیث: ۳۱۶۵)

ان بنی اسرائیل افترقت علی إحدى وسبعین فرقة و ان أمتی ستفترق علی ثنتين و سبعین فرقة کلها فی النار إلا واحدة و هي الجماعة. (سنن ابن ماجہ: ۳۹۳/۱ حدیث: ۳۹۸۳)

ان أهل الکتاب افترقوا فی دینهم علی ثنتين و سبعین ملة و ان هذه الأمة ستفترق علی ثلاث و سبعین ملة یعنی الأهواء کلها فی النار إلا واحدة و هي الجماعة. (مسند احمد: ۲۹۲/۳۳ حدیث: ۱۶۳۲۹، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۲/۳۳ حدیث: ۱۶۳۲۹، معجم طبرانی: ۳۰۲/۱۳ حدیث: ۱۶۳۵۰، الاکل الاکبر: ۱۲/۸ حدیث: ۲۹۲۳، مسند الشامیین: ۳۶۷/۳ حدیث: ۹۷۹۰، السنن لابن ابی عاصم: ۳۷۱ حدیث: ۲، مسند الجالی: ۲۱/۳۶ حدیث: ۱۱۶۷۷)

سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کم تفرقت بنو اسرائیل؟ فقال: علی واحدة - أو اثنتين - و سبعین فرقة قال و أمتی أيضا ستفترق مثلهم أو یزیدون واحدة، کلها فی النار إلا واحدة. (مصنف عبد الرزاق: ۱۵۶/۱۰ حدیث: ۱۸۷۷۵)

سیأتي علی أمتی ما أتى علی بنی اسرائیل مثلاً بمثل حذو النعل بالنعل، و انهم تفرقوا علی اثنتين و سبعین ملة، و ستفترق أمتی علی ثلاث و سبعین ملة تزید علیهم واحدة کلها فی النار إلا واحدة، قبل یارسول اللہ و ما تلک الواحدة؟ قال هو ما نحن علیہ الیوم أنا و أصحابی. (الابن الکبریٰ: ۳۷۱ حدیث: ۱)

ان بنی اسرائیل افترقوا علی بضع و سبعین ملة، ثم ان أمتی ستفترق علی (أو عن) مثلها کلها فی النار إلا واحدة و هي الجماعة. (الابن الکبریٰ: ۲۷۷/۱ حدیث: ۳۷۲۰)

ستفترق أمتی علی ثلاث و سبعین ملة، کلها فی النار إلا واحدة ما أنا علیہا الیوم و أصحابی. (الابن الکبریٰ: ۲۸۰/۱ حدیث: ۲۷۳۰)

ان أهل الکتاب تفرقوا فی دینهم علی اثنتين و سبعین ملة، و تفترق هذه الأمة علی ثلاث و سبعین ملة فی النار إلا واحدة و هي الجماعة. (مسند عبد بن حمید: ۳۴۸/۱ حدیث: ۳۰۷۷)

ان بنی اسرائیل افترقت علی موسی سبعین فرقة کلها ضالة إلا فرقة واحدة الإسلام و جماعتهم، ثم انھا افترقت علی عیسیٰ بن مریم علی إحدى و سبعین فرقة کلها ضالة إلا واحدة الإسلام و جماعتهم، ثم انکم تکتونون علی اثنتين و سبعین فرقة کلها فی النار إلا واحدة الإسلام و جماعتهم. (معجم طبرانی: ۳۰۰/۱۱ حدیث: ۱۳۲۸۱، مجمع الزوائد: ۳۰۲/۳، نظم المتناثر: ۳۶/۱)

افترقت بنو اسرائیل علی إحدى و سبعین فرقة، و ان أمتی ستفترق علی اثنتين و سبعین فرقة کلهم فی النار إلا واحدة، قالوا یارسول اللہ و من هذه الواحدة؟ قال الجماعة. (تفسیر ابن ابی عاصم: ۱۴۹/۱۳ حدیث: ۳۹۶۳، شرف اصحاب الحدیث: ۳۲/۱ حدیث: ۳۵، مسند الجالی: ۱۵۳/۳ حدیث: ۱۲۲۱)

ان هذه الأمة ستفترق علی إحدى و سبعین فرقة، کلها فی النار إلا واحدة و هي الجماعة. (السنن لابن ابی عاصم: ۲۶/۱ حدیث: ۵۵) تفترق أمتی علی ثلاث و سبعین فرقة، کلها فی النار إلا واحدة، فقيل من هي الناجية؟ فقال ما أنا علیہ و أصحابی. (الغریاء: ۱۰۱/۱ حدیث: ۸)

ان أهل الکتابین افترقوا فی دینهم علی ثنتين و سبعین ملة و ان هذه الأمة ستفترق علی ثلاث و سبعین ملة فی الأهواء، کلها فی النار إلا واحدة و انھا الجماعة. (البرکات والذکر: ۱۶/۱ حدیث: ۱۳)

تواب اس حدیث کی مراد یہ نہیں کہ اگر کوئی جزئی عمل خصوصی طور پر آپ نے یا آپ کے اصحاب نے نہ کیا تو اس کا کرنے والا جہنمی ہوگا اس لیے کہ یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ مدرسہ نہ تو آپ نے بنایا اور نہ آپ کے اصحاب نے، تو چاہیے یہ کہ اس ہیئت کذائی کے ساتھ مدرسہ کی تعمیر کرنے والا مستحق نار ہو معاذ اللہ بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ کے اور آپ کے اصحاب کے اصول کے خلاف جو ہوگا وہ فی النار ہوگا، اور بدعت حسنہ کی ایجاد مخالف اصول نہیں بلکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے: من سن فی الإسلام سنة حسنة فرما کر اعمال حسنہ کی ایجاد کی ترغیب دی ہے جیسا کہ آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ

یوں ہی بہت سے ایسے امور خیر جو کہ زمانہ نبوت میں نہ تھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایجاد فرمائے اور ان پر احداث حسن اور نعت البدعة وغیرہ کا اطلاق کیا۔ تو جو لوگ میلا و شریف یا فاتحہ مروجہ طریقہ کے مطابق کرتے ہیں وہ اس احداث حسن میں خاصی طرح ما انا علیہ و أصحابی کے مصداق ہیں کہ آپ اور آپ کے اصحاب نے احداث حسن کی اجازت دی ہے۔ اور ہم بھی انہیں کے نقش قدم پر چل کر احداثات حسن کو جائز رکھتے ہیں۔ فیما اخي خذ ما آتیتک و کن من الشاکرین۔ (تو اے برادر عزیز! جو نعت گراں بہا میں تجھے دے رہا ہوں، ہاتھ بڑھا کر لے لے اور شکر گزاروں میں سے ہو جا۔)

بعض مانعین کہتے ہیں کہ مخالف احداث کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہی کام مخالف سنت، بدعت اور مکروہ ہے، اور اس کو ایجاد نہ کرنا چاہیے۔ اور صحابہ نے جن امور پر انکار کیا ہے وہ سب امور خیر تھے ان میں اس کے سوا کوئی اور بات نہ تھی کہ ان کی ہیئت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پائی گئی۔ مثلاً عبد اللہ بن مسعود نے ذکر کرنے والی ایک جماعت کو مسجد سے نکال دیا، یہ ہیئت خاصہ جدیدہ پر انکار تھا اور نہ اصل ذکر اللہ تو خود ما موروہ ہے۔

اور حضرت علی نے قبل نماز عید نفل پڑھنے سے منع فرمایا حالانکہ خود نماز پڑھنا منع نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے نماز چاشت کو (جو ان کی شرطوں کے موافق نہ تھی) بدعت فرمایا۔ اور اسی طرح قنوت جو ان کے زمانہ میں پڑھتے تھے اس کو بھی بدعت فرمایا۔ ان کی باتیں ختم ہوئیں۔

میں کہتا ہوں یہ تقریر اگر چہ قائلین قول چہارم کے مشرب کے مطابق ہے۔ لیکن بعض لوگ مزید بے خبری کے عالم میں یہ بات کہنے لگتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو مخالف سنت، مکروہ اور بدعت کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ جس سے نص شارع خاموش ہو اس کو مخالف شرع نہیں کہتے۔ دارقطنی نے ابو ثعلبہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں فرض فرمائی ہیں تو ان کو ضائع مت کرو، بعض چیزیں حرام فرمائیں تو ان کی حرمت نہ توڑو۔ اور کچھ حدیں مقرر فرمائی ہیں تو ان حدوں سے آگے نہ بڑھو۔ اور بعض چیزوں سے دانستہ سکوت فرمایا ہے تو ان میں بحث نہ کرو۔ یہ حدیث مشکوٰۃ کے (باب الاعتصام) میں ہے۔

ان بنی اسرائیل افترقت علی إحدى و سبعین فرقة کلهم فی النار إلا واحدة فقيل یارسول اللہ و ما هذه الواحدة؟ فقبط یدہ و قال: الجماعة، فاعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا. (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ۱۵۲/۱ حدیث: ۱۲۸)

تفترق أمتی علی ثلاث و سبعین فرقة کلهم فی النار إلا واحدة قالوا و ما تلک الفرقة قال: ما أنا علیہ الیوم و أصحابی. (مجمع الزوائد: ۱۱۳/۱ حدیث: ۱۱۳۱)

عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم تفترق أمتی علی بضع و سبعین فرقة کلها فی الجنة إلا واحدة و هي الزنادقة. (کشف الخفاء: ۱۵۰/۱)



حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جو حرام کر دیا وہ حرام اور جس میں سکوت فرمایا اور کچھ نہ بیان کیا وہ معافی میں ہے یعنی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ نہ ہوگا۔ یہ مشکوٰۃ کے (باب ما یسکت) میں ہے۔

ان احادیث سے علماء نے ایک اصل عظیم پیدا کی ہے کہ اشیا میں اصل اباحت ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جس چیز میں اللہ و رسول کی طرف سے سکوت ہو اس کو مباح جاننا چاہیے نہ کہ بدعت، مکروہ اور حرام۔

شاہ ولی اللہ صاحب کتاب ”مصنفی شرح موطا“ مطبوعہ کے صفحہ ۷۸ پر ”تطوع قبل عید“ کے تحت لکھتے ہیں

ماخذ دیگر استصحاب مشروعیت اصل صلوٰۃ است و نیا دوسروں کا ماخذ اصل صلوٰۃ کی مشروعیت کا استدلال فتن دلیلہ کہ دلالت کند بر منع زیرا کہ نکردن آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریں حال دلالت بر کراہت نمی نماید مگر فعل خیر کرے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز کا نہ کرنا اس نزدیک حضور دواعی آن دلیل کراہت نمی تواند شد۔ انتہی۔ کی کراہت پر دلالت نہیں کرتا۔ کسی اچھے کام کے اسباب کے موجود ہونے کے باوجود چھوڑ دینا اس کی کراہت پر دلیل نہیں۔

اس میں شاہ ولی اللہ صاحب نے کھول کر فرمادیا کہ دواعی موجود ہونے کے باوجود اگر کسی فعل خیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کریں تو یہ کراہت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

اور وہ جو علمائے حنفیہ طلوع فجر کے بعد نوافل پڑھنے میں کراہت ثابت کرتے ہیں تو اس میں یہ علت ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پر بہت حریص تھے۔ (آپ فرماتے ہیں)

جُعِلَتْ قُوَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ (۱)

دیگر اوقات میں یہ بات دیکھی کہ نماز بعض وقتوں میں جائز اور بعض میں نہیں تو اس بنیاد پر علماء نے اس حرص کے باوجود نوافل کا اس وقت میں پھر کبھی نہ پڑھنا اس وقت کو وجہ کراہت ٹھہرایا۔ الحاصل یہ بات علی العموم صحیح نہیں کہ جو فعل خیر آپ نے نہ کیا وہ بدعت اور مخالف سنت ہوتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ بدعت اور مخالف سنت وہی کام ہوگا جو شارع علیہ السلام کے امر و نہی کے خلاف ہوگا اور اس طرح کا کام جو کوئی ایجاد کرے وہ اس ارشاد پاک میں داخل ہوگا۔

مَنْ أَخَذَتْ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (تخریج گزر چکی)

اور وہ فعل، مکروہ اور بدعت و ضلالت کہلائے گا۔

حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ احیاء العلوم جلد دوم صفحہ ۷۲ پر ”آداب سماع“ کے تحت فرماتے ہیں

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۱۴۰/۳ حدیث: ۵۲۶۱؛ مستدرج: ۴۲/۲۸ حدیث: ۱۳۵۲۶؛ مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۲/۲۸ حدیث: ۱۳۵۲۶؛ مصنف عبد الرزاق: ۳۲۱/۳

حدیث: ۹۳۹؛ معجم کبیر طبرانی: ۳۵۲/۱۵ حدیث: ۱۷۳۸۸؛ تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۳/۱۲ حدیث: ۳۲۹۶؛ الآثار لابن یوسف: ۱/۲۸ حدیث: ۲۸۷۹؛ دلائل

النبوۃ اصباحی: ۱۸۲/۲؛ کنز العمال: ۲۸/۷۷ حدیث: ۱۸۹۱۴؛ روضۃ المحدثین: ۳۶/۶۶ حدیث: ۲۶۳۲؛ تخریج احادیث الاحیاء: ۳۲۸/۶۰ حدیث: ۲۶۹۹؛

سنن بیہقی: ۷۸/۷۸؛ سنن نسائی: ۲۸/۵ حدیث: ۸۸۸۸؛ القاصد الحسین: ۹۹/۱؛ مستدرج: ۳۵۳/۱ حدیث: ۳۰۰؛ تحفۃ الاشراف: ۸۷/۳ حدیث: ۲۷۹؛

و قول القائل: إن ذلك بدعة لم یکن فی الصحابة؟ فلیس کل ما یحکم بإباحته منقولاً عن الصحابة رضی اللہ عنہم و إنما المحذور ارتکاب بدعة تراغم سنة مأثورة و لم ینقل النهی عن شیء من هذا (۱)

واضح ہو کہ حجۃ الاسلام نے اس مقام پر یہ بیان فرمایا ہے کہ جب صوفی وجد صادق کی حالت میں کھڑا ہو جائے تو ضروری ہے کہ جماعت بھی اس کی موافقت میں کھڑی ہو جائے اور اگر اسی طرح یہ عادت جاری ہو جائے کہ صاحب وجد کا عمامہ اتر جائے تو سب لوگ اپنا عمامہ الگ کر دیں اس کا پٹر ابدن سے الگ ہو جائے تو لوگ بھی اس کی موافقت میں اپنے کپڑے بدن سے الگ کر دیں تو یہ باتیں البتہ حقوق صحبت اور حسن معاشرت میں داخل ہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تو بدعت ہے اور صحابہ سے منقول بھی نہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ بہتری مباح باتیں صحابہ سے منقول نہیں۔ ممنوع و محذور وہی بدعت ہے جو کسی سنت مامور بہا کو مٹا دے اور ان اشیاے مذکورہ کے لیے کوئی ممانعت نقل نہیں ہوئی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اسی احیاء العلوم کے صفحہ ۹۲ میں ہے ملاحظہ فرمائیں

و أما مجرد السواد فلیس بمکروه، لکنہ لیس بمحبوب إذ أحب الثیاب إلى الله تعالى البیض. و من قال إنه مکروه و بدعة أراد به أنه لم یکن معهوداً فی العصر الأول، و لکن إذا لم یرد فیہ نہی فلا ینبغي أن یسمى بدعة و مکروہاً و لکنہ ترک للأحباب (۲)

حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں کہ محض سیاہ لباس پہننا مکروہ نہیں لیکن محبوب بھی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب سفید لباس ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ مکروہ اور بدعت ہے تو اس کی مراد یہ ہے کہ عصر اول میں اس کا کوئی دستور نہ تھا لیکن جب کہ اس میں شارع علیہ السلام سے کوئی نہی وارد نہیں تو اس کو بدعت و مکروہ نہ کہنا چاہیے۔ ہاں اسے چھوڑ دینا بہت بہتر ہے یعنی اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند سفید لباس ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام کی دونوں مقام کی تقریریں صاف بیان کر رہی ہیں کہ صدر اول میں دستور نہ ہونا یا منقول نہ ہونا بدعت و کراہت کا سبب نہیں ہو سکتا جب تک کہ شارع علیہ السلام سے صریح نص موجود نہ ہو۔ تو جملہ اہل اسلام کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث: من أحدث فی أمرنا کے ذیل میں جو شارحین حدیث لکھ رہے ہیں کہ ایسی چیز کی ایجاد جو کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو بری نہیں اس کا صاف معنی یہی ہے کہ جس چیز کی نہی کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں موجود نہیں اس کا نکالنا برا نہیں اور جس کی نہی موجود ہے وہ ایجاد و احداث مردود ہے۔

اور وہ صحابہ کی نظیریں جنہیں معارضین پیش کرتے ہیں تو ان میں یہی بات تھی کہ صحابہ نے اپنے نزدیک ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی کے مقابل سمجھا تھا۔ مثلاً عبد اللہ بن مسعود کا انکار فرمانا تو اس میں دو طرح کی روایتیں ہیں ایک اس طرح

أخرج الطبرانی بسندہ عن قیس بن أبی حازم قال: ذکّر لابن مسعود قاصٌّ یجلس باللیل و یقول

لِلنَّاسِ قُولُوا كَذَا. الحدیث (۳)

(۱) احیاء علوم الدین: ۱۴۱/۲۔ باب ما یحکم من آثار الوجود ما یذم (۲) احیاء علوم الدین: ۱۴۱/۲۔ فن ذلک مکررات المساجد

(۳) معجم کبیر طبرانی: ۳۰۸/۸ حدیث: ۵۵۱



اس روایت میں لفظ قاص ہے۔ یعنی ایک قصہ گو آدمی رات کے وقت قصہ کہنے بیٹھتا تھا اور قصہ گوئی کے دوران لوگوں سے کہتا جاتا تھا کہ ایسا کہو ایسا کہو۔ یہ خبر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ وہاں تشریف لے گئے اور اس کو دھمکایا کہ تم نے یہ کیا بدعت نکال رکھی ہے!

واضح ہو کہ یہ انکار کرنا ہیئت جدیدہ کے عارض ہونے کے سبب نہ تھا بلکہ قصہ گوئی کے لیے اس کا وہ جمع کرنا جو خلاف شرع تھا، گو ذکر اللہ بھی کبھی کبھی درمیان میں ہوتا ہو۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے قصہ گو یوں کو جو بے اصل قصے بیان کرتے مسجد سے نکال دیا کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ آداب تذکیر قول جمیل میں فرماتے ہیں

ولا يذكر القصص المجازفة فإن الصحابة أنكروا على ذلك أشد الإنكار وأخرجوا أولئك من المساجد وضربوهم.

و القصص عندهم بدعة و كانوا يخرجون القصص من الجامع.

حضرت پیران پیر "غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں

و كان ابن عمر وغيره من الصحابة رضى الله عنهم يخرجون القصص من الجامع ان قریبنوں سے صحیح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاص ایسا ہی قصہ گو تھا اور اگر وہ مرد و اعظا حقانی ہوتا اور وعظ کرتے کرتے درمیان میں لوگوں سے ذکر اللہ بھی کراتا جاتا تو ایسا ہرگز منع نہ تھا۔

قاضی خان میں ہے

العالم إذا قال في المجلس صلوا على النبي عليه الصلوة والسلام فإنه يثاب على ذلك و كذا الغازي إذا قال كبروا يثاب عليه.

جب کوئی عالم کسی مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم کرتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ یوں ہی غازی بھی کہ جب تکبیر پڑھنے کے واسطے کہے تو وہ اس کی وجہ سے ثواب پائے گا۔

دوسری روایت اس طرح ہے کہ وہ لوگ جہر اذکر اللہ کرتے تھے اس لیے ان کو نکال دیا تو اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر جہر کو مخالف شریعت سمجھتے تھے (جیسا کہ کتب فقہ میں روایت ملتی ہے) اور مانعین جہر قرآن کی اس آیت کو بطور سند پیش کرتے ہیں

أدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً. (۱)

ساتھ ہی بخاری کے (کتاب الجہاد) میں ابوموسیٰ اشعری سے روایت کردہ حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ وہاں صحابہ بلند آواز سے

سے لا اله الا الله، الله اکبر کہتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! ارْزِعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُم لَا تَدْعُونَ أَصَمًّا وَلَا غَائِبًا إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ. (۱)

اس سے بعض صحابہ یہ سمجھ گئے کہ ذکر جہر منع ہے۔ اسی بنیاد پر حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ان لوگوں کو منع فرمادیا۔ چنانچہ حموی میں ہے

في فتاوى القاضي الجهر بالذکر حرام، وقد صح عن ابن مسعود انه سمع قوما اجتمعوا في مسجد يهللون و يصلون عليه الصلوة والسلام جهر افراح اليهم وقال ما عهدوا ذلك على عهدہ عليه الصلوة والسلام وما اراكم إلا مبتدعين فما زال يذكر ذلك حتى اخرجهم من المسجد.

یہاں تک کہ آپ نے ان کو مسجد سے نکال دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ان لوگوں کو صرف احداث ہیئت جدیدہ کے لیے نہیں بلکہ یہ سمجھ کر نکالا تھا کہ ان کا یہ ذکر جہر کرنا نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جو احداث شارع صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو وہ منع ہے اور جو مخالف نہیں وہ منع نہیں۔ چنانچہ یہی ذکر جہر جن لوگوں کے نزدیک مخالف نہیں وہ سب جائز کہتے ہیں۔

عمدة الفقہاء والحديثین جناب مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی (جن سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی حدیث پڑھی ہے) اپنے رسالہ "دلائل الاذکار" مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۷۹ میں فرماتے ہیں

ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يجهر مع الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين بالاذکار و التهليل و التسبيح بعد الصلوة. انتهى

(۱) صحیح بخاری: ۱۶۹۱۰/۱۰۰۰ حدیث: ۲۷۷۰، صحیح مسلم: ۲۲۰۱۳/۱۳۰۰ حدیث: ۲۸۷۳، مسند احمد: ۹۷۴۰/۴۰۰۰ حدیث: ۱۸۷۸۰، مصنف ابن ابی شیبہ: ۹۷۴۰/۴۰۰۰ حدیث: ۱۸۷۸۰، سنن بیہقی: ۱۸۳۲۰/۲۰۰۰ حدیث: ۱۶۰۸۵/۸۵۰۰ حدیث: ۹۲۳۶، سنن نسائی: ۳۹۸۸۳/۸۳۰۰ حدیث: ۶۷۷۹، مسند ابویعلیٰ موسیٰ: ۶۲۱۵/۱۵۰۰ حدیث: ۷۰۹۳، مسند حمیدی: ۶۲۱۵/۱۵۰۰ حدیث: ۷۰۹۳، مسند طحاوی: ۹۲۲/۲۲۰۰ حدیث: ۳۸۹، مشکل الآثار طحاوی: ۳۹۲/۲۲۰۰ حدیث: ۵۰۶۰، الاصاب والصفات بیہقی: ۳۱۱/۱۱۰۰ حدیث: ۶۳، مسند بزار: ۳۷۷/۷۷۰۰ حدیث: ۲۵۸۹، التوحید لابن خزیمہ: ۶۷۷/۷۷۰۰ حدیث: ۵۷، التوحید لابن مندہ: ۳۲۱/۲۲۰۰ حدیث: ۳۱۱، الدعوات الکبیر بیہقی: ۱۳۶۱/۱۳۰۰ حدیث: ۱۲۵، التاج والسنوخ نحاس: ۳۶۵/۶۵۰۰ حدیث: ۳۷۲، عمل الیوم واللیلۃ ابن سنی: ۳۹۸/۲۲۰۰ حدیث: ۵۲۰، مسند روایانی: ۲۲/۲۲۰۰ حدیث: ۵۲۹، کنز العمال: ۹۱۲/۲۲۰۰ حدیث: ۳۲۸۷، مسند الجامع: ۱۸۶/۲۲۰۰ حدیث: ۸۸۸۲

اپنے رب سے دعا کرو گڑ گڑاتے اور آہستہ۔

ساتھ ہی بخاری کے (کتاب الجہاد) میں ابوموسیٰ اشعری سے روایت کردہ حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ وہاں صحابہ بلند آواز سے

یہ حدیث ان الفاظ میں بھی ملتی ہے

یہ حدیث ان الفاظ میں بھی ملتی ہے

یہ حدیث ان الفاظ میں بھی ملتی ہے

یہ حدیث ان الفاظ میں بھی ملتی ہے

یہ حدیث ان الفاظ میں بھی ملتی ہے



در مختار کے حاشیہ شامی میں ہے

أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب  
ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش  
جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ. انتهى. (۱)

اسلاف و اخلاف سبھی علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مسجد اور  
غیر مسجد کے اندر جماعت کے ساتھ ذکر مستحب ہے جب کہ ان  
کا جہراً ذکر کرنا کسی قاری نمازی اور سونے والے کے لیے  
باعث خلل نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کے استحباب پر علماء کا اجماع ہے۔ اور یہ علماء حدیث بخاری کی نبی  
کے بارے میں فرماتے ہیں کہ چون کہ وہ موقع جہاد تھا وہاں کفار سے اپنا حال چھپانا منظور تھا اس لیے جہر کو آپ نے منع فرمایا نہ اس  
لیے کہ جہر منع ہے۔ اور اسی طرح آیت میں بھی ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں۔

دوسرا انکار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے کہ آپ نے ایک شخص کو نماز عید سے پہلے نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ واضح ہو کہ یہ منع  
فرمانا صرف اسی وجہ سے نہ تھا کہ اس وقت نماز آپ سے منقول نہیں اور جب منقول نہیں تو بدعت ٹھہرے جیسا کہ فریق ثانی اس  
مغالطہ میں پڑا ہوا ہے۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا منع فرمانا ایک دلیل ہے جس پر علمائے حنفیہ کا عمل ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی صریح بھی موجود ہے۔

شرح مجمع میں ہے

روي أنه عليه السلام قَالَ لَا صَلَوةَ فِي الْعِيدَيْنِ  
عَنْ إِمَامٍ

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی کہ آپ نے  
فرمایا: عیدین کی نماز میں جماعت سے پہلے کوئی نماز نہیں۔

بس یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ احداث اس شے کا منع ہے جو شارع علیہ السلام کے امر و نہی کے مخالف ہو۔ تو جن لوگوں تک شارع  
صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی پہنچ گئی انھوں نے عید سے پہلے نفلی نماز پڑھنے کو منع کر دیا لیکن جن تک نہیں پہنچی تو انھوں نے صرف حضور صلی  
اللہ علیہ وسلم کے نہ کرنے کے سبب منع کا حکم نہیں دیا اور یہ کہا کہ

ترک فعل خیر نزدیک حضور دواعی آن دلیل کراہت نمی  
تواند شد۔

دواعی موجود ہونے کے باوجود کسی فعل خیر کو ترک کرنا اس کی  
کراہت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ (جیسا کہ مصنفی شرح موطا سے اوپر نقل ہوا)

تیسرا انکار نماز چاشت پر حضرت عبد اللہ بن عمر کا ہے تو یہ انکار مانعین کے لیے فائدہ مند نہیں اس لیے کہ وہ اس کو بدعت حسنہ  
فرماتے تھے۔

مواہب لدنیہ اور خاتم الحدیث زرقانی کی شرح مواہب کے صفحہ ۱۳ پر شعی سے روایت ہے کہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ غَضُّوا مِنْ أَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصْمًا وَلَا غَانِبًا إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَ دُونَ رَبِّكُمْ - (سنن ابوداؤد: ۳۲۲/۴ حدیث: ۳۲۲۴)

۱۳۰۵ شعب الایمان: ۲۲۳/۲ حدیث: ۶۸۱، کنز العمال: ۸۳/۲ حدیث: ۳۲۲۴

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصْمًا وَلَا غَانِبًا إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ أَعْنَاقِكُمْ - (مشکل الآثار لمجاوی: ۳۹۳/۱۲ حدیث: ۳۹۳۱)

(۱) رد المحتار: ۹۳/۵ (فروع افضل المساجد)

سمعت ابن عمر يقول ما ابتدع المسلمون  
أفضل من صلوة الضحى و روي ابن أبي شيبة  
ياسناد صحيح عن الحكم بن عبد الله بن اسحق بن  
الأعرج قال سألت ابن عمر عن صلوة الضحى  
فقال بدعة و نعمت البدعة و روي عبد الرزاق  
ياسناد صحيح عن سالم عن أبيه قال لقد قتل عثمان  
و ما أحد يسبحها و ما أحدث الناس شيئاً أحب إلي  
منها و روي سعيد بن منصور عن مجاهد عن ابن  
عمر أنها محدثة و أنها لمن أحسن ما أحدثوا. (۱)

میں نے ابن عمر کو کہتے سنا کہ مسلمانوں نے نماز چاشت  
کی شکل میں کسی عمدہ ترین بدعت ایجاد کی ہے۔ ابن ابی شیبہ  
صحیح کے ساتھ حکم بن عبد اللہ بن اسحق بن اعرج سے روایت  
کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے نماز چاشت کی بابت ابن  
عمر سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: یہ بدعت ہے مگر بہترین  
بدعت۔ عبد الرزاق صحیح سندوں کے ساتھ سالم اور ان کے  
والد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کو شہید  
کر دیا گیا اس وقت تک لوگ چاشت کی نماز نہیں پڑھتے  
تھے۔ اور میرے نزدیک اس سے بہتر اور کوئی چیز لوگوں نے نہیں  
ایجاد کی۔ سعید بن منصور نے مجاہد سے اور انھوں نے ابن عمر سے  
روایت کیا کہ نماز چاشت بلاشبہ ایجاد کردہ چیزوں میں ہے لیکن  
وہ بہترین ہے ان چیزوں میں جو لوگوں نے ایجاد کی۔

سعید بن منصور کی یہ آخری روایت شرح بخاری فتح الباری وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ (۲)

لہذا بدعت حسنہ ثابت کرنے والوں کا مدعا ثابت اور رد کرنے والوں کا باطل ہو گیا۔ اور بعض علماء نے یہ خیال کیا ہے کہ ان کا  
انکار اصل نماز پر نہ تھا کیوں کہ وہ تو ان کے نزدیک بدعت حسنہ اور افضل و احسن کام تھا اس پر وہ انکار کس طرح فرماتے بلکہ اگر  
انھوں نے انکار کیا ہے تو اس بات پر کہ چونکہ لوگ اس کو نماز فرائض کی طرح مسجدوں میں جمع ہو کر اہتمام کے ساتھ پڑھتے تھے اور یہ  
بات خلاف اصل تھی کیوں کہ صحیح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے

فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلَاةِ فِي بُيُوتِكُمْ فَإِنَّ خَيْرَ  
صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ. (۳)

تمہیں اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھنی چاہیے کیوں کہ  
فرض نماز کے علاوہ ایک انسان کی سب سے بہتر نماز وہ ہے جو  
اس کے گھر میں ادا کی جائے۔

(۱) مواہب لدنیہ: ۲۱۵/۳ مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا

(۲) روضة المحررين: ۵۰۰/۱ حدیث: ۵۰۰ فتح الباری ابن حجر: ۱۷۳/۳۔ صلاۃ الضحیٰ فی السفر

(۳) صحیح بخاری: ۷۰۱۹ حدیث: ۵۶۲۸ صحیح مسلم: ۱۸۳/۳ حدیث: ۱۳۰۱ سنن ابوداؤد: ۲۳۷/۳ حدیث: ۱۲۳۵ مسند احمد: ۱۱۲/۳۳ حدیث: ۲۰۶۳۵ مصنف

ابن ابی شیبہ: ۱۱۲/۳۳ حدیث: ۲۰۶۳۵ معجم کبیر طبرانی: ۶۱/۵ حدیث: ۲۷۶۳ سنن داری: ۱۸۲/۳ حدیث: ۱۳۱۷ مستخرج ابوداؤد: ۵۳۷/۵ حدیث: ۱۷۶۹

مشکل الآثار لمجاوی: ۹۰/۲ حدیث: ۵۰۳

یوں بھی یہ حدیث آئی ہے

أَفْضَلُ الصَّلَاةِ صَلَاةُ تَكْمَلُ فِي بَيْتِكَ إِلَّا صَلَاةَ الْمَكْتُوبَةِ. (موطا امام مالک: ۱/۱۷ حدیث: ۲۶۷ سنن نسائی: ۳۰۹/۱ حدیث: ۱۲۳۹ مشکل

الآثار لمجاوی: ۹۱/۳ حدیث: ۵۰۳)



یہ بھی صحیح حدیث ہے

صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ فرض نماز کے سوا اور نوافل آدمی کو گھر میں پڑھنا چاہیے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا کہ نفل نماز گھر میں پڑھنے کی روایتیں حضرت عمر جابر ابوسعید ابو ہریرہ ابن عمر عائشہ عبداللہ بن سعید اور زید بن خالد سے روایت کی گئی ہیں۔ تو ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر کے اجتہاد کا یہ تقاضا ہو کہ نفل نمازوں کے لیے حکم یہ ہوا ہے کہ: صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ (اپنے گھروں میں پڑھو) اور یہاں لوگوں نے یہ کیا کہ دائی طور پر مسجد ہی میں پڑھنے لگے اور یہ فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ٹھہرا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں جملہ فرائض و نوافل چونکہ ایک دوسرے سے بخوبی جدا اور متمیز نہیں ہوئے تھے اس لیے مسجدوں میں اکٹھا ہو کر نماز چاشت پڑھنے سے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا کہ کہیں وہ اس کو بھی فرض و واجب نہ سمجھ بیٹھیں۔

چنانچہ حضرت غوث الثقلین قدس سرہ "غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں

و إنما أرادوا بذلك لنلا تشبه بصلاة الفرض

ایسا اس لیے ہوا تاکہ اس پر فرض نماز کا شبہ نہ ہو اور لوگ اسے فرض و واجب نہ گمان کر بیٹھیں۔

فیعتقد الناس وجوبها. الى آخره.

ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر نماز چاشت پر انکار ہوا ہے تو ایسا ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دائی مخالفت اور اشتباہ فرض و نفل کے اندیشے کے سبب تھا۔ لہذا معارضین کا یہ سمجھنا کہ یہ انکار فقط عدم ثبوت کے سبب تھا بالکل مخدوش اور ساقط الاعتبار ہو گیا۔ چوتھا انکار حضرت عبداللہ ابن عمر کا قنوت پر جو ان کے زمانے میں لوگ پڑھتے تھے آپ نے اس کو بدعت فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں ایک مہینہ قنوت پڑھا تھا پھر چھوڑ دیا۔

❊ افضل صلواتکم فی بیوتکم الا المکتوبۃ. (سنن ترمذی: ۲۳۹۲/۲ حدیث: ۲۱۲۰ صحیح ابن حبان: ۳۷۱۱/۱ حدیث: ۲۵۷۹ صحیح ابن خزیمہ: ۲۲۳/۳ حدیث: ۱۱۳۹)

❊ اجعلوا من صلواتکم فی بیوتکم. (موطائما مالک: ۳۸۷/۱ حدیث: ۲۶۷۷ صحیح بخاری: ۲۱۰۲/۲ حدیث: ۱۳۱۳ صحیح مسلم: ۷۸۳/۳ حدیث: ۱۲۹۶ سنن ابوداؤد: ۲۳۲۳/۳ حدیث: ۸۷۹/۱ مستدرک: ۲۶۰۹/۹ حدیث: ۲۳۲۳/۳ مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶۰/۹ حدیث: ۲۳۲۳/۳ سنن بیہقی: ۱۸۹۲/۲ مستدرک ابویعلیٰ موطی: ۱۲۷/۱۰ حدیث: ۲۷۲۲/۲ صحیح ابن خزیمہ: ۲۲۷/۳ حدیث: ۱۱۳۱)

❊ فصلوا ایہا الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوة صلوة المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ. (صحیح بخاری: ۱۶۵۳/۳ حدیث: ۶۸۹/۱ مستدرک: ۶۷۴/۳ حدیث: ۲۰۶۰۰/۳ مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۷۴/۳ حدیث: ۲۰۶۰۰/۳ سنن بیہقی: ۱۹۲۲/۲ مجمل کبیر طبرانی: ۶۰۷/۵ حدیث: ۳۷۶۱/۵ شعب الایمان: ۷۷/۲۸ حدیث: ۳۱۳۲/۲ مستخرج ابوعوانہ: ۵۳۷/۵ حدیث: ۱۷۶۸/۱ صحیح ابن حبان: ۲۵۹۱/۱۰ حدیث: ۲۵۳۸/۲ صحیح ابن خزیمہ: ۲۳۲۳/۳ حدیث: ۱۱۳۰/۱ مشکل الآثار: ۸۹۲/۲ حدیث: ۵۰۲)

(۱) صحیح بخاری: ۲۲۲/۳ حدیث: ۸۵۰/۳ صحیح مسلم: ۲۸۲/۳ حدیث: ۱۱۲۸/۳ سنن ابوداؤد: ۲۶۲۳/۳ حدیث: ۹۰۰/۳ سنن ترمذی: ۲۵۰۲/۲ حدیث: ۲۱۳/۳ سنن نسائی: ۲۵۰۲/۲ حدیث: ۲۱۳/۳ مستدرک: ۳۱۸/۹ حدیث: ۲۲۸۲/۳ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۱۸/۹ حدیث: ۲۲۸۲/۳ سنن بیہقی: ۱۸۵۳/۳ مصنف عبد الرزاق: ۳۹۳/۳ سنن نسائی: ۲۰۸۱/۱ حدیث: ۱۲۹۰/۱ مستدرک: ۵۹۳/۳ حدیث: ۱۰۰۰/۱ مجمل کبیر طبرانی: ۲۱۲/۵ حدیث: ۵۱۳۱/۱ مستخرج ابوعوانہ: ۱۸۵۳/۳ حدیث: ۱۰۲۳/۱ مستدرک ابویعلیٰ موطی: ۱۲۱۳/۳ حدیث: ۶۶۱۵/۱ مستدرک: ۲۱۳/۳ حدیث: ۶۶۱۵/۱ صحیح ابن خزیمہ: ۷۵۷/۵ حدیث: ۱۷۵۹/۱

عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم قنن

شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ. (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قنوت فرما کر اسے ترک کر دیا۔ اب ائمہ دین میں اختلاف پڑ گیا بعض نے کہا کہ قنوت کا چھوڑ دینا بیان جواز کے لیے تھا بخ ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا اور جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ بعض نے کہا کہ جب آپ نے چھوڑ دیا تو منسوخ ہو گیا

و العمل بالمنسوخ لا يجوز اتفاقا.

حکم منسوخ پر عمل کرنا متفقہ طور پر درست نہیں۔

دارقطنی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے سنا

إن القنوت في صلاة الفجر بدعة. (ذکرہ الزرقانی)

نماز فجر میں قنوت پڑھنا بدعت ہے۔

علامہ عینی شرح ہدایہ کے صفحہ ۵۳۱ پر لکھتے ہیں

و كان أحد من روي أيضا عن الرسول صلى

یعنی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی روایت

اللہ علیہ وسلم عبد اللہ ابن عمر رضي الله عنهما ثم أخبرهم ان الله عز وجل نسخ ذلك حتى أنزل على رسوله عليه السلام ليس لك من الأمر شيء (الآية) فصار ذلك عند ابن عمر منسوخا فلم يكن هو يقنن بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم و كان ينكر على من يقنن. انتهي.

کرنے والوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر بھی آتے ہیں۔ پھر انھوں نے بتایا کہ اللہ عزوجل نے اسے منسوخ فرما کر اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمادی ہے: ليس لك من الأمر شيء۔ تو گویا اس کا حکم حضرت عبد اللہ بن عمر کے نزدیک منسوخ ہو گیا یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قنوت نہیں پڑھتے تھے بلکہ جو پڑھتا اسے منع بھی فرماتے تھے۔

گزشتہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عبد اللہ کے ہم عصر جو صحابہ یا تابعین قنوت پڑھا کرتے تھے وہ بھی اپنے طور پر استدلال قائم کرتے تھے اور اسے منسوخ نہیں سمجھتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن عمر نے جو اس قنوت کو منع کیا تو انھوں نے منسوخ سمجھا اور منسوخ پر عمل بالاتفاق خلاف شرع اور ناجائز ہے کیوں کہ وہ عمل پہلے مامور بہ تھا اب منسوخ ہونے کی وجہ سے منہی عنہ ہو گیا۔ اسی بنیاد پر حضرت ابن عمر کے نزدیک اسے مقابل نہیں سمجھ کر اس کا پڑھنا بدعت ٹھہرا۔ اور ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے کہ جو امر شارع صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و نہی کے خلاف ایجاد ہوگا وہی بدعت و ضلالت ہوگا ورنہ نہیں۔ اور اگر یہ لوگ اسی بات پر جم جائیں کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بیت سے نہیں کیا وہی مخالف سنت اور بدعت و ضلالت ہے تو بہت سے کام ان کو چھوڑنے پڑ جائیں گے۔ انہیں میں سے یہ کہ عید گاہ میں منبر بنانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

(۱) صحیح مسلم: ۲۳۳/۳ حدیث: ۱۰۹۲/۳ سنن ابوداؤد: ۲۳۳۳/۳ حدیث: ۶۸۴۶/۱ مستدرک: ۱۲۳۳/۳ مستخرج ابن ابی شیبہ: ۶۸۴۶/۱ حدیث: ۱۲۵۲/۱ سنن بیہقی: ۲۰۱۲/۲ سنن نسائی: ۲۲۷/۱ حدیث: ۶۶۲/۱ تہذیب الآثار طبرانی: ۷۶۶/۱ حدیث: ۲۶۸۲/۲ سنن دارقطنی: ۳۹۹۲/۳ حدیث: ۱۷۱۲/۱ معرفۃ السنن والآثار: ۲۰۰/۳ حدیث: ۱۰۱۷/۱ نصب الراية: ۱۸۶/۳ مستدرک جامع: ۵۰۲/۲ حدیث: ۲۹۲۳/۲



امام قسطلانیؒ ”مواہب لدنیہ“ میں ابن خزیمہ سے روایت کرتے ہیں

خطب علیہ الصلوٰۃ والسلام یوم عید علی  
رجلیہ هذا یشعر بأنه لم یکن فی المصلیٰ فی زمانہ  
علیہ السلام منبر و وقع فی المدونۃ للإمام مالک  
ان أول من خطب الناس فی المصلیٰ علی منبر  
عثمان بن عفان (۱)

تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید گاہ میں منبر پر خطبہ نہ پڑھا اور نہ ہی خلیفہ اول و دوم نے پڑھا بلکہ حضرت عثمان کے دور میں ابن صلت نے اینٹ اور مٹی سے منبر تیار کیا جس پر آپ نے خطبہ پڑھا تو چاہیے کہ منکرین عید گاہ کے منبر کو بھی اڑادیں اور چاہیے تھا کہ صحابہ بھی انکار فرماتے کہ اس بیت کا منبر عید گاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تو نہ تھا۔

یوں ہی چاہیے کہ مانعین جمعہ کی اذان اول کو بھی بالکل موقوف کر دیں کیوں کہ صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ پہلے صرف ایک اذان ہوا کرتی تھی یعنی جس وقت امام منبر پر بیٹھتا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا اور یہی خلیفہ اول و دوم کے عہد میں بھی باقی رہا۔ مگر اس کے بعد جب لوگ زیادہ ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اذان زیادہ فرمادی اور حکم دیا کہ مقام زورا (جو خارج مسجد کے باہر بازار میں ایک اونچا مقام تھا) پر ایک اذان دی جایا کرے۔

شرح مواہب لدنیہ زرقانی کے صفحہ ۴۵۲ پر ہے کہ ہشام ابن عبد الملک نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسی سال بعد حکم دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی ایجاد کردہ یہ پہلی اذان مسجد کے اندر کہی جائے۔ چنانچہ اب تک یہی مروج ہے کہ اذان اول بھی مسجد میں کہی جاتی ہے۔ اور اذان ثانی جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی وہ خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور خطبہ مکمل ہونے کے بعد تکبیر کہی جاتی ہے۔ پھر اگر یہی قاعدہ صحیح ہے کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے وہی سنت ہے اور اس کے سوا سب بدعت و ضلالت ہے تو چاہیے کہ یہ اذان بھی معاذ اللہ ضلالت ہو حالانکہ یہ شرعاً غریباً اہل اسلام میں رائج ہے۔

اسی طرح طواف رخصت میں اٹے پاؤں پھرنے کا مسئلہ فتاویٰ اور کتب حنفیہ کے متون و شروح میں مندرج ہے کہ جب حاجی طواف رخصت کریں تو دعا کریں اور روتے ہوئے اٹے پاؤں پیچھے پھریں حالانکہ یہ اٹے پاؤں پھرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ فقیہ شامی نے اسے ”باب الحج“ میں ذکر کیا ہے اور علامہ زیلیعی نے اس اٹے پاؤں ہٹنے کی دلیل یہ بیان کی ہے

و العادة جارية في تعظیم الأكابر والمنکر  
لذلك مکابر (۲)

جب علامہ زیلیعی حنفی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس فعل کی دلیل نہ ملی تو آپ نے یہ کہا کہ تعظیم میں یوں ہی عادت جاری ہے کہ بزرگوں کے سامنے سے پیٹھ پھیر کر نہیں پھرجاتا تو بس بیت اللہ سے رخصت ہونے میں بھی پشت دے کر نہ پھرنے چاہیے اور جو اس کا انکار کرے وہ جھگڑا انسان ہے۔

(۱) مواہب لدنیہ: ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱



على التقليد الخالص على مذهب واحد. (۱)  
اور تین سطر کے بعد لکھا

إذا وقعت لهم واقعة استفتوا فيها أي مفتى وجدوا من غير تعيين مذهب .  
معلوم ہوا کہ چوتھی صدی تک لوگ تقلید خالص کے سلسلے میں مذہب واحد پر اکتفا نہ ہوئے تھے جب کوئی مسئلہ پیش آتا یا تعین  
مذہب کسی مفتی سے پوچھ لیتے۔ مولوی قطب الدین خاں صاحب ”تفسیر الحق“ میں تفسیر مظہری کے حوالے سے نقل کرتے ہیں  
أهل السنة و الجماعة قد اختلفوا بعد القرون  
الثلاثة أو الأربعة على أربعة مذاهب .  
میں تقسیم ہو گئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذہب اربعہ کی تقسیم قرون ثلاثہ کے بہت بعد ہوئی اور چوتھی صدی تک بھی تقلید شخصی کے وجوب پر اجماع  
نہ ہوا تھا جس مذہب والے سے چاہتے تھے مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ چار اماموں میں حضرت امام احمد بن  
حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں ان کی وفات ۲۴۱ھ (855ء) میں ہوئی اور وہ تبع تابعین میں نہیں صاحب تقریب نے انھیں طبقہ  
عاشرہ (دسویں طبقہ) میں لکھا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ان کے اجتہاد پر فتویٰ دینے والے اور حق کو چار میں منحصر کرنے والے ان سے  
بھی بعد میں ہوئے۔

اسی طرح اجماع کا مسئلہ کہ کسی اصولی نے تصریح نہ فرمائی کہ قرون ثلاثہ کے بعد کا اجماع کذب و بدعت ہوگا۔ حضرت امام  
ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ ”تمہید“ میں لکھتے ہیں

إجماع الأمة معتبرة بالإجماع لا  
بالتفصيل بدليل قوله تعالى وَ كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ  
أُمَّةً وَسَطًا لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُونَ  
الرُّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا و لم يفصل بين  
الصحابه رضي الله عنهم وغيرهم و الأمة اسم  
عام يتناول الكل من الأول إلى الآخر .

اجمال کے ساتھ اجماع امت معتبر ہے نہ کہ تفصیل کے  
ساتھ۔ اس پر دلیل اللہ رب العزت کا یہ قول ہے: وَ كَذَلِكَ  
جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ  
يَكُونَ الرُّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (اور بات یوں ہی ہے کہ  
ہم نے تمھیں کیا تمام امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور  
یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ) اور اس میں صحابہ یا غیر صحابہ کا  
کچھ امتیاز و فصل نہیں۔ کیونکہ لفظ ”امت“ اسم عام ہے جو اول  
تا آخر ہر ایک کو شامل ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ صحابہ سے لے کر آخر امت تک جس طبقہ کے اہل اسلام کسی بات پر اجماع کر لیں گے وہ معتبر ہو جائے  
گا اور اس کو بدعت و ضلالت نہ کہا جائے گا۔ لہذا جو لوگ قائل ہیں کہ جو کچھ قرون ثلاثہ کے بعد ہوگا وہ کذب اور ضلالت ہی ہوگا ان  
کے اوپر یہ مسائل اور ان کے سوا اور نظریں سخت مشکل پڑیں گی۔ یہ کیا کہ جن مسائل کے خود قائل ہو رہے ہو (حالانکہ وہ بھی قرون  
ثلاثہ کے بعد ایجاد ہوئے ہیں) ان کو مستثنیٰ کر کے ان میں کسی کو واجب اور کسی کو مستحب کہہ رہے ہو۔ اور فاتحہ اموات اور میلاد شریف

کو معاذ اللہ ضلالت محض کہہ رہے ہو۔ یہ تو بڑی نا انصافی ہے۔

ہم پر کوئی اعتراض نہیں ہے اس لیے کہ ہم ان سب امور کو بلا فرق تسلیم کر رہے ہیں کیوں کہ یہ امور شارع علیہ السلام کے کسی  
امرو نہی کے مخالف نہیں ہیں۔ ہمارے اصول کے مطابق بعض بدعتیں واجب بھی ہوتی ہیں (جیسا کہ اوپر گزرا اور مزید آ رہا ہے)۔  
الحاصل، جتنی نظریں اور مثالیں یہاں مذکور ہوئیں ان سب کا یہ خلاصہ ہے اور جس کی بصیرت قلبی پر تعصب و عناد کا پردہ نہیں پڑا  
اس دیدہ و پر سپیدہ صبح کی طرح واضح ہو گیا کہ حدیث شریف: من أحدث فی امرنا سے ایسی ایجادات مراد ہیں جو شارع علیہ  
السلام کے امر و نہی کے مخالف ہوں۔ اور اس سے زمانے کی کوئی قید ہرگز مراد نہیں۔

اب دوسری حدیث شریف: حق طلب ناظرین کے لیے پیش ہے

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَ لَا يَنْقُصُ مِنْ  
أَجُورِهِمْ شَيْءٌ (۱)

(۱) صحیح مسلم: ۱۶۳/۱۳ حدیث: ۲۸۳۰ سنن ابن ماجہ: ۲۴۰۱ حدیث: ۲۰۳۱ مسند احمد: ۱۸۶/۳۹ حدیث: ۱۸۳۸۷ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۶/۳۹ حدیث:  
۱۸۳۸۷ مصنف عبد الرزاق: ۳۶۶/۱۱ حدیث: ۲۱۰۲۵ مجمع کبیر طبرانی: ۷/۳ حدیث: ۲۳۸۳ سنن دارمی: ۶۶/۲ حدیث: ۵۲۱ مشکل الآثار طحاوی: ۱/۱  
۲۵۱ حدیث: ۲۰۸ مسند الجامع: ۸۸/۱۰ حدیث: ۳۱۴۸ تحفۃ الاشراف: ۸۰/۱۱ حدیث: ۱۱۸۰۰

یوں بھی یہ حدیث ملتی ہے

من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شئ. (صحیح مسلم: ۱۹۸/۵ حدیث:  
۱۶۹۱ مسند احمد: ۱۶۶/۳۹ حدیث: ۱۸۳۶۷ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۶/۳۹ حدیث: ۱۸۳۶۷ سنن بیہقی: ۱۷۵/۳۰ سنن نسائی: ۴۰/۲ حدیث: ۲۳۳۵ شعب  
الایمان: ۳۲۱/۷ حدیث: ۳۱۶۹ صحیح ابن حبان: ۱۱۹/۱۳ حدیث: ۳۳۷۷ صحیح ابن خزیمہ: ۹۷/۹ حدیث: ۲۲۷۸ مسند طحاوی: ۲۲۱/۲ حدیث: ۶۹۸ مشکل  
الآثار طحاوی: ۲۵۰/۱ حدیث: ۲۰۷ کنز العمال: ۷۸/۱۵ حدیث: ۲۰۷۷۸ مسند الجامع: ۸۴/۱۰ حدیث: ۳۱۴۷ مشکوٰۃ المصابیح: ۲۵/۱ حدیث: ۲۱۰)  
من سن سنة خیر فاتبع علیها فله أجره و مثل أجور من اتبعه غیر منقوص من أجورهم شیئا. (سنن ترمذی: ۲۸۵/۹ حدیث: ۲۵۹۹ سنن  
نسائی: ۲۸۵/۹ حدیث: ۲۵۹۹ مسند الجامع: ۸۷/۱۰ تحفۃ الاشراف: ۷۷/۳ حدیث: ۳۲۳۳)

من سن سنة حسنة فعمل بها كان له أجرها و مثل أجر من عمل بها لا ينقص من أجورهم شیئا. (سنن ابن ماجہ: ۲۳۶/۱ حدیث: ۱۹۹)  
من سن سنة هدی فاتبع علیها كان له مثل أجورهم من غير أن ينقص من أجورهم شیئا. (مسند احمد: ۱۹۶/۲۱ حدیث: ۱۰۱۵۲ مصنف  
ابن ابی شیبہ: ۱۹۶/۲۱ حدیث: ۱۰۱۵۲ مسند الجامع: ۲۴۰/۳۳ حدیث: ۱۳۵۳۷)

من سن خیرا فاستثنى به كان له أجره كاملا. (مسند احمد: ۳۷۵/۲۱ حدیث: ۱۰۳۳۱ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۵/۲۱ حدیث: ۱۰۳۳۱ مشکل  
الآثار طحاوی: ۷۸/۳ حدیث: ۱۳۳۴ مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۱۰۰/۱ کنز العمال: ۷۸/۱۵ حدیث: ۲۳۱۲۳ مسند الجامع: ۱۵۲/۱۱ حدیث: ۳۳۰۵)

من سن سنة صالحة في الإسلام فعمل بها بعده كان له مثل أجورهم من غير أن ينقص من أجورهم شیئا. (مسند احمد: ۱۸۶/۳۹ حدیث:  
۱۸۳۸۷ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۶/۳۹ حدیث: ۱۸۳۸۷ مصنف عبد الرزاق: ۳۶۶/۱۱ حدیث: ۲۱۰۲۵ مسند الجامع: ۹۰/۱۰ حدیث: ۳۱۴۹)

من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها في حياته و بعد مماته حتی یتروک. (مسند الشافعی: ۳۳۴/۷ حدیث:  
۲۵۰۰ کنز العمال: ۷۹/۱۵ حدیث: ۳۳۱۴۶)



یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں لکھتا ہوں بلکہ مجمع البحار اور امام نووی کی شرح مسلم (جو کہ ان لوگوں کے پیشواؤں کے نزدیک بھی نہایت معتبر و مستند ہیں) سے لکھ رہا ہوں۔ اس حدیث کے معنی ان میں یہ لکھے ہیں

جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا پھر اس کے بعد اس طریقہ حسنہ پر عمل کیا تو اس شخص کے واسطے اس قدر اجر و ثواب لکھا جائے گا کہ جس قدر اس پر عمل کرنے والوں کو اس کے بعد ہوگا اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کاٹ کر اس کو نہ دیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے لائقانہی خزانہ سے ثواب عطا فرمائے گا۔ اور وہ طریقہ جو اس نے جاری کیا ہے خواہ ایسا ہو کہ اس سے پہلے ایجاد کیا گیا تھا لیکن کسی سبب سے بند ہو گیا تھا اس نے پھر اس کو جاری کر دیا یا یہ کہ اس سے پہلے وہ طریقہ ایجاد ہی نہیں ہوا تھا اس نے خود ہی اپنی طرف سے اس کو ایجاد اور جاری کیا اور وہ طریقہ خواہ کسی علم کی تعلیم ہو یا عبادت ہو یا کوئی ادب کا طریقہ۔ (۱)

مجمع البحار کی جلد دوم صفحہ ۱۴۷۔ اور شرح مسلم کی جلد دوم صفحہ ۳۳۱ میں یہ مضمون تحریر ہے جس کا جی چاہے وہاں دیکھ لے۔ اس حدیث کو پیش کرنے سے ہمارے دو مطلب ثابت ہوئے۔

ایک تو یہ کہ بدعت حسنہ کا براہونہا تو کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر وعدہ ثواب دیا ہے اور ثواب بھی کیسا کہ جب وہ آدمی مر جائے گا اور اس کے بعد اللہ کی دوسری مخلوق اس پر عمل کرے گی تو اس کے مرنے کے بعد بھی ان سب کے برابر اس کو ثواب پہنچتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے شریعت نے طرح طرح کے اصول و قواعد علم ظاہر دین کی تہذیب کے لیے ایجاد فرمائے اور اولیائے طریقت نے قسم قسم کے مجاہدات و اشغال دل کی صفائی اور تزکیں کے واسطے قرون ثلاثہ کے بعد پیدا کیے رحمۃ اللہ علیہم وعلینا اجمعین اسی لیے امام شامی نے جلد اول کے شروع ہی میں لکھا کہ یہ حدیث قواعد اسلام سے ہے۔ اور اس حدیث کے معنی ان الفاظ میں لکھے ہیں

وکل من ابتدع شیئاً من الخیر کان له مثل اجر کل من یعمل به الی یوم القیامۃ (۲)

اس حدیث سے دوسرا مطلب یہ نکلا کہ اس بدعت حسنہ کی ایجاد میں بھی وہی لفظ ”من“ ارشاد فرمایا (جو عربی زبان میں ایک عام لفظ ہے) یہ نہ فرمایا کہ قرون ثلاثہ میں جو کوئی طریقہ حسنہ جاری کرے گا اس کو ثواب ملے گا اور جو بعد میں کرے گا اسے عذاب دیا جائے گا اور بدعتی و جہنمی ہوگا نہ تو بالذات منہا بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی جب کبھی کوئی نیک طریقہ جاری کرے گا اس کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ علامہ شامی نے بھی من سن سنة حسنة کے معنی وہی کلی عام کیے ہیں۔ یعنی انھوں نے لکھا ہے: من ابتدع شیئاً الی آخرہ۔

مولوی اسحاق نے بھی ”مائۃ مسائل“ میں یہی لکھا ہے

سوال: بدعت حسنہ محدود است بوقت من الاوقات یا غیر محدود است الی یوم القیامۃ۔

جواب: غیر محدود است عند القائل بہ تقسیم ہا لحدیث من سن فی الاسلام سنة حسنة۔ الی آخرہ

دیکھو مسائل نے سوال کیا تھا کہ بدعت حسنہ کے لیے وقت یا زمانہ کی کوئی قید ہے کہ فلاں زمانہ تک تو بدعت حسنہ کی ایجاد جائز ہے اور فلاں زمانہ میں جائز نہیں۔ یا ایسا کہ اس کی کچھ قید نہیں بلکہ اس کی ایجاد قیامت تک کے لیے جائز ہے کوئی ایجاد کرے اور کسی زمانے میں ایجاد ہو۔

تو مولوی اسحق صاحب نے جواب دیا کہ غیر محدود ہے یعنی اس میں زمانے کی کچھ قید نہیں قیامت تک بدعت حسنہ جائز ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ عند القائل بہ تقسیم ہا کی قید کیوں لگائی تو یہ بات تین وجہوں سے کسی وحشت کا باعث نہیں ایک تو یہ کہ جو بدعت کی تقسیم نہیں کرتے وہ بدعت حسنہ کو سنت میں داخل کرتے ہیں تو بدعت حسنہ کا لفظ وہی کہے گا جو تقسیم بدعت کا قائل ہوگا اور جو قائل نہ ہوگا وہ بدعت حسنہ کو سنت کہے گا۔

دوسری وجہ یہ کہ جب ان کی سند میں صحیح حدیث لکھ دی تو وہ قائلین کے پایہ اعتبار میں ٹھہر گئی اور ان کے قول کی صحت مسلم ہو گئی۔

تیسری وجہ یہ کہ جب مولوی صاحب نے یہ فرما دیا کہ جو تقسیم بدعت کے قائل ہیں ان کے نزدیک قیامت تک بدعت حسنہ جائز ہے اب ہم تمہیں بتلائے دیتے ہیں کہ بدعت حسنہ کو کس کس نے جائز کیا ہے۔ تو معلوم ہونا چاہیے کہ ان سب مفتیان دین کے نزدیک تا قیامت بدعت حسنہ جائز ہے اور یہ کچھ قرون ثلاثہ پر منحصر نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں فقہاء و محدثین کے اقوال کہ سیدہ و ضلالت وہی بدعت ہے جو قرآن و حدیث اور اجماع کے مخالف ہے۔ اور جو بدعت ایسی نہیں وہ درست ہے۔

سیرت حلبی وغیرہ کتب مشہورہ و معتبرہ میں ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

ما أحدث و خالف کتاباً أو سنة أو إجماعاً أو أثراً فهو البدعة الضالة و ما أحدث من الخیر و لم

یخالف شیئاً من ذلك فهو البدعة المحمودۃ (۱)

اس روایت کو ابھی نے بھی اپنی اسناد کے ساتھ امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ بدعت دو طرح کی ہوتی ہے مذمومہ اور غیر مذمومہ۔ مولوی اسماعیل صاحب نے ”تقویۃ الایمان“ کے دوسرے حصہ مسمیٰ بہ ”تذکیر الاخوان“ میں فرمایا ہے جو مجتہدوں نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے۔ انتہی۔

تو امام شافعی کا قول ضرور مسلم ہونا چاہیے کیوں کہ یہ مجتہد ہیں اور بقول مولوی اسماعیل صاحب ”مجتہد کا نکالا ہوا حکم سنت میں داخل ہوتا ہے۔“

دوسرے یہ کہ یہ خیر القرون میں ہیں۔ تیسرے یہ کہ خاص عربی ہیں لغت عرب صحابہ و تابعین کے محاورات اور حدیث کی اصطلاحات (اچھی طرح) جاننے والے ہیں۔ اس بنیاد پر بدعت کی مذمت میں جتنی حدیثیں آتی ہیں انھیں امام شافعی کی اس تفسیر کے مطابق ان بدعتوں پر محمول کرنا چاہیے جو کتاب و سنت کے خلاف ہیں۔ اور محققین علمائے محدثین اور فقہائے دین نے اسی پر عمل کیا اور فتویٰ دیا ہے۔ انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے جسے جلیل الاسلام امام غزالی نے ”احیاء العلوم“ میں فرمایا



و إنما المحذور بدعة تراغم سنة  
مأثورة. (۱)  
وہی بدعت منع ہے جو کسی ایسی سنت کو مٹاتی ہو جس کے قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

ولا يمنع ذلك من كونه محدثا فكم من  
محدث حسن. (۲)  
نئی بات ہونے کی وجہ سے اسے منع نہ کیا جائے گا کیوں کہ بہت سی نئی باتیں عمدہ اور نیک ہیں۔

هذه بدعة لا بأس بها ولا تكره البدع إلا إذا  
راغمت السنة، و أما إذا لم تراغمها فلا يكره. (۳)  
ایسی بدعت میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ بدعت اسی وقت مکروہ ہوتی ہے جب کسی سنت سے متصادم ہو ورنہ نہیں۔

ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال  
بنوع شبهة و استحسان و جعل دينا قويا و صراطا مستقيما.  
شخصی وغیرہ محققین نے بدعت سیرہ مذمومہ کی تعریف اس طرح فرمائی ہے

ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال  
بنوع شبهة و استحسان و جعل دينا قويا و صراطا مستقيما.  
دیکھیے کہ اس میں مخالفت کی قید ہے اور کسی زمانہ قرون اور غیر قرون کو نہیں لیا بلکہ یہ قرار دیا کہ ہم کو جو شرعی دلائل کتاب و سنت اور اجماع و قیاس وغیرہ امور حقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچے ہیں ان کے خلاف اور ان کو مٹانے والی جو چیز ایجاد ہوگی وہ بدعت سیرہ ہے بشرطیکہ وہ مخالف بات شبہ کے باعث ایجاد ہو۔ یہ اس لیے کہ فقیہ شامی نے لکھا ہے

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز مخالف ایجاد ہوگی وہی بدعت سیرہ ہے (مخالفت کی تحقیق ہم اوپر کر چکے) اور جو نئی چیز مخالف نہیں وہ حسن ہے خواہ کبھی ایجاد ہو۔

علامہ ابن اثیر نے ”جامع الاصول“ میں لکھا ہے  
الابتداع ان كان في خلاف ما أمر الله به و  
رسوله فهو في حيز الذم و الإنكار و إن كان واقعا  
تحت عموم ما ندب إليه و حض عليه رسوله فهو  
في حيز المدح و إن لم يكن مثاله موجودا كنوع  
من الجود و السخاء و فعل المعروف فهذا فعل من  
الأفعال المحمودة لم يكن الفاعل قد سبق إليه و لا  
يجوز أن يكون ذلك في خلاف ما ورد الشرع به  
لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد جعل له في

یعنی کسی شے کی ایجاد اگر اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہو  
تو وہ مذموم اور بری ہے ورنہ اگر اس امر عام کے تحت داخل ہو  
جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور اس پر  
(لوگوں کو) آمادہ کیا ہے تو وہ قابل ستائش ہے اگرچہ اس کی  
مثال موجود نہ ہو جیسے جود و سخاوت اور کار خیر کی کوئی صورت  
کیونکہ یہ ان افعال محمودہ سے ہے جنہیں پہلے کسی نے انجام نہیں  
دیا۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ شریعت میں وارد ہونے والے حکم  
کے خلاف ہو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں

یعنی بدعت کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں کبھی واجب ہوتی  
ہے جیسے تدوین اصول فقہ اور علم جرح و تعدیل۔ کبھی حرام ہوتی  
ہے جیسے جبریہ و قدریہ مذاہب باطلہ کا وجود۔ کبھی مستحب ہوتی ہے  
جیسے مدرسوں اور ہراس اچھے کام کی ایجاد جو پہلی صدی میں نہ  
تھے۔ کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے شوافع کے نزدیک مسجدوں کی تزئین  
و آرائش جب کہ احناف کے نزدیک یہ مباح ہے۔ اور کبھی بدعت  
مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے پینے میں فراخی سے کام لینا۔

ذلك ثوابا فقال من سن سنة حسنة كان له أجرها و  
أجر من عمل بها و قال في ضده من سن سنة سيئة  
كان عليه وزرها ووزر من عمل بها و ذلك إذا كان  
نكالي تواسي له أجرها ورسوله إلى آخره.

نکالی تواسی اپنے گناہ کے علاوہ اس پر عمل پیرا ہونے والوں کا  
گناہ بھی دیا جائے گا۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ اس کی  
ایجاد اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہو۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ جو چیز مخالف شرع ایجاد ہو وہ بدعت سیرہ اور جو مخالف نہ ہو وہ محمودہ اور حسنہ ہے۔  
فتاویٰ عالمگیری کی جلد فاس میں ہے

و کم من شئ کان إحداثا و هو بدعة  
حسنة. (۱)  
یعنی بہت ساری چیزیں نئی ایجاد ہوئیں اور وہ بدعت حسنہ ہیں۔

بعض بدعتیں ہیں کبھی واجب ہوتی ہیں کبھی حرام ہوتی  
ہے جیسے تدوین اصول فقہ اور علم جرح و تعدیل۔ کبھی حرام ہوتی  
ہے جیسے جبریہ و قدریہ مذاہب باطلہ کا وجود۔ کبھی مستحب ہوتی ہے  
جیسے مدرسوں اور ہراس اچھے کام کی ایجاد جو پہلی صدی میں نہ  
تھے۔ کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے شوافع کے نزدیک مسجدوں کی تزئین  
و آرائش جب کہ احناف کے نزدیک یہ مباح ہے۔ اور کبھی بدعت  
مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے پینے میں فراخی سے کام لینا۔

بعض بدعتیں ہیں کبھی واجب ہوتی ہیں کبھی حرام ہوتی  
ہے جیسے تدوین اصول فقہ اور علم جرح و تعدیل۔ کبھی حرام ہوتی  
ہے جیسے جبریہ و قدریہ مذاہب باطلہ کا وجود۔ کبھی مستحب ہوتی ہے  
جیسے مدرسوں اور ہراس اچھے کام کی ایجاد جو پہلی صدی میں نہ  
تھے۔ کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے شوافع کے نزدیک مسجدوں کی تزئین  
و آرائش جب کہ احناف کے نزدیک یہ مباح ہے۔ اور کبھی بدعت  
مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے پینے میں فراخی سے کام لینا۔

بعض بدعتیں ہیں کبھی واجب ہوتی ہیں کبھی حرام ہوتی  
ہے جیسے تدوین اصول فقہ اور علم جرح و تعدیل۔ کبھی حرام ہوتی  
ہے جیسے جبریہ و قدریہ مذاہب باطلہ کا وجود۔ کبھی مستحب ہوتی ہے  
جیسے مدرسوں اور ہراس اچھے کام کی ایجاد جو پہلی صدی میں نہ  
تھے۔ کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے شوافع کے نزدیک مسجدوں کی تزئین  
و آرائش جب کہ احناف کے نزدیک یہ مباح ہے۔ اور کبھی بدعت  
مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے پینے میں فراخی سے کام لینا۔

بعض بدعتیں ہیں کبھی واجب ہوتی ہیں کبھی حرام ہوتی  
ہے جیسے تدوین اصول فقہ اور علم جرح و تعدیل۔ کبھی حرام ہوتی  
ہے جیسے جبریہ و قدریہ مذاہب باطلہ کا وجود۔ کبھی مستحب ہوتی ہے  
جیسے مدرسوں اور ہراس اچھے کام کی ایجاد جو پہلی صدی میں نہ  
تھے۔ کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے شوافع کے نزدیک مسجدوں کی تزئین  
و آرائش جب کہ احناف کے نزدیک یہ مباح ہے۔ اور کبھی بدعت  
مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے پینے میں فراخی سے کام لینا۔

بعض بدعتیں ہیں کبھی واجب ہوتی ہیں کبھی حرام ہوتی  
ہے جیسے تدوین اصول فقہ اور علم جرح و تعدیل۔ کبھی حرام ہوتی  
ہے جیسے جبریہ و قدریہ مذاہب باطلہ کا وجود۔ کبھی مستحب ہوتی ہے  
جیسے مدرسوں اور ہراس اچھے کام کی ایجاد جو پہلی صدی میں نہ  
تھے۔ کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے شوافع کے نزدیک مسجدوں کی تزئین  
و آرائش جب کہ احناف کے نزدیک یہ مباح ہے۔ اور کبھی بدعت  
مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے پینے میں فراخی سے کام لینا۔



(و التللفظ بها مستحب) یعنی طریق حسن  
أحبه المشائخ لا أنه من السنة، لأنه لم يثبت عن  
رسول الله صلى الله عليه وسلم من طريق صحيح  
ولا ضعيف ولا عن أحد من الصحابة والتابعين و  
لا عن أحد من الأئمة الأربعة بل المنقول انه صلى  
الله عليه وسلم كان إذا قام إلى الصلوة كبر فهدده  
بدعة حسنة. (۱)

نماز کی نیت زبان سے کر لینا مستحب یعنی اچھا طریقہ  
ہے مشائخ نے جو اسے پسند فرمایا ہے تو اس لیے نہیں کہ یہ سنت  
ہے کیوں کہ صحیح و ضعیف کسی طور پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سے یہ ثابت نہیں نہ کسی صحابی و تابعی سے اور نہ ہی ائمہ اربعہ میں  
کسی سے ثابت ہے۔ بلکہ منقول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ  
وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر فرماتے تھے۔ تو  
یہ بدعت حسنة ہے۔

اب علامہ شرنبلالی کی یہ تقریر غور سے دیکھنی چاہیے کہ یہ بات مان کر کہ زبان سے نیت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ  
و تابعین اور مجتہدین سے ثابت نہیں اس کے باوجود حکم دیا کہ یہ بدعت حسنة اور مستحب ہے۔  
واضح ہو کہ ائمہ مجتہدین میں امام احمد بھی ہیں جنہوں نے تابعی نہ تبع تابعی بلکہ تبع تابعین سے علم سیکھا (کافی التقریب) جب  
تلفظ بالنیۃ ان سے بھی منقول نہیں تو ظاہر ہوا کہ قرون ثلاثہ کے بعد اس کا ظہور ہوا۔ اس کے قرون ثلاثہ کے بعد ظاہر ہونے پر دوسری  
دلیل یہ ہے کہ شرنبلالی نے تلفظ بالنیۃ کی بابت لکھا کہ أحبه المشائخ۔ اور مشائخ سے وہ متاخرین علماء مراد ہیں جو امام اعظم کے  
شاگردوں کا دور ختم ہونے کے بعد ہوئے ہیں۔

در مختار میں زبان سے نیت کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ہمارے علماء کی سنت ہے۔  
شامی نے لکھا ہے کہ یہ طریقہ حسنة ہمارے علماء کا ہے۔  
اس سے بھی پتا چلا کہ ظہور تلفظ قرون ثلاثہ کے بعد ظاہر ہوا ہے۔  
فتیہ حلبی نے شرح کبیر مدیہ میں اس طرح لکھا ہے کہ یہ ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اور پھر اس کے بعد لکھا  
و هذه بدعة و لكن عدم النقل و كونه بدعة لا  
ینافی كونها حسنة۔  
اب دیکھیے کہ علمائے دین اس کو بدعت مان کر بھی اس کے حسن و نیک ہونے کا حکم صادر فرما رہے ہیں اور یہ علماء  
دونوں فریقوں کے نزدیک مسلم الثبوت ہیں۔  
فتاویٰ قاضی خان میں ہے

فإن قصد و ذکر بلسانہ کان أفضل۔  
یعنی دل میں نیت کرنے کے ساتھ ساتھ اگر وہ زبان  
سے بھی کہہ لے تو یہ بڑی اچھی بات ہے۔

ملتی الابحر میں ہے

و ضم التلفظ إلى القصد أفضل. (۲)

(۱) در الاحکام شرح غرر الاحکام: ۲۸۳/۱ باب شروط الصلوة

(۲)

مجمع الانهر شرح ملتی الابحر: ۲۳۲/۱ باب شروط الصلوة

ہدایہ میں ہے

و يحسن ذلك لاجتماع العزيمة. (۱)

زبان سے بھی نیت کر لینا بہتر ہے تاکہ مکمل قصد و ارادہ  
پورے طور پر پالیا جائے۔

ایسا ہی کافی میں بھی ہے۔

در شرح غرر میں ہے

و التلفظ بها مستحب. (۲)

زبان سے کہہ لینا مستحب ہے۔

یہ وہ کتابیں ہیں جو مذہب حنفی کے علماء کے نزدیک نہایت درجہ معتبر ہیں۔

اب شافعی مذہب (کے دلائل اس سلسلے میں) سننا چاہیے۔

علامہ قسطلانی شافعی ”مواہب لدنیہ“ میں بیان کرتے ہیں

و الذي استقر عليه أصحابنا استحباب

ہمارے اصحاب اس پر متفق ہیں کہ زبان سے نیت کہہ

النطق بها۔

غنیۃ الطالبین، حضرت غوث اعظم حنبلی کی تالیف ہے بیان وضو میں وہ لکھتے ہیں

يسوي بطهارته رفع الحدث و محلها القلب فإن ذكر ذلك بلسانه مع اعتقاده بقلبه كان قد أتى

بالأفضل۔

الحاصل زبان سے نیت کرنا ایسا عمل ہے جو تمام ہندوستان، فارس اور عرب وغیرہ میں جاری ہے۔

علامہ شامی نے لکھا ہے

قد استفاض ظهور العمل به في كثير من

الأعصار في عامة الأمصار. (۳)

براین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۳۱ پر بھی تلفظ بالنیۃ کو مستحسن مان لیا ہے۔ عبارت یہ ہے

اور نیت کا لفظ جو بدعت نہ ہو تو اس کی دلیل جواز کی موجودگی کہ حج میں تلفظ ناسائی کی حدیث میں وارد ہوا ہے۔ الی آخرہ۔

اس استدلال کا حال تمام لوگوں کو محفوظ رکھنا کارآمد ہوگا اس لیے کہ حج میں جو تلفظ مامور بہ اور عند الفقہاء معمول بہ ہے وہ یہ ہے

اللهم إني أريد الحج فيسره لي و

یعنی اے اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے

تقبلہ منی۔ (۴)

(۱) تبیین الحقائق: ۳۷۷/۱ باب شروط الصلوة

(۲) در الاحکام شرح غرر الاحکام: ۲۸۳/۱ (باب شروط الصلوة) حاشیہ رد المحتار: ۸۶/۱ در مختار: ۲۰۰/۱ کتاب الطہارت (۳) رد المحتار: ۲۹۱/۳ مطلب فی ستر العورة۔

(۴) الاختیار لتعلیل الاختیار: ۱۱۱/۱ حاشیہ رد المحتار: ۳۳۸/۱ در مختار: ۵۳۰/۲ تحفۃ الفقہاء: ۱۲۵/۱ المصنوع: ۲۲۲/۲ فصل فی سنن حکم

الکبر: تبیین الحقائق: ۲۱۱/۲ باب الاحرام: العنایہ شرح الہدایہ: ۲۲۳/۲ باب الاحرام: الجوہرۃ النیر: ۸۲/۲ کتاب الحج: فتح القدیر: ۶۵۵/۲ باب الاحرام: در شرح غرر

۲۶۱/۳ تقدیم الاحرام علی المواقیت: البحر الرائق: ۱۳۶/۲ استعمال الطیب بنی بدنت: مجمع الانهر: ۹۰/۲ فصل بیان الاحرام: رد المحتار: ۲۹۲/۳ مطلب فی ستر العورة



چنانچہ ہدایہ و وقایہ اور در مختار وغیرہ میں موجود ہے۔  
پھر بعض علماء نے نماز میں بھی تجویز کیا کہ یہ کہا جائے

اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اَصْلِيَّ صَلَوةً كَذًا فَيَسِّرْهَا  
ليْ وَ تَقْبَلْهَا مِنِّيْ (۱)

لیکن جمہور علماء نے اس کا رد فرمایا ہے کیوں کہ حج میں موانع اور صعوبتیں پیش آتی ہیں اس لیے اس میں ایسا مستحب ہے۔ لیکن نماز میں کیا صعوبت ہے کہ دعا کی جائے یا اللہ میں نماز کا ارادہ کرتا ہوں اسے میرے لیے بہل کر دے۔ اس بنیاد پر نیت نماز کے لیے ایسا کہنا مخدوش رہا جیسا کہ فقہ شامی نے لکھا ہے بلکہ یہ ٹھہرا کہ کہا جائے

نویت فجر الیوم و ظهر الیوم وغیرہ۔

اہل اسلام میں جو کثرت سے مشہور و مستفیض اور زبان زد خاص و عام ہے وہ یہ ہے جسے علامہ محمد بن احمد زاہد مقلب بالزین نے ”ترغیب الصلوٰۃ“ میں لکھا ہے

نویت اَنْ اَصْلِيَّ فِرْضَ فَجْرِ الْوَقْتِ رَكَعَتَيْنِ لِلّٰهِ تَعَالٰی وَ تَوَجَّهْتُ اِلَى الْكَعْبَةِ وَ اِقْتَدَيْتُ بِهَذَا الْاِمَامِ  
سُنَّتُوں كِي نَيْتِیوں كِرے

نویت اَنْ اَصْلِيَّ سَنَةِ الْفَجْرِ رَكَعَتَيْنِ لِلّٰهِ تَعَالٰی مُتَابَعَةً لِلرَّسُولِ وَ تَوَجَّهْتُ اِلَى الْكَعْبَةِ

چنانچہ ہمارے اضلاع میں بھی اسی کے قریب عمل جاری ہے۔ فرض کی نیت میں کہتے ہیں

نیت کی میں نے دو رکعت نماز فجر فرض کی اللہ تعالیٰ کے واسطے منہ میرا کعبہ شریف کی طرف۔ اور سنتوں میں فرض کی بجائے سنت رسول اللہ کہتے ہیں اور باقی بدستور۔

اب دیکھیے کہ قرون ثلاثہ سے نماز میں نہ تو یہ الفاظ اور نہ ان کے سوا اور کچھ الفاظ ثابت ہیں مگر حقیقتیں اہل سنت نے اس کو تسلیم کیا۔ اور مولف براہین نے اس طرح تسلیم کیا کہ ان الفاظ کی دلیل شرع میں موجود ہے۔ یعنی حج میں تلفظ پایا گیا۔ اب یہاں سے مانعین یہ یاد رکھیں کہ بدعت حسہ کے جواز کے لیے ایسی دلیل بس ہوا کرتی ہے کہ اگر خاص نماز میں منقول نہیں تو حج میں سہی گو وہ عبادت اور ہے اور یہ اور۔ اور پھر تلفظ میں بھی مطابقت شرط نہیں کہ حج میں اور ہے اور نماز میں اور۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اپنی مانی ہوئی باتوں کے لیے ایسی دلیل تسلیم کریں اور ہم جو اثبات فاتحہ و میا و شریف میں اس سے بہت اعلیٰ دلائل پیش کریں وہ غیر منظور ہوں۔ بجز اس کے کچھ علاج نہیں کہ حق سبحانہ اپنی قدرت کاملہ سے شان ہدایت کا جلوہ دکھائے۔

### مسئلہ ثانیہ

آخر چھٹی صدی ہجری میں جو محفل میلاد شریف منعقد ہوئی اس کو حلیل القدر علماء اور اکابر فضلاء نے مستحسن سمجھا اور شریک بھی ہوئے۔ اور امام نووی کے استاد حضرت ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس محفل کو نہ صرف پسند کیا بلکہ اسے بدعت حسہ بھی قرار دیا اور مزید یہ فرمایا

(۱) المحرر الرائق ۹۳۳ باب شروط الصلوٰۃ بدائع الصنائع ۲۷۲۲ فصل فی سنن حکم التعمیر - تحفۃ الفقہاء ۱۲۵۱۱ در مختار ۵۳۰۲۰

و من احسن ما ابتدع فی زماننا هذا ما یفعل  
کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولد النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم من الصدقات و المعروف و اظهار  
الزینۃ و السرور۔ الی آخرہ۔ (۱)

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

و عمل المولد و اجتماع الناس له کذلک  
ای بدعة حسنة. کذا فی السیرۃ الحلبیۃ. (۲)

### مسئلہ ثالثہ

آٹھویں صدی کے آخر میں اذان کے بعد جو سلام کا رواج پڑا تو اس کی بابت در مختار میں ہے  
التسلیم بعد الاذان حدث فی ربيع الآخر  
سنة سبع مائة و احدى و ثمانین و هو بدعة  
حسنة. (۳)

در مختار کے شارح امام شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے تسلیم کیا اور مزید کنز الدقائق کی شرح نہر الفائق اور قول بدیع سے نقل فرمایا ہے

و الصواب (من الأقوال) أنها بدعة حسنة. (۴)  
آپ دیکھیں کہ آٹھویں صدی تو قرون ثلاثہ کے بہت بعد ہے اس صدی میں پیدا شدہ نئی چیزوں کو بھی فقہانے بدعت حسہ قرار دیا ہے۔ اب فقہاء کے ان اقوال کو امام شافعی کے قول کی روشنی میں دیکھنا چاہیے ان سب علماء نے بدعت کو حسہ اور سنیہ کے دو خانوں میں تقسیم کیا ہے اور بدعت حسہ کو خواہ وہ قرون ثلاثہ یا ان کے بعد ایجاد ہوئی ہو مستحب اور حسن مانا ہے تو گویا مولوی اہل حق صاحب کے فرمانے کے مطابق ان سب فقہاء کے نزدیک بدعت حسہ کی ایجاد تا قیام قیامت ثابت ہوئی کیوں کہ وہ کہتے ہیں  
غیر محدود است عند القائل بہ تقسیم ہا۔  
قابل کے نزدیک اس کی تقسیم کسی زمانے تک محدود نہیں۔  
اور (دور کیوں جائیے) خود مولوی اہل حق اور مولوی اسماعیل صاحبان کے بزرگ بھی بدعت کی تقسیم کے قابل ہیں۔ (یہ دیکھیں)

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سوالات عشرہ محرم کے سوال اول کے جواب میں لکھتے ہیں

ساختن ضرائح و صورت قبور و علم وغیرہ ایں ہمہ بدعت  
یعنی تعزیر اور پرچم و قبور کے نقشے وغیرہ بنانا بدعت ہے  
ست و ظاہر است کہ ایں بدعت حسہ کہ در ایں ماخوذ نباشد نیست  
بلکہ بدعت سنیہ است و حال بدعت سنیہ ایں است کہ  
ہو بلکہ یہ بدعت سنیہ ہے اور بدعت سنیہ کے سلسلے میں حدیث

(۱) سبل الہدی والرشاد: ۳۶۵/۱: سیرت حلبیہ: ۱۲۲/۱: (۲) سیرت حلبیہ: ۱۲۲/۱:

(۳) در مختار: ۴۳۰/۱: (۴) در مختار: ۴۳۰/۱:



در حدیث شریف وارد است: شر الأمور محدثاتہا و کل میں ہے کہ دین میں نئی چیزوں کی ایجاد برا کام ہے کیونکہ ہر نئی چیز گمراہی بدعتہ ضالۃ۔

شاہ صاحب موصوف نے ”تہذیبِ اثنا عشریہ“ میں بھی بدعتِ حسنہ کا ثبوت پیش کیا ہے (جسے مطبوعہ مطبع حسینی دہلی کے صفحہ ۵۹ پر دیکھا جاسکتا ہے) اور تفسیر عزیزی پارۃ الم (مطبوعہ مطبع ولی محمد کھنوی) کے صفحہ ۲۱۲ میں قرآن شریف کی بیچ کو بدعتِ حسنہ قرار دیا ہے۔ اب تیرہویں صدی میں مولوی اسماعیل صاحب کہ جنہوں نے ”تذکیر الاخوان“ میں یہ کلام کیا تھا کہ جو کوئی دین کے عقیدے اور عبادت اور رسم میں وقت یا جگہ یا وضع یا ہیئت گنتی قید اپنی طرف سے مقرر کرے سو وہ بدعت اور باطل اور مردود ہے۔

اللہ کا شکر کہ یہ قاعدہ ایجاد کر کے آخر کار خود اس سے مخالفت کی راہ اختیار کر لی اس کا ثبوت ”صراطِ مستقیم“ میں لکھی ان کی یہ عبارت ہے

اشغال مناسبہ ہر وقت و ریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدا می ہر وقت اور ہر دور کے اشغال و ریاضت الگ الگ ہوتے باشد لہذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طریق در تجدید اشغال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے محقق اکابرین نے اشغال و وظائف کوشش با کردہ اند بناء علیہ مصلحت دید وقت چنان اقتضا کرد کہ کی تجدید میں کوشش کی ہیں۔ اس بنیاد پر وقت و مصلحت یک باب از میں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کتاب کے ایک باب کو وقت کی مناسبت کے اس وقت سے تعین کردہ شود۔

اس عبارت میں قرونِ ثلاثہ کی کوئی قید نہیں لگائی بلکہ ہر صدی میں اشغال کی ایجاد اور مشائخ کے تعینات کو مسلم رکھا اپنی تیرہویں صدی کے واسطے ایک باب میں بذات خود کچھ نئے اشغال لکھے۔ اس باب میں دیکھیں کہ ذکر اللہ اور عبادت الہی میں کیا کچھ وقت ہیئت و کیفیت اور عدد کی قیدیں ہیں۔ اور ”صراطِ مستقیم“ کے آخر ورق میں بھی لکھا ہے تجدید اشغال کے کہ اس کتاب محتوی براہ است فرمودند۔

مرشد صاحب نے نئے نئے اشغال نکالے اور ظاہر ہے کہ تجدید میں احداث ہے لہذا معلوم ہوا کہ انجام کار ان کو بھی یہی بات حق و درست لگی کہ ”ایجاد بدعت حسنہ الی یوم القیامہ جائز است“۔ خیر اللہ تعالیٰ ان کی تقلید کرنے والوں کو بھی ہدایت نصیب فرمائے۔

اب اہل سنت و جماعت خوب غور و فکر سے ملاحظہ فرمائیں کہ یہ جو فتویٰ انکاری کے مفتیوں نے میلاد شریف اور مردوں کی فاتحہ کو جمعرات اور عیدین وغیرہ میں ممنوع لکھا تھا اس کی بنیاد اسی ایک دلیل پر تھی کہ جو کام قرونِ ثلاثہ کے بعد ہوتا ہے وہ بدعتِ سید ہوتا ہے اور ہم اس دلیل کا ضعف اور ہلکا پن آپ کو بتا چکے اور جب ارباب تحقیق و اصحاب تدقیق کے اقوال کی روشنی میں ان کی دلیل گھٹنے ٹیک گئی تو یقیناً اب ان کے فتویٰ کی شکست فاش ہو گئی اور وہ جملہ امور آج بھی یوں ہی مستحسن و مباح رہے جس طرح پہلے تھے۔ لہذا مذہب صحیح اور مشرب اہل تنقیح یہی ہے جسے علامہ حلبی نے ”انسان العیون“ کی جلد اول میں لکھا ہے

وقد قال ابن الحجر الہیثمی ان البدعة الحسنة متفق علی ندبها (۱)

(۱) انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون ۱۲۲:۱

و مستحب ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے۔

یعنی محققین فقہاء و محدثین بدعتِ حسنہ کو بالاتفاق اور بالا جماع جائز و درست قرار دیتے اور اسی کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ لہذا فتویٰ انکاری کے اندر مندرجہ جملہ امور یعنی میلاد شریف، عیدین، جمعرات اور مردوں وغیرہ کی فاتحہ فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے محققین کے اجماع و اتفاق سے مستحسن و درست ٹھہرے نہ کہ برے۔ اور مخالفین و مانعین جو اپنی سخن پروری کی وجہ سے انکار کیے جاتے ہیں تو ان کے انکار سے کوئی حرج و فرق نہیں پڑنے والا۔

حضرت ابو شکور رحمۃ اللہ علیہ ”تمہید“ میں فرماتے ہیں

و اما خلاف المحققین خالفوا لغرضهم لا بعد خلافا۔

جو لوگ اپنے مقصد کی برآری کے لیے کوئی اختلاف کرتے ہیں تو ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

لہذا جو اپنی کسی غرض کے تحت (ان کے جواز کا) قول نہیں کرتے تو ان کے اختلاف کر دینے کی وجہ سے ہمارے مستحسن و جائز امور میں کوئی قباحت کیوں آنے لگے

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ اَلْفَاتِحِينَ (۱)

اے ہمارے رب ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔

## نور دوم میں چھ لمعے ہیں

لمعہ اولیٰ کھانے اور شیرینی پر فاتحہ کا جواز

جو عبادت انسان کی زبان یا جوارح و ارکان سے صادر ہو اس کو عبادتِ بدنی کہتے ہیں۔ جیسے قرآن یا تسبیح و تہلیل وغیرہ پڑھنا۔

جس عبادت میں مالیت صرف ہو اس کو عبادتِ مالی کہتے ہیں جیسے روٹی گوشت اور روپیہ پیسہ وغیرہ راہِ خدا میں خرچ کرنا۔ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ ان دونوں قسم کی عبادتوں کا ثواب اگر کسی کو بخشا جائے تو وہ اس تک پہنچتا ہے۔ علم فقہ کی حد درجہ معتبر اور مشہور کتاب ”ہدایہ“ میں ہے

ان الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوما أو صدقة أو غیرها عند أهل السنة و الجماعة (۲)

یعنی اہل سنت و جماعت کے نزدیک کارِ خیر مثلاً نماز و روزہ اور صدقہ وغیرہ کا ایصال ثواب جائز ہے۔

عقائد کی مشہور و مستند درسی کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے

وفي دعاء الأحياء للأموات و صدقتهم عنهم و نفع لهم خلافا للمعتزلة (۳)

زندوں کا مردوں کے لیے دعا اور ان کی طرف سے صدقہ کرنا ان کے لیے نفع بخش ہے۔ مگر معتزلی ایسا نہیں مانتے۔

(۱) سورة الاعراف: ۸۹/۷

(۲) عنایہ شرح ہدایہ: ۲۶۸/۳ حافیہ رد المحتار: ۲۶۳/۳ تبیین الحقائق: ۱۳۱/۵ فتح القدیر: ۱۳۱/۶ البحر الرائق: ۳۷۹/۷ رد المحتار: ۴۰۴/۶

(۳) شرح عقائد نسفی: ۱۶۵



یہ مسئلہ حدیثوں سے بھی ثابت ہے۔ ”تذکرۃ الموتی“ میں قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ ان حدیثوں کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔

لہذا جمہور فقہاء حکم کردہ اند کہ ثواب ہر عبادت بہ میت می رسد۔  
یعنی ان حدیثوں کی روشنی میں فقہائے کرام نے یہ حکم دیا ہے کہ ہر عبادت کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔

حضرت ملا علی قاری ”شرح فقہ اکبر“ میں عبادت بدنیہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں  
فذهب أبو حنیفہ و أحمد و جمہور السلف  
إلی وصولها إلی آخره۔  
امام اعظم ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل اور جمہور امت نے ایصالِ ثواب کو جائز قرار دیا ہے۔

لہذا اسی بنیاد پر اہل اسلام کی یہ عادت ہے کہ جب کسی میت کے نام سے کچھ کھانا یا شیرینی دینا چاہتے ہیں تو الحمد شریف اور درود پاک پڑھ کر اس میت کے لیے دعا کرتے ہیں اور اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے پڑھا اور جو کچھ خیرات دی گئی ہے اس کا ثواب فلاں میت کو پہنچے عوام میں اسی کا نام فاتحہ ہے۔ وہ (روزمرہ) یوں کہا کرتے ہیں کہ آج فلاں میت یا فلاں بزرگ کی فاتحہ ہے۔

در اصل فاتحہ الحمد شریف کا نام ہے اور چونکہ الحمد شریف کی اس وقت تلاوت ہوتی ہے اس لیے اس پورے عمل کا نام ”فاتحہ“ قرار پایا۔ (اسی کو کہتے ہیں) تسمیۃ الكل باسم الجزء۔ یعنی کسی خاص جز کی مناسبت سے پورے کا وہی نام دے دیا جائے۔ اور منکرین نے اس کا نام فاتحہ مرسومہ رکھا ہے۔

اب آپ دیکھیں کہ اس فاتحہ کے اندر جو کچھ دعا و درود اور الحمد شریف پڑھی گئی وہ عبادت بدنیہ ہے جو کہ ثابت الاصل ہے یوں ہی جو کچھ کھانا یا شیرینی اس وقت دی گئی یا دی جائے گی وہ عبادت مالیہ ہے اور یہ بھی حدیث و فقہ اور عقائد سے ثابت ہے اور انھیں دونوں عبادتوں کا ثواب میت کو پہنچایا جاتا ہے۔ پھر منکرین کے اس انکار کا کیا معنی کہ اس کی کچھ اصل نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ جدا جدا کر دیا جائے کیوں کہ دونوں کا جمع کرنا ثابت نہیں تو یہ وہی مثال ٹھہرے گی کہ جب کوئی مفتی شریعت حکم دے کہ بریانی کھانا جائز ہے اس لیے کہ اس میں گوشت ہے اور گوشت حلال چیز ہے برنج ہے وہ بھی حلال اور زعفرانی رنگ ہے وہ بھی حلال ہے تو ان مباحات کا مجموعہ مباح ہے۔

اب اس کے جواب میں کوئی بے ہودہ سر پھوٹنے کو تیار ہو جائے کہ صاحب یہ سب جدا جدا تو بے شک ثابت ہیں لیکن ہم تو جب مانیں کہ اس مجموعہ کا ذکر قرآن یا حدیث میں دکھاؤ یہ حرف کہاں لکھا ہوا ہے کہ بریانی کھانا درست ہے۔ تو جس طرح اس بے ہودہ کو اہل خرد عقل کا یتیم اور ہنسے جانے کے قابل سمجھیں گے بالکل یہی معاملہ ان صاحبوں کی اس بات کا بھی ہے۔

علاوہ بریں جس طرح یہ لوگ صریح روایت کے وجود پر اثبات جمع کو موقوف رکھتے ہیں یوں ہی منع کو بھی وجود روایت پر موقوف رکھنا چاہیے یعنی اگر عبادت مالیہ اور عبادت بدنیہ جمع کرنے کی ممانعت میں کوئی حدیث یا آیت وارد ہوئی ہو تو منع کریں ورنہ ان کو خاموش رہنا چاہیے۔ حالانکہ ہم دعوے سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جمع بین العبادتین (دو عبادتوں کو اکٹھا کرنے) کی ممانعت کے سلسلہ میں کوئی حدیث یا آیت نہیں آئی ہے اور اگر ہے تو انھیں پیش کرنا چاہیے۔ ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین۔

ہم جمع بین العبادتین کے لیے عقلی اور نقلی قاعدے از روئے شرع دکھا دیں گے۔ ایک تو یہی کہ جب ممانعت ثابت نہیں تو (اشیا

میں) اصل اباحت ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک بندے کی سعادت یہ ہے کہ وہ اپنے معبود کی عبادت میں لگا رہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۱)  
اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے بنائے کہ میری عبادت کریں۔

بعض عبادتیں زبان سے ہوتی ہیں، بعض بدن کے دوسرے حصوں سے اور بعض مال سے۔ (ظاہر ہے) جو کوئی ہر قسم کی عبادت کرے گا وہ صرف ایک عبادت کرنے والے کے مقابلے میں ضرور افضل ہوگا۔  
معراج کی شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب باری میں ان الفاظ سے تحفہ گزارا

التحيات لله و الصلوات و الطيبات .

مفسرین اور محدثین نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو زبان سے ادا ہوں اور بدنی و مالی عبادتیں بھی۔ تو جب تینوں قسم کی عبادتیں اللہ کے لیے خاص ہوئیں تو اس شخص کے نصیب کا کیا کہنا جو ان تینوں کو ادا کرے۔ اور فاتحہ مرسومہ میں یہ باتیں حاصل ہیں۔ الحمد لله رب العلمین، الرحمن الرحیم، ملک یوم الدین کہنے سے حمد و ثنا اور شکر الہی زبانی طور پر ادا ہوتی ہے۔ اور اھدنا الصراط المستقیم سے لے کر اخیر تک یہ دعا ہوئی۔ نیز درود پڑھنا، غا جز و ذلیل بن کر اپنے رب تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھانا اور مردوں کے لیے دعائے مغفرت کرنا یہ بھی عبادت بدنی اور لسانی ہوئی اور شیرینی یا کھانا اللہ کے نام پر دینا عبادت مالی ہوئی۔ تو نمازی جو پانچوں وقت اپنی نماز میں: التحیات لله و الصلوات و الطيبات کہتا ہے اس کا مجموعہ فاتحہ میں موجود ہے۔ تو بے قسمت اس میت کی جس کو یہ ”عطر مجموعہ“ پہنچے۔

تیسرے یہ کہ ”نصاب الاحساب“ کے پندرہویں باب میں ”التجنيس والمزيد“ مولفہ امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ سے نقل کیا ہے

روي أن علياً رضي الله عنه تصدق بخاتم و هو في الركوع فمدحه الله تعالى بقوله يؤتون الزكوة و هم راكعون .

یہ روایت تفسیر معالم التنزیل مدارک بیضاوی اور رازی وغیرہ میں بھی وارد ہے۔ لکھتے ہیں کہ ظہر کے وقت مسجد نبوی کے اندر ایک آدمی نے سوال کیا جب اس کو کچھ نہ ملا تو اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سوال کیا اور کسی نے کچھ بھی نہ دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حالت رکوع میں تھے آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کی خضر انگلی جس میں انگٹھی تھی سائل کی طرف کر دی اس نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آگے بڑھ کر علی کرم اللہ وجہہ کی انگشت سے انگٹھی نکال لی۔ انتہی۔

اب دیکھیے صدقہ ایک مالی عبادت ہے اور نماز بدنی عبادت۔ اور صاحب ہدایہ کی عبارت تجنیس کے حوالے سے گزر چکی کہ اللہ تعالیٰ نے اس جمع بین العبادتین کرنے پر سورہ مائدہ میں تعریف فرمائی ہے۔ اور کنز الدقائق کے مصنف امام ابوالبرکات نسفیر رحمہ اللہ جو پایے کے حنفی عالموں میں سے ہیں اپنی تفسیر مدارک میں اس مقام پر فرماتے ہیں کہ یہاں فعل تو ایک کا ہے مگر صیغہ جمع کیوں



فرمایا گیا؟ تو جواب دیا کہ اس میں تمام لوگوں کو رغبت دلائی گئی ہے کہ یہ ثواب کچھ ایک کے لیے خاص نہیں جو کوئی بھی اس قسم کا کام کرے گا اسے ایسا ہی ثواب ملے گا۔ عبارت یہ ہے

وورد بلفظ الجمع وإن كان السبب واحدا ترغيبا للناس في مثل فعله لينالوا مثل ثوابه (۱)

یہی مضمون علامہ قاضی بیضاوی شافعی نے بھی لکھا ہے۔ اور مدارک میں یوں ہے

والآية تدل على جواز الصدقة في

دینا جائز ہے۔

الصلوة (۲)

اس بنیاد پر عبادت مالی اور بدنی کا جمع کرنا نص قرآنی سے جائز بلکہ قابل مدح و ثنا ہے۔ حالانکہ نماز ایک ایسی بدنی عبادت ہے کہ اس میں حرکت اجنبی سے جو متعلق نماز نہ ہو بچنا چاہیے تو جب نماز میں حرکت کے باوجود جمع بین العبادتین جائز ہوا تو خارج نماز (جو حرمت صلوٰۃ بھی مرد مکلف کے ذمہ نہیں) بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ باقی رہا یہ اختلاف کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں ہے، بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے اور بعضوں کے اس سلسلہ میں اور بھی اقوال ہیں یہ ہم کو مضرب نہیں جب نص قرآنی میں، و يؤتون الزكوة و هم راكعوناً گیا۔

قال أبو البركات النسفي رحمه الله الواو

للمحال ای يؤتونها في حال ركوعهم (۳)

پروا حال یہ ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ وہ حالت رکوع میں دیا کرتے ہیں۔ تو آیت کا مورد جو بھی ہو جمع بین العبادتین آیت سے ثابت ہے لیکن یہ جمع اس طرح ہے کہ اصل عبادت بدنی کرنا تھا اس میں مالی عبادت بھی عمل میں لایا ہم اس کی سندیں کہ عبادت مالی کرنے میں بدنی عبادت بھی کی گئی ہے۔

محدث داری نے ”کتاب الاضاحی“ میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے قربانی کیے جب ان کو ذبح کے لیے قبلہ رو لایا آپ نے یوں پڑھا

إِنِّي وَجْهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ  
حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي  
مَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ  
أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ إِنَّ هَذَا مِنْكَ وَلَكَ  
عَنْ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ ثُمَّ سَمَّى اللَّهَ وَكَبَّرَ وَذَبَحَ (۴)

(۱) تفسیر نسفی: ۲۹۴/۱ (۲) تفسیر نسفی: ۲۹۴/۱ (۳) تفسیر نسفی: ۲۹۴/۱

(۴) سنن ابوداؤد: ۴۵۸/۷۷ حدیث: ۲۴۱۳ سنن ابن ماجہ: ۲۷۹/۹ حدیث: ۳۱۱۴ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۲۸/۱ حدیث: ۳۶۱/۱ مسند احمد: ۴۰۳/۳۰۹ حدیث: ۱۳۳۹۱ سنن کبریٰ بیہقی: ۲۸۵/۹۰ متدرک حاکم: ۲۶۱/۴ شعب الایمان: ۳۸۸/۱۵ حدیث: ۷۰۸۹ سنن داری: ۷۲/۶ حدیث: ۱۹۹۸ صحیح ابن خزیمرہ: ۱۰/۱۰ حدیث: ۳۲۹ معرفۃ السنن والآثار: ۱۵/۱۵ حدیث: ۵۸۷۵ الدعاء بطبرانی: ۳۰۳/۳ حدیث: ۸۷۷ الدعوات الکبیر بیہقی: ۳۸۲/۲ حدیث: ۳۵۱/۱ سنن صغیر بیہقی: ۱۹۹/۳ حدیث: ۱۳۲۵ انصب الراية فی تخریج احادیث الہدایہ: ۳۳۲/۵ باب الحج عن الغیر: مسند جامع: ۶۲۹/۹ حدیث: ۲۷۳۵

مسلم شریف کی حدیث میں ایک دوسری قربانی کے موقع پر آپ سے یوں دعا مانگنا بھی آیا ہے  
اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةٍ  
مُحَمَّدٍ (۱)  
قبول فرما۔

لفظ أول المسلمين کی جگہ من المسلمين کی بھی روایت ہے۔ نیز لفظ حنیفا سے پہلے علی ملہ ابراہیم بھی مروی ہے۔ اور جس طرح احادیث میں آیا ہے یوں ہی آیتوں کا پڑھنا فقہائے کرام نے باب اخیر میں لکھا ہے۔ اور محمد بن احمد زاہد نے مزید یہ بھی لکھا ہے

اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي هَذِهِ الْأُضْحِيَّةَ فَاجْعَلْهَا قُرْبَانًا  
لِوَجْهِكَ الْكَرِيمِ خَالِصًا وَعَظْمًا أَجْرِي عَلَيْهَا  
یعنی اے اللہ خالص اپنی رضا کے لیے اس قربانی کو میری طرف سے قبول فرما اور میرے اجر و ثواب کو بڑھا۔

کیا نہیں دیکھتے کہ اہل اسلام میں عقیقہ کے وقت یہ دعا پڑھنا شائع و ذائع ہے  
اللَّهُمَّ هَذِهِ عَقِيْقَةُ ابْنِي فَلَانْ دَمُّهَا بِدَمِهِ وَلَحْمُهَا بِلَحْمِهِ وَعَظْمُهَا بِعَظْمِهِ وَجَلْدُهَا  
بِجَلْدِهِ وَشَعْرُهَا بِشَعْرِهِ اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا فِدَاءً لِبْنِي مِنَ النَّارِ

اس کے بعد وہی آیت مذکورہ اپنی وجہ و جہی تا من المسلمين پڑھ کر کہتے ہیں  
اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُ أَكْبَرُ

اسے غور سے دیکھیں یہ کیا ہے؟ آخر اسی عبادت بدنیہ اور مالیہ کا اجتماع ہی تو ہے۔ اور جمع بین العبادتین منع کیوں کر ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (۲)  
توفیکیوں میں سبقت کرو۔  
تفسیر روح البیان میں ہے

و المراد جميع أنواع الخيرات (۳)  
”خیرات“ سے ہر قسم کی نیکیاں مراد ہیں۔  
کچھ ایسا ہی تفسیر عزیزی میں بھی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر قسم کی بدنی و مالی خیرات و عبادات جس سے جتنی بن پڑیں کرے کہ شرع نے اس کا حکم دیا ہے۔ اور شاہ عبد القادر صاحب نے اس آیت کے فائدہ کے تحت لکھا ہے۔  
بہتری اُسی کو ہے جو نیکیوں میں زیادہ ہو۔

اور ظاہر بات ہے کہ دو قسم کی عبادت کرنے والے ایک قسم کی عبادت کرنے والے سے (یقیناً) افضل ہوں گے۔ تو جمع بین العبادتین کرنے کے نتائج و دلائل یہ ہیں۔ اب اگر کسی نے ان سب کو ترک کر دیا اور بدعت کہہ کر چھوڑ دیا جیسے کہ یہ منکرین چھوڑے بیٹھے ہیں تو ان پر عوام الناس کی وہی مشہور مثل صادق آئے گی۔ ”مر گئے مردود فاتحہ درود“۔

(۱) صحیح مسلم: ۱۳۹/۱۰ حدیث: ۳۶۳۲ سنن ابوداؤد: ۴۵۵/۷۷ حدیث: ۳۱۱۴ مسند احمد: ۴۰۳/۳۰۹ حدیث: ۱۳۳۹۱ سنن بیہقی: ۲۸۵/۹۰ حدیث: ۳۲۹ معرفۃ السنن والآثار: ۱۵/۱۵ حدیث: ۵۸۷۵ الدعاء بطبرانی: ۳۰۳/۳ حدیث: ۸۷۷ الدعوات الکبیر بیہقی: ۳۸۲/۲ حدیث: ۳۵۱/۱ سنن صغیر بیہقی: ۱۹۹/۳ حدیث: ۱۳۲۵ انصب الراية فی تخریج احادیث الہدایہ: ۳۳۲/۵ باب الحج عن الغیر: مسند جامع: ۶۲۹/۹ حدیث: ۲۷۳۵

(۲) البقرہ: ۱۷۸-۱۷۹ المائدہ: ۵۸ (۳) تفسیر روح البیان: ۱۵۴/۱ لبنان



صاحب ”سیف النہ“ کا صفحہ ۶ کے اندر ردِ فاتحہ کی دلیل میں یہ بات پیش کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے میں سواے بسم اللہ پڑھنے کے اور کوئی چیز ثابت نہیں بالکل ہی بے محل ہے اس لیے کہ یہ بسم اللہ تو کھانا شروع کرنے سے پہلے اہل فاتحہ بھی پڑھتے ہیں۔ کلام اس میں ہے کہ کھانا سامنے رکھا ہوا موجود ہو اور پھر انسان کچھ پڑھے یہ ثابت ہے یا نہیں۔ تو ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ ثابت ہے (اور اس سلسلہ کی) چند حدیثیں مشکوٰۃ شریف کے باب الحجرات میں موجود ہیں۔

ان میں سے مسلم و بخاری سے مروی ام سلیم کی وہ حدیث بھی موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فاقہ کا حال معلوم کر کے انھوں نے جو کی چند روٹیاں پکا کر دوپٹہ کے پلہ میں باندھ دیں (لمبا قصہ ہے یہ) آخر کاریہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روٹیوں کو ملیدہ کی طرح توڑ دیا اور برتن میں جو کچھ گھی لگا ہوا تھا اس میں پکادیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دعا کے کچھ الفاظ پڑھے اور دس دس آدمیوں کو بلا کر کھانا شروع کیا، اسی آدمیوں کو پیٹ بھر بھر کر کھلادیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ام سلیم کے جملہ اہل خانہ نے کھایا اور پھر بھی بچ رہا۔ تو دیکھیے اس میں کھانا سامنے ہے اور اس پر دعایا جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا اس کا پڑھنا بھی ہے۔ انھیں میں سے بخاری و مسلم کے حوالے سے حضرت انس کی وہ حدیث، جس میں آپ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے ایک بادیہ (کٹورے) میں کھجور گھی اور اقط کی ترکیب سے بنا ہوا کھانا بھیجا۔

”اقط“ ایک ترش شے سی ہوتی ہے یا نپکائی ہوئی چھا چھ کو خشک کر لیتے ہیں عربی میں یہی اقط کہلاتی ہے۔ جیسے دودھ کو پنیر مایہ سے جما کر پنیر بناتے ہیں اور عربی میں اسے جبن کہتے ہیں۔

الحاصل جب اس طرح کی دہی، کھجور اور گھی کا (بنا ہوا) کھانا آپ کے سامنے آیا تو آپ نے اس پر کچھ بڑھا جو کچھ اللہ کو منظور تھا پھر آپ دس دس آدمی کو بلاتے گئے اور کھلاتے گئے، قریباً 300 آدمیوں کو فارغ کر دیا اور مجھ سے فرمایا اے انس! اٹھالے، تو جب میں نے اپنا بادیا اٹھایا تو حیرت میں رہ گیا کہ جب میں لایا تھا اس وقت اس میں زیادہ کھانا تھا یا اب پہلے سے زیادہ ہے۔

انھیں میں سے غزوہ تبوک کی وہ حدیث بروایت مسلم مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے کہ جب لوگوں کو بھوک لگی تو حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرانی چاہی۔ آپ نے دسترخوان پکھوایا اور فرمایا کہ جو کچھ جس کے پاس کھانا بچا ہوا ہے لے آؤ، تو کسی نے مٹھی جواز کسی نے مٹھی کھجور اور کسی نے روٹی کا ٹکڑا یعنی جو جس کے پاس تھا لا کر ڈال دیا اور نہایت معمولی سا ذخیرہ جمع ہوا، پھر آپ نے اس پر دعا فرمائی اور (اعلان عام) فرمایا کہ تم سب اپنے برتنوں کو بھرنو سب نے اپنے پاس موجود تمام برتن بھر لیے اور خوب (سیر ہو کر) کھایا، اور پھر بھی کھانا بچ رہا۔

شارحین لکھتے ہیں کہ اس وقت لشکر میں لاکھ آدمی موجود تھا، تو اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ لاکھ آدمی اس بات پر شاہد تھے کہ کھانا سامنے رکھے ہوئے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی۔ باقی رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دعا مانگی جو آپ کو ضرورت تھی، اور صاحب فاتحہ وہ دعا کرتا ہے جس کی اسے حاجت ہوتی ہے مگر دعا ہونے میں تو دونوں برابر ہیں یعنی دعا کے معنی شریعت میں یہ ہیں۔

السؤال من الله الكريم .

اور یہ دونوں جگہ ایک ہیں۔ ان مقامات میں یہ بات کسی راوی نے روایت نہیں کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرنے میں

ہاتھ نہیں اٹھائے بلکہ سرکارِ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ جب بھی دعا کرتے ہاتھ اٹھا کر کرتے تھے۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ”جامع صغیر“ میں نقل کیا ہے

كَانَ إِذَا دَعَا جَعَلَ بَطْنَ كَفِّهِ إِلَى وَجْهِهِ. (۱)

آپ جب دعا کرتے تھے تو ہاتھ اٹھانے میں ہتھیلی منہ کی طرف کرتے تھے۔

حضور ﷺ کا ارشاد بھی یہی ہے کہ جب تم سوال کرو تو ہاتھ اٹھا کر تھیلی پھیلا کر سوال کرو۔ لہذا احادیث فعلیہ و قولیہ ہر طرح سے کھانے کی موجودگی میں دعا کے وقت ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہوا۔ اب اہل انصاف کو چاہیے کہ سخن پروری کو چھوڑ کر ان دلائل میں خوب غور و خوض اور حق کی پیروی کریں ورنہ (کم از کم) اتنا تو کریں کہ فاتحہ پڑھنے والوں کو صلوات نہ سنا لیں۔

ع: مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں۔

11111

ہاں اگر کوئی کم سمجھ عوام میں ایسا ہو کہ وہ عبادت مالی کے ثواب کو یوں سمجھے کہ بغیر فاتحہ پڑھے نہیں پہنچے گا تو اس عقیدہ کو غلط کہنا چاہیے اور اس کو ڈانٹ ڈپٹ کر مانا چاہیے کیوں کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق فرمان کو اعتقاداً مقید کر دیا لیکن لوگوں کا برتاؤ اور طور طریقہ دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا اپنا عقیدہ نہیں۔ اس لیے کہ جب میت کی طرف سے کچھ کپڑے یا روپے مسجد یا مدرسہ میں دیتے ہیں تو اس پر فاتحہ پڑھ کر نہیں دیتے۔ ہاں ہندوؤں کی رسم یہ ہے کہ وہ کھانا یا کپڑا جو کچھ میت کے لیے کرتے ہیں ان سب پر سٹیکپ کرتے ہیں۔ چنانچہ ”تخۃ الہند“ مطبوعہ فاروقی کے صفحہ ۸۵ پر ہے

جب اہل اسلام نے ایسا نہ کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ عبادت مالی کا ثواب بغیر کچھ پڑھے پہنچ جاتا ہے اسی طرح جب ختم قرآن شریف یا قل ہو اللہ وغیرہ پڑھ کر میت کو بخشے ہیں یا قبرستان میں جا کر اس پر فاتحہ پڑھتے ہیں تو اس صورت میں یہ لازم نہیں سمجھتے کہ اس وقت کچھ صدقہ بھی ضرور چاہیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عبادتِ بدنی کا ثواب بغیر عبادتِ مالی کے پہنچ جاتا ہے۔ جب عقیدہ یہ ٹھہرا تو بعض صورتوں میں (مثلاً کھانا کھلانے اور تقسیمِ شیرینی وغیرہ) ان کے حق میں فاتحہ پڑھنا کچھ نقصان دہ نہیں۔ اسی لیے بزرگانِ دین کا اس طریقہ پر عمل رہا ہے (ہم عنقریب اسے نقل کریں گے) باقی رہی یہ بات کہ بعض لوگ جو زیادہ احتیاط برتتے ہیں کہ صاف و پاکیزہ مکان میں قبلہ رو بیٹھتے ہیں تو یہ بات کچھ فرض نہیں بلکہ اس کے آداب سے ہے۔

(۱) مستدرجہ ۳۳۲/۳۳۳ حدیث: ۱۵۹۶۸، معجم اوسط: ۳۶۲/۱۱ حدیث: ۵۳۸۳، کنز العمال: ۷۲/۷۷ حدیث: ۱۸۰۱۵

یوں بھی آیا ہے

❁ كان إذا دعا جعل ظاهر كفيه مما يلي وجهه وباطنها مما يلي الأرض. (مسند احمد ١٣٣/٣٣٨ حديث ١١٤٩٢، مسند ابوبعلي موطأ: ٥٣٨ حديث: ١١٤٩٢)

❦ أنه كان إذا دعا جعل راحيته إلى وجهه. (معرفه الصحاح بالصهاى: ٣٥٢/٩ حديث: ٣٠٦٣ الآحاد والثاني ابن أبي عاصم: ٢٥١/٤ حديث: ٢٥١/٤)

۲۲۸۳: فوائد تمام: ۳/۴۷۳ حدیث: (۱۳۷۴)



شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ تعزیہ کے پاس درود و فاتحہ پڑھنے کے سلسلے میں ہوئے سوالات عشرہ محرم میں فرماتے ہیں  
فاتحہ و درود فی نفسہ درست لیکن دریں قسم جائے  
نوعے بے ادبی می شود زیرا کہ نجاست معنوی دارود و فاتحہ و درود  
جائے باید خواند کہ محل پاک باشد از نجاست ظاہری و باطنی۔  
پایا جاسکتا ہے اور فاتحہ و درود ایسی جگہ پڑھے جائیں جو ہر قسم کی  
ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک ہو۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ فاتحہ پاکیزہ جگہ میں پڑھنی چاہیے۔ اور مولوی اسماعیل صاحب ”صراط مستقیم“ میں اپنے مرشد  
سید احمد صاحب کی تعلیم کے مطابق لکھتے ہیں

اول طالب را باید کہ با وضو دوزانو بطور نماز بنشیند و فاتحہ  
بنام اکابر این طریقه یعنی حضرت خواجہ معین الدین سجری و  
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی و غیر ہما خواندہ التجاہ  
جناب حضرت ایزد پاک بتوسط این بزرگان نماید۔ الی آخرہ۔  
یعنی پہلے طالب ارادت کو چاہیے کہ با وضو اور نماز کی  
طرح دوزانو ہو کر بیٹھ جائے اور اس سلسلہ کے بزرگان دین  
یعنی خواجہ معین الدین سجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار  
کاکی وغیرہ کے نام فاتحہ پڑھ کر پھر ان بزرگان دین کے توسط  
سے پروردگار عالم کی بارگاہ میں التجا کرے۔

تو پاک مکان میں قبلہ کی طرف منہ کر کے آداب کے ساتھ فاتحہ پڑھنا ان بزرگواروں کے کلام سے ثابت ہو گیا۔  
اب اگر کوئی یہ کہے کہ فاتحہ یعنی الحمد شریف کو ایصال ثواب کے لیے کیوں اختیار کیا گیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ الحمد  
شریف کو تمام سورتوں پر بڑی فضیلت حاصل ہے۔ سیرت حلبی اور تفسیر عزیزی میں ہے  
اگر سورۃ فاتحہ کو ترازو کے ایک پلہ میں اور پورا قرآن دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو فاتحہ یعنی الحمد شریف غالب  
آجائے گی۔ (سات حصہ)

تفسیر روح البیان میں ہے  
جس نے الحمد شریف پڑھی اس کو اللہ تعالیٰ کل قرآن پڑھنے کا ثواب دے گا اور گویا اس نے جملہ مومنین و مومنات پر  
صدقہ کیا۔ انتہی۔

اس لیے اہل اسلام میں یہ رسم پڑھ گئی کہ جب کوئی اپنی میت کے لیے کچھ کھانا یا شیرینی دیتا ہے تو الحمد پڑھ دیتا ہے اس کے  
پڑھنے کا ثواب یہ ہوتا ہے گویا کہ تمام مومنین و مومنات پر صدقہ کیا گیا۔ خدا کی قدرت دیکھیے کہ اصحاب فاتحہ (فاتحہ پڑھ کر) کن کن  
درجات کو پہنچ رہے ہیں اور منکرین اس فعل سے منع کر کے کیا کیا خیرات جاریہ بند کر رہے ہیں۔

اب رہا مسئلہ ہاتھ اٹھانے کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ فاتحہ میں چوں کہ دعا بھی کی جاتی ہے اور نماز کے باہر جو دعا کی جاتی ہے  
اس میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔

حصن حصین میں ہے  
”یعنی دونوں ہاتھوں کو پھیلا ناعدا کے آداب سے ہے“ یہ روایت ترمذی اور حاکم کی ہے۔ اور صحاح ستہ میں ہے کہ

دونوں ہاتھوں کو اٹھانا بھی آداب دعا ہی میں شامل ہے۔  
مشکوٰۃ شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل ہوا ہے  
اِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْا بِبُطُوْنٍ اَكْفَكُمْ (۱)  
جب تمہیں اللہ سے سوال کرنا ہو تو ہاتھوں کی ہتھیلیاں  
اٹھا کر سوال کیا کرو۔

نیز اسی میں یہ حدیث رسول بھی ہے  
اِنَّ رَبَّكُمْ حَسْبِيْ كَرِيْمٌ يَّسْتَسْخِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ  
بِے شک اللہ شرم و کرم والا ہے بندہ جب اس کی جناب  
میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے تو اسے خالی پھیر دینا اس کی شان  
کریبی کو گوارا نہیں ہوتا۔ (۲)

تو چونکہ فاتحہ میت کی امداد ہے اس لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حدیث شریف کے مضمون کے مطابق ان  
ہاتھوں کو مرادوں سے بھر دے اور انھیں خالی نہ پھیرے۔  
مولوی اسحق صاحب نے ”مسائل اربعین“ کے ۲۳ ویں مسئلے کہ میت کی تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کے  
جواب میں تحریر فرمایا ہے

اما دست برداشتن برائے دعا وقت تعزیت ظاہر اجواز  
وقت تعزیت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا جائز ہے  
(۱) سنن ابوداؤد: ۲۸۵۴/۳ حدیث: ۱۲۷۱ اخبار اسمان: ۱۸۷/۹ حدیث: ۱۷۹۰ المطالب العالیہ: ۳۳۰/۹ حدیث: ۳۳۰/۹ صلاۃ الوتر مروزی: ۱۱۲/۱ حدیث:  
۷۵ مجمع الصحابہ ابن قانع: ۹۳/۶ حدیث: ۱۵۷۸ کنز العمال: ۸۵۸/۲۲ حدیث: ۳۲۵۳/۵۵ مسند جامع: ۳۲۵/۵۵ حدیث: ۱۱۳۳۳ تحفۃ الاشراف: ۱۰/۱  
۱۶۳ حدیث: ۱۱۲۰۹ الآحاد والمثنائی لابن ابی عاصم: ۶۹/۷ حدیث: ۲۱۷۷ متدرک: ۱۹/۵ حدیث: ۱۹۲۳ مجمع طبرانی: ۱۹۷/۹ حدیث: ۱۰۶۲۸ مسند  
عبد بن حمید: ۳۳۳/۲ حدیث: ۷۱۷۷ معرفۃ الصحابہ الیوم اسمانی: ۲۵۲/۱۷ حدیث: ۵۳۳۱ مسند الشامیین طبرانی: ۲۶۱/۵ حدیث: ۱۶۱۲۔  
یوں بھی یہ حدیث آئی ہے۔

● سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسالوه بظہورہا فاذا فرغتم فامسحوا بها وجوہکم (سنن ابوداؤد: ۲۸۳۶/۳ حدیث: ۱۲۷۰ الدعوات الکبیر  
بیہقی: ۲۰/۱ حدیث: ۱۷۲۰ مجمع الزوائد: ۳۲۳/۳۳ کنز العمال: ۸۰۲/۲۲ حدیث: ۳۲۲۹/۱۶ حدیث: ۳۳۸۳۳ مجمع الزوائد: ۱۶۹/۱۰ نصب الراية فی تخریج  
احادیث الہادیہ: ۱۳۲/۵ تلخیص حیرتی تخریج احادیث الرافعی: ۲۹۱/۱۱ مسند الجامع: ۱۸۸/۲۱ تحفۃ الاشراف: ۱۹۳/۷ حدیث: ۶۴۲۸ سنن بیہقی: ۲۱۲/۲)  
دوسرے الفاظ میں بھی یہ حدیث ملتی ہے مثلاً

● اذا دعوت اللہ فادع اللہ ببطون کفیک ولا تدعہ بظہورہما فاذا فرغت فامسح بهما وجہک (الاوسط لابن  
منذر: ۲۵۱/۲۵ حدیث: ۲۶۷۷ صلاۃ الوتر مروزی: ۱۱۱/۱۱ حدیث: ۷۳ تلخیص حیرتی تخریج احادیث الرافعی: ۲۹۱/۱۱ حدیث: ۳۷۳ سنن ابن ماجہ: ۱۱/۱  
۳۲۹ حدیث: ۳۸۵۶)

(۲) سنن ابوداؤد: ۲۸۷۴/۳ حدیث: ۱۲۷۳ سنن ترمذی: ۳۶۸/۱۱ حدیث: ۳۲۷۹ سنن ابن ماجہ: ۳۲۸/۱۱ حدیث: ۳۸۵۵ سنن کبریٰ بیہقی: ۲۱۱/۲۲ معصف عبد  
الرزاق: ۲۵۱/۲۲ حدیث: ۳۲۵۰ مجمع کبیر طبرانی: ۶۹/۶ حدیث: ۶۰۲۵ مسند ابویعلیٰ موصلی: ۳۳۳/۳ حدیث: ۱۸۲۶ صحیح ابن حبان: ۲۳۲/۳ حدیث: ۸۷۷  
مسند شہاب قضاہی: ۱۹۱/۳ حدیث: ۱۰۳۱



است زیرا کہ در حدیث شریف رفع یدین در دعا مطلقاً کیوں کہ حدیث شریف سے دعائیں دونوں ہاتھ اٹھانے کا حکم ثابت شدہ پس دریں وقت ہم مضائقہ ندارد و لیکن تخصیص آں مطلقاً ثابت ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ مگر خاص برائے دعا وقت تعزیت ماثور نیست۔ انتہی۔

دیکھیے ایہ بات تسلیم کر کے کہ اس ہیئت خاص سے منقول نہیں یہی حکم دیا کہ ہاتھ اٹھانے میں کچھ مضائقہ نہیں کیوں کہ مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ میت کی فاتحہ کے لیے گرچہ کسی خاص وقت کی کوئی روایت نہیں ملتی لیکن جب حدیثوں میں مطلق دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا حکم آیا ہے تو اس فاتحہ میں بھی ثابت ہو گیا کیوں کہ یہ بھی تو ایک دعا ہے۔

اب دیکھیے کہ مفتیان فتاویٰ انکاری میں ہے کوئی اس فاتحہ مذکورہ کو شریعت کی نگاہ میں ناپسند ایجاد کہتا ہے تو کوئی اسے ہندوؤں کی رسم لکھتا ہے۔ افسوس صد افسوس جس چیز کے اصول صحیح حدیثوں سے نکلتے ہوں اسے حرام یا رسم ہندو یا گمراہی کہنا کچھ انہی جیسے بالانصاف آدمیوں کا کام ہو سکتا ہے پہلے کے علماء و صلحا تو اسے مسلم رکھتے (اور سمجھتے) آئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے معاصر ایک بڑے عالم صالح و متقی حضرت مولانا عبد اللہ گجراتی وصیت نامہ میں لکھتے ہیں تخصیصات در اوضاع و تراکیب ماکولات و تعینات در کھانے پینے کے اطوار و ترکیب کی تخصیص اور بزرگان مقررات بفاتحہ و نیاز ہائے بزرگان از رسوم صالحہ دین کی فاتحہ و نیاز کے لیے کچھ پڑھنے کو متعین کر دینا اچھی است۔ انتہی۔

”جامع الاوراد“ میں ہے

اگر بر طعام فاتحہ کردہ بہ فقراد ہد البتہ ثواب می رسد۔ اگر فاتحہ کیا ہوا کھانا فقیروں کو دے تو اس کا ثواب اسے پہنچے گا۔

اسی ”جامع الاوراد“ میں ہے

چونکہ قرآن ختم کند اول شیخ آیت خواندہ دست برائے پہلے ختم قرآن کرے پھر پانچ آیتوں کو پڑھ کر فاتحہ کے فاتحہ بردار درود ثواب ختم بہ ارواح ہر کہ خواہد بہ طفیل آں حضرت صلی علیہ وسلم کے صدقے میں کسی بھی مردے کی روح کو بخش دے۔

یہ وصیت نامہ اور جامع الاوراد کی عبارتیں ”مصمصام قادری“ میں ہیں۔

۱۲۶۷ھ (1850ء) میں مطبع محمدی کی چھپی ”زبدۃ الناصح“ میں مولانا برہان الدین مرحوم کی یہ عبارت صفحہ ۵۶ پر موجود ہے

ہمیں است مضمون فاتحہ مرسومہ پس ثواب درود الحمد و فاتحہ مرسومہ کا مضمون یہی ہوتا ہے۔ تو درود سورہ فاتحہ قل و ہم ثواب بذل طعام منذور بروح آں جناب خواہد رسید۔ قل شریف اور نذر کیے ہوئے کھانے کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں پہنچ جائے گا۔

اب اس فرقے کے بزرگوں کے احوال سنئے۔ مجموعہ زبدۃ الناصح کے صفحہ ۱۳۲ پر شاہ ولی اللہ صاحب کا استفتاء تحریر ہے۔ سائل نے یہ سوال کیا تھا کہ کسی کے نام کا مرغ یا بکرا ذبح کیا ہو اور مست ہے یا نہیں اور ملیدہ یا شیر برنج وغیرہ نیاز اولیا درست ہے یا نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے جواب میں ذبیحہ کو تو حرام فرمایا اور ملیدہ و شیر برنج کی نسبت یہ الفاظ لکھے

اگر ملیدہ و شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب اگر ملیدہ و شیر برنج بزرگان دین کے ارواح کے ایصال ثواب بروح ایشان پزند و بخور اند مضائقہ نیست و طعام نذر اللہ اغنیار کے لیے تیار کرے اور کسی کو کھلا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور خوردن حلال نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیا منت و نذر کا کھانا امیروں کے لیے حلال نہیں۔ ہاں بزرگوں کے نام را ہم خوردن جائز است۔ انتہی کلام۔

دیکھیے کھانے پر فاتحہ دینے کا ثبوت خاص شاہ ولی اللہ صاحب کے فتویٰ سے ہو رہا ہے۔ نیز آپ اپنی کتاب ”الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ“ میں فرماتے ہیں۔

پس وہ مرتبہ درود خواندہ ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی 10 بار درود شریف پڑھے پورا ختم کر کے جو کچھ بھی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند و حاجت از خداے تعالیٰ شیرینی ہو اس پر خواجگان چشت کے نام عمومی طور پر فاتحہ پڑھے سوال نمایند۔ الی آخرہ۔ اور اپنی ضرورت کا سوال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرے۔

جائز اور مباح ہونا تو اور بات ہے یہاں تو امر و حکم فرمایا جا رہا ہے کہ اس طرح پڑھیں۔

غرضیکہ مولانا عبد اللہ گجراتی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ کھانے اور شیرینی پر فاتحہ اچھی رسموں میں سے ہے جو صالحین کا مقرر کردہ اور علماء کا معمول بہا ہے۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب بھی ”تفسیر عزیزی“ پارہ الم میں اس کی تصدیق فرماتے نظر آرہے ہیں

ومر ش آنت کہ نزد عوام طریق ذبح جانور بہرگونہ کہ اس کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ عوام کے نزدیک جانور ذبح مقرر است متعین است برائے رسانیدن جان جانور برائے ہر کرنے کا جو طریقہ معمول بہا ہے اسی طریقے پر اپنے منظور نظر کہ منظور باشد چنانچہ فاتحہ قل و درود خواندن طریق متعین کو جانور کی قربانی کا ثواب پہنچانے کا قصد کرے جیسا کہ است برائے رسانیدن ماکولات و مشروبات با رواج۔ ماکولات و مشروبات کے صدقے پر فاتحہ قل اور درود شریف پڑھ کر مردے کی روح کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔

دیکھیے یہاں سے معلوم ہو گیا کہ شاہ صاحب کے وقت تک بھی ایصال ثواب کے موقع پر فاتحہ قل متعین تھا کیوں کہ آپ مثال دے رہے ہیں کہ جس طرح اہل اسلام میں قل اور فاتحہ پڑھ کر ماکولات و مشروبات کا ثواب پہنچا دینا معین ہے اسی طرح عوام جانتے ہیں کہ جب اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کیا تو اس کی جان ہمارے چاہے کے مطابق میرا اور سدا وغیرہ کو پہنچ جاتی ہے حالانکہ یہ غلط ہے جان کسی کو نہیں پہنچ سکتی بلکہ ماکولات و مشروبات کا ثواب پہنچ سکتا ہے۔ اس مضمون کو بیس سطر پہلے ایک دوسری عبارت سے یوں واضح کیا ہے

کہ اس مسئلہ آنت کہ جان را برائے غیر جان آفریں اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نیاز کردن درست نیست و ماکولات و مشروبات و دیگر اموال را اور کے نام قربان کرنا درست نہیں ہے۔ اور کھانے پینے نیز اگرچہ از راہ تقرب بغیر اللہ دادن حرام و شرک است اما ثواب نیز دیگر اشیا کا بھی غیر اللہ کے تقرب کے لیے خیرات کرنا حرام آں چیز ہار کہ عائد بد ہندہ می شد از آں غیر ساختن جائز است و شرک ہے۔ اور ان چیزوں کا ثواب جو کہ دینے والے پر عائد زیرا کہ انسان را می رسد کہ ثواب عمل خود را بغیر نہ بخشد چنانچہ می ہوتا ہے اس کا کسی اور کے نام کر دینا جائز ہے کیوں کہ انسان کو



رسد کہ مال خود را بغیر خود بدو جان جانور مملوک آدمی نیست تا پہنچتا ہے کہ اپنے عمل کا ثواب کسی اور کو نہ بخشے نیز اسے یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ اپنے مال کو کسی اور کے نام کر دے۔ لیکن جانور کی جان جب آدمی کی ملکیت ہے ہی نہیں تو وہ غیر کو کیسے بخش سکتا ہے۔

الحاصل ماکولات و مشروبات وغیرہ میں اس نیک رسم کا شاہ صاحب کے وقت تک بھی متعین و معمول ہونا ثابت ہے۔ اور اگر تفسیر کی اس عبارت میں کوئی شخص اپنی فہم کے مطابق ہیر پھیر کرنے لگے تو لیجیے شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ اور مکتوب کی دوسری عبارتیں سنئے جو واضح طور پر جو از کی دلیل فراہم کر رہی ہیں۔ سوالات عشرہ محرم کے نوے سوال کہ جو نذر و نیاز تعزیر کے سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھتے ہیں ان کا کھانا کیسا ہے؟ کے جواب میں لکھتے ہیں

طعامے کہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و براں جس کھانے کا ثواب حسین کریمین کو نیاز کرنا مقصود ہو تو فاتحہ قل و درود خواند تبرک می شود خوردن آں بسیار خوب است اس پر فاتحہ قل اور درود شریف پڑھنے سے اب وہ متبرک لیکن بہ سبب بردن طعام پیش تعزیر ہا نہا دن آں طعام پیش ہو جاتا ہے اور اس کا کھالینا بہت اچھا ہے؛ لیکن تعزیر کے تعزیر ہا تمام شب تہبہ بہ کفار و بت پرستان می شود پس ازیں سامنے وہ کھانا لے جانے اور پوری شب اس کے سامنے رکھنے جہت کراہیت پیدا می کند۔ واللہ اعلم۔

دیکھیے کھانے کے اوپر فاتحہ کا پڑھنا شاہ صاحب کے کلام میں صاف لکھا ہوا ہے۔ اور رئیس مراد آباد علی محمد خان صاحب کو لکھے ہوئے مکتوب میں آپ کی یہ عبارت خود موجود ہے

پس برما حضرات طعام یا شیرینی فاتحہ خواندہ تقسیم آں جو کھانا یا شیرینی موجود ہو اس پر فاتحہ پڑھ کر شرکاء مجلس میں اسے تقسیم کر دیا جائے۔

اس خط کی عبارت بقدر حاجت یہاں نقل کی گئی ہے اور زیادہ تر میلاد شریف کے مباحث میں بیان ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

الحاصل حضرت شاہ صاحب اور ان کے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ صاحب اور دیگر علمائے ربانی کی عبارت سے شیرینی اور کھانے پر فاتحہ پڑھنا بخوبی ثابت ہو گیا۔ اور سب سے زیادہ فاتحہ وغیرہ منع کرنے میں مولوی اسماعیل صاحب مشہور ہیں جن کا حال یہ ہے کہ وہ تاریخ اور دن کی پابندی کو منع کرتے ہیں مگر کسی آیت یا حدیث سے ممانعت ثابت نہیں کر پاتے صرف کچھ مصلحتیں بیان کرتے ہیں۔ بیسویں اور چالیسویں وغیرہ کی تاریخ کے تعین کی جگہوں میں ہم ان کی عبارتیں لکھیں گے۔ لیکن کھانے پر فاتحہ پڑھنے کو وہ بھی منع نہیں کرتے۔ ”صراط مستقیم“ میں لکھتے ہیں

نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات با طعام و فاتحہ خوانی یہ گمان نہ کیا جائے کہ کھانا کھلانے اور فاتحہ خوانی کا ثواب خوب نیست چہ ایں معنی بہتر و افضل است۔ الی آخرہ۔

(گزشتہ سطروں میں) نقل کردہ بزرگوں کی عبارتوں سے اہل عقل و انصاف کے نزدیک فاتحہ مرسومہ کا اثبات بالکل بے غبار ہو گیا۔ اب اگر بعض منکرین فاتحہ کرنے والوں پر زبردستی الزام دھریں کہ ان لوگوں کا تو عقیدہ ہی کچھ یہی ہے کہ بن فاتحہ کھانے کا

ثواب نہیں پہنچتا اور فاتحہ و پنج آیت وغیرہ پڑھنے کو یہ صرف امر خیر اور کار ثواب نہیں بلکہ فرض و واجب جانتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ (یہ کوئی نئی بات نہیں) منکرین ایسے ایسے زبردستی کے افتراء باندھتے رہتے ہیں۔

○ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جو ہر سال اپنے والد کا عرس کیا کرتے تھے ان پر مولوی عبدالکحیم صاحب پنجابی نے یہ اعتراض کیا کہ کیا تم نے عرس کو فرض سمجھ رکھا ہے کہ سال بہ سال کرتے رہتے ہو؟ تو شاہ صاحب نے اس کا جواب لکھا جو ”زبدۃ النصاب“ مطبوعہ ۱۲۶۷ھ (1850ء) کے صفحہ ۲۲ پر یوں ہے

ایں طعن بنی است بر جہل احوال مطعون علیہ زیرا کہ آپ کا یہ طعن مطعون علیہ کے احوال سے بے خبری پر غیر از فرض شرعیہ مقررہ راہچ کس فرض نہ می داند آری زیارت دلالت کرتا ہے کیوں کہ مروجہ و مقررہ فرائض شرعیہ کے علاوہ تبرک بہ قبور صالحین و امداد ایشان بامداد ثواب و تلاوت قرآن و کوئی کسی اور عمل کو فرض نہیں جانتا البتہ قبور صالحین کی زیارت دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع اور ان سے تبرک حاصل کرنا اور قرآن کی تلاوت دعائے خیر علماء و تعین روز عرس برائے آنت کہ آں روز مذکر انتقال ایشان اور کھانا و شیرینی کی تقسیم کا انھیں ایصال ثواب کر کے ان کی امداد کرنا باجماع علماء مستحب اور مستحسن کام ہے۔ اور عرس کا دن متعین کرنے سے مقصود یہ ہے کہ چونکہ اس دن ان کے دنیا سے آخرت کی طرف رخت سفر باندھنے کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اس عبارت کے بعد شاہ صاحب نے عرس کی اصلیت درمنثور اور تفسیر کبیر وغیرہ کا حوالہ دیتے ہوئے احادیث سے ثابت فرمائی ہے

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَيَنْعَمُ عُقْبَى الدَّارِ وَالْخُلَفَاءُ الْأَرْبَعَةُ هَكَذَا يَفْعَلُونَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آغاز پر شہیدوں کی قبروں کی زیارت کے لیے جایا کرتے اور فرماتے: تمہیں تمہارے صبر پر سلامتی ہو آخرت کا گھر کیسا بھلا گھر ہوتا ہے۔ اور خلفائے راشدین بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

النتھی۔ (۱)

اس تقریر سے چند باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے عرس کے تعین کی اصلیت حدیث سے ثابت فرمائی یعنی درمنثور اور تفسیر کبیر کے حوالے سے ابن منذر ابن مردیہ اور ابن جریر کی روایتیں نقل فرمائی ہیں ان میں یہ بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہدا کی قبروں پر ہر برس کے سرے پر تشریف لے جاتے تھے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین بھی یوں ہی کرتے رہے۔

الغرض عرس کی اصلیت ثابت ہو گئی۔ صحاح ستہ میں نہ ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو رد کر دینا صحیح نہیں کیوں کہ صحیح حدیثیں صرف صحاح ستہ ہی میں منحصر نہیں۔ اور ابن جریر وغیرہ پر جرح کر کے اس روایت کو رد کرنا بھی بے جا ہے۔ خود شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان کی روایات لیں ہیں جو ان کے حالات سے واقف تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان روایات کی تقویت شاہ صاحب کو

(۱) تفسیر درمنثور: ۲/۶، تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۳، تفسیر طبری: ۲/۶۱، تفسیر قرطبی: ۳/۱۲۹، تفسیر رازی: ۱۵/۹، تفسیر نیساپوری: ۳/۲۶، تفسیر کشاف:



پہنچی ہے۔ اور اس حدیث کو مجمل ٹھہرانا بھی درست نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سال کی ابتداء محرم الحرام سے ہوتی تھی اور نہ ربیع الاول سے بلکہ (یہ تو) حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں صحابہ کرام کے باہم مشورہ سے محرم الحرام سے شروع سال ٹھہرایا گیا۔ اس بنیاد پر بائیں قبور الشہداء علی رأس کل حول سے مراد یہ دونوں حول نہیں ہو سکتے بلکہ لغت عرب کے اعتبار سے حول کا اطلاق شروع واقعہ سے پورا سال گزر جانے پر ہوتا ہے لہذا یہ مجمل نہیں بلکہ از روئے لغت یہ ثابت ہو گیا کہ شہدا کی موت کے دن سے برسوں دن ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تھے اور یہی معنی عرس کا ہے۔ عرس میں کچھ پڑھنا ایصالِ ثواب کرنا اور مباح کام کرنا جائز ہے ہاں محرمات سے بچنا ضروری ہے اور منہیات شریعت و طریقت سے خالی سماع بھی مباح ہے۔

حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ”مکتوبات قدوسی“ کے صدو ہشتاد و دوم (182) مکتوب میں جناب مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں

اعراس پیراں برست پیراں بہ سماع و صفائی  
پیروں کے عرس بزرگوں کے طریقے کے مطابق صفائی  
جاری دارند۔ اور توالی کے ساتھ جاری رکھیں۔

صفائی کا لفظ بتا رہا ہے کہ اُسے منکرات سے خالی ہونا چاہیے اور خاندانِ عزیزیہ میں بھی ہر سال منکرات سے خالی عرس جاری رہا ہے۔ اب جو کوئی شاہ صاحب کے خاندان میں ہو کر اپنے بزرگوں کا کلام رد کرے اُسے اختیار ہے۔

دوسری بات یہ کہ صالحین کی قبروں کی زیارت برکت کا ذریعہ ہوتی ہے۔ تیسری بات یہ کہ پرانے زمانے سے حاسدین زبردستی طعنے کستے اور افتراء باندھتے چلے آئے ہیں کہ ان لوگوں نے اس کام

کو فرض واجب جان رکھا ہے چنانچہ شاہ عبدالعزیز بھی شاکی ہیں اور فرماتے ہیں  
ایں طعن مبنی است بر جہالت۔ الی آخرہ۔ اس قسم کا طعن جہالت کی پیداوار ہوتا ہے۔

بس اسی طرح جو لوگ فاتحہ محفل میلاد شریف اور قیام کرنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ان چیزوں کو فرض و واجب جانتے ہیں تو ان کا بھی یہی جواب ہے جو شاہ صاحب نے فرمایا۔

چوتھی بات یہ کہ فتویٰ انکاری ہیں مولوی امیر باز خاں سہارنپوری امر مستحب کے التزام کو شیطان کا حصہ ثابت کرتے ہیں تو شاہ عبدالعزیز صاحب کے کلام اور ان کے دائمی معمول سے معلوم ہو گیا کہ مستحب کو دائمی طور پر کرتے رہنا (بجائے خود) مستحب ہے۔

پانچویں بات یہ کہ ایک وقت میں جمع بین العبادتین یعنی قرآن و دعا اور شیرینی و طعام تقسیم کرنا برا نہیں بلکہ مستحسن و خوب ہے اور خوب بھی کیسا کہ جس پر علماء کا اجماع ہے۔ اب بھلا ان حضرات کی تحقیقات کے مقابلہ میں مفتیان فتاویٰ انکاری کی تکبر کب قابل قبول ہو سکتی ہے؟

#### نتیجہ ضروری

گنگوہی کی ”براہین قاطعہ“ میں بھی درحقیقت فاتحہ کو تسلیم کر لیا گیا گو بظاہر انکار ہے۔ صفحہ ۶۱ کی آخری سطر میں لکھا ہے۔  
”جمع بین العبادتین کا کوئی منکر نہیں بلکہ اُس جمع میں انکار ہے کہ اُس سے ہیئت منکرہ پیدا ہو جائے۔“

آپ دیکھیں کہ جب جمع بین العبادتین مان لیا تو کھانے پر فاتحہ کو مان لیا۔ ”ہیئت منکرہ“ کی شاخ پر اب چار دلیلیں پیش کرتے

ہیں۔ اول یہ کہ صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں

فاتحہ میں افسادِ طعام ہے کہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور کھانے اور پڑھنے والے دونوں کی شہوت کھانے سے متعلق ہوتی ہے تو گویا خلوص اور کھانے والوں کی نیت کا بھی فساد ہے۔

معلوم نہیں یہ کیسے بے صبروں کی رعایت کر کے فاتحہ کو رد کیا جا رہا ہے کہ جن کی کھانے کی خواہش اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ گرم بھکتا ہوا کھانا جو دیگ سے اتر کر آیا ہے اس کے ٹھنڈے ہونے تک بھی نہیں ٹھہر سکتے حالانکہ گرم کھانا منع ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے

ولا يؤکل طعام حار۔ (۱)

احیاء العلوم میں ہے کہ کھانے والا صبر کرے اور جب ٹھنڈا ہو کر کھانے کے قابل ہو جائے تب کھائے۔ عبارت یہ ہے

بل یصبر الی ان یسہل اكله۔ (۲)  
واضح ہو کہ فاتحہ کے تین طریقے ہیں۔ کہیں کسی طرح ہوتا ہے اور کہیں کسی طرح۔  
اول یہ کہ شیرینی اور کھانے پر فاتحہ وغیرہ کہ خود مالک طعام نے پڑھ کر کھانے والوں کو دے دیا۔ اور اگر خود قادر نہیں ہے تو

دوسرے سے پڑھوا کر دے دیا یا تقسیم کر دیا۔ دوسرا یہ کہ جماعت کو کھانا کھلادیا پھر جماعت میں جو پڑھے لکھے لوگ ہیں انھوں نے کچھ سورتیں اور کچھ رکوع پڑھے اور کھانے اور قرآن و درود وغیرہ کا ثواب میث کو پہنچا دیا اور اس کی مغفرت کے لیے دعا کر دی۔ یہ دو طریقے بہت رائج ہیں۔

تیسرا یہ کہ کھانا حاضرین کے سامنے رکھ کر میت کے وارث نے کہہ دیا کہ کچھ کھلے کلام پڑھ کر میت کی روح کو بخش دو تب وہ الحمد و قل پڑھ کر ہاتھ اٹھاتے ہیں اور میت کے لیے دعا کرتے ہیں اور کھانا کھا لیتے ہیں۔

چوتھا طریقہ نہ ہم نے سنا اور نہ دیکھا۔ تو مولف ”براہین قاطعہ“ کی یہ دلیل پہلے اور دوسرے طریقہ کے فاتحہ کو منع کرنے میں توجہ نہیں دیتی کیوں کہ پہلی صورت میں تو کھانا آکلین (کھانے والوں) کے سامنے آیا بھی نہیں (دیکھتے ہی) کھانے کے لیے بیتاب ہو جائیں۔ اور دوسری صورت میں جو آیا تھا وہ تو چین سے کھا چکے۔ البتہ تیسری صورت پر براہین قاطعہ کی تحریر کا کچھ

دھوکہ گزرتا ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ اس پر بھی یہ دلیل نہیں چل سکتی اس لیے کہ درحقیقت کھانے کا مالک وہ ہے کہ جس نے کھانا تیار کیا ہے جب وہ کسی کی تملیک کر دے تب وہ مالک ہوگا اور جب وہ کھانے کی اباحت کا حکم کر دے تب وہ مباح ہوگا۔ مالک کی خود مرضی یہ ہے کہ پہلے کچھ پڑھ کر بخش دو اس بنیاد پر اس فعل سے پہلے مالک کی طرح سے وہ لوگ ابھی کھانے کے مجاز نہیں۔ پھر ناحق ان کی شہوت بے ہنگام ان کو کیوں بے چین کیے دے رہی ہے۔

اور وہ جو ”افسادِ طعام“ لکھا ہے تو ہم نہیں جانتے کہ الحمد و قل پڑھنے تک کھانے میں کیا فساد لازم آئے گا۔ ہم نے طعام ولیمہ شادی اور ختنہ وغیرہ کی مجلسیں دیکھی ہیں جس میں نہ تو الحمد و قل پڑھا جاتا ہے نہ ہی ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور یہ مانعین فاتحہ والے مولوی

صاحبان بھی ان میں موجود ہوتے ہیں لیکن نہ کسی پر وہاں احتساب کرتے دیکھا اور نہ یہی کہ یہ حضرات خود ایسا کرتے ہوں کہ جب

۱) فتاویٰ عالمگیری: ۳۳/۳۳۸ (۲) احیاء العلوم الدین: ۶۳/۳۶۳



آدمی روٹی آگے رکھ گیا تو اسے روکھی کھا گئے جب سالن لایا تو اسے اوپر سے پی گئے اور وال لایا تو اسے بغیر روٹی چاٹ گئے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب تمام مجلس میں اس سرے سے اس سرے تک کھانا پہنچ جاتا ہے اور پھر مالک اذن دیتا ہے کہ شروع کیجیے تب لوگ کھاتے ہیں اس میں بعض کھانے ٹھنڈے بھی ہو جاتے ہیں مگر کسی عالم نے اس کی تحریم و کراہت میں نہ فتویٰ لکھا اور نہ کوئی رسالہ چھاپا (لے دے کے بس) ایک الحمد و قل کے پیچھے پڑ گئے۔

خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب بندہ اَصْلَحُوا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ کے تحت مناسب یہ جانتا ہے کہ جس مقام پر ایسے کھانے والے شہوت طعام سے بے چین ہوں اس موقع پر اول کھلا دیا کریں تاکہ ان کا خلوص نیت نہ بگڑنے پائے اور فاتحہ وغیرہ بعد کو پڑھ دی جائے۔ لیکن معلوم رہے کہ اول تو تین طریقہ فاتحہ سے صرف ایک طریقہ میں یہ بات پیش آتی ہے اور اس میں بھی جب اسی قسم کی شہوت طعام والے چن چن کر جمع کیے جائیں وہ بھی موسم قحط سالی میں تو ظاہر ہے کہ یہ صورت نہایت نادر اور قلیل الوقوع ہے بلکہ شاید صورت فرضی امکانی ہو اور عالم وقوع میں بھی نہ آئے۔ ایسی صورت کو پیش نظر کر کے علی العموم فاتحہ کو منع کرنا تفقہ فی الدین کی شان سے بعید ہے۔

”براہین قاطعہ“ کے صفحہ ۶۹ پر دوسری دلیل یہ ہے

فاتحہ یا کچھ قرآن پڑھ کر ثواب میت کو پہنچائے تو دل سے نیت ایصالِ ثواب کی کرے۔

صفحہ ۶۵ میں لکھا

فاتحہ کی دعا لغو اور لغو کا ترک مناسب ہے۔ و الذین ہم عن اللغو معرضون۔ الخ۔

ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ دل کی نیت سے ثواب پہنچ جاتا ہے منہ سے دعا مانگنا لغو ہے۔

### الجواب

نماز صحیح ہونے کے لیے دل کی نیت کافی ہوتی ہے (باایں ہمہ) مگر زبان سے بھی نیت کر لینے کو فقہائے کرام نے مستحب لکھا ہے حالانکہ قرون ثلاثہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ تو اسی طرح گو کہ مردہ کو ثواب فقط نیت ہی سے پہنچ جاتا ہے لیکن دل و زبان کی موافقت کے لیے زبانی دعا کر لینا بھی جائز ہونا چاہیے۔

### ثانیہ

یہ کہ فقہا ضاحۃ ایصالِ ثواب کی دعا کا حکم کرتے ہیں۔ فقہ شامی نے شرح لباب سے نقل کیا ہے کہ انسان کو مردہ (کے ایصالِ ثواب) کے لیے فاتحہ الم تا مفلحون آیۃ الکرسی اور آمین الرسول وغیرہ پڑھنا چاہیے اور پھر یہ کہے

اللهم أوصل ثواب ما قرأنا إلى فلان (۱)

دیکھیے کہ جب میت کی نیت سے قرآن پڑھا تھا تو ایصالِ ثواب کے لیے بس تھا مگر پھر دعا مانگنے کی ہدایت کی اور کیوں نہ کرتے کہ دعا کی لذت کو اہل دعا خوب جانتے ہیں: بڑی مشہور (حدیث) ہے

الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (۲)

(۱) رد المحتار: ۴۰۴/۶

(۲) سنن ترمذی: ۲۲۰۱/۱۲۲۹، المعجم الاوسط: ۲۹۴/۴، کشف الخفاء: ۳۲۳/۳، کنز العمال: ۶۲۶/۶، حدیث: ۳۱۱۳/۱، المستدرک: ۲۸۲/۲، شعب الایمان: ۶۲۳/۲

۳۸۴/۳، حدیث: ۱۰۸۸/۱، تہذیب الاثراف: ۶۶۳/۳، حدیث: ۶۵/۱، تخریج احادیث الاحیاء: ۴۵۵/۳، حدیث: ۹۷۵/۱، ایضاً: ۱۵۱/۱، الدعاء للطیرانی: ۵/۱، حدیث: ۵/۱

فقہ شامی نے متاخرین شافعیہ سے بھی دعا کرنا نقل کیا ہے

وصول القراءة۔ للمیت إذا كانت قراءت کا میت کو پہنچنا ثابت ہے جب کہ میت کے سامنے قراءت کی جارہی ہو یا اگر سامنے نہ ہو بلکہ میت غائب القراءۃ تنزل الرحمة و البرکة و الدعاء ہو تو پڑھ کر اس کے لیے دعا کر دی جائے۔ کیوں کہ قراءت کے وقت رحمت و برکت کا نزول ہوتا ہے۔ اور قراءت کے بعد دعا عقبہا أرجی للقبول (۱)

اس مقام پر بات میں بات یہ نکل آئی کہ فاتحہ کو جائز کرنے والوں نے اسی قبولیت کی بہت زیادہ امید ہوتی ہے۔ آیت وغیرہ کا پڑھنا مقرر کیا ہوگا۔

### ثالثہ

اوپر نقل ہو چکا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو قربانی یعنی عبادت مالی کے ایصالِ ثواب میں شریک فرمایا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت بس تھی مگر پھر بھی آپ نے زبان سے تصریح فرمائی

اللَّهُمَّ إِنَّ هَذَا مِنْكَ وَ لَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَ أُمَّتِهِ

مسلم شریف کی روایت میں ہے

اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ (۲)

عقیدہ میں سبھی مسلمان پڑھتے ہیں

اللَّهُمَّ تَقَبَّلْهَا مِنِّي وَ اجْعَلْهَا فِدَاءً لِأَبْنِي مِنَ النَّارِ

یہ صریح نصیں ہیں کہ صدقہ کی چیز سامنے رکھی ہوئی ہے اور اس کی قبولیت کی دعا کی جارہی ہے اور جس کو اس کے ثواب میں شریک کرنا ہے زبان سے اس کا نام بھی لیا جا رہا ہے۔ اور قربانی کے لیے آچکا ہے

إِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعُ بِالْأَرْضِ (۳)

مگر اس پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے قبولیت فرمائی کہ

اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ

اب اگر فاتحہ کے کھانے کی طرف اشارہ کر کے کہا جائے کہ اے اللہ! اس کھانے کو قبول فرما اور اس کا ثواب فلاں فلاں کو پہنچا تو یہ کس طرح بدعت ٹھہرے گا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی اور فقہا کی جائز رکھی ہوئی دعا کو ہمارا منہ نہیں جو کہہ

(۱) رد المحتار: ۴۰۴/۶ (۲) صحیح مسلم: ۱۰۳۹/۱۰، حدیث: ۳۶۳۵

(۳) سنن ترمذی: ۲۲۰۱/۱۲۲۹، ابن ماجہ: ۲۸۲/۹، حدیث: ۳۱۱۳/۱، سنن بیہقی: ۲۸۱/۹، مستدرک: ۲۸۲/۲، حدیث: ۶۲۳/۲، شعب الایمان: ۶۲۳/۲

۳۸۱/۱۵، حدیث: ۷۰۸۲







اور اس کی زیادہ تر تشریح، منو سمرتی ادھیائے ۴۔ اشلوک ۲۳۹ میں ہے کہ

नाम्नाहं सहायर्थं मन्नामावाचनिष्ठतः

ननुब्रह्मरत्ना नापीधम्म इववृत्तकवलः मन्नुस्मादि

”جس کے معنی یہ ہیں کہ پرلوگ میں یعنی اس عالم میں جو مرنے کے بعد پیش آتا ہے نہ باپ مدد کر سکتا ہے نہ ماں نہ بیٹا نہ جو روئے قومی بھائی البتہ تہا دھرم مددگار ہوتا ہے۔“ انتہی۔

اس سے صاف روشن ہے کہ محض آدمی کا دھرم کام آتا ہے اور مرنے کے بعد کسی کی مدد سے کام نہیں چلتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ لوگ جو کچھ ایصالِ ثواب میت کے لیے کرتے ہیں تو یہ ان کا اصل مذہب نہیں۔ پھر اس کو شعارِ ہنود قرار دینا بہت بڑی غفلت ہے۔ اپنے گرد و نواح پر نظر کرتے ہیں تو ہم ہندوؤں کے تین متھ پاتے ہیں ایک آریہ سماج، دوسرا سرائوگی اور تیسرا برہمنوں کا برتاؤ۔ اب آریہ سماج جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اصل وید پر چلتے ہیں تو وہ اعمالِ بدنی و مالی کچھ بھی میت تک پہنچنے کو نہیں مانتے اور اسی طرح سرائوگی قوم بھی۔ باقی رہے وہ جو برہمنوں کے متھ پر چلتے ہیں تو ان کے حالات ”تختہ الہند“ کے حوالے سے لکھتا ہوں جسے مولف براہین قاطعہ نے بھی بطور سند پیش کیا ہے۔

تختہ الہند مطبوعہ فاروقی کے صفحہ ۸۵ کی پہلی سطر میں ہے کہ ہندوؤں کے دین میں ثواب پہنچانے کا یہ طریقہ ہے کہ مثلاً کھانا یا کپڑا وغیرہ جس چیز کا ثواب پہنچانا ہو تو اس کا سنکپ یعنی نیت یوں کریں کہ ثواب پہنچانے والا داہنے ہاتھ میں پانی لے کر شاستری زبان میں یہ کہے کہ اب جو فلاں ماہینا فلاں تاریخ فلاں نادن ہے تو میں فلاں شخص فلاں میری قوم فلاں چیز فلاں شخص کے لیے صدقہ کرتا ہوں پھر اس پانی کو زمین پر ڈال دے۔

واضح رہے کہ اس عاجز راقم الحروف نے ہندوؤں سے تحقیق کیا اور سنکپ کی کتاب اس عاجز کے پاس بھی موجود ہے ان سب تحقیقات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مضمون شاستری زبان میں پڑھتے ہیں اس کے علاوہ دیوتا وغیرہ کا نام بھی لیتے ہیں جن کا بیان طویل ہے لیکن وید جس کے کلام الہی ہونے کا وہ لوگ اعتقاد رکھتے ہیں، نہیں پڑھتے۔ ہاں! کسی بڑی سنکپ شادی وغیرہ میں کوئی ایک منتر پڑھ دیتے ہیں جس کا مضمون یہ ہوتا ہے کہ آؤ میرے مکرم اور وہ سنسکرت کے یہ الفاظ پڑھ کر ارواح کو اپنے نزدیک بلا تے ہیں۔

اب بھلا اہل اسلام کی فاتحہ کو اس سے کیا مناسبت؟

راقم نے ایک پنڈت سے پوچھا، کیوں جی تمہارے وید میں تو میت کے ایصال کے لیے کچھ بھی حکم نہیں ہے تو تم نے یہ کہاں سے نکالا؟ جواب ملا کہ اگرچہ وید میں نہیں لیکن اس سے نفع ہوتا ہے بالفرض اگر میت کو نہ پہنچا تو اس کے خیرات کرنے والے وارث کو ثواب پہنچے گا جس بہانے سے خیرات نکلے بہتر ہے۔ اس وقت مجھ کو یقین کامل ہو گیا کہ یہ باتیں ان کی بنائی ہوئی ہیں اور مولوی عبید اللہ صاحب کے تختہ الہند کے صفحہ ۸۶ پر لکھنے کی تصدیق بھی ہو گئی کہ ”یہ برہمنوں کے بڑوں نے اپنی اولاد کی گزر بسر کے لیے خوب تدبیر کی ہے کہ سنکپ کیا ہو مال برہمنوں کے علاوہ کوئی اور نہ لے۔“

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ سب احکام ان کے مذہبی نہیں تو معلوم ہو گیا کہ یہ اور مذاہب سے انھوں نے لیے۔ گمان غالب یہ ہے کہ جب ہندوؤں نے مسلمانوں کو میت کے لیے ایصالِ ثواب مالی و بدنی کرتے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ وہ کہتے ہیں

اللہم أوصل ثواب ما قرأت و ما انفقت إلى فلان  
مسلمانوں کو اس ملک پھیلے ہوئے ہزار برس سے زیادہ ہو گئے تو غالباً ہندوؤں نے اہل اسلام کی یہ باتیں سیکھ کر کچھ کچھ اس کے قریب اپنے مذہب میں سنکپ وغیرہ جاری کر دیا، کچھ ادھر سے لیا اور کچھ خود اپنا ایجاد کردہ سب مل ملا کر ان میں یہ شکل پیدا ہو گئی اور ان کے پیڑ پوتیوں نے شاستر میں بھی اس کو درج کر دیا۔

ہمیں نامعین بے تحقیق کے حال پر افسوس ہوتا ہے جو ہندوؤں کو ایصالِ ثواب کے قاعدے میں اصل الاصول قرار دے کر مسلمانوں کو ان کا پیرو اور تحسہ کرنے والا بتاتے ہیں۔ نہیں نہیں، ہم کو ان سے کچھ مناسبت نہیں وہ لوگ سنکپ کے وقت چلو میں پانی لیے ہوتے ہیں اور سنکپ کیا ہو مال برہمن کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیتے، اگرچہ وہ برہمن مالدار و دولت مند اور دوسرا آدمی نہایت درجہ محتاج اور تنگ دست ہو۔ اور میت کا گھوڑا، پوشاک، برتن، زیور وغیرہ، مہارہمن کو دیتے ہیں۔ مہارہمن وہ ہوتا ہے جو میت کا صدقہ لیتا ہے۔ یہ مضامین تختہ الہند کے صفحہ ۸۵ اور ۸۶ پر موجود ہیں۔ اور یہ کتاب مولف براہین قاطعہ کے نزدیک نہایت معتد ہے۔ اب براہین قاطعہ سے یہ بات نقل کرتا ہوں کہ تحسہ کون سامع ہے۔

(براہین قاطعہ کے) صفحہ ۴۷ کی تیرہویں سطر میں ہے

جس شے شعار میں تحسہ ہے اس میں من کل الوجوہ تحسہ ہو تو منع ہے۔ مثلاً تمام وردی نصاریٰ میں سے ایک کلاہ پہنی تو کلاہ من کل الوجوہ مشابہ ہوا اگر اس کلاہ میں بعض وجہ تشابہ کی ہوگی تو حرام نہ ہوگی۔ انتہی۔

الحمد للہ کہ ہم کو جواب دینے کی ضرورت نہیں خود ان کی زبانی قصہ طے ہوا۔ آپ حضرات اہل اسلام کا مرسومہ طریقہ اور ہندوؤں کا مروجہ طریقہ ملا کر دیکھیں کہ من کل الوجوہ تحسہ کہاں ہے؟ اول تو ان کے وید میں میت کے لیے ایصالِ ثواب آیا ہی نہیں اور قوم ہنود کے بہت سے لوگ اسے جائز ہی نہیں سمجھتے۔ خیر اگر بعض ہنود نے اوروں کی دیکھا دیکھی یا قومی مصلحت کوئی وغیرہ کے سبب یہ کام کیا تو اب مشکل یہ ہے کہ ان کے یہاں صدقہ لینے والا اور پڑھنے والا خاص قوم (سے ہوتا ہے) اور سنکپ یعنی ایصالِ ثواب میں خواہ کسی چیز کا ایصال ہو رفع یدین نہیں بلکہ چلو پانی ہاتھ میں لیے رہتے ہیں اور یہاں اہل اسلام میں کوئی بھی کام مذکورہ امور سے نہیں لہذا تحسہ کا دعویٰ بالکل باطل ٹھہرا بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اہل اسلام فاتحہ میں جو کچھ کرتے ہیں اپنے اصول دین کے موافق کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالی و بدنی ہر قسم کا ایصالِ ثواب شرعاً ثابت ہے اور یوں ہی جمع بین العبادتین بھی۔ اس سلسلے میں شرعی دلائل نقل ہو چکے۔ اور دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث قولی و فعلی نقل کی جا چکیں۔ اور قربانی جو ایک مالی چیز ہے اور سامنے موجود ہے اس پر یہ زبانی دعا کہ یا اللہ اس کو مجھ اور اس کی آل و امت کی طرف سے قبول فرما یعنی جن جن کو ثواب میں شریک کرنا تھا ان کا نام زبان مبارک سے لیا اس سلسلے میں بھی احادیث گزر چکیں نیز دعا و عقیقہ کے احوال بھی بیان کیے جا چکے۔ تو اہل اسلام یہ امور قواعد شرعیہ کی روشنی میں کرتے ہیں اور اگر کبھی کسی شخص کو بادی النظر میں کوئی چیز مشترک و متشابہ معلوم ہونے لگے تو چاہیے وہ اسے یکنخت تحسہ نہ قرار دے بلکہ اسے توافق ملتین کے قبیل سے سمجھے۔ جیسا کہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور ہنود بھی



وجودی باری تعالیٰ کا اقرار کرتے ہیں مگر اصطلاح شرع میں اس کا نام تشبہ تو نہیں اس کو توافق ملتین کہتے ہیں اور یہ ممنوع نہیں۔  
الحاصل براہین قاطعہ میں جو فاتحہ مروجہ میں جمع بین العبادتین مان کر چار خارجی وجہوں سے کراہت عارضی قائم کی تھی وہ حرارت  
عارضی کی طرح شرعی دلیلوں سے ٹھنڈک پا کر برابر ہو گئیں۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

### لطیفہ

مولف براہین قاطعہ نے صفحہ ۱۱۳ کی ساتویں سطر میں لکھا ہے

تشبہ کے لفظ میں اخذ بہ تکلف ہے سو قصد اور فعل مکلف کا اس میں ہونا چاہیے پس اس کی یہ صورت ہے اگر کسی نے کوئی  
کام نادانستہ کیا اور پھر اس کو خبر ہوئی تو ازالہ کرے ورنہ اب بعد علم کے متشبہ ہوگا پہلے متشبہ نہ تھا اور اپنے فعل میں عاصی  
بھی نہیں تھا۔ انتہی۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جن امور میں کفار کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے اگر آدمی نہ جانتا ہو کہ ان میں تشبہ ہے اور اس حالت  
نادانستگی میں یہ فعل کرتا رہے تو جب تک اس کو علم تشبہ حاصل نہ ہو اس وقت تک وہ معافی میں ہے نہ وہ متشبہ ہے کہ جو حکم من تشبہ بقوم  
میں داخل ہو اور نہ عاصی ہے۔ تو اس تقریر کے موافق تمام فاتحہ ومیلاد شریف کے کرنے والے بری ہو گئے وہ ہرگز ان امور کو تشبہ  
بالہود نہیں جانتے جب ان کو ثبوت تشبہ نہیں ہوا تو بہ اقرار مولف براہین قاطعہ متشبہ اور عاصی بھی نہ ہوئے۔

### لمعہ ثانیہ: جمعرات کی فاتحہ

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے ”اشعۃ اللمعات“ میں لکھا ہے

و در بعض روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانہ خود  
را شب جمعہ پس نظری کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔ (۱)  
بعض روایتوں میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی رات  
کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اہل خانہ نے اس کے لیے  
کچھ صدقہ کیا ہے یا نہیں۔

### ”خزانۃ الروایات“ میں ہے

عن بعض العلماء المحققین أن الأرواح  
تتخلص ليلة الجمعة و تنتشر فجاءوا إلى مقابرهم  
ثم جاءوا في بیوتهم .

صدر بن رشید تبریزی نے ”دستور القضاۃ“ میں لکھا ہے

من الفتاویٰ النسفیۃ أن أرواح المومنین یأتون  
فی کل لیلۃ الجمعة و یوم الجمعة فیکومون بفناء  
بیوتهم ثم ینادی کل واحد منهم بصوت حنین یا  
أهلی و یا أولادی و یا أقربائی اعطفوا علینا

بالصدقة و اذکرونا و لا تنسوننا و ارحموننا فی جاؤ اس بے کسی کے عالم میں ہم پر رحم کرو یہ مال جس پر تم آج  
غربتنا قد کان هذا المال الذی فی ایدیکم فی ایدینا قبضہ جماعی بیٹھے ہوکل ہمارے ہاتھوں میں تھا۔ اور پھر روتے  
فیرجعون منهم باکیا حزینا ثم ینادی کل واحد منهم بلکنت غزده لوٹ جاتی ہیں اور ان میں ہر کوئی پُر درد لہجہ  
بصوت حنین اللهم قنطهم من الرحمة کما قنطونا میں دعا کرتا ہے اے اللہ آج جس طرح انھوں نے ہمیں صدقہ  
من الدعاء و الصدقة .  
و دعا سے محروم رکھا تو تو بھی انھیں اپنی رحمت سے دور رکھ۔

علی بن احمد غوری نے بھی ”کنز العباد“ میں اسے نقل فرمایا ہے

ان منکرین حضرات کا یہ قاعدہ ہے کہ جس کتاب میں ان کے خلاف عقائد بیان ہوتے ہیں اس کو غیر معتبر کہہ دیا کرتے ہیں کہ  
اس کی روایتیں ضعیف ہیں۔ اسی لیے میں انھیں خبردار کرتا ہوں کہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ سے مولوی اسحق صاحب نے بھی ”مائۃ  
مسائل“ میں چند مقام پر سند پکڑی ہے نیز ”خزانۃ الروایات“ سے بھی۔ مائۃ مسائل کے مسئلہ ہشتاد سویم (۸۳) میں اور مسائل  
اربعین کے مسئلہ سی و پنجم (۳۵) اور بست سویم (۲۳) میں ”خزانۃ الروایات“ سے سند پکڑی ہے۔ ساتھ ہی مائۃ مسائل کے مسئلہ  
یزدہم (۱۳) میں ”دستور القضاۃ“ سے بھی سند پکڑی ہے۔ تو یہ کتابیں ان کے بزرگواروں کے نزدیک مسلم الثبوت اور قابل سند  
ہیں۔ غرض کہ ان معتبر کتابوں کے مطابق معلوم ہوا کہ جو لوگ کچھ خیر خیرات اور دعا درود وغیرہ نہیں کرتے ان کے گھر سے مردوں کی  
رویں ٹمکن و ناامید ہو کر ان کو کوسی اور بد دعائیں دیتی نکلتی ہیں۔ اس بنیاد پر سلف میں دستور تھا کہ جمعرات کو صدقہ دیا کرتے  
تھے لیکن آخری صدی کے بعض علماء نے اسے چھوڑ دیا۔

مولوی اسماعیل صاحب کے تابعین کہتے ہیں کہ اگر وہ میت بہشتی ہے تو اس کی روح بہشت کو چھوڑ کر کیوں آتی ہوگی اور اگر  
دوزخی ہے تو دوزخ سے نہیں چھوٹی ہوگی۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ سب کے سب خیالی اعتراضات بے اصل ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیشوا مولوی اسماعیل صاحب کے  
دادا پیر جناب شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کیوں نہیں دیکھتے کہ انھوں نے سورۃ جن میں آیت کریمہ: **وَسُيِّرَ**  
**الْقَاسِطُونَ** کے تحت جنات کی جو چار قسمیں لکھی ہیں تو اس میں فرقہ چہارم کے بارے میں لکھا کہ وہ جن بعض ازواج خبیثہ کو اپنے  
ساتھ لے کر اپنا ہم رنگ کر لیتے ہیں پھر وہ رویں بھی لوگوں کو ستاتی پھرتی ہیں۔ صفحہ ۸۵ پر اصل عبارت یہ ہے

چہارم فرقہ دیگر ائد کہ بطریق دزدان بعضے ارواح  
آدمیان را کہ با حیثان در اخلاق بد مثل نخوت و تکبر و کینہ داری و  
تلفظ بے نجاسات مناسبہ بہم می رسانند کشیدہ می برند و برنگ خود  
رنگین می کنند و آن ارواح را بطریق در آمدن در مسام ابدان و  
برہم کردن مزاج باو تغییر کردن صورت با تعلیم می نمایند تا بایں  
وسیلہ اذی و نخبے بآدمیان رسانند و فرقہ آدمیان را فاسد  
نمایند۔  
جناتوں کا چوتھا فرقہ وہ ہے جو چوروں کی طرح بعض  
خبیث خصلت، کینہ پرور، مغرور و متکبر اور نجاست آلودہ آدمیوں  
کی روحوں تک رسائی حاصل کرتا ہے ان سے اپنا تعلق بڑھاتا  
ہے اور انھیں اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ پھر ان روحوں کو  
انسانی جسم میں سرایت کرنے ان کے مزاج بگاڑنے اور صورتیں  
تبدیل کرنے کے ہنر سکھاتا ہے تاکہ ان طریقوں سے وہ  
آدمیوں کو رنج و الم پہنچا سکے اور ان میں فتنہ و فساد پھا کر سکے۔



سورہ عیس میں آیت کریمہ: ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ کے تحت صفحہ ۵۸ پر لکھتے ہیں

خلقت آدمی از خاک است و بحکم کل شیء انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اور کل شیء يرجع إلى أصله اور بااصل خودش راجع باید ساخت إلى أصله (یعنی ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے) کے اصول بخلاف آتش کہ مادہ خلقت شیاطین و جنیان است پس کے مطابق وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ برخلاف آگ چوں بدن آدمی را بعد از موت بآن سوزند ارواح لطیفہ کے کہ اس سے شیاطین اور جناتوں کی خلقت وجود میں آئی ہے تو او بادود آتش آمیزش نمودہ مشابہت تمام با شیاطین و جنیان پیدا کنند و ازیں است کہ اکثر ارواح و کسانیکہ سوختہ می شوند بعد از موت حکم شیاطین می گیرند و بآدمیان می چسبند و ایذا می دهند پس در دفن کردن ارواح شے بہ حقیقت خود است و در سوختن قلب حقیقت۔ انتہی۔

جلادینے سے ان کی حقیقت بدل جاتی ہے۔

دیکھیے یہ لوگ روحوں کی حرکت کو محال سمجھتے تھے ان کی مسلم الثبوت کتاب شاہ صاحب کے کلام سے بری روحوں کی سیر و حرکت بھی ثابت ہوگئی۔ ان کے اعتراض کو توڑنے کے لیے تو یہی حجت بس ہے۔ بقیہ اور جماعت اسلام اور طالبان دلیل حق کے لیے یہ لکھا جاتا ہے کہ روحوں کی حرکت حدیث معراج سے بھی ثابت ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام کی روحیں بیت المقدس میں جمع ہوئیں اور اوپر شرح مشکوٰۃ خزائن الروایات اور دستور القضاۃ وغیرہ کے حوالے سے ہم یہ روایتیں نقل کر چکے کہ روحیں جمہرات کو اپنے گھروں پر آتی ہیں۔ اور اسی طرح لمحہ ثالثہ میں تَنْزُلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ کے بیان کے ساتھ یہ روایت آئے گی کہ شب براءت اور عید کو بھی روحیں آتی ہیں نیز مولد شریف کے مباحث میں بھی روحوں کی سیر کا بیان آئے گا۔ انشاء اللہ۔ اور اب (لگے ہاتھوں) دو ایک روایتیں اور بھی نقل کی جاتی ہیں۔

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ”عوارف المعارف“ کے چھپنویں باب میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

روي سعيد بن المسيب عن سلمان قال ارواح المؤمنين تذهب في برزخ من الأرض حيث شاءت بين السماء والأرض حتى يردوها إلى جسدھا۔ حضرت حمید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مومنوں کی روحیں عالم برزخ میں زمین و آسمان کے اندر جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں پھر وہ اپنے جسموں میں پلٹا دی جاتی ہیں۔

قاضی ثناء اللہ نے ”تذکرۃ الموتی والقبور“ میں لکھا ہے

ابن ابی الدنیا از مالک روایت کرد کہ ارواح مومنین ہر جا کہ خواہند می روند۔ الی آخرہ۔

اس سے پہلے اسی فصل میں شہدا کے بارے میں لکھا ہے

حق تعالیٰ در حق شہدای فرماید بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّہُمْ۔ اقول شاید باید مراد آں کہ حق تعالیٰ ارواح شہاں را قوت اجساد می دہد و ہر جا کہ خواہند سیر کنند و ایں حکم مخصوص شہدائست انبیاء و صدیقان از شہدا افضل اند و اولیاء ہم در حکم شہدائند کہ جہاد نفس کردہ اند کہ جہاد اکبر است یعنی رجوعنا من الجہاد الأصغر إلى الجہاد الاکبر ازال کنایت است و لہذا اولیاء اللہ گفتہ اند ارواحنا اجسادنا اجسادنا ارواحنا یعنی ارواح ما کا اجساد می کنند و گاہے اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح می برآید می گویند کہ رسول خدا را سایہ نہ بود صلی اللہ علیہ وسلم ارواح ایشان در زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند می روند و دوستان و معتقدان را در دنیا و آخرت مددگاری می فرمایند و دشمنان را ہلاک می نمایند۔ انتہی۔

اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان روحوں کو جسموں کی ہی طاقت دے دی ہے اور جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی رہتی ہیں اور یہ حکم کوئی صرف شہیدوں کے ساتھ ہی خاص نہیں انبیاء اور صدیقین شہدائے بھی افضل ہوتے ہیں اور اولیاء کے کرام جہاد نفس کرنے کی وجہ سے شہیدوں کے ہم درجہ ہوتے ہیں کہ اسے جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ (وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ) ہم اب چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پلٹ رہے ہیں سے یہی جہاد اکبر مراد ہے۔ اولیاء اللہ کہا کرتے ہیں کہ: ارواحنا اجسادنا اجسادنا ارواحنا یعنی ہماری روحیں جسموں کے سے کام کیا کرتی ہیں اور کبھی ہمارے جسم ایسے لطیف ہو جاتے ہیں کہ روحوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ ان کی روحیں زمین و آسمان اور بہشت میں جہاں چاہتی ہیں گشت کرتی رہتی ہیں اور دنیا و آخرت میں اپنے چہیتوں اور عقیدت مندوں کی امداد و اعانت اور دشمنوں کو ہلاکت کے گھاٹ اتارتی رہتی ہیں۔

ان روایتوں سے ارواح کی دنیا میں بھی سیر ثابت ہوتی ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا بھی مذہب ہے۔

امام عبد اللہ یافعی یعنی قدس سرہ ”روض الیاسین“ کی ایک سواڑ سٹھویں حکایت کے اخیر میں لکھتے ہیں

مذہب اہل السنۃ ان ارواح الموتی ترجع فی بعض الاوقات من علیین او سحجین إلى اجسادہم فی قبورہم عند ما یرینا اللہ تعالیٰ و خصوصاً فی لیلۃ الجمعة و یومھا و یجلسون و یتحدثون۔ الی آخرہ۔ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ جب اللہ دکھانا چاہتا ہے تو مردوں کی روحیں بسا اوقات علیین یا سحجین سے قبروں میں ان کے جسموں کی طرف پلٹ کر آ جاتی ہیں خاص کر شب جمعہ اور روز جمعہ میں آ کر بیٹھتی اور باتیں بھی کرتی ہیں۔

”الاشباہ والنظائر“ کے احکام الجمعہ میں ہے



وفيه تجتمع الأرواح وتزار القبور؛ كذا في الدر المختار و شرحه (۱)

جمعه کے دن روحيں اکٹھا ہوتی ہیں اور پھر قبروں کی زیارت کی جاتی ہے۔

الغرض شب جمعہ اور روز جمعہ میں روحوں کا قبروں تک آنا ان معتبر کتابوں سے ثابت ہو گیا۔ باقی قبروں سے اپنے گھروں میں آنا اور ”خزانة الروایات“ کے حوالے سے بیان کیا جا چکا کہ جاء وأولاً إلى مقابرهم ثم جاء واقفي بيوتهم۔ اس روایت کے مطابق پہلی صدی کے خاتمہ اور دوسری صدی کے آغاز پر ایک عجیب قصہ رونما ہوا جسے استیناس کے طور پر لکھا جاتا ہے۔

امام ابو محمد عبد اللہ یافعی یمنی طیب اللہ ثراہ ”روض الریاحین“ میں لکھتے ہیں

عن بعض الصالحين قال كان لي ابن استشهد فلم أراه في المنام إلا ليلة توفي في عمر بن عبد العزيز رضي الله تعالى عنه يراي لي تلك الليلة فقلت يا بني ألم تك ميتا فقال لا ولكني استشهدت وأنا حي عند الله أرزق فقلت له ما جاء بك فقال نودي في أهل السماء ألا لا يبقى نبي ولا صديق ولا شهيد إلا ويحضر الصلوة على عمر بن عبد العزيز فجئت لأشهد الصلوة ثم جئتكم لأسلم عليكم۔ بعض صالحين سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک بیٹا شہید ہو گیا تھا میں نے کبھی اسے خواب میں نہ دیکھا حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے دن وہ دکھائی دیا میں نے کہا بیٹے کیا تم مرے نہیں؟ کہا نہیں میں تو شہید ہوا تھا اور اللہ کے یہاں زندہ ہوں اور رزق بھی پاتا ہوں میں نے پھر اس کے آنے کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ آسمان میں آواز لگائی گئی تھی کہ خبردار کوئی نبی و صدیق و شہید باقی نہ رہے سب عمر بن عبد العزیز کے جنازہ پر نماز پڑھیں تو دراصل میں ان کی نماز پڑھنے آیا تھا پھر تمہیں سلام کرنے کو بھی حاضر ہو گیا۔

الحمد للہ کہ ہم میت کے ایصال ثواب اور خیرات کی رغبت کی غرض سے جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اہل اسلام کی روحيں آتی ہیں خواہ وہ بالکل نیک و پرہیزگار ہوں خواہ بے چارے عاصی و گنہگار تو ان کا آنا کتب اسلامیہ کی روایتوں سے بخوبی ثابت ہو گیا۔ مذهباً، روایتاً، کشفاً اور درایتاً۔

ان صاحبوں کی نا انصافی دیکھیے کہ اپنے پیرومرشد قبلہ کے منہ سے جو بات نکلی وہ تو پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے اور دوسرا شخص کیسے ہی ٹھوس دلائل سے ثابت کرے اس پر ایمان لانے کے روادار نہیں ہوتے۔

اب دیکھیے مولوی اسماعیل صاحب نے جو ”صراط مستقیم“ کے آخر ورق میں اپنے پیرومرشد کی تعریف میں لکھا ہے غوث الثقلین اور خواجہ بہاء الدین نقشبندی کی روحيں ان کی طرف متوجہ ہو گئیں اور ایک مہینہ تک ان میں چھینا چھٹی اور لڑائی ہوتی رہی یعنی ایک کہتی تھی کہ ہم سید احمد صاحب کو اپنی طرف لیں تو دوسری کہتی تھی کہ ہم اپنی طرف لیں آخر کار دونوں پاک روحوں نے آپس میں صلح کر کے یہ بات ٹھہرائی کہ اچھا سید احمد صاحب میں

ہمارا تمہارا دونوں کا سا جھار ہے گا۔ تب ایک دن دونوں روحيں ان پر ظاہر ہوئیں اور ایک پہر تک قوی توجہ دی اتنی دیر میں حضرت کو دونوں طریقوں کی نسبت نصیب ہو گئی۔ انتہی۔

اب دیکھیے کہاں حضرت غوث اعظم کا مزار پاک بغداد شریف میں اور کہاں خواجہ عالی شاہ نقش بند کا مزار بخار میں پھر پتا نہیں ان کی روحيں علیین کے کس طبقہ اور جنت کے کس درجہ میں ہوں گی اور یہ بھی کہ ان دونوں مقدس حضرات کے مریدوں میں سیکڑوں کامل اولیاء اللہ کیا بلکہ ہزاروں لاکھوں مقبولین ہوں گے اس پر بھی ان کی ہوس نہ کبھی اور سید احمد صاحب کی ان کو خواہش پیدا ہوئی کہ ان کو اپنی نسبت مریدی میں لیجیے اور اسی آرزو میں علیین یا بہشت سے ہندوستان میں وہ روحيں توجہ دینے آئیں ہم اس کو رو نہیں کرتے لیکن ان دانش مند مصنفوں کے حال پر افسوس کرتے ہیں کہ یہ مولوی اسماعیل صاحب کی تحریر کو مسلم رکھتے ہیں حالاں کہ عقلی طور پر اس میں چند باتیں خلاف عادی معلوم ہوتی ہیں اور ہم روحوں کا اپنے گھروں پر آنا کچھ تو مقتضائے عقل ہونے کی وجہ سے (مانتے ہیں) کہ چونکہ اپنا گھر ہر کسی کو عزیز ہوتا ہے جب روحوں نے دنیا کی سیر کی تو اپنے گھر کی سیر کیوں نہ کریں اور روح کے لیے مکان کی دوری رکاوٹ نہیں بن سکتی کیوں کہ وہ مجردات سے ہے۔ اگر (ایسا) ثابت کرتے ہیں اس پر حدیثیں پیش کرتے ہیں اور فقہار رحمہم اللہ کی روایتوں کی سند گزارتے ہیں تو اس پر انکار کرتے ہیں اور اس عقیدے کی بنیاد پر ہم کو اور ساتھ ہی ان مفتیان دین کو جو یہ روایتیں اپنے فتاویٰ میں درج کر گئے ہیں بدعتی کہنے لگتے ہیں۔ یہ وہی مثل ہے کہ جس طرح فرقہ مغزلہ خود کو ”اصحاب العدل والتوحید“ کہلاتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کو بدعتی اور خواہشوں کے پیرو کہتے ہیں۔ اور اہل انکار کا سید احمد صاحب کے قصہ میں یہ کہنا بھی ہے کہ یہ ان کو دکاشفہ ہو گیا تھا (اس کی تحقیق لمحہ سادسہ میں میلاد شریف کے تحت روحوں کی سیر میں آئے گی)۔

مولف ”براہین قاطعہ گنگوہی“ کا صفحہ ۸۰ میں روح میت کی بد عادی پر یہ اعتراض کرنا چند وجوہ سے مخدوش ہے اگر زندہ نے مردہ کو ثواب نہ پہنچایا تو کوئی ظلم اس نے میت پر شرعاً نہیں کیا ہاں احسان بھی نہیں کیا پس احسان نہ کرنے پر بد عاظم ہے میت باوجودیکہ ظلمت نفس و شیطان سے چھوٹا حقیقۃ الامر خیر و شر اس کو برزخ میں واضح ہو گئی وہ اب بھی بزم مولف بعد اتیان کشف و یقین آخرت کی شرف نفس میں مبتلا ہے یہ روایت قطعاً مقتم و متروک ہے۔ انتہی ملخصاً۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حدیث کی قوت و ضعف اور صحت و سقم پہچاننے کے لیے میزان شرعی اسناد ہے اگر مولف براہین کو اسناد معلوم نہ تھی تو مفتیان شرع متین کی نقل پر اعتماد کیا ہوتا جو چند فتاویٰ حنفیہ میں رقم ہیں۔ جمعرات کو روحوں کے آنے اور صدقہ نہ کرنے کی صورت میں بد عادی کے روایت ”فتاویٰ نسفیہ“ میں موجود ہے جو علامہ سمرقندی امام نجم الدین عمر بن محمد نسفی کی تالیف ہے۔ اس میں وہ سب مسائل جمع کر دیے ہیں جو ان کی حیات میں ان سے استفتے کیے گئے تھے ۵۳۷ھ (۱۱۴۲ء) میں ان کی وفات ہوئی معتدین علمائے سلف سے تھے اسی لیے خلف نے ان کی روایت پر اعتماد کیا اور اپنے اپنے فتاویٰ میں درج کیا اور کیوں نہ کرتے صاحب درمختار لکھتے ہیں کہ ہمارے ذمہ یہ بات واجب ہے کہ متقدمین جو فتویٰ دے گئے ہیں ہم اس کا اتباع کریں۔ اصل عبارت یہ ہے

فعلینا اتباع ما رجحوہ و ما صححوہ (۱)



در مختار کے محشی امام شامی اس مقام پر لکھتے ہیں

فإنه لا يسعنا مخالفتهم . (۱)

دوسری وجہ یہ ہے کہ مولف براہین نے اس روایت کو رد کیا تو کس طرح کہ بالکل اوہام و خیالات سے رجحاً بالغیب۔ اور ایسا درست نہیں جن لوگوں نے دین کی روایتوں کی خیالی باتوں سے تردید کی ہے فقہاء و محدثین اہل سنت نے انھیں اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا ہے۔ مثلاً صحیحین میں جو یہ حدیث ہے کہ

جب ملک الموت نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں روح قبض کرنے آیا ہوں، حکم الہی قبول کیجیے تو حضرت موسیٰ نے (انھیں) ایسا تھپڑ مارا کہ ملک الموت کی آنکھیں پھوٹ گئی جناب باری میں جا کر عرض کی کہ خداوند! تو نے مجھے ایسے شخص کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ الی آخرہ۔ (۲)

اس حدیث پر بعض عقلی خیالات والوں نے طعن کیا کہ بھلا موسیٰ علیہ السلام بے تصور تھپڑ کیوں مارتے اور وہ بھی ایسا کہ آنکھ پھوٹ گئی۔ اس بنیاد پر یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ لیکن محدثین نے اس حدیث کو تسلیم کیا اور اعتراض کرنے والوں کو طعنے رکھا عبارت یہ ہے۔

أنكر بعض الملاحدة هذا الحديث و قالوا كيف يجوز على موسى فقء عين ملك الموت . (۳)

اور یہ قرار دیا کہ حدیث کو عقلی باتوں سے رد نہیں کرنا چاہیے بلکہ (جہاں تک ممکن ہو) اس میں تاویل کرنی چاہیے۔ اس حدیث میں تاویل ہو سکتی ہے کہ حضرت موسیٰ کے پاس ملک الموت بشکل انسان آئے اور انھوں نے جانا کہ یہ کوئی دشمن قتل کو آیا ہے تو اس کو دفع کرنے کے لیے تھپڑ مارا اتفاق سے آنکھ نکل پڑی۔ الی آخرہ۔

اس نظیر سے ہم کو ثابت یہ کرنا ہے کہ دینی روایتوں کو ایسے خیالی شاخصانوں سے رد نہ کیا جائے کہ محدثین ایسے کو ملحوظ کہتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اتہام حدیث اور اسے متروک کہنے کے لیے عقلی ٹکا چلایا بھی تو کیا کہ روحيں بددعا کیوں دیتیں اور یہ نہ سمجھے کہ روح کو بدن انسانی کے آب و گل سے کچھ تو تعلق ہے (ذرا غور فرمائیں کہ) فرشتے جو تکذرا آب و گل سے بالکل مجرد ہیں وہ بھی بخیل و دیوس کو بددعا دیتے ہیں تو روح کا بددعا دینا کیا بعید ہے۔

(۱) رد المحتار: ۱۹۴/۱

(۲) صحیح مسلم: ۵۵۱/۱۳ حدیث: ۲۳۷۵ مشکوٰۃ المصابیح: ۲۳۱/۳۰ حدیث: ۵۷۱۳ مستدرک: ۲۶۷/۱۶ حدیث: ۷۸۲۵ متخرج ابو داؤد: ۳۸۹/۱ حدیث: ۳۲۷

صحیح ابن حبان: ۳۸۹/۲۵ حدیث: ۶۳۳۰ صحیفہ تمام: ۶۱/۱۱ حدیث: ۶۰ کنز العمال: ۵۱۰/۱۱ حدیث: ۳۲۳۸۳ المسند النبی: ۳۳۰/۳۳ حدیث: ۱۳۷۱۰

کمل متن حدیث یوں ہے: جاء ملك الموت إلى موسى عليه السلام فقال له أجب ربك قال فلعنم موسى عليه السلام عين

ملك الموت فقهاها قال فرجع الملك إلى الله تعالى فقال إنك أرسلتني إلى عبد لك لا يريد الموت وقد فقأ عيني قال

فرد الله إليه عينه وقال ارجع إلى عبدك فقل الحياة تريد فإن كنت تريد الحياة فضع يدك على مؤن نور فما توارث يدك من

شعرية فبانك تعيش بها سنة قال ثم قال ثم تموت قال قال فلان من قريب رب امتني من الأرض المقدسة زمية بحجر قال

رسول الله صلى الله عليه وسلم والله لو آتني عنده لأريتكم قبرة إلى جانب الطريق عند الكتيب الأحمر .

(۳) الديباج علی مسلم: ۳۵۶/۵

مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ

فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا اللَّهُمَّ اعْطِ مَنْفَقًا خَلْفًا وَيَقُولُ الْآخَرُ

اللَّهُمَّ اعْطِ مَمْسَكًا تَلْفًا .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ ہر صبح کو دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! خرچ کرنے والے آدمی کو بدلہ عطا فرما اور (اس کا مال) بڑھا اور جو خرچ نہ کرے اس کا جمع کیا ہو مال تلف کر اور ہلاک فرما۔ انتہی۔ (۱)

ظاہر ہے کہ جب دنیا میں روح جسم کے ساتھ تھی تو اس وقت اس کے متعلق احکام الہی اور تھے اور جب بدن سے جدا ہو کر اس عالم میں داخل ہوئی تو اب اس پر احکام و آثار اس عالم کے نافذ ہوئے۔ پھر کیا عجب کہ جس طرح فرشتے خرچ نہ کرنے والے آدمی کو باذن الہی بددعا دیتے ہیں اسی طرح روحيں بھی اس عالم میں جا کر ایسے آدمی کو (جو مال دبا کر بیٹھ رہا اور اپنے مورث کو صدقہ و فاتحہ سے یاد نہیں کرتا) باذن الہی بددعا دیتی ہوں تو یہ کون سا محال امر ہے کہ جس کے بارے میں مفتیان دین کی روایت کو قطعاً متروک و مہتمم کہہ دیا جائے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس دعا کو ظلم ٹھہرانا بالکل بے اصل ہے اس کا مخدوش و مردود ہونا کچھ تو تیسری وجہ سے بھی سمجھ لیا گیا علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ اگر وارثین دعا اور تصدق کرتے تو شرعی مسئلہ کی روشنی میں انھیں بھی ثواب ملتا اور میت کو بھی۔ جب کچھ نہ کیا تو دونوں محروم رہے۔ پھر اگر ایک امر واقعی روحوں کی زبان سے صادر ہوا کہ الہی جیسے ہم ناامید پھرے انھیں بھی اپنی رحمت سے محروم رکھنا تو یہ کس طرح ظلم ٹھہرتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ امر واقعی کی دعا کیا کی جائے یہ تو تحصیل حاصل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقیہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو خوب محقق کر دیا ہے کہ تحصیل حاصل کی دعا جائز ہے۔ ملقط ان کی عبارت یہ ہے

ولو كان الدعاء بتحصيل الحاصل منهيًا لما ساء الدعاء له صلى الله عليه وسلم لا بوسيلة ولا بلعن الشياطين . (۲)

اگر تحصیل حاصل کی دعا منع ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ و وسیلہ کی دعا اذان کے بعد نہ کی جاتی کہ یا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ عطا اور مقام محمود عطا فرما کیوں کہ یہ وعدہ خداوند تعالیٰ خود فرما چکا ہے اور اسی طرح شیطان پر لعنت کرنی بھی جائز نہ ہوتی کیوں کہ وہ بلا دعا کے ہی لعنت میں گھرا ہوا ہے۔

(۱) متن حدیث: صحیح بخاری: ۵۰۷/۵ حدیث: ۱۳۵۱ صحیح مسلم: ۱۸۲/۵ حدیث: ۱۶۷۸۰ مستدرک: ۱۹۷/۲۳ حدیث: ۲۰۷۸۰ سنن کبریٰ بیہقی: ۱۸۷/۳ مصنف عبد

الرزاق: ۳۳۳/۱۰ حدیث: ۱۹۶۵۱ سنن کبریٰ نسائی: ۳۷۵/۵ حدیث: ۹۱۷/۸۰ مستدرک: ۹۰/۲۰ حدیث: ۸۸۲۹۰ معجم کبیر طبرانی: ۳۳۲/۲۰ حدیث: ۱۲۸۲ تہذیب

الاعراب طبرانی: ۳۸۲/۵ حدیث: ۲۳۹۸۸ شعب الایمان: ۴۱۵/۷ حدیث: ۳۲۵۹ صحیح ابن حبان: ۱۶۰/۱۳ حدیث: ۳۳۹۸۸ مستدرک: ۳۳۲/۲۳ حدیث: ۲۰۹

موارد الغلطان: ۲۰۸/۱۱ ابوالابی ابن بشران: ۸۲/۱۱ حدیث: ۷۶ الزہد للاحمد بن فضال: ۱۰۵/۱۱ حدیث: ۱۰۴ الزہد لہناد بن سری: ۱۸۱/۲۳ حدیث: ۱۲۰ الزہد لکعب: ۳۲۹/۱

حدیث: ۳۷۴ الزہد والرقائق لابن مبارک: ۱۰۶/۳ حدیث: ۱۰۵۸ العظمت لہبانی: ۲۵۷/۲ حدیث: ۵۰۵ المطالب العالی: ۲۶۳/۳ حدیث: ۱۰۰۸ جامع معمر بن

راشد: ۳۱۳/۱ حدیث: ۲۵۰ حدیث ابو یوسف: ۶۸/۱۱ حدیث: ۶۷۲ مستدرک ابی شیبہ: ۲۰/۱۱ حدیث: ۳۶ مکارم الاخلاق خراطی: ۱۳۲/۲ حدیث: ۵۹۵ مجمع

الرواؤد: ۱۹۳/۲ کنز العمال: ۳۵۱/۶ حدیث: ۶۰۱۳ مستدرک: ۲۰/۱۱ حدیث: ۱۱۰۰۰ تحفۃ الاشراف: ۱۱/۱۲ حدیث: ۱۳۶۱۳

(۲) رد المحتار: ۱۳۱/۳







خدا ایسا ہی کرے۔ اب جب وہ مر گیا اور عالم برزخ میں گیا تو وہی جبلت ان کے ساتھ گئی اس لیے ان کا وہی مادہ فطری وہاں ظاہر ہو گیا کہ جب ان کے اقربائے احسان اس کا مال مار کر بیٹھ رہیں گے اور دعا و صدقہ میں ذرہ بھر ان کو یاد نہ کریں گے تو وہ بے ساختہ ان کو بددعا دیں گے جس طرح کفار و فساق جو کچھ صفات تکذیب وغیرہ دنیا سے ساتھ لے گئے تھے وہی محشر میں علی الاعلان ظاہر کریں گے (جیسا کہ روایات سابقہ میں گزر چکا)۔

ساتویں وجہ الزامی یہ ہے کہ اس روایت کو فقط روحوں کی بددعا کی وجہ سے رد کرتے ہیں اور مولوی اسماعیل صاحب کی ”صراط مستقیم“ کے آخری ورق پر لکھی ہوئی تحریر نہیں کرتے جو لکھتے ہیں

روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین و جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روحیں ان کے حال کی طرف متوجہ ہوئیں اور قریباً ایک ہفتہ تک حضرت مہینہ تک حضرت ترازے درمابین روحمین درحق حضرت ایشاں ماندہ زیراً کہ ہر واحد ازیں ہر دو امام تقاضائے جذب تنازع چلتا رہا کیوں کہ دونوں میں سے ہر ایک ان کی روح کو پورے طور پر اپنے طرف متوجہ کرنا چاہتے تھے۔

حضرت ایشاں بہ تمامہ بسوئے خودی فرمود۔ دیکھیے یہاں اپنے پیرومرشد کی بابت دو اماموں کی روح مقدس میں لڑائی ثابت کرتے ہیں اور لفظ ”تنازع“ لکھتے ہیں۔ ”منتخب اللغات“ میں ہے

تنازع دشمنی و خصومت کردن۔ جھگڑا اور دشمنی تنازع کہلاتا ہے۔

”صراح“ میں لکھا ہے

الخصام پیکار کردن باہم والاسم الخصومة۔ آپس میں برسر پیکار ہونا۔ اور خصام کا اسم خصومت ہے۔

مولف براہین کو لازم تھا کہ پہلے ”صراط مستقیم“ کی اس تحریر کو رد کرتے پھر فتاویٰ نسفیہ کی روایت کی تردید میں قدم رکھتے، لیکن اس کو صفحہ ۸۳ میں ایک طویل عبارت سے قوت دیتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے

انبیاء علیہم السلام کو بھی کثرت امت کی خواہش ہوئی ہے۔ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولود عورتوں سے نکاح کی تاکید فرمائی ہے اسی واسطے ان دونوں اماموں نے جب سید احمد صاحب کا درجہ دیکھا اور جانا کہ ان کے بہت مرید ہوں گے تو دونوں نے انھیں اپنی طرف کھینچنا چاہا۔ اتنی ملخصاً۔

یہ جواب نہایت رکیک ہے سید صاحب کو کثیر المرید ہونے کے باعث جو ولود عورت یعنی کثیر الاولاد عورت کے نکاح سے تشبیہ دی تو یہ خیال نہ کیا کہ ایسے شخص کے مرید کرنے کی تمنا درست ہے لیکن تنازع حرام جس طرح ولود عورت کی طرف رغبت صحیح ہے لیکن اس میں لڑائی و محاصرت حرام یہ تو نص قطعی کا معارضہ ہے، حق سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَا تَنَازَعُوا (۱)

شاہ ولی اللہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں

با یک دیگر نزاع مکنید۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں

آپس میں مت جھگڑو۔

تو جب اس مکافقہ تحریری کو حرمت تنازع کے باعث رد نہ کیا تو چاہیے کہ مفتیان دین کی روایتوں کو بھی رد نہ کریں۔ اس کے باوجود مولف براہین نے اس قسم کی دعا کی حرمت پر کوئی نص شرعی روایت نہیں کی جس طرح کہ ہم نص قطعی آیت لاتنازعوا پیش کرتے ہیں لہذا ان کا دعویٰ بلا دلیل شرعی نامسموع اور ان کا یہ خیال ان سات مذکورہ بالا وجوہوں کی وجہ سے مدفوع ہے۔

دوسرا اعتراض روحوں کے آنے پر براہین کے صفحہ ۸۰ پر یہ ہے کہ

یہ روایتیں مخالف صحاح کے ہیں کیوں کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور احمد سے منقول ہے کہ جب میت کی روح برزخ میں جاتی ہے تو ارواح جمع ہو کر اپنے اقارب کا حال پوچھتی ہیں تو وہ جو پہلے مر لیا تھا اس کو کہتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر لیا تھا اگر ہر ہفتہ ارواح اپنے گھر جاتی ہیں تو ان کو کیا حاجت استفسار کی ہے۔

### جواب

استفسار کی حاجت کیوں نہیں مثلاً ایک شخص ہر ہفتہ اپنے گھر آتا ہے اور شب باش ہو کر چلا جاتا ہے تو اس شخص کے چھ روز چلے آنے کے بعد اگر کوئی اس کے گھر سے آئے گا تو وہ اپنے اقربا کا حال پوچھے گا یا نہ پوچھے گا؟ کبھی غفلت جانتے ہیں کہ وہ ضرور پوچھے گا تو اسی طرح روح شب جمعہ اپنے گھر گئی تھی تو جو آدمی چار شنبہ یا روز پنجشنبہ کو مرے گا اور اس کی روح عالم برزخ میں جائے گی تو وہ روح پانچ چھ روز کی غیوبت کا حال اس روح تازہ سے ضرور پوچھے گی کہ فلاں آدمی کس طرح ہے اور فلاں کس طرح؟ اور اسی طرح اگر اس کا کوئی قریبی روز شنبہ یا شام جمعہ کو مر گیا ہوگا اور اپنے شومی اعمال سے وہ دوزخ میں گیا، ارواح مومنین میں نہ پہنچا پھر کوئی دوسرا عزیز مومن چار شنبہ کو مر کر ارواح مومنین میں پہنچا تو وہ ضرور یہ بیان کرے گا کہ وہ قریبی آدمی جو مجھ سے چار پانچ روز پہلے مرا کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ روحیں کہیں گی کہ بس وہ دوزخ میں گیا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روح ہر ہفتہ گھر پر آتی اپنے ایک عزیز کو ہمیشہ غیر موجود پاتی چوں کہ اس وقت آدمیوں سے اس کو پوچھنا ممکن نہ تھا ہمیشہ یہ خیال کر کے چپ چلی جاتی کہ شاید وہ کہیں پردیس میں گیا ہے لیکن جب اس گھر میں کوئی مخلص مومن مرا اور اس کی روح ارواح مومنین میں پہنچی تب اس عزیز کا حال دریافت کیا تو جواب دیا کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہے کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ روح جان لیتی ہے کہ اس عزیز کو ہر ہفتہ مکان پر موجود نہ دیکھ کر جو یہ سمجھتی کہ وہ کہیں پردیس میں ہوگا تو پردیس میں نہیں بلکہ وہ دوزخ میں پہنچ گیا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روح کا اپنے گھر آنا منقول ہو ہمارا دعویٰ یہ تو نہیں کہ وہ اپنے سب اقرباء عزیزوں اور دوست آشناؤں کے گھر بھر جاتی ہے تو جائز ہے کہ وہ روحیں اپنے ان دوست آشنا اور عزیزوں کا حال پوچھتی ہوں گی جو اس کے خاص گھر میں نہیں رہتے تھے۔ لفظ حدیث میں نہ تو اپنے خاص گھر میں رہنے والوں کی قید ہے اور نہ یہ کہ خاص اپنے ذوی القربیٰ کا حال پوچھے گا بلکہ جائز ہے



کہ اپنے بعض دوست داروں اور غم گساروں کا حال دریافت کریں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں

فَيَسْأَلُونَهُ مَاذَا فَعَلَ فَلَانٌ مَاذَا فَعَلَ فَلَانٌ اس نئے مردے سے پہلے مردے پوچھتے ہیں فلان کا حال کیا ہے فلان کا حال کیا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ وہ تو مر چکا کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ کہتی ہے کہ اس کا مطلب یہ کہ وہ دوزخ میں پہنچ گیا۔ اتنی۔

اب سخت دلوں کو نرم کرنے کے لیے ایک قصہ 'نوسو برس پہلے لکھی گئی' (۲) ایک نہایت معتبر کتاب سے (پیش کیا جاتا ہے) جس کے مصنف چار واسطے سے امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں لاکھوں حدیثیں انھیں یاد تھیں۔ نصر بن محمد جن کا نام 'امام الہدیٰ' جن کا خطاب اور جوفیہ ابواللیث سمرقندی کی کنیت اور لقب سے مشہور ہیں۔ وہ اپنی کتاب 'تنبیہ الغافلین' میں 'باب فضل جمعہ' میں فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مجھ تک صالح مزی کا یہ قصہ پہنچا کہ وہ جمعہ کی رات کو جامع مسجد میں نماز فجر پڑھنے آئے راستہ میں ایک مقبرہ ملا دل میں آیا کہ صبح صادق کے وقت مسجد چلے جائیں گے (یہ سوچ کر) مقبرے میں ٹھہر گئے دور کعت نماز پڑھی اور ایک قبر سے کچھ سہارا لگایا اور آنکھوں میں نیند بھر آئی، کیا دیکھتے ہیں کہ سب اصحاب قبور قبروں سے نکل کر حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔

میں نے اس وقت ایک نوجوان کو دیکھا کہ میلے کپڑے میں اُداس و مغموم بیٹھا ہے اتنے میں خوان پوشوں سے ڈھکے بہت سے خوان آئے ہر آدمی اپنا اپنا خوان لے کر چلتا بنا آخر وہی جوان بے چارہ رہ گیا اس کے پاس کچھ بھی نہ آیا وہ غم کا مارا اُداسی کے عالم میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا جب قبر میں داخل ہونے لگا تو صالح مزی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے تو اُداس کیوں ہے؟ تو اس نے کہا تم نے دیکھا نہیں کہ کن قدر خوان آئے ہوئے تھے؟ میں نے کہا ہاں اس نے کہا یہ تحفہ تحائف تھے جو ان کے واسطے ان کے خیر خواہوں نے بھیجے تھے۔ وہ جو بھی صدقہ و دعا وغیرہ کرتے ہیں ان کو جمعہ کی رات پہنچتا ہے۔ میں ملک ہند کا رہنے والا ہوں اپنی ماں کو لے کر حج کے واسطے آیا ہوا تھا بصرہ پہنچا تو میرا انتقال ہو گیا میری ماں نے میرے بعد نکاح کر لیا اور دنیا میں مشغول ہو کر مجھے بھول گئی نہ منہ سے کبھی نام لیتی ہے اور نہ زبان سے کبھی دعا کرتی ہے اب میں غمگین نہ ہوں تو کیا کروں میرا کوئی نہیں جو مجھے یاد کرے۔

تب صالح مزی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا تیری ماں کہاں ہے؟ اس نے پتا بتا دیا۔ میں نے صبح کی

(۱) سنن کبریٰ نائی: ۶۰۳/۱ حدیث: ۱۹۵۹/۱ مستدرک: ۳۸۲/۳ حدیث: ۱۲۵۰-۱۹۹۰/۱۹۹۰ حدیث: ۶۰۹۲/۱ معجم کبیر طبرانی: ۶۷۲/۱۷۲ حدیث: ۳۷۹۱/۱ صحیح ابن حبان: ۲۳۱۳/۱ حدیث: ۳۷۸۰/۱ السنۃ لعبد اللہ بن احمد: ۳۸۲/۳ حدیث: ۱۳۳۸/۱ معجم اوسط 'موارد الظلمات' اور مستدرک شامی وغیرہ میں بھی الفاظ کے ذرا سے فرق کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے

(۲) انھوں نے علم سکھا ابو جعفر ہندوانی سے انھوں نے ابوقاسم صفار سے انھوں نے نصر بن یحییٰ سے انھوں نے محمد بن سنان سے اور انھوں نے امام ابو یوسف سے

اور وہ شاگرد تھے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۲۰۲ھ رحمہ اللہ

نماز پڑھی اور اس کا گھر ڈھونڈتا ہوا اس تک پہنچا اس نے اندر سے آواز دی تو کون ہے؟ میں نے کہا صالح مزی۔ اس نے مجھے بلایا اور میں چلا گیا میں نے کہا بہتر یہ ہے کہ میری اور تیری بات کوئی دوسرا نہ سنے تب میں اس کے نزدیک گیا میں نے کہا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔ تیرا کوئی بیٹا ہے؟ بولی نہیں میں نے کہا کبھی ہوا تھا تب وہ سانس بھرنے لگی اور بولی ایک جوان بیٹا تھا مگر مر گیا تب میں نے وہ مقبرہ والا قصہ اس سے بیان کر دیا اس کے آنسو بہنے لگے اور کہنے لگی اے صالح مزی میرا وہ بیٹا میرا کلیجہ تھا۔ پھر اس نے مجھے ہزار درہم دیے اور کہا کہ میرے نور چشم کی طرف سے خیرات کر دیجیے گا اور اب جب تک دم میں دم ہے میں اس کو دعا و خیرات میں نہ بھولوں گی۔ صالح مزی فرماتے ہیں کہ پھر میں نے وہ ہزار درہم خیرات کر دیے اور اگلے جمعہ کی رات پھر اس مقبرے میں گیا دور کعت پڑھی اور ایک قبر کے سہارے سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے ان لوگوں کو قبروں سے نکلنے دیکھا اور اس جوان کو دیکھا کہ وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے نہایت ہشاش بشاش میرے پاس آ کر کہنے لگا اے صالح مزی! اللہ تیرا بھلا کرے مجھ کو ہدیہ اور تحفہ پہنچ گیا میں نے کہا تم جمعہ کو پہنچتے ہو؟ کہا جانا تو رات پہنچتے ہیں اور یہ کہا کرتے ہیں

سلام لیوم صالح یعنی یوم الجمعة. انتھی۔ مبارک دن یعنی روز جمعہ کو سلام۔

اے بھائیو! اگر ایسے امام الہدیٰ کا نقل کیا ہو یہ درد آمیز قصہ تمہارے دل کو خوف الہی سے نہ ہلا دے تو کمال حسرت کی بات ہے۔ پھر بھی اللہ کے خوف سے نرم ہو جاتے ہیں۔

ان من الحجارة لَمَا يَنْفَجَرُ مِنْهُ الْاَنْهَارُ (۱) اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہ نکلتی ہیں۔ پرانے زمانے ہی سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ پہلے کے لوگ اپنے اپنے مردوں کے لیے جمعہ کی رات کو کھانے پر فاتحہ دے کر حفاظتاً قرآن مقار اور فقر وغیرہ کو بھیج دیا کرتے تھے۔

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو 6 سو برس سے زیادہ گزر گئے ان کے کلام سے بھی اس کا پتا ملتا ہے۔ اپنے کلیات کے قصیدہ "در باب تنبیہ حال موت" میں فرماتے ہیں کہ جب آدمی مرتا ہے تو لوگ چند روز اس کو روتے ہیں اور جمعرات کو حلوہ بھی بھیجتے ہیں لیکن جب کئی برس ہو جاتے ہیں پھر سب بھول جاتے ہیں اور وہ آدمی بے نام و نشان ہو جاتا ہے۔ ان کے اشعار بطور التماس لکھے جاتے ہیں

یک ہفتہ یا دو ہفتہ کم و بیش صبح و شام ❁ باگریہ دوست ہمد و ہمد استاں شود  
حلوہ سہ چار صحن شب جمعہ چند بار ❁ بہر ریا بخانہ ہر گور خواں شود  
وانگہ کہ چند سال براں حال بگذرد ❁ آں نام نیز بگذرد و بے نشان شود

اگلے لوگ جمعرات کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ دو آنے کا مزدور جس کے پاس کچھ بھی دینے کو نہ ہوتا تھا وہ بھی جو سیر بھر آتا بال بچوں کے واسطے لاتا شام کو پکواتا اور اس میں نیت کرتا تھا کہ یا رب العالمین یہ جو بال بچوں کا فقہ میرے ذمہ تیرے حکم سے واجب ہے اور واجبات الہیہ کی ادائیگی سے آدمی ثواب کا مستحق ہوتا ہے آج جو یہ سیر بھر کی روٹیاں اپنے بال بچوں کو دیتا ہوں اس فقہ واجبہ میں میری نیت یہ ہے کہ اس میں مجھ کو جو ثواب ہوتا ہے وہ میرے فلا۔ نے عزیز میت کو پہنچے۔ غرض کہ نادار اور تنگ دست



آدمی اسی روز مرہ کے نفقہ واجب عیال میں سے ایصال ثواب کی نیت کرتے تھے اور فاتحہ درود پڑھنے کے بعد وہ کھانا اپنے بال بچوں کو کھلادیا کرتے تھے مردوں کو محروم نہ رکھتے تھے اور مالدار لوگ تو بہت کچھ دیا کرتے تھے۔ اب جیسے لوگوں کی ہمتیں پست ہو گئیں اور اس بخیلی کے ساتھ یہ بہانہ بھی ہاتھ آ گیا کہ اس کو تو مولوی لوگ بدعت کہتے ہیں تو لوگ بالکل ہی اسے چھوڑ بیٹھے۔ ”اونگھتے کو ٹھیلنے کا بہانہ“ مثل مشہور ہے۔ ہم نے معتبر کتابوں کی روایتیں تمھیں سنا دیں چاہیے کہ اب سے سستی نہ کرو اور صدقات و خیرات اور فاتحہ درود سے اپنے عزیزوں کو یاد کرو۔ (۱)

ایک مسئلہ سناتا ہوں کہ جس قدر تم اموات کے نام دو گے یا پڑھ کر بخشو گے سب مردوں کو پہنچے گا اور اسی قدر تم کو بھی ملے گا تمہارے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی تم اور مردے دونوں ثواب سے بہرہ مند ہو گے خزانہ الہی میں کچھ کمی نہیں وہ دونوں کو دیتا ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (۲)

بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے۔

گھانا صرف تمہاری نیت کا ہے۔

لمحہ ثالثہ عیدین شب براءت اور عشرہ محرم میں فاتحہ

فی خزانة الروایات عن ابن عباس رضی اللہ عنہما یقول إذا کان یوم عید أو یوم جمعة أو یوم عاشوراء أو لیلۃ من نصف شعبان تأتي أرواح الأموات و یقومون علی أبواب بیوتهم فیقولون هل من أحد یدکرنا هل من أحد یترحم علینا هل من أحد یدکر غربتنا یا من سکنتم بیوتنا و یا من سعدتم بما شقینا و یا من أقمتم فی أوسع قصورنا و نحن فی ضیق قبورنا و یا من استدللتم أیتامنا و یا من نکحتم نسائنا هل من أحد یتفکر فی غربتنا و فقرنا کتبنا مطویة و کتبکم منشورة .

واضح ہو کہ یہ ”خزانہ الروایات“ پرانی کتاب ہے جس نسخہ سے یہ عاجز نقل کر رہا ہے وہ قریباً 4 سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے اب دیکھیے تصنیف کب ہوئی ہوگی۔ اس کے مصنف کے بارے میں صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے

یہ قاضی جگن ہندوستان کے حنفی المذہب اور گجرات کے رہنے والے تھے تمام عرفتوی دینے اور لکھنے

میں گزاری۔ انتہی۔ (۳)

تو اب اس کا معتبر ہونا ظاہر ہو گیا نیز ہم فاتحہ جمعرات کے بیان میں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ مولوی اسحق صاحب نے ”مائتہ مسائل“ اور ”مسائل اربعین“ میں اس کتاب ”خزانہ الروایات“ کی سند پکڑی ہے تو اب اس کتاب کا قدیم اور معتمد ہونا واضح ہو گیا۔

(۱) فائدہ: فتاویٰ عالمگیری میں مسائل قربانی کے حوالے سے مرقوم ہے کہ اگر کوئی غریب صاحب اہل و عیال آدمی قربانی کرے اور اسے زیادہ وسعت نہ ہو تو ان کے لیے افضل ہے کہ قربانی کا گوشت تقسیم نہ کرے بلکہ سب اپنے پاس رہنے دے اپنے اہل و عیال کو فراغت سے کھلائے۔ یوں ہی غریب آدمی فاتحہ کا کھانا اپنے بال بچوں کو کھلا دیتے تھے۔ بعض ناواقف اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ جب بال بچوں کو کھلادیا تو یہ کیا ثواب ہوا؟ تو اس کا جواب وہی ہے جو رسالہ ہذا میں مذکور ہے۔ نیز صحیحین کی حدیث ہے: إذا أنفق المسلم نفقة علی أهله و هو تحسبها كانت له صدقة۔ یعنی مسلمان جو کچھ اپنے بال بچوں پر بظرف قربت و ثواب خرچ کرتا ہے وہ عند اللہ صدقہ ہے۔ ۱۲ من رحمہ اللہ

(۲) کشف الظنون: ۲۱۱ باب الخاء المعجم

(۳) سورہ نجم: ۵۳

اس کے علاوہ علی بن احمد غوری نے بھی اس روایت کو ”کنز العباد“ میں ”کتاب الروضة“ کے ”باب خامس واربعمین“ سے نقل کیا ہے۔ اب دیکھیں کہ اس روایت کا ترجمہ کیا ہے

”خزانہ الروایات“ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے مذکور ہے کہ عید جمعہ یا عاشورا کے دن یا نصف شعبان کی رات مردوں کی روحمیں آتی ہیں اور اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہو کر فریاد کرتی ہیں، ہے کوئی ہمیں یاد کرنے والا؟ ہے کوئی ہم پر رحم کرنے والا؟ ہے کوئی ہماری بے کسی کا ذکر کرنے والا؟ اے کہ تم ہمارے گھروں میں سکونت پذیر ہو ہمارے مال سے عیش کے دن گزار رہے ہو ہمارے کھلے کشادہ محلوں میں اقامت گزریں ہو اور ہم اپنی تنگ قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اے کہ تم نے ہمارے یتیموں پر ذلت کے دروازے کھول دیے اور ہماری عورتوں کو اپنی بیویاں بنا لیے تو کیا کوئی ہماری غربت و بے کسی کی فکر کرنے والا ہے؟ ہمارے صحیفے تو لپیٹے جا چکے مگر تمہارے تو ابھی تک کھلے پڑے ہیں۔

واضح ہو کہ جس طرح یہ روایت ”خزانہ الروایات“ اور ”کنز العباد“ میں ہے اس طرح ”دقائق الاخبار“ میں بھی ہے اور دقائق الاخبار امام غزالی کی طرف منسوب ہے۔

آیت کریمہ ”تنزل الملائکة والروح“ میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ روح ایک فرشتہ ہے۔ بعضوں نے کہا کہ وہ حضرت جبریل مراد ہیں، بعضوں نے کہ وہ روح حضرت عیسیٰ ہیں جو فرشتوں کے ساتھ اترتے ہیں اور بعضوں نے کہا کہ روح سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اور دقائق الاخبار کے مطابق بعضوں نے کہا کہ اس سے بنی آدم کی روحمیں مراد ہیں۔ اس کی عبارت یوں ہے

و یقال روح الأقرباء من أموات المومنین

یقولون ربنا ائذن لنا بالنزول إلی منازلنا حتی نری

أولادنا و عیالنا فینزلون فی لیلۃ القدر .

کہا گیا ہے کہ اس سے مسلمان مردوں کے رشتہ داروں کی روحمیں مراد ہیں جو بارگاہ خداوندی میں عرض کرتی ہیں کہ مولیٰ! ہمیں اپنے گھروں میں اترنے کا اذن عطا فرماتا کہ ہم اپنے اہل و عیال کو دیکھ سکیں تو شب قدر میں وہ اترتی ہیں۔ (۱)

تفسیر عزیزی میں مذکورہ بالا آیت کی تشریح کے تحت لکھا ہوا ہے

فردی آید ملائکہ از آسمان ہا و ارواح از مقام علین

اترتی ہیں۔

در اہل شب۔

پھر تینتیس سطر کے بعد ہے

ہمراہ جبرئیل علیہ السلام جمیع ملائکہ و ارواح نزول می کنند۔

اترتی ہیں۔

وہ تمام فرشتے اور روحمیں حضرت جبرئیل کی معیت میں

(۱) میں کہتا ہوں کہ شب قدر میں مردوں کی روحوں کا اترنا محض اقرباء کے دیدار کے لیے ہوتا ہوگا اور جو دوسری راتوں کا ذکر گزرا تو وہ صدقہ و خیرات کے انتظار

کے لیے ہوگا۔ ۱۲ منہ



اب ہوش کے کانوں سے سننا چاہیے کہ باپ کو اولاد صالح کی دعا سے نفع پہنچتا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے  
وَلَدٌ صَالِحٌ يَذْغُو لَكَ (۱)

اس حدیث میں تم (جیسے) لوگوں کو اشارہ ہوا کہ تم جن کی اولاد ہو ان کے حق میں دعا کرو اور فاتحہ و درود پڑھو۔  
دوسری پہنچتی شریف کی حدیث ہے

مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْعَرِيقِ الْمَتَوِّثِ قَبْرُكَ بِنْدِ مَرْدَةٍ كَيْ مَثَلُ كَيْ ذُو بَعْتِ فَرِيَادِي كَيْ  
يَنْتَظِرُ دَعْوَةَ تَلَحُّقِهِ مِنْ أَبٍ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ فَإِذَا هَوَتْ هِيَ مَرْدَةٍ هِيَ مَثَلُ بَابِ بَهَائِي أَوْ  
لِحَقَّتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا (۲)

اس حدیث میں یہ اشارہ ہوا کہ ماں باپ بھی اپنی اولاد کو دعاے خیر میں یاد رکھیں یوں ہی بھائی بھائی کو اور دوست دوست کو۔  
کیوں کہ اس حدیث سے اشارہ مل گیا کہ مردہ ان سب کی طرف امید لگائے رہتا ہے۔ غرض دونوں حدیثوں کے مضمون سے یہ  
بات ثابت ہو گیا کہ احباب و اقربا کو چاہیے کہ اپنے (مرحومین) دوست و رشتہ دار کو یاد رکھیں۔

لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ دنیا کے خجال میں پھنس کر اپنے مردہ عزیزوں کو بالکل بھول جاتے ہیں روزانہ بھلا کیا یاد کریں گے  
اگر تیوہاروں یعنی عید بقرعید شب براءت اور محرم کو یاد کر لیں تو وہی غنیمت ہے کیوں کہ تیوہاروں میں کھانے کی کثرت ہوتی ہے  
طرح طرح کی چیزیں پکتی ہیں اور دوست آشناؤں میں تحفہ ہدیہ بھیجا جاتا ہے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ زندہ آدمیوں کو تو تحفہ تحائف بھیجیں جب کہ وہ خود بھی پکوا کر کھا سکتے ہیں اور میت کو (جو کہ بالکل بے  
بس و بے کس ایک تنگ و تاریک غار میں پڑی ہوئی ہے) اس کے اعمال بھی منقطع ہو چکے کچھ کر بھی نہیں سکتے (ذرا بھی یاد نہ کرنا کس قدر  
غفلت کی بات ہے اور جو کوئی ملا عالم ہو کر اس (نیک) کام سے لوگوں کو روکے وہ مردوں پر ظلم و زیادتی کا کتنا (بھاری بوجھ) اپنی  
گردن پر لا دیتا ہے۔ یا اللہ! ایک پہلے دور کے عالم و فاضل تھے کہ خیرات و حسنات کی رغبت دلایا کرتے تھے (اور ایک یہ ہیں۔)  
”خزانة الروایات“ کے مصنف لکھتے ہیں

میں آغاز جوانی سے کتب فقہ اور فہمی و مسائل میں کوشش کرتا رہا اور جب استفتے پیش ہوتے تھے تو جب

(۱) صحیح مسلم: ۳۰۵/۸ حدیث: ۳۰۸۳ سنن ابوداؤد: ۶/۸۸ حدیث: ۲۳۹۳ سنن ابن ماجہ: ۲۸۰/۱ حدیث: ۲۳۷۰ مسند احمد: ۳۱/۱۸ حدیث: ۸۲۸۹ سنن  
کبریٰ بیہقی: ۲۷۸/۶۰ سنن کبریٰ نسائی: ۱۰۹/۳۰ حدیث: ۶۳۷۸ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۱/۱۸ حدیث: ۸۲۸۹ معجم اوسط طبرانی: ۹۶۲/۸ حدیث: ۳۶۰۶ معجم  
صغیر طبرانی: ۳۳۱/۱ حدیث: ۳۹۶ شعب الایمان بیہقی: ۳۵۰/۷ حدیث: ۳۲۹۳ سنن دارمی: ۱۱۲/۲ حدیث: ۵۷۰ مستخرج ابوعوانہ: ۱۱/۱۱ حدیث: ۳۲۷  
۵۷۰ مسند ابویعلیٰ موصلی: ۲۲۱/۱۳ حدیث: ۶۳۲۶ صحیح ابن حبان: ۱۸۱/۱ حدیث: ۹۳ صحیح ابن خزیمہ: ۱۳۲/۹ حدیث: ۲۲۹۷ مشکل الآثار طحاوی: ۵/۵  
۲۸۹ حدیث: ۱۹۱۹ موارد الظمان: ۲۲۰/۱ امامی ابن بشران: ۳۰۴/۲ حدیث: ۷۵۷ الادب المفرد بخاری: ۵۹/۱ حدیث: ۳۹ منشی لابن جارود: ۱/۱  
۲۲۱ حدیث: ۳۵۷ فوائد العرقین: ۱۰۸/۱ حدیث: ۸۱

(۲) مشکوٰۃ المصابیح: ۳۰/۲ حدیث: ۲۳۵۵ شعب الایمان بیہقی: ۲۲۳/۱۶ حدیث: ۷۶۶۶ سنن ابی داؤد: ۲۸۸/۱۹ حدیث: ۸۹۸۷ کنز العمال: ۷۹/۱۵ حدیث: ۴۲۹۷۱  
تخریج احادیث احیاء علوم الدین: ۳۰۷/۹ حدیث: ۳۳۰۷

تک ان کتابوں سے اس کے جواب نہ نکال لیتا چھین نہیں آتا تھا اور میں مطالعہ کتب اور مباحثوں میں  
برابر لگا رہتا تھا، مشکلیں حل کرتا تھا اور یوں پوری عمر فتویٰ دینے میں گزار دی اور جس قدر فتوے دیتا وہ سب اس  
کتاب میں لکھ دیا کرتا تھا۔ اتنی۔

آپ دیکھیں کہ یہ شخص سیکڑوں برس پہلے کا عالم و فقیہ ہندوستان کا قاضی اور فتویٰ جاری کرنے والا اپنا فتویٰ اس کتاب میں  
لکھتا ہے اور روایت کرتا ہے کہ تیوہاروں میں روحیں آتی ہیں (جیسا کہ اس کی روایت گزری) تو معلوم ہوا کہ عیدین وغیرہ تیوہاروں  
میں فاتحہ کا دستور قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اور یہ بزرگوں کا حکم کیا ہوا جائز رکھا ہوا اور حدیث سے نکالا ہوا ہے کوئی جاہلوں  
کا ایجاد کردہ نہیں جاہل کسی دینی اور شرعی قاعدہ کا موجد نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی کسی جاہل کا اتباع کرے گا۔ اہل اسلام کی یہ سب نیک  
رسمیں علماء و صالحین کی تلقین فرمائی ہوئی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ عیدین وغیرہ میں جو فاتحہ دیتے ہیں تو حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم کے نام کا جدا نکالتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ بھی امام ربانی مجدد الف ثانی کے کلام میں موجود ہے جن سے مانعین بھی عقیدت  
رکھتے ہیں وہ اپنے مکتوبات کی تیسری جلد میں لکھتے ہیں

باید کہ ہر گاہ صدقہ بہ میت نیت کند اول باید کہ بہ نیت آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہدیہ چدا سازد و بعد ازاں  
تصدق کند کہ حقوق آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام فوق حقوق دیگران است و نیز بریں تقدیر احتمال قبول صدقہ است  
بطفیل آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ اتنی۔  
جب بھی میت کے ایصال ثواب کے لیے صدقہ کی نیت کی جاتی ہے تو چاہیے کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا الگ  
سے ہدیہ دیا کرے پھر اس کے بعد کسی اور کے نام صدقہ کرے کیوں کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسرے لوگوں کے  
حقوق سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہیں ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل صدقہ کی قبولیت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

سبحان اللہ ایک (دور میں) ایسے ایسے دین دار علماء تھے جو ہدایت کے کیا کیا طریقے تعلیم فرماتے تھے اور ایک اب پیدا ہوئے ہیں کہ  
عہد قدیم اور سلف صالحین سے چلے آتے معمولات و خیرات کو بند کرتے جاتے ہیں۔

مولوی الحق صاحب نے ”مائتہ مسائل“ میں یہ جو تحریر فرمایا ہے  
آمدن ارواح دریں شبہا از احادیث صحیحہ مرفوعہ متصل  
اس رات روحوں کا آنا صحیح و مرفوع اور متصل  
الاسناد ثابت نکشہ۔  
الاسناد احادیث سے ثابت نہیں ہے۔

”مسائل اربعین“ میں ان حدیثوں کی بابت لکھا  
بعض علمائے محدثین اس روایت را تضعیف ہم فرمودہ  
بعض علمائے محدثین نے ان روایتوں کا ضعف بیان  
اندو بیان غرابت آن آورده۔ اتنی۔  
کیا ہے اور ان کی غرابت دکھائی ہے۔

تو میں کہتا ہوں کہ اس کلام سے بس اسی قدر ثابت ہوا کہ یہ حدیثیں صحیح متصل الاسناد نہیں اور بعض محدثوں نے ان کو ضعیف بھی  
کہا ہے تو اصول حدیث میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہو۔ چنانچہ  
ملا علی قاری اور صاحب مجمع البحار اپنے رسائل موضوعات حدیث میں لکھتے ہیں



قال الزركشي بين قولنا لم يصح وقولنا موضوع بون بعيد كثير فإن الوضع إثبات الكذب والاختلاف وقولنا لم يصح لا يلزم منه إثبات العدم إلى آخره. (۱)

امام زرکشی فرماتے ہیں کہ ہم جو کسی حدیث کو کہتے ہیں کہ صحیح ہے اور کسی کو کہتے ہیں کہ موضوع ہے تو اس میں کھلا ہوا فرق ہے۔ اس لیے موضوع کہنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ روایت جھوٹ پڑی ہے لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ ”صحیح نہیں“ تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ یہ حدیث جھوٹی بنائی ہوئی ہے۔

ہاں! البتہ صحیح نہ ہونے سے یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ ضعیف ہے تو لو اب حدیث ضعیف کا حکم سنو۔ تفسیر روح البیان، جلد دوم مطبوعہ مصر کے صفحہ ۶۳۲ میں ہے

وإن كانت ضعيفة الأسانيد فقد اتفق المحدثون على أن الحديث الضعيف يجوز العمل به في الترغيب والترهيب.

اگر حدیث ضعیف ہیں تو محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نیک کام کی رغبت دلانے اور برے کام سے ڈرانے کے لیے ضعیف حدیثوں پر عمل کرنا جائز ہے۔ (۲)

اس کلام کو صاحب روح البیان نے امام نووی، حلی اور ابن فخر الدین رومی وغیرہم کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔ یوں ہی علامہ ابن حجر کی تالیف ”فتح المبین“ میں منقول ہے

وقد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال. (۳)

یعنی علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال کے سلسلے میں ضعیف حدیثوں پر عمل درست ہے۔

میر سید شریف رحمہ اللہ ”اصول حدیث“ میں لکھتے ہیں

و يجوز عند العلماء التساهل في أسانيد الضعيف في فضائل الأعمال. (۴)

اعضائے وضو دھونے کے بارے میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں وہ سب کی سب ضعیف ہیں تو اس سے متعلق صاحب درمختار نے لکھا

في عمل به في فضائل الأعمال. (۶)

فضائل اعمال کے سلسلے میں اس پر عمل کیا جائے گا۔

(۱) تذكرة الموضوعات: ۷/۱

(۲) تفسیر روح البیان: ۲۳۱/۵

(۳) الاربعین النوویہ: ۱/۱ تفسیر روح البیان: ۲۳۱/۵

(۴) المختصر فی اصول الحدیث: ۱/۱ تذكرة الموضوعات: ۵/۱

(۵) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا ایک راوی رشید بن سعد ضعیف تھا مگر اس حدیث کا حکم یہ بیان کیا ہے

وقد قبل منه ما حدث في فضائل الأعمال. (مجمع الزوائد من الفوائد: ۳۹۴/۳) یعنی تحقیق کہ اس نے جو روایت کیا فضائل اعمال میں اس کو قبول کر لیا گیا ہے۔

(۶) درمختار: ۱۳۸/۱ شرح مستدلی ضعیف: ۲۶/۱

نسائی کا یہ طریقہ تھا کہ جس راوی کو علمائے حدیث نے بالاتفاق چھوڑ دیا ہو اس کی حدیث کو وہ نہ لیتے تھے باقی ہر قسم کی ضعیف حدیثیں لے لیتے تھے۔ اور ابو داؤد کا مذہب یہ تھا کہ وہ حدیث ضعیف کو امام مجتہد کی رائے سے افضل جانتے تھے اور یہ نسائی والو داؤد کے مصنفین صحاح ستہ کے دو امام ہیں۔

شرح سفر السعادة میں ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سب اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف قیاس اور اجتہاد پر مقدم ہے۔ تو حدیث ضعیف کی یہ شان نہیں کہ ہر طرح اس کو رد کیا کریں اور کسی موقع پر اسے قبول نہ کریں۔

شاہ ولی اللہ صاحب ”انباہ“ میں لکھتے ہیں

وورد في فضائل رجب الأحاديث بأسانيد ضعيفة لا بأس بالعمل بها فإن وجد في نفسه قوة فليعمل بها.

ماہ رجب کے فضائل کے سلسلے میں ضعیف سندوں سے کچھ حدیثیں وارد ہوئی ہیں مگر ان پر عمل میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس میں کچھ قوت پائی جائے تب تو اس پر ضرور عمل پیرا ہونا چاہیے۔

مولوی قطب الدین خان صاحب نے ”مظاہر الحق“ میں ۶ رکعت صلوٰۃ الاوائین کے بارے میں لکھا ہے

اگرچہ ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے مگر فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔ ائمہ۔

میں کہتا ہوں کہ صلوٰۃ الاوائین کی حدیث ایسی ضعیف ہے کہ جس کی بابت مشکوٰۃ میں (امام ترمذی کا قول) ہے

لا نعرفه إلا من حديث عمر بن أبي خثعم و سمعت محمد بن إسماعيل يقول هو منكر الحديث و ضعفه جدا. (۱)

یعنی اس کا پتا ہمیں صرف عمر بن ابی خثعم کی حدیث سے ملتا ہے اور میں نے محمد بن اسماعیل کو کہتے سنا کہ عمر بن ابی خثعم منکر الحدیث ہے اور انھوں نے اس کو بہت ضعیف کہا۔

تو مولوی قطب الدین خان صاحب نے شرح ملا علی قاری سے اس درجہ کی حدیث پر عمل کرنا بھی ثابت کیا ہے اور اعمال میں حدیث ضعیف کے مقبول ہونے کی بہت سی مثالیں مسائل فقہیہ میں ثابت ہیں۔ طوالت کے باعث صرف انھیں عبارات منقولہ پر اکتفا کر کے اب حدیث ضعیف کے سلسلے میں اصول حدیث اور اصول فقہ میں جو قاعدہ کلیہ بیان ہوا ہے اسے نقل کرتا ہوں کہ حدیث ضعیف کو صفات باری تعالیٰ حرام و حلال اور اعتقادات کے سلسلے میں نہیں لیا جاتا البتہ وہ معجزات احوال قیامت پند و نصیحت اور فضائل اعمال میں مقبول ہے۔ اور فضائل اعمال کے معنی شارح درمختار علامہ شامی نے یہ لکھے ہیں

کسی عمل کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے حدیث ضعیف کو لے لینا جائز ہے۔ ائمہ۔ (۲)

ضعیف پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل ایسا ہو کہ ایک عام قاعدہ شرعیہ میں داخل ہو اور شرط لگانے میں حکمت یہ ہے کہ حدیث ضعیف کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ وہ جھوٹی ہے بلکہ اس کے صادق ہونے کا بھی امکان ہے۔ تو اگر وہ حدیث ضعیف نفس الامر میں عند اللہ صحیح تھی تو اس پر عمل اچھا ہوا اور اگر نفس الامر میں ثابت نہ تھی تو اس پر عمل کرنے سے کوئی نقصان لازم نہیں آیا کیوں کہ

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۲۶۰/۱ حدیث: ۱۱۷۳

(۲) رد المحتار: ۳۳۷/۱



وہ عام شرعی قاعدہ کلیہ میں داخل ہے۔ مثلاً یہی وضو کے اعتقاد دھونے والی دعائیں جو ضعیف حدیثوں سے ثابت ہوئی ہیں اگر یہ نفس الامر میں عند اللہ صحیح ہیں تو ان احادیث کا حق ادا ہو گیا اور ثواب موعود مل گیا۔ اور یہ حدیثیں عند اللہ صحیح نہیں تو ہر عضو پر جدا جدا دعا پڑھنے سے گنہ گار بھی نہیں ہوا کیونکہ اس نے دعائی تو پڑھی ہے کوئی گناہ تو نہیں کیا اور مطلق دعا کا مانگنا شرع سے ثابت ہے۔ اور ایک ضعیف حدیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا

جس شخص کو میری طرف سے کوئی حدیث پہنچی اور اس نے اس پر عمل کیا تو اس کو ثواب ملے گا اگرچہ فی الواقع وہ حدیث میری نہ ہو۔

چنانچہ یہ مضمون فقیہ شامی نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے

(فيعمل به في فضائل الأعمال) لأنه إن كان صحيحاً في نفس الأمر فقد أعطى حقه من العمل وإلا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل ولا تحريم ولا ضياع حق للغير، وفي حديث ضعيف (مَنْ بَلَغَهُ عَنِّي ثَوَابُ عَمَلٍ فَعَمِلَهُ حَصَلَ لَهُ أَجْرُهُ وَإِنْ لَمْ أَكُنْ قُلْتُهُ) . أو كما قال . (۱)

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے جو ماہِ رجب میں ہزاری روزہ اور اس کی رات کو جانے کا حکم دیا ہے تو وہ بھی اسی قاعدہ پر مبنی ہے۔ یعنی اگرچہ دن اور رات کی یہ تخصیص ضعیف حدیث سے ثابت ہوئی لیکن مطلق روزہ رکھنا اور شب میں عبادت کرنا تو دین میں ثابت ہے۔

اسی طرح مولوی قطب الدین خان صاحب نے جو 6 رکعت ادا بین کے بارے میں لکھا ہے تو اس میں بھی یہی قاعدہ ہے یعنی اگرچہ یہ حدیث بہت ضعیف اور منکر ہے لیکن کوئی اگر اس تعینِ زمان اور تخصیصِ رکعات پر اس ضعیف حدیث کے موافق عمل کرے گا تو کچھ برائی نہ ہوگی کیوں کہ مطلق نفل کا پڑھنا تو ہر وقت جائز ہے۔

یہاں ایک اور مسئلہ سمجھنا چاہیے کہ فقہاء رحمہم اللہ حدیث ضعیف سے ثابت ہونے والے عمل کو مستحب لکھا کرتے ہیں چنانچہ اسی صلوٰۃ الاوائین کو حدیث منکر ہونے کے باوجود فقہاء مستحب اور مندوبات میں لکھتے ہیں۔ اسی طرح وضو میں گردن کا مسح حدیث ضعیف سے ثابت ہوا ہے مگر اس کو بھی مستحب لکھتے ہیں۔ اور ماہِ رجب کے روزے کو ”فتاویٰ عالمگیری“ میں مرغوبات و مندوبات کے ذیل میں لکھا ہے۔

جب یہ قواعد و فوائد ذہن نشین ہو گئے تو اب ہم فقہاء و محدثین کے اس قاعدہ مقررہ کو اس تنازع فیہ مسئلہ (یعنی روحوں کے آنے) میں جاری کر کے دکھاتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ہماری پہلی گفتگو یہ ہے کہ وہ جو فاضل مذکور نے لکھا ہے کہ بعض محدثین نے روحوں کے آنے والی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ بعض محدثین کے ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ کل کے نزدیک ضعیف ہو۔ ملا علی قاری وغیرہ لکھتے ہیں

لا احتمال أن يكون الحديث موضوعاً من طريق صحيحاً من آخر . (۲)

(۱) رد المحتار: ۳۴۷/۱

(۲) جس محدث نے کسی حدیث کو موضوع کہا ہے اس کو خراب اسناد سے پہنچی ہے اس لیے وہ موضوع کہتا ہے اور دوسرا محدث جو اس کو پسند کرے تو اس کے

نزدیک اچھی اسناد سے ثبوت ہوا ہے ۱۲ منہ رحمہ اللہ

تو اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ چونکہ صاحب ”خزانة الروایات“ نے روحوں کے آنے کی یہ حدیثیں اپنے فتاویٰ میں درج فرمائیں جن کی سند اسی فاضل نے اپنی تصنیفات میں لی ہے (اور اس کے فضائل کئی وجہوں سے ہم اوپر بیان کر آئے ہیں) تو ضرور یہ بات ان کی صحت و قوت اور مفتی بہ ہونے پر دلیل ہے۔ مفتیانِ دین کا ایک حدیث کو لے لینا قوت کی دلیل ہوتی ہے۔ اور اگر بالفرض ہم اس فاضل کے کہنے کے مطابق ان احادیث کا ضعیف ہونا تسلیم کر لیں تو فروع مسائل اور فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا فقہاء و محدثین سے بالاتفاق اور بالا جماع ثابت ہے لہذا جو آدمی ان حدیثوں پر عمل کرے کہ کچھ صدقہ اور فاتحہ و درود تیاروں میں کرے تو بلاشبہ یہ کام جائز بلکہ مستحب ہوگا اس لیے کہ اگر واقعی وہ روحیں آئی تھیں تو سبحان اللہ اصل مدعا ثابت ہوا کہ وہ خوش و خرم گئیں اور اگر وہ بد دعا کرتیں تو یہ آدمی ان کی بد دعا سے بچ گیا اور اس کو ثواب پہنچ گیا۔ اور اگر بالفرض روحیں آتی نہیں تو بھی یہ صدقہ اور فاتحہ و درود تو ان کو پہنچ ہی جائے گا ان کا پہنچ جانا تو اہل سنت و جماعت کے نزدیک اصل قاعدہ شرعی سے ثابت ہے لہذا اس بنیاد پر تیاروں میں صدقہ اور فاتحہ و درود کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ مستحب کہنا چاہیے اس کی چند نظیریں فقہاء کے کلام سے ملوۃ الاوائین گردن کا مسح اور رجب کے روزے کے حوالے سے ہم پیش کر چکے ہیں اس کے علاوہ بھی کتب فقہ میں اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں جس کی نظر متون و شروح اور فتاویٰ پر ہے اس سے یہ مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ دلوں میں انصاف دے۔ آمین

یارب العالمین۔

لحمہ راجعہ نتیجہ کا طریقہ

اس عمل میں پانچ چیزیں ہیں کلمہ طیبہ پڑھنا، شمار کے لیے دانہ ہارے خود کا معین کرنا، ختم قرآن کرنا، برادری اور دوست آشناؤں کا قرآن اور کلمہ پڑھنے کے لیے جمع ہونا اور اس کام کے لیے تیسرا دن ٹھہرانا۔

پہلی چیز: کلمہ طیبہ کا اختیار کرنا اس لیے ہوتا ہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے

لا إله إلا الله مفتاح الجنة . (۱)

امام ابواللیث سمرقندی نے حضرت انس سے روایت کی ہے

عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قيل له يا

رسول الله، هل للجنة ثمن قال نعم لا إله إلا الله . کیا جنت کی کچھ قیمت بھی ہے؟ فرمایا ہاں! کلمہ لا إله إلا الله۔

جب یہ معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ جنت کی کنجی اور اس کی قیمت ہے تو ثواب پہنچانے کے لیے ایسی چیز نہایت درجہ بہتر و افضل ہے۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے

جو کوئی میت کی نیت سے ایک لاکھ بار لا إله إلا الله پڑھے اور اس کا ثواب میت کو بخش دے تو اگر وہ عذاب دیے جانے کے قابل بھی ہوگا تو اسے عذاب نہ دیا جائے گا اور اگر قابل عذاب نہ ہوگا تو اس کے درجات بلند کر دیے جائیں گے۔

(۱) صحیح بخاری: ۳۵۶/۳۰، مسند ابی داؤد: ۲۲۱/۱، حدیث: ۲۰۷۰، مسند

مسند بزار کے الفاظ یوں ہیں: مفتاح الجنة شهادة أن لا إله إلا الله . (بجز خار مسند بزار: ۱۳۵/۷، حدیث: ۲۲۱۰)



اور ایک روایت میں 70 ہزار بار لا الہ الا اللہ کا پڑھنا آیا ہے۔ (۱)  
چنانچہ بزرگان دین اس پر عمل پیرا بھی رہے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات کی جلد ثانی میں حکم فرماتے ہیں

یہ یاران و دوستان فرماید کہ ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ بروحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق و مرحوم خواجہ محمد صادق اور ان کی مرحومہ بہن ام کلثوم کے ایصال بروحانیت مرحومہ ہمشیرہ او ام کلثوم بخوانند و ثواب ثواب کے لیے 70 ہزار بار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پڑھیں۔ اور ہفتاد ہزار بار بروحانیت یکے بخشد و ہفتاد ہزار بار ایک بار 70 ہزار ایک کے ایصال ثواب کے لیے اور دوسری بار دیگر بروحانیت دیگرے از دوستان دعا و فاتحہ مستول 70 ہزار دوسرے کے ایصال ثواب کے لیے بخشیں، کیونکہ دوستوں ہی سے دعا و فاتحہ کی امید کی جاتی ہے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس باب میں ایک قصہ منقول ہے جس کو مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اپنی کتاب ”تذیر الناس“ مطبوعہ بریلی کے صفحہ ۴۰ پر لکھا ہے

حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ یا 75 ہزار بار کلمہ پڑھا تو یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی۔ بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں تو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھے حدیث سے معلوم ہوئی اور اس حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی۔ اٹھیں۔

دیکھیے ان روایات احادیث اور سلف صالحین کے دستور العمل سے کلمہ طیبہ کی تخصیص عمدہ طور پر ظاہر ہوگئی لہذا اسے بدعت و ضلالت کہنے کی تردید ہوگئی۔

**دوسری چیز:** دانہ خود کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ دانہ خود اگر چھوٹا بڑا نہ ہو متوسط ہو پہلے کے وزن سے کہ وہ اسی روپے سے زیادہ تھا تو ساڑھے بارہ سیر خود از روئے شمار ایک لاکھ دانہ ہو جاتا ہے۔ اس عاجز نے بھی اس کو آزمایا ہے اور مولف براہین قاطعہ نے بھی صفحہ ۸۹ کی سولہویں سطر میں اس کی تصدیق کی ہے اور یہ لکھا ہے

فی الواقع اول میں دانہ خود کے اختیار کی یہی وجہ تھی۔ الی آخرہ۔

اور حدیث کے دو شمار 70 ہزار اور ایک لاکھ کے مطابق احتیاطاً سو ہزار یعنی ایک لاکھ پر عمل مقرر کیا گیا اور ہر کسی کی اتنی قدرت نہ تھی کہ اس قدر تسبیحیں جمع کرتا یا جنگل اور بازار وغیرہ سے جامن یا کھجور وغیرہ کی گٹھلیاں چنتا اور جا بجا سے سیٹھتا پھرتا، خود میں یہ فائدہ ہوا کہ سہل الحصول ہیں جہاں سے چاہا جس نے چاہا بے تکلف مول لے لی اس میں شمار کی شمار بھی قائم رہی اور فراغت اور کام

(۱) من قال لا الہ الا اللہ سبعین الفا غفر اللہ تعالیٰ لہ و من قبل لہ غفر لہ ایضا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۳۹۹/۲)

ختم ہو جانے کے بعد ان کو تقسیم بھی کر دیا یہ دوسری منفعت حاصل ہوگی کہ اس کا ثواب بھی میت کو پہنچ گیا، اور اس قسم کے تعینات سے ممانعت اور کراہت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم سے اس حدیث کی روایت بطولہ ثابت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا کہ گٹھلیاں یا کنکریاں لیے ہوئے ذکر اللہ شمار کر رہی تھی (مگر آپ نے اس کو منع نہ فرمایا) (۱)

اس قدر ثبوت سے فقہار جمہم اللہ نے یہ مسئلہ نکال لیا کہ

لا بأس باتخاذ السبحة. (۲)

تسبیح ہاتھ میں لیے رہنے میں کوئی حرج نہیں۔

حالانکہ کنکریوں اور گٹھلیوں کی کتنی اور تسبیح میں بڑا فرق ہے، یعنی دانوں کا گول کرنا، پھر دانے بھی عقیق یمن کے عقیق البحر کے صندل زیتون سنگ مقصود اتھوان شتر شیشہ و خاک شفا وغیرہ کے ہوتے ہیں ان میں سوراخ کرنا پھر ان کے شمار سودا نے پر رکھنا پھر ان میں تاگا پروتا، ان میں ایک دانے کو سب دانوں کا امام مقرر کرنا، یہ سب امور مسلم الثبوت اور اہل اسلام کے عمل میں ہیں حالاں کہ ثبوت صرف کنکریوں پر شمار کرنے کا ہوا ہے مگر ان فروعات زائدہ کے جواز پر صاحب بحر الرائق، حلیہ اور علامہ شامی اس طرح اشارہ کرتے ہیں

لا تزيد السبحة علی مضمون هذا الحديث

تسبیح میں اس حدیث کے مضمون سے کوئی بات زیادہ نہیں، سو اس کے کہ گٹھلیاں ایک تاگے میں پروئی ہوئی ہیں اور ممنوع ہونے میں ایسی باتیں کوئی تاثیر نہیں رکھتیں۔

اب دیکھیے ضم النسوی فی الخیط کا لفظ لکھ کر تسبیح کی جملہ تخصیصات و تعینات (جوا پر بیان ہوئیں) کی طرف فقہاء اشارہ کر گئے۔ بقولہم مثل ذالک۔ الی آخرہ۔ یعنی ایسی باتوں کو منع میں کچھ دخل نہیں کیونکہ تسبیح سے مقصود ذکر کا شمار ہے اور شمار ذکر کا جواز حدیث سے پایا گیا۔ تو اب دانہ ہائے خود پر شمار کرنا بھی فقہاء کے نکالے ہوئے قاعدہ شرعیہ کی روشنی میں جائز ہوا، بلکہ تسبیح کے مقابلہ میں دانہ ہائے خود کے شمار کو حدیث میں مذکور قصہ سے زیادہ مشارکت ہے، کیونکہ (اس کے مقابلے میں) تسبیح کے اندر بہت سی زائد قیدیں ہیں (جیسا کہ ہم ذکر کر آئے)۔

**تیسری چیز:** قرآن کا پڑھنا ہے۔ جو لوگ قرآن خوانی کو منع کرتے ہیں وہ دو ایک علماء کی عبارتیں پیش کرتے ہیں اور اسے نہایت متحکم جان کر اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں۔

(۱) متن حدیث: عن عائشة بنت سعد عن أبيها أنه دخل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على امرأة و بين يديها نوى أو حصي تسبح

سنن داؤد: ۲۹۷/۳۴ حدیث: ۱۲۸۲، سنن ترمذی: ۲۸۳/۱۱۱ حدیث: ۳۳۹۱، مشکوٰۃ المصابیح: ۲۱/۲ حدیث: ۲۳۱۱، مستدرک: ۲۵/۵ حدیث: ۱۹۶۷، شعب

الایمان: ۱۶۶/۲ حدیث: ۶۲۳، مسند ابویعلیٰ موصلی: ۱۹۰/۲ حدیث: ۶۸۳، مسند بزار: ۴۸۱/۳ حدیث: ۱۰۷۱، الدرعا طبرانی: ۳۹۶/۳ حدیث: ۱۶۳۲،

الدعوات الکبیر: ۲۸۹/۱ حدیث: ۲۵۷، مسند سعد بن ابی وقاص: ۸۲/۱ حدیث: ۴۷، کنز العمال: ۲۰۴۳، مسند الجائع: ۱۸۹/۱۳ حدیث: ۳۹۵۵،

تخمة الأشراف: ۲۶۶/۵ حدیث: ۳۹۵۵

(۲) بحر الرائق: ۱۵۴/۳



پہلی سند: یہ ہے کہ ”سیف السنہ“ کے صفحہ ۱۲ پر ”سفر السعاده“ کی عبارت اس طرح نقل کی ہے  
 عادت نبوی نہ بود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ نہ تھی کہ مردوں کے  
 خواند و ختمات خوانند نہ بر سر گور نہ غیر آں دریں مجموع لیے جمع ہو کر قرآن خوانی اور ختم قرآن کریں نہ تو قبر کے پاس  
 بدعت است۔ انتہی۔ اور نہ کہیں اور ہی تو اس طرح کی چیزیں بدعت ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے جنازوں کی نماز بذات خود پڑھتے تھے اور یہ نماز ان کی نجات کے لیے کافی ہوتی  
 تھی۔ فتح القدیر میں ابن حبان اور حاکم سے روایت کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی تم میں مرجایا کرے مجھ کو  
 ضرور خبر کیا کرو فلان صلوتی علیہ رحمة۔ بے شک میرا نماز پڑھنا اس پر رحمت ہے اور یہ قرآن شریف سے بھی ثابت ہے اللہ  
 تعالیٰ نے فرمایا

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ (۱)

اور ان کے حق میں دعاے خیر کرو بے شک تمہاری دعا

ان کے دلوں کا چین ہے۔

اس کی تفسیر ابن عباس نے یہ کی ہے کہ ان لوگوں پر دعا کیجئے بے شک آپ کی دعا ان کے لیے رحمت ہے۔  
 امام رازی نے ”تفسیر کبیر“ میں لکھا ہے

روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت قوی نورانی اور روشن تھی جب آپ ان کے لیے دعاے خیر کرتے تھے تو آپ کی قوت  
 روحانی سے ان کی روحوں پر فیضان ہوتا تھا اس پر تو نورانی سے ان کی روحوں چمک جاتی تھیں اور ظلمت مٹ کر  
 نورانیت آجاتی تھی۔ انتہی۔ (۲)

ظاہر ہے کہ نماز جنازہ میں میت کے واسطے دعا ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا حال قرآن قول صحابی اور تفسیر امام  
 نیز حدیث سے معلوم ہو چکا کہ اس میں کیا کچھ مقبولیت اور فیضان الہی ہے۔ ہم اپنے موتی پر جس قدر چاہیں ختم قرآن کریں کلمہ اور  
 فاتحہ و ردود پڑھیں لیکن اس ایک دعا کی برابری (جولب ہاے سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مقبولیت و محبوبیت کے ساتھ نکلتی  
 تھی) نہیں ہو سکتی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے علاوہ اور طرح بھی مشکل کشائی فرماتے تھے۔

حضرت جابر فرماتے ہیں

جب سعد ابن معاذ دفنائے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا ہم بھی آپ کے ساتھ دیر تک  
 وہی پڑھتے رہے پھر آپ نے اللہ اکبر پڑھا ہم بھی پڑھتے رہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سبب پوچھا گیا تو  
 آپ نے فرمایا اس کو قبر نے دبا لیا تھا اس تسبیح و تکبیر کی برکت سے اس پر قبر ہر طرف سے فراخ ہو گئی۔

یہ امام احمد کی روایت ہے اور مشکوٰۃ میں بھی ایسا ہی ہے۔ (۳)

(۱) سورۃ توبہ: ۱۰۳/۹

(۲) تفسیر رازی: ۱۳۱/۸

(۳) دلائل النبوة: ۸۱/۴ حدیث: ۱۳۷۷۷ مشکل الآثار: ۷۹/۱۷۹ حدیث: ۳۵۲۸ البدایہ والنہایہ: ۱۲۴/۳۰ الفاظ حدیث یہ ہیں <<

بھلا جہاں اس طور پر مشکل کشائی اور دستگیری ہوتی ہو اگر وہاں ختم قرآن نہ کیا تو کیا حرج ہے؟ (اور پھر اگر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فل کر قرآن نہ پڑھا تو کیا قبر پر میت کے لیے فل کر اللہ تو کیا۔ فقہاء کے نزدیک جواز کے لیے بس ایک اشارہ کافی ہوتا ہے۔

اگر بالفرض عہد نبوی میں نہ پائے جانے کے سبب ختم قرآن کو ”سفر السعاده“ کے قول کی طرح بدعت کہیں تو اس میں کوئی  
 مضائقہ نہیں لیکن وہ بدعت حسنہ ہے اسے ناجائز و مکروہ کہنا ہرگز صحیح نہیں۔ کیوں کہ بہتیرے نیک کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد  
 کیے گئے اور بالاتفاق جائز رکھے گئے اسی کا نام علمائے دین نے بدعت حسنہ رکھا ہے۔ ہم پہلے بھی اس کی تحقیق کر چکے ہیں مگر اس  
 مسئلہ کے کچھ خاص جزئیے یہاں بھی پیش کرتے ہیں۔

فتاویٰ قدیہ میں ہے

وضع اليد علی القبر بدعة و القراءة علیہ  
 قبر پر ہاتھ رکھنا تو بدعت ہے مگر صاحب قبر کے لیے کچھ  
 بدعة حسنة۔ پڑھنا بدعت حسنہ ہے۔

جہ الاسلام امام غزالی نے ”احیاء العلوم“ میں فرمایا ہے

لا بأس بقراءة القرآن علی القبر  
 قبروں پر قرآن کریم کی تلاوت میں کوئی حرج نہیں۔  
 اس جگہ امام مالک نے ایک عجیب قصہ لکھا ہے۔ علی بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں ایک جنازہ پر امام احمد بن حنبل کے ساتھ تھا دفن  
 کے بعد ایک اندھا قرآن پڑھنے لگا امام احمد نے فرمایا: اؤ آدمی یہ کام بدعت ہے۔ جب ہم مقبرہ سے نکلے تو محمد بن قدامہ نے امام  
 احمد سے پوچھا کہ آپ بشر بن اسماعیل کو کیسا جانتے ہیں فرمایا وہ ثقہ یعنی معتبر ہیں۔ انھوں نے پوچھا آپ نے ان سے کچھ علم  
 سیکھا ہے؟ امام نے فرمایا ہاں جب ان کے اقرار سے معلوم ہوا کہ وہ امام احمد کے استاد ہیں تب محمد بن قدامہ بولے کہ مجھ کو خبر دی بشر  
 بن اسماعیل نے اور ان کو عبد الرحمن سے یہ خبر پہنچی کہ جب ان کے باپ علان الحاج کا انتقال ہوا تو انھوں نے وصیت فرمائی کہ جب  
 میں دفن کیا جاؤں تو میری قبر کے سر ہانے پنج آیت اور آسن الرسول پڑھو۔ اور یہ کہا کہ میں نے ابن عمر کو سنا ہے کہ وہ بھی اس بات کی  
 وصیت کیا کرتے تھے۔ اس وقت امام احمد نے فرمایا کہ مقبرہ میں جاؤ اور اس اندھے کو کہہ دو کہ قرآن پڑھتا رہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے

فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم على قبره وهو يدفن، فبينما هو جالس إذ قال: ”سبحان الله“ مرتين، فسبح القوم  
 ثم قال ”الله أكبر الله أكبر“ فكبر القوم ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عجبت لهذا العبد الصالح شدد عليه في  
 قبره حتى كان هذا حين فرج له.

مسند احمد بن حنبل: ۲۹/۲۹۳ حدیث: ۱۳۳۳۳ مشکوٰۃ المصابیح: ۲۹/۱ حدیث: ۱۳۵ مسند جامع: ۱۹/

۳۸۲ حدیث: ۲۹۹۰۔ ان کتابوں کے الفاظ حدیث ذرا مختلف ہیں

عن جابر بن عبد الله الأنصاري قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمنا إلى سعد بن معاذ حين توفي قال: فلما صلى  
 عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ووضع في قبره وسوي عليه، سبّح رسول الله صلى الله عليه وسلم فسبحنا طويلاً ثم كبر  
 فكبرنا فقبل: يا رسول الله لم سبّحت ثم كبرت؟ قال: لقد تصابق على هذا العبد الصالح قبره، حتى فرج الله عز وجل عنه



قراءة القرآن عند القبور عند محمد  
رحمة الله تعالى لا تكروه و مشائخنا رحمهم الله  
تعالى أخذوا بقوله و هل ينتفع و المختار أنه ينتفع  
هكذا في المضمرة (۱)  
فتح القدير میں ہے

و اختلف في إجلال القارئ ليقراء عند  
القبور و المختار عدم الكراهة (۲)  
مولوی اٹحق صاحب نے ”مائۃ مسائل“ کے سوال ہشتاد و سوم (۸۳) میں لکھا ہے

حافظ را برائے قراءت قرآن نشانند نزد قبر دریں مسئلہ  
علماء را اختلاف است مختار ہمیں است کہ جائز است۔ الی آخرہ۔  
تو اگرچہ صاحب سفر السعاده نے قرآن خوانی کو بدعت لکھا مگر امام احمد بن حنبل اور کتب فتاویٰ نیز مولوی اٹحق صاحب  
کے کلام سے خوب ثابت ہو گیا کہ قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں نہ جمع ہو کر نہ الگ الگ۔ اور میت کو اس سے نفع ہوتا ہے۔  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم قرآن نہ کرنے سے منع اور کراہت لازم نہیں آتی اس لیے کہ آپ زیادہ تر افکار جہاد امت کی  
اصلاح اور نو آموز مسلمانوں کی تعلیم و ترتیب وغیرہ میں مصروف رہتے تھے اس قدر فرصت کہاں پاتے تھے۔ اور پھر یہ بھی کہ آپ  
کی ایک دعا اور صرف نماز جنازہ پڑھ دینا ہی ہمارے ختمات قرآن اور اجتماعات اذکار سے کہیں زیادہ افضل و اکمل ہوتا تھا۔  
اور آپ کے بعد انصار نے اموات پر قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور ان کے پیچھے تمام امت میں رائج ہو گیا (اس کا بیان بس آیائی  
چاہتا ہے) تو قبر پر قرآن پڑھنے کی یہ روایتیں تو ہم نے بیان کر دیں اب قبر کے علاوہ اور جگہ جمع ہو کر اگر پڑھیں تو اس کا کیا حکم  
ہے؟ اس کو ہم مانعین کی دوسری سند میں بیان کریں گے۔

دوسری سند

مانعین اپنے رسائل میں ”نصاب الاحساب“ کی عبارت نقل کرتے ہیں  
إن ختم القرآن جهرًا بالجماعة و يسمى  
بالفارسية سياره خواندن مکروہ۔ انتہی۔  
فارسی سياره میں پڑھنا کہتے ہیں (مکروہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کے اندر امام کی قراءت سننا اور اس وقت چپ رہنا تو بالاتفاق فرض ہے۔ لیکن اگر خارج نماز کسی  
جگہ قرآن پڑھا جاتا ہو تو اس کے سننے اور سامعین کے خاموش رہنے میں اختلاف ہے بعض اس میں بھی چپ رہنے کو فرض کہتے ہیں  
جب کہ بعض مستحب۔ جو علماء مستحب کہتے ہیں ان کے نزدیک اکٹھا ہو کر بلند آواز سے قرآن پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جو فرض  
کہتے ہیں ان کے نزدیک جائز نہیں۔

فتاویٰ قیہ میں ہے

يكره للقوم أن يقرأ القرآن جملة لتضمنها  
ترك الاستماع و الإنصات المأمور بها كذا في  
فتاویٰ ابي الفضل الكرماني و قيل لا بأس به كذا  
روي عن الأئمة الكبريا و عن نجم الأئمة  
الحکیمی۔  
لوگوں کے لیے ایک ساتھ مل کر قرآن پڑھنا مکروہ ہے  
کیوں کہ اس میں قرآن کا سننا نہیں پایا جاتا اور اس موقع  
پر خاموش رہنے کا حکم ہے۔ فتاویٰ ابوالفضل کرمانی میں یوں ہی  
ہے۔ اور عین الأئمة کرباسی اور نجم الأئمة حکیمی کی روایت کے  
مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔

جواز اور عدم جواز کی یہ دونوں روایتیں شرح منیہ میں حلبی اور دوسرے فقہانے بھی روایت کی ہیں۔ ان روایتوں سے  
دفعہ حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ علمائے سلف میں جو لوگ منع کرتے ہیں انھوں نے (اس کی ممانعت پر) وہ دلیل قائم نہیں فرمائی جو اس  
زمانہ کے مانعین قائم کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قرآن جمع ہو کر نہیں پڑھا گیا اس لیے منع ہے۔ بلکہ یہ دلیل بیان کی  
ہے کہ جب سب پکار کر پڑھیں گے تو قرآن شریف کا سننا جو فرض ہے وہ ترک ہو جائے گا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جن عالموں نے منع کیا تو انھوں نے جبر سے پڑھنے کو منع کیا ہے چنانچہ ”نصاب الاحساب“ کی عبارت  
میں بھی (جس کو مانعین بطور سند لاتے ہیں) لفظ جبر صراحتاً موجود ہے پھر یہ صاحب علی العموم ختم قرآن کو کیوں منع کرتے ہیں؟ یہ  
بھی فرمائیں کہ پکار پکار کر نہ پڑھیں تاکہ بالاتفاق جائز ہو اور اگر پکار کر پڑھیں گے تو بعضوں کے نزدیک جائز ہوگا بعضوں کے  
یہاں نہیں۔ چنانچہ صاحب خزائن الروایات نے ”مفيد المستفيد“ سے یہ فیصلہ نقل کیا ہے

بدیں عبارت در سپارہ خواندن اختلاف است اگر  
خواند چنان خواند کہ یک دیگر نشوند۔  
اس عبارت میں سپارہ پڑھنے کے سلسلہ میں اختلاف  
ہوا ہے وہ اگر پڑھیں تو اس طرح پڑھیں کہ کوئی دوسرا نہ سنے۔

مولوی اٹحق صاحب خاص ”مائۃ مسائل“ میں تراسیویں سوال کے جواب میں لکھتے ہیں  
حافظ را برائے قراءت قرآن نشانند نزد قبر دریں  
مسئلہ علماء را اختلاف است مختار ہمیں است کہ جائز است  
سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے مگر مختار یہی ہے کہ ایسا درست  
ہے۔ ہاں ایسے موقع پر بلند آواز سے نہیں پڑھنا چاہیے۔  
بشرطیکہ بہ آواز بلند جمع شدہ قراءت نہ کنند۔ انتہی۔

خلاصہ یہ کہ جمع ہو کر اگر آہستہ قرآن پڑھیں خواہ قبر پر یا غیر قبر پر تو یہ کسی کے نزدیک منع نہیں۔ دیکھیے قرآن کا ایک جگہ جمع  
ہو کر پڑھنا حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔ امام مسلم نے روایت کی ہے کہ

جس گھر میں لوگ اس لیے جمع ہوتے ہیں کہ آپس میں کلام اللہ کی تلاوت کریں تو ان کے دلوں میں طمانینت و قرار  
اُترتا ہے رحمت انھیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اور ان کے گرد اگر درشتے پھرتے رہتے ہیں۔ (۱)

(۱) متن حدیث: ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ و یتدارسونہ بینہم الا نزلت علیہم السکینۃ و غشیتہم  
الرحمة و خفتہم الملائکۃ۔



تو یہ کیسی عظیم و جلیل فضیلت و سعادت ہے۔

علاوہ ازیں قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ ”تذکرۃ الموتی والقبور“ میں لکھتے ہیں

حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد گفتہ از قدیم در ہر شہر  
مسلمانان جمع می شوند برائے اموات قرآن می خوانند پس  
حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم  
ہی سے ہر شہر میں مسلمان اکٹھا ہو کر مردوں کے لیے قرآن کریم  
کی تلاوت کرتے ہیں تو گویا کہ اس پر اجماع ہو گیا ہے۔

کتب عربیہ میں اس کی عبارت یوں ہے

يجتمعون و يقرءون القرآن لموتاهم من غير  
نكير فكان ذلك اجماعا .  
پڑھتے ہیں۔ تو اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

”غیر نکیر“ کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ پہلے اس میں کوئی اختلاف نہ کرتا تھا۔

ملا علی قاری، امام سیوطی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی لکھتے ہیں

عن سفیان قال كان الأنصار إذا مات لهم  
الميت اختلفوا إلى قبره و يقرءون القرآن .  
حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ جب انصار کسی کا انتقال  
ہوتا تو وہ اس کی قبر پر قرآن پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔

علامہ عینی شرح ہدایہ کے ”باب الحج عن الغير“ میں لکھتے ہیں

إن المسلمين يجتمعون في كل عصر و  
زمان و يقرءون القرآن و يهدون ثوابه لموتاهم و  
ہر دور اور زمانے میں مسلمان قرآن پڑھنے کے لیے جمع  
ہوتے رہے ہیں جس کا ثواب وہ اپنے مردوں کو ہدیہ کر دیتے

علیٰ هذا أهل الصلاح و الديانة من كل مذهب من  
المالكية و الشافعية وغيرهم و لا ينكر ذلك منكر  
۔ اسی لیے مذہب مالکی و شافعی وغیرہ میں سے کوئی بھی اہل  
دیانت و فراست اس کا منکر نہیں، گویا اس پر اجماع

فكان إجماعا. انتہی!

ان روایات سے یہ معلوم ہو گیا کہ مذاہب اربعہ اہل سنت و جماعت کے تمام علمائے دین دار محقق اور صلحا ہر شہر میں عہد قدیم ہی  
سے جمع ہو کر مردوں کے لیے قرآن پڑھتے رہے ہیں اور ان پر کوئی انکار بھی نہیں کرتا تھا۔ مطلب یہ کہ کوئی بڑا محقق اور مستند عالم کہ

جس کا انکار انکار شمار کیا جائے ایسا کوئی نہیں جو اسے منع کرتا ہو۔ اور اگر کم درجہ کے علماء میں سے کسی نے انکار کیا تو اس کی تردید ہوئی  
اور اس کے قول پر عمل نہیں ہوتا تھا۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا باجماع و اتفاق اسی پر عمل رہا ہے کہ قرآن جمع ہو کر

پڑھنا جائز ہے چاہے قبر پر پڑھا جائے یا کسی اور جگہ۔

**چوتھی چیز:** عزیزوں اور دوست آشناؤں کا کلمہ و قرآن پڑھنے کے لیے اکٹھا ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک لاکھ کلمہ وارث

صحیح مسلم ۱۱۲/۱۳: حدیث: ۲۸۶۷: سنن ابوداؤد: ۲۲۸/۳: حدیث: ۲۲۸۱: سنن ابن ماجہ: ۲۱/۱: حدیث: ۲۲۱: مشکوٰۃ المصابیح: ۳۳۱/۱: حدیث: ۲۰۳: مستدرک  
۱۵۹/۱۵: حدیث: ۱۱۸: شعب الایمان: ۳۰۹/۳: حدیث: ۱۶۳۶: سنن داری: ۳۹۵/۱: حدیث: ۳۶۳: اخلاق جملۃ القرآن آجری: ۲۵/۱: حدیث: ۲۰: ابوالی

ابن بشران: ۲۱۶/۲: حدیث: ۶۷۴: کنز العمال: ۵۱۸/۱: حدیث: ۲۳۱۶: مستدرک جامع: ۱۵۷/۳۳: حدیث: ۱۳۰۹۵: تحفۃ الاشراف: ۲۹۳/۱۱: حدیث: ۱۳۵۰

میت پڑھ نہیں سکتا اور اگر کوئی ہمت بھی کرے گا تو مدتوں میں تمام ہوگا اور یہاں میت کا کام ابھی تمام ہوا جاتا ہے اس کے حق  
میں جلدی چاہیے لہذا ضروری ہوا کہ ایسی حالت میں دوست آشناؤں میت کی مدد کریں کہ ان کے ساتھ مل کر جلد ہی کام تمام  
کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ . (۱)

نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔  
نیز یہ بھی ہے کہ جب وارثان میت نے یہ جلسہ ذکر منعقد کیا تو جس قدر مومنین نیکیوں کے طلب گار ہیں سب کا اس میں شریک

ہونا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق خیر و سعادت کا باعث ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِذَا مَرَزْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعَوْا . (۲)  
جب تم جنت کی کھدائیوں سے گزرو تو اس سے کچھ چر لیا کرو۔

چرنے سے مراد ہے کہ پیٹ بھر کر ثواب حاصل کر لو۔ لوگوں نے پوچھا کہ بہشت کے باغات اور سبزہ زار کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا۔

جہاں ذکر کرنے والوں کی جماعتیں حلقہ مارے بیٹھی ہیں۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس جلسہ میں جو قرآن اور کلمہ پڑھا جاتا ہے یہ ذکر اللہ ہے یا نہیں؟ اگر کہتے ہو نہیں تو کیا گل بکاؤلی اور  
فسانہ عجائب ذکر اللہ ہوگا اور اگر کہو کہ ہاں یہ مجلس، مجلس ذکر ہے تو ہم کہیں گے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ

جلس باغ اور سبزہ زار جنت ہے پھر اس میں چرنے سے منع کیوں کرتے ہو؟

اوپر گزرا کہ اہل اسلام کا بلا کسی انکار کے اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ مسلمان جمع ہو کر میت کے لیے پڑھیں تو یہ اجماع  
ثابت الاصل ہے اور اس کو حدیث جریر بن عبد اللہ کے مطابق ”ممنوع اجتماع إلى أهل المية“ میں داخل کرنا عقل و فہم سے

بہت دور ہے۔

انسوس ایک وہ لوگ تھے کہ کسی چیز کو کمزور سمجھتے ہوئے اگر اس میں کچھ خیر و بہتری نظر آتی تو اس خیر کے باعث اس کی کراہت  
سے چشم پوشی کر لیتے تھے۔ (آپ دیکھیں کہ) عید گاہ میں عید کی نماز کے بعد نفل پڑھنا ممنوع ہے۔ اور حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ

نے ایک شخص کو عید گاہ میں نفل پڑھتے دیکھا مگر اسے منع نہ فرمایا۔ لوگوں نے عرض کی یا امیر المومنین! آپ اس آدمی کو منع نہیں فرماتے  
آپ نے جواب دیا کہ مجھ کو خوف آتا ہے کہ کہیں میں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جن کو اللہ تعالیٰ نے جھڑکا ہے

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا إِذَا صَلَّى . (۳)  
بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔

حضرت علی کا یہ قصہ در مختار اور فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے اور در مختار میں اس مقام پر یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ عید گاہ  
کے رستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ نماز کے بعد نفل پڑھے پھر یہ لکھا

(۱) سورہ مائدہ: ۲۵

(۲) سنن ترمذی: ۱۱۲/۱۱: حدیث: ۳۳۳۱: مشکوٰۃ المصابیح: ۱۶۰/۱: حدیث: ۲۹: سنن نسائی: ۱۱۲/۱۱: حدیث: ۳۳۳۱: مستدرک احمد: ۱۱۱/۲۵: حدیث: ۱۲۰۶۵: مستدرک ابی  
شیخ: ۱۱۱/۲۵: حدیث: ۱۲۰۶۵: شعب الایمان: ۳۰۹/۳: حدیث: ۹۹۲: حدیث: ۵۵۷: مستدرک ابی یعلیٰ موصی: ۳۵۲/۲: حدیث: ۳۳۳۸: مستدرک حیدری: ۳۵۲/۲: حدیث: ۳۳۳۸

(۳) سورہ معلق: ۱۰۹/۹۲



أما العوام فلا يُمنعون من تكبير و لا تنفل  
مگر عوام نیکوں میں کم دلچسپی لینے کی وجہ سے تکبیر اور نماز  
عید کے بعد نفل سے نہیں روکے جائیں گے۔

أصلاً لقللة رغبتهم في الخيرات . (۱)

فقیہ شامی نے اس کی شرح یوں لکھی ہے

لا سرا ولا جهرا في التكبير و لا قبل الصلوة بمسجد أو بيت أو بعلها بمسجد في النفل . (۲)

ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ عام آدمیوں کو عید کے دن تکبیر سے منع نہ کیا جائے خواہ زور سے کہیں یا آہستہ اور نفلوں  
سے بھی منع نہ کریں خواہ قبل نماز عید پڑھیں یا بعد مسجد میں پڑھیں یا اپنے گھر میں اس لیے کہ عام آدمی تو یوں ہی حسنت و خیرات کی  
طرف رغبت نہیں رکھتے تو وہ جس طرح بھی خدا کا نام لے لیں غنیمت ہے۔

اب دیکھیے کہ صحابہ کا بھی وہ ایک دور تھا کہ حضرت علی نے یہ خیال فرمایا کہ اگرچہ کراہت کی صورت اس نماز میں پائی جا رہی ہے  
کہ عید کی نماز کے بعد عین عید گاہ ہی میں نماز پڑھنا طریقہ سنت کے خلاف ہے لیکن پھر بھی یہ فعل خیر ہی تو ہے اللہ تعالیٰ کی یاد کر رہا ہے  
اور اس کی حضوری میں ہے منع نہ فرمایا، منع کرنے میں خوف الہی محسوس کیا اور کیوں نہ کرتے کہ اللہ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جن کے  
دلوں میں خوف الہی ہوتا ہے۔ اور ایک یہ بھی دور ہے کہ کسی معین دن میں برادران اسلام کے اجتماع کو (کچھ لوگ) اپنے خیال میں  
مکروہ جان کر کلمہ و قرآن سے منع کرنے میں بھی خدا سے ڈرائیں ڈرتے۔

**پانچویں چیز:** تیسرا دن معین کرنا۔ تو واضح ہو کہ کسی خاص مصلحت کی وجہ سے کسی دن کا متعین کر لینا شریعت میں وارد ہوا ہے۔  
شقیق رحمۃ اللہ علیہ جو کبار تابعین مقبولین سے ہیں وہ عبداللہ بن مسعود صحابی کے ایک شاگرد کی روایت بیان کرتے ہیں

عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات کے دن وعظ فرماتے تھے جب لوگوں نے کہا کہ روز وعظ فرمایا کیجیے تو آپ نے فرمایا مجھ  
کو روز روز وعظ کہہ کر تمہیں تنگ کر دینا پسند نہیں آتا جس طرح میں وعظ کہتا ہوں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
بھی ہم کو وعظ فرماتے تھے۔ (۳)

یہ حدیث صحیحین کی روایت سے مشکوٰۃ میں موجود ہے

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے وعظ کے لیے جمعرات کا ایک دن مقرر کر لیا تھا اور ان کے  
بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دن مقرر کر رکھا تھا حالاں کہ وعظ کے لیے کسی دن کی قید کلام اللہ سے  
معلوم نہیں ہوئی کیوں کہ قرآن شریف میں وارد ہے

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ . (۴)

اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔

(۲) رد المحتار: ۱۵۵/۶۰

(۱) رد المحتار: ۱۸۵/۴۰

(۳) متن حدیث: کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس فقال له رجل یا أبا عبد الرحمن لو ددت أنک ذکرنا کل یوم قال أما انہ  
یمنعنی من ذلک انی اکثرہ ان أمثلکم و انی اتخولکم بالموعظة کما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بها مخافة السأمة علیہا  
صحیح بخاری: ۱۲۳/۱۰ حدیث: ۶۸ مشکوٰۃ الصالح: ۳۵/۱۰ حدیث: ۳۰۷

(۴) سورہ زاریات: ۵۵/۵۱

اس میں دن کی قید نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے جو دن متعین کیا تو کچھ مصلحت ہی کے تحت  
جمعرات کا دن مقرر کیا تھا ہمارے دور میں اکثر علماء نے (وعظ کے لیے) جمعہ کا دن معین کر رکھا ہے کیوں کہ اس کی حکمت و مصلحت  
یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے اطراف و جوانب سے خواندہ و ناخواندہ ہر قسم کے آدمی جمع ہوتے ہیں ایسے مجمع میں وعظ کہنے سے فائدہ  
عام ہوتا ہے جب کہ جمعرات کے دن اس فائدہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

### تفہیم

یہ حدیث ارباب تفہیم فی الدین کے لیے بہت بڑی اصل ہے کہ اگر کوئی دن کسی امر خیر کے لیے کچھ مصلحت کی بنیاد پر معین  
کر لیا جائے تو جائز ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث سے دن خاص کرنے پر سند پکڑی ہے اور ترجمہ یہ قرار دیا

باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة .

اب ہم اس مقام پر مولوی اسماعیل صاحب کا قول یاد دلاتے ہیں جو ”تذکیر الاخوان“ حصہ دوم تقویت الایمان میں ہے  
جو امر قرون ثلاثہ میں بلا تکبیر جاری نہ ہوا اور نہ اس کی مثل و نظیر پائی گئی وہ بدعت ہے۔ انتہی۔  
اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی چیز اس زمانہ میں بعینہ نہیں ہوئی لیکن اس کی نظیر اس وقت پائی گئی تو وہ بدعت نہیں ہوگی۔  
براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۲۹ پر ہے

جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ کسی وجود خارجی کی وجہ سے ان قرون میں ہو یا نہ ہو اور خواہ اس  
کے جنس کا وجود خارج میں ہو یا نہ ہو اور وہ سب سنت ہے۔ انتہی۔

دوسرا قول براہین قاطعہ کے صفحہ ۵۶ (میں ہے کہ)

قرآن وحدیث وقول صحابی سے اگرچہ جزئیہ ہی ہو فقہا کلیہ نکال لیتے ہیں اور پھر اس کلیہ سے جملہ ابواب فقہ کے صدا  
مسائل جزئیہ ثابت کرتے ہیں۔ انتہی۔

اب ہم منکرین کے ان مسلمہ اقوال کو مسئلہ متنازع فیہا میں جاری کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ جس طرح وعظ امر بالمعروف اور علم  
حاصل کرنا ایک نیک کام ہے اور کسی موقع پر فرض اور کبھی سنت و مستحب ہے اسی طرح محتاجوں کو کچھ دینا یا کھلانا بھی نیک کام ہے اور  
اس کے مراتب بھی جدا گانہ ہیں بعض مقام پر سنت و مستحب اور بعض موقع پر فرض ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے  
و يفترض على الناس إطفاء المحتاج في  
الوقت الذي يعجز عن الخروج والطلب . (۱)

تو نتیجہ و سوال اور چالیسواں میں بعض محتاج ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کی خبر گیری فرض ہوتی ہے اور بعضوں کی سنت یا  
مستحب۔ تو اطعام کے سلسلے میں وارث میت بعض افراد میں تو فرض پر عمل پیرا ہوگا اور بعض میں سنت و مستحب پر جس طرح واعظ کہ  
جہاں امر بالمعروف مستحب تھا وہاں مستحب کا کرنے والا ہوا اور جہاں فرض تھا وہاں فرض کا۔ تو حضرت ابن مسعود کا علم کی تعلیم اور  
امر بالمعروف کے لیے دن معین کرنا صدقات و فاقحہ کے دن متعین کرنے کی نظیر ہے یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور قرآن کریم کی

(۱) فتاویٰ عالمگیری: ج ۳: ۲۶۶/۳۳



تلاوت کرنا ہمیشہ سے جائز اور ثابت الاصل ہے جس طرح وعظ کرنا ہمیشہ سے ثابت ہے۔ لیکن تیسرا دن اور اسی طرح بیسواں اور چالیسواں وغیرہ مصلحت کے پیش نظر مخصوص کیے گئے ہیں جس طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے وعظ کے لیے جمعرات کو مخصوص کیا تھا۔ تو جب کہ اس یوم فاتحہ کے تعین کی نظیر اس زمانہ میں پائی گئی تو یہ تعین بدعت نہ ہوا اور وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تعین گرچہ ایک قضیہ جزئیہ ہے لیکن از روئے فقہ اس سے ایک کلیہ پیدا ہوا جو اوپر مذکور ہو چکا کہ بعض مصلحتوں کی بنیاد پر کسی امر خیر کے لیے کسی دن کو معین کر لینا جائز ہے یہ ایک مفہوم کلی ہے جس کے نیچے بہت سے متغائر بالخصوص اور متحد بالتحقیق افراد داخل ہیں۔ اور یہ اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے کہ نوع کا طبعی مقتضی نہیں بدلتا پس جب کہ ایک فرد تعین کا حکم حدیث صحیح سے شروع میں معلوم ہو چکا تو باقی افراد کی تعین میں بھی وہی حکم جواز جاری ہوگا۔ اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ تعین یوم کے نوع کا ایک فرد اس وقت موجود تھا تو فی الحقیقت یہ سب افراد تعین معنوی و شرعی وجود کے اعتبار سے اس وقت موجود تھے گو ان کا وجود خارجی اور ظہور تاقیم قیامت آئندہ کسی وقت میں ہو جائے۔

زبان سے نماز کی نیت کا مسئلہ یاد رکھنا چاہیے کہ تلفظ صرف حج میں ثابت ہوا تھا پھر وضو اور نماز و روزہ خواہ فرض ہوں یا واجب و سنت سب میں جاری ہو گیا۔ فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ جب ایک فرد عبادت میں حکم ثابت ہو گیا تو سب میں ثابت ہو گیا۔ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول

لَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِّنْ صَلَواتِهِ يَرَىٰ أَنَّهُ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِينِهِ (۱) وہ یہ سمجھے کہ سلام کے بعد صرف وہی سمت مڑنا ضروری ہے۔ نماز کے بعد وہی طرف سے واجب جان کر پھرنے کی نہی کو شامل تھا نہ کہ اس کے سوا کچھ اور۔ لیکن طبعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ایک کلیہ پیدا کر لیا کہ

من أصر على مندوب . إلى آخره . جو کوئی کسی امر مستحب پر وجوباً عمل کرے گا اس میں

شیطان کا حصہ ہوگا۔

افسوس ان صاحبوں پر آتا ہے کہ اپنے مطلب میں یہ شد و مد سے تحریر کرنا کہ قول صحابی سے اگرچہ جزئیہ ہو فقہا کلیہ نکال لینے ہیں اور پھر اس کلیہ سے جملہ ابواب فقہ کے صد ہا مسائل جزئیہ ثابت کرتے ہیں (جیسا کہ قریب گزرا) پھر کیا وجہ ہے کہ دن معین کرنے کے سلسلے میں فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبد اللہ بن مسعود کا عمل بھی موجود ہے اور متفق علیہ حدیث صحیح سے اس کا ثبوت بھی ہے اس سے کلیہ پیدا کر کے تعین یوم کے بہت سے مسائل کیوں نہیں طے کر لیتے۔

اب ہم اس بیان کو شروع کریں کہ کس مصلحت کے پیش نظر تیسرا دن تعین کیا گیا ہے تو دراصل یہ تعین واثان میت سمیت جملہ کلمہ و قرآن پڑھنے والوں کے لیے فائدہ بخش ہے۔ واثانوں کے لیے اس طرح مفید ہے کہ تعین و تقرر کی قید کی وجہ سے دل پر خوب خیال پڑھا رہتا ہے کہ یہ کام کرنا ضروری ہے تو ان سے یہ کام فوت بھی نہیں ہوتا۔ اور جو لوگ دن معین نہیں کرتے ان کا کام بھی

(۱) صحیح بخاری: ۳۵۸/۳ حدیث: ۸۰۵ مشکوٰۃ المصابیح: ۲۰۷/۱ حدیث: ۹۳۶ سنن داری: ۱۵۵/۳ حدیث: ۱۳۰۱ صحیح ابن حبان: ۳۸۲/۸ حدیث: ۲۰۳۱

مسند احمد: ۳۸۶/۷ حدیث: ۳۳۵۱ سنن کبریٰ: ۲۹۵/۲ معجم کبیر طبرانی: ۳۵۲/۸ حدیث: ۱۰۱۱ اخبار اصحابان: ۱۳۹/۱۰ حدیث: ۲۰۳۵ مسند شاہی

کا کبھی ہوتا ہے بلکہ بہت سے لوگوں سے چھوٹ بھی جاتا ہے۔ جو لوگ جمعرات کی تعین میں فاتحہ اموات کی نیت سے روئیاں کھلا دیتے ہیں وہ تو کھلا دیتے ہیں اور تخصیص کو بدعت کہنے والے ہفتہ کے ہفتہ بلکہ مہینہ گزر جاتے ہیں روٹی گھر سے نہیں نکال پاتے۔ اور اس تاریخ کے تعین کا دوسرے لوگوں کو فائدہ اس معنی میں ہے کہ اگر دن غیر مقرر رہتا تو کوئی کسی دن پڑھنے آتا اور کوئی کسی دن (اور اس طرح خوش اسلوبی کے ساتھ یہ) کام جلد نہ ہوتا۔ اور دن مقرر ہونے سے ٹھیک ایک وقت پر سب جمع ہو جاتے ہیں اور خوش انجامی کے ساتھ کام تمام ہو جاتا ہے۔

**اعتراض:** اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر تم کو ایصال ثواب اور امداد میت جلدی منظور ہے تو فن کے ایک دن بعد کیوں نہیں ختم کرالیتے۔

**جواب:** اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم دوسرا دن مقرر کرتے اس پر بھی تمہیں اعتراض ہوتا کہ دوسرا دن کیوں مقرر کیا تعین تو بدعت ہے۔ اس کے علاوہ اس میں مصلحت یہ دیکھی گئی کہ روز فن برادری کے آدمی اور دوست آشنا دیر تک تجھیز و تکلف میں رہتے ہیں دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی میت کی قبر کھودنے اور غسل و تکفین وغیرہ میں کم و بیش ایک ایک پہر اور بعض جگہ دو دو پہر لگ جاتے ہیں تو اگر دوسرے دن بھی چھ گھڑی یا پہر بھر کی محنت ختم قرآن اور کلمہ طیبہ کے لیے دی جاتی تو لوگوں کا پے در پے آنا کسی قدر دشوار ہوتا اس لیے بیچ میں ایک دن آسائش کے لیے دے کر تیسرا دن معین کیا گیا۔

دوسری مصلحت یہ ہے کہ واثان میت کی تعزیت کے واسطے شریعت میں تین روز مقرر کیے گئے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے

ولا بأس لأهل المصيبة أن يجلسوا في البيت أو في مسجد ثلاثة أيام والناس يأتونهم ويعزونهم (۱)

و لا بأس لأهل المصيبة أن يجلسوا في البيت أو في مسجد ثلاثة أيام والناس يأتونهم ويعزونهم (۱)

مصیبت زدوں کو گھرا مسجد میں تین دن تک بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ لوگ اس میں ان کے پاس آئیں اور ان کی تعزیت کریں یعنی اہل ماتم کو تسلی و تشفی دیں۔

تو تیسرے دن کے معین کرنے میں یہ بھی مصلحت سمجھی گئی کہ ان ایام میں اہل تعزیت کی آمد و رفت رہتی ہی ہے لوگوں کو بلانے اور جمع کرنے میں چنداں مشقت نہ ہوگی مومنوں کا اجتماع آسانی سے ممکن ہوگا۔ اور یہ بھی ہے کہ جو قرب و جوار کے موضوع اور قصبوں میں ان کے دوست و اقربا رہنے والے ہیں وفات کی خبر ملنے پر وہ بھی اکثر فاتحہ اور ختم قرآن و کلمہ کی امداد میں شریک ہو جائیں گے تو تیسرے دن کی تعین اسی مصلحت پر مبنی ہے اور جو کچھ کلمہ و قرآن اس میں پڑھا جاتا ہے اس کی تفصیلی وضاحت اوپر ہو چکی۔ اور یہ تعین کچھ ہماری مقرر کی ہوئی نہیں بلکہ زمانہ قدیم ہی سے علمائے دین اور مفتیان شرع متین کی مقرر کی ہوئی ہے۔ اس پر ایک مختصر دلیل یہ ہے کہ ملا علی قاری سیوطی اور علامہ عینی وغیرہم کے کلام سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جملہ مذاہب کے علماء و صلحا ہر شہر اور ہر دور میں جمع ہو کر ختم قرآن کرتے رہے ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

تو اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ کل شہروں اور ملکوں میں ہندوستان تو بڑا ملک ہے جس میں بہت سے شہر ہیں تو یہاں کے علماء و صلحا نے بھی جمع ہو کر پڑھنے کا طریقہ اپنے ملک ہندوستان میں ضرور جاری کیا ہوگا۔ تلاش و جستجو کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے دور دور شہروں میں یہی طریقہ قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ اور ہم اپنے آباؤ اجداد سے اور وہ اپنے آباؤ اجداد سے یوں ہی



سننے اور دیکھتے آئے ہیں سیکڑوں برس کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے۔ تو یہ لابی قرار داد پہلے کے علماء و صلحا کی ہے البتہ جب عوام اس نتیجہ کی تقریب میں بعض باتیں خلاف شرع کرنے لگے تو ایک خاص وجہ کے سبب علماء اس کو منع کرنے لگے۔ چنانچہ ”شرح سفر السعاده“ میں شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کا کلام صاف اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے

اما این اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات خصوصی طور پر نتیجہ کے دن اکٹھا ہونا اور دوسرے دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت است تکلفات کے ساتھ ساتھ یتیموں کا مال بلا وصیت خرچ کرنا و حرام۔ انتہی۔

لعل انصاف دیکھیں کہ شیخ کے اس کلام سے جو صاحب سیف السنہ وغیرہ نتیجہ کے دن قرآن و کلمہ پڑھنے کا انکار ثابت کرتے ہیں کیسی نا انصافی ہے اس سے اکٹھا ہو کر پڑھنے کی قباحث نہیں ثابت ہوتی بلکہ خاص زمانہ شیخ میں بعض منہیات کے ساتھ جو اجتماع مخصوص ہوتا تھا (اس کی قباحث ثابت ہوتی ہے) جس کی طرف لفظ ”ایں اجتماع مخصوص“ سے اشارہ ہوتا ہے۔ نیز شیخ محدث دہلوی اپنے ترجمہ مشکوٰۃ فارسی کے ”باب البکاء علی المیت“ میں لکھتے ہیں

باک نیست بہ نشستن تاسہ روز در خانہ یاد در مسجد و انچہ مردم دریں زمان از تکلفات کنندہ ہمہ بدعت و شنیع و نامشروع نہیں اور جو ان دنوں میں کچھ ایسے تکلفات لوگ کرتے ہیں وہ بدعت برے اور غیر شرعی ہیں۔

غرض کہ ان کے کلام سے اس اجتماع مخصوص کی برائی یتیموں کے حق ضائع کرنے اور تکلفات کرنے کی ممانعت پائی گئی اور اس سے پہلے سفر السعاده کی جو عبارت ختم قرآن کے بدعت ہونے کے بارے میں تھی تو ہم اس کا جواب تیسرے امر میں دے چکے۔ ہاں موتی کے سلسلہ میں تکلفات کرنے ممنوع ہیں۔ چنانچہ بعض آدمیوں نے بعض شہروں میں کچھ نئے نئے تکلفات ایجاد کیے تھے جن کا ذکر ”نصاب الاحتساب“ میں ہے

يقطعون أوراق الأشجار و يتخذون منه شينا علی صورة الأشجار و یزیدون بها حول القبر و یلبسون القبر ثياب الحریر إذا کان المیت من أهله ای کأن یلبس ذلک و یحضررون المجامر المصورة بتماثل ذوات الأرواح کالبازی و نحوه و انه مکروه و یسبطون الفرش و یقوم الشاعر فیمدح المیت بما لم یفعله و انه کذب و یحضررون المصاحف فی المقابر و یضعونها فی المجلس و لا یقرؤون و ینتظرون حضور الصدر فإن فتح المصحف و أخذ الناس فی القراءة ثم حضر

الصدر یغضب علیهم و هل هو الأمر النفس الأمارة بالسوء. انتہی کلامہ۔

وفي حاشيته خزائن الروایات : الناس یهیتون و في حاشيته خزائن الروایات کے حاشیہ میں یوں ہے کہ لوگ الریحان و الورد في الأطباق و ماء الورد في القماقم .

اب سوچنے کا مقام ہے کہ ورثہ میت تو مصیبت زدہ ہوتے ہیں انھیں مصیبت کے دنوں میں خوشی کا سامان کرنا اور مکروہ و حرام سے کچھ زینت دینے کو کون عاقل انسان گوارا کرے گا چنانچہ مفتیان دین نے اس کو منع کیا اور تمام عالم نے اسے مان لیا۔ اب دیکھیے یہ باتیں کوئی نہیں کرتا البتہ ایک معین دن میں جمع ہو کر کلمہ کلام پڑھ دیتے ہیں اب جو بعض علماء تشدد کرتے ہیں اور محض دن معین ہونے کی وجہ سے کلمہ و قرآن کو بھی مکروہ کہہ دیتے ہیں تو یہ صحیح نہیں۔ ان کی دو دلیلیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ نماز میں سورت کا معین کر لینا مکروہ ہے تو ایصال ثواب کے لیے تیسرا دن معین کر لینا بھی مکروہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم کسی امر کو قیاس کرتے ہیں تو کہا کرتے ہو کہ قیاس کرنا مجتہد کا کام ہے اور اپنے مقصد کے لیے خود قیاس کرتے ہو تو جائز ہے۔ یہ نا انصافی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس سے قطع نظر یوم فاتحہ وغیرہ کے تعین کو نماز پر قیاس کرنا خود صحیح نہیں۔ اس لیے امام شافعی کے نزدیک تو تعین سورت مکروہ ہی نہیں اور حنفیوں کے نزدیک جو مکروہ ہے تو امام طحاوی اور سیبانی وغیرہ کے کلام سے اس کی کراہت دو سبب سے ہے۔

ایک تو یہ کہ اس کو پڑھنے والا یہ اعتقاد کرے کہ اسی ایک سورت کا پڑھنا واجب ہے دوسری سورت پڑھوں گا تو اس میں نماز نہ ہوگی یا ہوگی تو مکروہ ہوگی۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ جاہل لوگ جب اسی ایک سورت کو پڑھتے دیکھیں گے تو (ڈرے کہ) کہیں وہ یہ اعتقاد نہ کر لیں کہ نماز میں یہی ایک سورت واجب ہے دوسری نہیں یہ مضامین فتح القدیر شامی اور برہان وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور غالباً کراہت کی وجہ وہی بیان کردہ پہلا سبب ہے یعنی تعین سورت کا واجب جاننا۔ چنانچہ حدیث صحیح سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

صحیحین میں ہے کہ ایک آدمی امام تھا وہ ہر رکعت میں قل ہو اللہ ضرور پڑھا کرتا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ جب مقتدی لوگ اس سے الجھے تو اس نے جواب دیا کہ میں تو اس سورت کو چھوڑنے والا نہیں اگر تمہارا جی نہ چاہے تو میرے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ بالآخر یہ مراجعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کیا گیا آپ نے اس سے پوچھا کہ تو ان کی بات کیوں نہیں مانتا اور ہر رکعت میں اس کا التزام کیوں کر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھ کو یہ سورت پیاری لگتی ہے۔ آپ نے فرمایا

أخبروه أَنَّ اللَّهَ يُحِبُّهُ . (۱)

ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا

(۱) صحیح بخاری: ۲۲/۳۶۶ حدیث: ۶۸۲۷، صحیح مسلم: ۲۳۳/۴ حدیث: ۱۳۳۷، سنن ترمذی: ۱۳۹/۱۰ حدیث: ۲۸۲۶، سنن کبریٰ نسائی: ۱/۳۳۱

حدیث: ۶۵/۱۰ شعب الایمان بیہقی: ۶۰/۶۰ حدیث: ۲۳۳۶، مستخرج ابی حاتم: ۲۲۵/۸ حدیث: ۳۲۰۶، صحیح ابن حبان: ۷۹/۳ حدیث: ۷۹۳



حُبُّكَ إِنَّا هَا أَذْخَلَكَ الْجَنَّةَ (۱)

اس سورت کی محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ تعین سورت کو واجب جانے کا اعتقاد ہی کراہت کا باعث تھا جب اس شخص نے اپنا وہ اعتقاد ہونا بیان نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ مجھ کو اس سورت سے محبت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعین اور التزام و دوام کو منع نہ فرمایا اور یہ بھی نہ فرمایا کہ عقیدہ عوام کے اشتباہ سے بچنے کے لیے اس تعین کو کبھی کبھی چھوڑ بھی دیا کرو کیوں کہ جب وہ بالمشافہہ کہہ چکا کہ میں محبت کے سبب پڑھتا ہوں یعنی واجب نہیں جانتا تو جس طرح کبھی چھوڑ دینے سے شبہ دور ہونے کا تصور ہو سکتا تھا وہ زبانی تصریح سے ہو گیا یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ تعین سوم میں بھی وہ علت کراہت نہیں پائی جاتی۔ سب جانتے ہیں کہ اموات کے لیے ایصالِ ثواب ایک امر مستحب ہے کوئی فرض و واجب کا اعتقاد نہیں کرتا جب اصل ایصال واجب و فرض نہ ہوا تو تیسرے دن کی تعین کو کون نادان فرض و واجب کہہ دے گا علاوہ ازیں یہ جو تیسرے دن کی تخصیص جاری ہے وہ اوپر بیان ہو چکا کہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے ہے کہ ہر کام باسانی انجام پذیر ہو جاتا ہے۔ اور خود فقہ میں بھی تعین سورت کے باب میں امام طحاوی نے تصریح فرمائی ہے

أَمَّا إِذَا لَزِمَهَا لِسَهولتها عليه فلا يكره بل  
يكون حسنا كذا في البرهان .  
ایسا کرنا بہتر ہے۔ برہان میں بھی یوں ہی مذکور ہے۔

تہستانی میں ہے

فلو قرأ للسنة أو اليسر فلا بأس به .

اگر ادا نیگی سنت یا آسانی کی وجہ سے ایسا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

تو اس تعلیل فقہی کے مطابق تعین سوم مکروہ نہ ٹھہرا۔ رہی یہ بات کہ کہیں جاہل لوگ اسے دیکھ کر یہ اعتقاد نہ کر لیں کہ ایصالِ ثواب تیسرے دن ہی ہوتا ہے پہلے اور بعد میں نہیں ہو سکتا۔ تو یہ علت بھی یہاں نہیں پائی جاتی کیوں کہ جو لوگ فرض و واجب اور سنت و مباح کی کنہ و حقیقت کو نہیں سمجھتے ان کا تو کچھ علاج ہی نہیں وہ تو نماز روزہ میں بھی امور مستحبہ کو فرض فرض کو افضل و اولیٰ مکروہ کو مفسد و حرام اور مباح کو واجب جو چاہتے ہیں کہہ دیتے ہیں انھیں اس سلسلہ میں کوئی تمیز نہیں اگر ان کی خاطر امور شرعیہ میں تبدیلی کی جائے تو عجب نہیں کہ کل شریعت کچھ اور ہی ہو جائے۔ تو ایسے کٹر جاہل عوام سے قطع نظر کر کے یہ دیکھنا چاہیے کہ جو لوگ اس درجہ کے عوام ہیں کہ ان کو فرضیت و اباحت میں فرق معلوم ہے تو حضرت سلامت یہ مسئلہ خاص اس درجہ کا ہے کہ اس درجہ کے عوام سب جانتے ہیں کہ یہ کوئی حج و زکوٰۃ کی طرح فرض تو نہیں ہے بلکہ واجب بھی نہیں ایصالِ ثواب فی نفسہ مستحب ہے۔ اور یہ تعین ایک مصلحت کے غرض سے ہے بزرگانِ دین کا مقرر کیا ہوا ایک کام بطور وراثت چلا آ رہا ہے۔

یہ شبہ تو کسی کم سے کم عقل والے کو بھی نہیں پڑ سکتا کہ وہ یوں گمان کرے کہ ثواب صرف آج پہنچے گا پھر (بعد میں یا پہلے) نہ پہنچے گا۔ اس لیے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وراثت میں تیسرے دن کے علاوہ اور دنوں میں بھی فاتحہ و درود کرتے ہیں تو وہ کس طرح

(۱) صحیح بخاری: ۲۳۳/۳، سنن ترمذی: ۱۳۹/۱۰، حدیث: ۲۸۲۶، سنن نسائی: ۱۳۹/۱۰، حدیث: ۲۸۲۶، مستدرج ابی حاتم: ۲۸/۲۵، حدیث: ۱۱۹۸۲، مستدرج ابن ابی

شیبہ: ۲۸/۲۵، حدیث: ۱۱۹۸۲، سنن دارمی: ۳۳۷/۱۰، حدیث: ۳۳۷/۱۰، مستخرج ابی حاتم: ۳۳۷/۱۰، حدیث: ۳۳۷/۱۰، صحیح ابن حبان: ۷۷۳/۱، حدیث: ۷۷۳/۱

اعتقاد کریں گے کہ ثواب صرف روز سوم ہی کو پہنچا کرتا ہے۔ اور وہ تعین سورت کے سلسلے میں جو شبہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے وہ بھی جاتا رہا۔ تو کراہت کی تمام علتیں ختم ہو گئیں اور تعین سوم کو مکروہ کہنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی۔

خلاصہ یہ کہ تعین سوم میں کوئی یہ تعین نہیں کہ قراءت قرآن وغیرہ کا ثواب آج ہی پہنچتا ہے اس لیے کہ لوگ اور دنوں میں بھی پڑھ کر بخشے ہیں اور نہ یہ تعین ہے کہ میت کی طرف سے کھانا کھلانا نقدی اور کھانے پینے کی چیزوں کی تقسیم آج ہی ہوتی ہے اس لیے کہ یہ امور بھی اور دنوں میں کرتے رہتے ہیں۔

میت کی طرف سے محتاج کو دینے کا سلسلہ روز میت سے جو شروع ہوتا ہے تو چالیس روز تک اور کہیں اس سے کم و بیش جاری رہتا ہے جہاں روز سوم کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ تعین سوم نہ ایصالِ ثواب مالی کے لیے ہے اور نہ بدنی کے لیے بلکہ یہ تعین مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کی مصلحت کے پیش نظر ہے کہ تعین کے مطابق سب حاضر ہو جائیں اور بے تعین ایسا اجتماع ممکن نہیں ہو سکتا۔ جب کہ سورت نماز کے تعین میں یہ حکمت و مصلحت مفقود ہے۔ لہذا یہ قیاس مع الفارق ناقابلِ سماعت ہے۔

مانعین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سوم میں کفار و ہنود کی مشابہت ہے اور حدیث میں ہے

مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (۱)

جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ بھی انھیں میں سے ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تشبہ مصدر ہے جس کا ماخذ خبر بالکسر ہے شبہ کے معنی مانند تو تشبہ کے معنی کسی کے مانند ہو جانا ہوا جب تشبہ کا معنی معلوم ہو گیا تو اب ان مصنفوں کی زباں زوری سمجھنی چاہیے کہ سوم کرنے والے کس بات میں ہندوؤں کی مانند ہو جاتے ہیں؟ ہم قرآن پڑھتے ہیں وہ قرآن نہیں پڑھتے، ہم کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں جو کفر شکن ہے اور وہ نہیں پڑھتے سبحان اللہ کیا عقل سلیم پائی ہے کہ کفر کو کاٹنے والا کلمہ پڑھنے کو اہل کفر کی رسم سے مشابہ قرار دیتے ہیں۔

ہمارے احباب اور برادری جمع ہو کر کلمہ و کلام پڑھتے ہیں اور ان کی برادری جمع ہو کر کچھ نہیں پڑھتی صرف وارث میت سے اس کی دکان کھلوادیتی ہے اور قلم سیاہی کتاب وغیرہ کو ہاتھ لگوا کر سوگ دفع کر ادیتی ہے ان کے یہاں اگر کچھ پڑھتا ہے تو صرف ایک طرف کوئی برہمن پنڈت پڑھتا ہے وراثت میں بھائی برادری اور دوست آشنا کچھ نہیں پڑھتے ان کا اجتماع کسی اور قسم کا ہے اور ہمارا اجتماع وہ ہے جو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اہل صلاح و دیانت کے اجتماع سے جائز ہے (جیسا کہ شارح ہدایہ علامہ عینی کی عبارت گزر چکی) اور ہندوؤں کا اصل مذہب یہ ہے جو کتاب سنسکار و وہی مطبوعہ بنارس کے صفحہ ۱۵۰ میں ہے جس کا مضمون اردو زبان میں یہ ہے

مردے کو جلا کر سب چلے آئیں اور نہاد ہو کر بدن کو صاف اور پاک باہر سے کر لیں جس کے گھر میں موت ہوئی ہے اس کے کنبہ کے لوگوں کو تسلی دے کر اپنے اپنے گھر چلے جائیں چوتھے دن مردہ کی راکھ اور ہڈیاں زمین میں

(۱) سنن ابوداؤد: ۲۸/۱۱، حدیث: ۳۵۱۲، مستدرج: ۳۰/۱۰، حدیث: ۲۸۶۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰/۱۰، حدیث: ۲۸۶۸، مصنف عبد الرزاق: ۲۵۳/۱۱

حدیث: ۲۰۹۸۶، معجم اوسط طبرانی: ۱۳۰/۱۸، حدیث: ۸۵۶۲، شعب الایمان بیہقی: ۲۵۱/۳، حدیث: ۱۲۰۲، مستدرج ابن حبان: ۳۶۷/۲، حدیث: ۸۵۰

مستدرج ابن طبرانی: ۲۷/۱، حدیث: ۲۷/۱، مستدرج ابن حبان: ۳۷۲/۱، حدیث: ۳۷۲/۱، مشکل الآثار طحاوی: ۲۳۸/۱، حدیث: ۱۹۸



گاڑ دیں یا باغ یا کھیت میں ڈلوادیں اور جب تک رنج دور نہ ہو تب تک اچھے عالموں فاضلوں کی صحبت سے رنج کو دور کریں ان کو خور و نوش سے خوش کریں مراد یہ کہ اہل مصیبت اگر کھانا رنج کے باعث نہ کھاتے ہوں تو علماء وغیرہ ان کو کھلا پلا کر خوش کریں یہی پنڈ دان اور شراد جانا اور مرنے والا آدمی بو کچھ دھن دھرم کے لیے چھوڑ گیا ہو اس کو علم اور ملک کی ترقی میں لگا دیں۔ الی آخرہ۔

غرض کہ مرنے والے کے لیے ان کے دین میں اس کے بعد کچھ اور نہیں لکھا اور اب جس طرح بعض فرقہ ہندو عمل میں لاتے ہیں وہ یہ ہے (جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں) نیز تیسرے دن میت کی ہڈیاں جلی ہوئی جن کر لاتے ہیں پھر گنگا وغیرہ میں بہاتے ہیں۔ اور اہل اسرائیل کوئی عمل ان میں سے نہیں کرتے پھر کس بات میں ہندو کے مانند ہو گئے اور کیا تشبیہ پیدا ہو گیا۔ انصاف شرط ہے۔ اور اگر کوئی اس کا نام مشابہت رکھے کہ ان کے تیسرے دن رسوم کفر ہوتے ہیں اور تمہارے یہاں رسم اسلام یعنی کلمہ و قرآن ہوتا ہے تو انصاف کرنا چاہیے کہ یہ مشابہت کیا ہوئی یہ تو مخالفت ہوئی یعنی ہم وہ کام کرتے ہیں جو کفار کے مخالف ہیں اور کافروہ کام کرتے ہیں جو اسلام کے مخالف ہیں وہ اپنے کام کرتے ہیں اور ہم اپنے۔

مثال کے طور پر مغرب، عشا اور صبح صادق کے وقت ہم لوگوں نے اذان کہی اور نماز پڑھی انھوں نے ان تین وقتوں میں ناقوس یعنی سنگھ بجایا اور پوجا کیا۔ اب کوئی بیہودہ اس کو مشابہت قرار دینے لگے کہ ان وقتوں میں تم نے اپنے طور کی عبادت کی انھوں نے اپنے طور کی پس اتحاد اوقات میں تشبیہ پیدا ہو گیا تو ہر عقلمند اس کی ہرزہ سرائی اور اس کی کم عقلی پر قبضہ مارے گا۔ اسی طرح جب حاجی لوگ بیت اللہ زادہ اللہ شرف سے واپس ہوتے وقت آب زم زم لائیں تو کوئی یا وہ گو کہنے لگے کہ یہ ہندوؤں کے ساتھ تشبیہ ہو گیا کہ وہ بھی اپنی اپنی عبادت گاہ سے واپس ہوتے ہوئے گنگا کا پانی لاتے ہیں اور تم آب زم زم لے آئے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ خرافات بیہودہ تشبیہیں نکالنا سخت بے عقلی کی دلیل ہے۔

مولف براہین قاطعہ نے جو صفحہ ۱۱ کی پہلی سطر میں زم زم کا پانی لانے کو اس غرض سے امر طبعی و عادی لکھا کہ جو چیز امور دینیہ سے نہیں بلکہ امور طبعیہ سے ہے اس میں تشبیہ منع نہیں تو یہ ناظرین کے لیے قابل دید اور سامعین کے لیے قابل شنید ہے۔ اس لیے کہ کسی شے کو مقتضائے طبع قرار دینا اس وقت صحیح ہے کہ انسان کی طبیعت اپنی حیات جسمانی میں اس کی محتاج ہو تو پانی کا پینا پیاس وغیرہ کے لیے مقتضائے طبع ضرور ہے لیکن تعظیماً حصول برکات کے لیے پینا تو مقتضائے طبع و عادت نہیں بلکہ مقتضائے دین ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ اس امر دینی کے اشتراک کو یعنی تبرک کا پانی لانے کو تمام علمائے ہند نے سلفاً و خلفاً بلا تکرار جائز رکھا ہے لہذا واضح ہونا چاہیے کہ ظاہراً کسی وجہ سے کسی امر میں بونے تشبیہ پیدا ہو جانا شرعاً ہرگز ممنوع نہیں اور تماشہ یہ ہے کہ صرف تیسرے دن کی مشارکت میں بھی قوم ہند کی مشابہت نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہندوؤں میں بعض تو میں مثلاً سرواگی بالکل سیوم یعنی تیجے کے قائل نہیں تو ان کے ساتھ تو کچھ بھی مشابہت نہیں ان کے یہاں تیجہ صرف اس امر سے عبارت ہے کہ تیسرے دن کاروبار کرنے لگیں اور میت کا سوگ ختم کریں تو تعزیت کے واسطے اور سوگ ختم کرنے کے لیے شرع میں بھی تین دن معین ہیں۔ ہندو کی بعض قومیں مثلاً بٹشی اگر وال جو سیوم کو مانتے ہیں اور اموات کے لیے ثواب رسائی کے کام کرتے ہیں اگر اہل اسلام کو مشابہت لازم آتی تو ان کے ساتھ لازم آتی تو غور سے

دیکھیے کہ ان کے ساتھ بھی مشابہت نہیں کیوں کہ ان لوگوں کے قوانین گردش کو اکب سے متعلق ہیں تیسرے دن وہ تیجہ اس وقت کرتے ہیں کہ گرہ سامنے نہ ہو اور اگر ٹچک کی گرہ جو پانچ پختہ ہیں سامنے آجاتے ہیں تو جس وقت تک وہ گرہ ٹل نہیں جاتی تیجہ نہیں ہوتا پھر کبھی چار دن اور کبھی پانچ دن میں کیا جاتا ہے اور مسلمان تیسرے دن سے آگے نہیں ملتاتے ان کو کو اکب سے کچھ بحث نہیں انھوں نے شرع سے یہ اصل پیدا کر کے کہ کسی امر خیر کے لیے برہمنے مصلحت دن معین کر لینا جائز ہے دن معین کیا ہے۔ تعین اہل اسلام دوسری چیز ہے اور تعین ہندو دوسری چیز۔ تو تشبیہ کا معاملہ دن کی مشارکت کے باعث بھی ٹوٹ گیا۔

یہ شرعی مسئلہ ہے کہ جب ہمارے اور کفار کے درمیان کسی امر میں تفاوت اور امتیاز پیدا ہو جاتا ہے تو حکم تشبیہ باطل ہو جاتا ہے۔ حدیث و فقہ پڑھنے والوں کو یہ بات یاد ہوگی کہ یہود عاشورا کا روزہ رکھتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ تم بھی رکھو اور یہود کے ساتھ لازم آنے والی مشابہت کی مخالفت کے لیے آپ کا اتنا فرمانا کافی ہو گیا کہ تم ایک دن پہلے یا بعد میں بھی ایک روزہ رکھو

صُومُوا يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَ خَالِفُوا فِيهِ الْيَهُودَ وَ  
صُومُوا قَبْلَهُ يَوْمًا أَوْ بَعْدَهُ يَوْمًا . (۱)

اس کو امام احمد نے مسند میں، بیہقی نے سنن میں اور امام سیوطی نے جامع صغیر میں روایت کیا ہے اور بیہقی نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ اگر میں اگلے برس زندہ رہا تو ایک روزہ پہلے اور ایک روزہ پیچھے کا حکم دوں گا، اور ائمہ کبار حنفیہ سے امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ شرح معانی الآثار میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے

خَالِفُوا الْيَهُودَ وَ صُومُوا يَوْمَ النَّاسِعِ وَ الْعَاشِرِ .  
یہودی مخالفت کرتے ہوئے نویں اور دسویں محرم کو روزہ رکھو

نیز یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کلام نقل فرماتے تھے  
صُومُوا وَ صُومُوا قَبْلَهُ يَوْمًا أَوْ بَعْدَهُ يَوْمًا وَ لَا  
تَتَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ .  
اول یا آخر روزہ رکھ کر یہودی مخالفت کرو۔

فقیہ شامی شرح در مختار میں لکھتے ہیں کہ عاشورہ کا روزہ نویں یا گیارہویں کا روزہ ملائے بغیر رکھنا مکروہ ہے۔ اور محیط سے اس کی دلیل یہ لکھی

لأنه تشبه باليهود . (۲)  
اکیلا دسویں محرم کا روزہ رکھنا فعل یہود کے ساتھ تشبیہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ اور اول و آخر روزہ ملانے سے وہ کراہت تشبیہ جاتی رہتی ہے۔ اور اسی طرح روز شنبہ اکیلا روزہ مکروہ لکھا کہ یہ فعل یہود ہے لیکن جب یکشنبہ یا جمعہ کا روزہ اس میں ملا لیا تو اب مکروہ نہیں کیوں کہ تشبیہ بالیہود باقی نہ رہا۔

کنز العباد میں ہے کہ اگر اہل مصیبت گھر یا مسجد کے اندر بیٹھ جائیں کہ لوگ اس کی تعزیت کو آئیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں لیکن

(۱) مسند احمد: ۹۵/۵ حدیث: ۲۰۴۷ سنن کبریٰ بیہقی: ۲۸۷/۳ جامع صغیر سیوطی: حدیث: ۵۰۶۸ مصنف ابن ابی شیبہ: ۹۵/۵ حدیث: ۲۰۴۷

(۲) رد المحتار: ۳۲۸/۷ سبب صوم رمضان



دروازہ پر نہ بیٹھے: فإن ذلک عمل اهل الجاهلیة (کیوں کہ یہ جاہلیت کا عمل ہے)۔

دیکھیے کہ ذرا سی تبدیلی میں حکم بدل گیا۔ الحاصل ان نظیروں سے ثابت ہو گیا کہ جب مشبہ اور مشبہ بہ میں تمیز آجائے تو حکم تشبہ باقی نہیں رہتا۔ اس مقام پر مولف براہین قاطعہ صفحہ ۱۱ کی آخری سطر میں ایک عجیب سی بات لکھتے ہیں کہ تنہا عاشورا کا روزہ کسی کے نزدیک مکروہ نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مولف کی دینی کتابوں سے سخت بے خبری کی دلیل ہے۔ اس کا مکروہ اور منہی عنہ ہونا ہم حدیث وفقہ سے ثابت کر چکے ہیں نیز یہ بھی کہ تشبہ مٹانے کے لیے اول و آخر روزہ ملا لیا کافی ہے۔ اب دیکھیے کہ وہ اصل روزہ عاشورا جس کو یہود رکھا کرتے تھے اس میں مسلمان شریک رہے لیکن ایک روز اول و آخر ملا دینے سے مغائرت پیدا ہوئی تو تشبہ کا حکم بھی باطل ہو گیا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب اہل اسلام کا نتیجہ ہمیشہ سے تیسرے دن برقرار رہا اور ہنود کا نتیجہ اول بدل ہوتا رہا یعنی تیسرے دن کبھی چوتھے دن اور کبھی پانچویں دن۔ پھر اس میں بھی ہمارے افعال کچھ اور ان کے افعال کچھ اور ہیں کہ ہمارے مندرجہ بالا پانچوں امور قواعد شرعیہ کی روشنی میں نکالے گئے ہیں تو پھر تشبہ کس بات میں ہوا۔

**حاشیہ:** مولف براہین قاطعہ نے اس مقام پر ہمارا مدعا بالکل نہ سمجھا اس لیے صفحہ ۸۰ میں یہ لکھا

مولف انوار ساطعہ نے حدیث من تشبہ بقوم فهو منهم میں تشبہ بجمع اجزائہ من کل الوجہ سمجھا ہے کہ سب اجزاء اوہیت مشابہ ہو جائے تو اس وقت تشبہ محظور ہے ورنہ درست ہے اسی وجہ سے لکھتا ہے کہ کس بات میں تشبہ ہنود کی ہوگئی۔ انتہی بلفظ۔

اس کے بعد مولف براہین نے فضول باتوں سے تین ورق سیاہ کیے ہیں اس لیے کہ ہماری یہ مراد ہے ہی نہیں بلکہ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ فاتحہ سویم میں پانچ چیزیں ہیں اہل اسلام (کے نزدیک) ان پانچوں میں سے کسی چیز کے اندر اہل ہنود سے مشابہت نہیں۔ نہیں معلوم ان صاحبوں کی فہم و ذکا اور تفقہ کیسا ہے کہ احکام کی تعلیل میں ژرف نگاہی اور مویشگافی ہرگز نہیں فرماتے۔ مفتی قاطع النہ یعنی صاحب سیف النہ اور ان کے آباے اولین اور برادران معاصرین سب کے سب بے سمجھے بوجھے اس مسئلہ میں حکم تشبہ لگا رہے ہیں اور حدیث نبوی: من تشبہ بقوم فهو منهم کو نہایت درجہ بے محل پڑھ رہے ہیں۔ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا۔ (۱)

انھیں تشبہ کا نہ تو لغوی معنی معلوم ہے نہ ہی اصطلاحی۔ اس لیے کہ تشبہ کا لغوی معنی مانند کے ہوتا ہے اور آپ دیکھ اور سن چکے کہ ہنود کا نتیجہ کن امور پر مشتمل ہے اور اہل اسلام کا کن امور کو شامل ہے؟ پھر دونوں فریق کا ایک دوسرے کی رسموں میں مانند ہونا کہاں ہوا۔ اب اس کے شرعی معنی سنئے۔ صاحب بحر الرائق شرح جامع صغیر قاضی خان سے نقل کرتے ہیں

أن التشبه بأهل الكتاب لا يكره في كل شيء  
وإن أكل وشراب كما يفعلون۔ (۲)

(۱) سورة نساء ۷۸

(۲) البحر الرائق شرح كنز الدقائق ۴/۳۰۳ في القراءة من مصنف في الصلوة

”در مختار“ میں ان کے ساتھ مشابہت کا ارادہ کرنے کی قید لگائی ہے۔ اور جس چیز میں مشابہت کی جاتی ہے وہ شرعاً مذموم بھی ہو تو اس وقت تشبہ مکروہ ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے

أي إن قصدہ فإن التشبه بهم لا يكره في كل شيء بل في المذموم وفيما يقصد به التشبه۔ (۱)  
شامی نے اس حکم کو مسلم رکھا ہے۔ (۲)

رسالہ ”اثبات رفع یدین“ میں مولوی اسماعیل صاحب کی تحریر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مشابہت کے مکروہ ہونے میں قصد کو معتبر رکھا ہے یعنی جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ان ملکوں میں رفع یدین کرنے میں روافض کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے تو اس کے جواب میں لکھتے ہیں

لا نتحرى تشبه الفرق الضلالة بل  
اتفقت الموافقة۔

اب دیکھیے کہ سویم میں مسلمانوں کی غرض نہ تو قصد مشابہت اور نہ ہنود کے ساتھ موافقت کا ارادہ ہوتا ہے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو انہی کی طرح یہ بھی نتیجہ کو کبھی روز سوم کبھی چہارم اور کبھی پنجم میں کرتے (جیسا کہ اوپر گزرا) اور نہ تیسرے دن کلمہ و قرآن کا پڑھنا قرآن وحدیث سے مذموم و ممنوع، پھر منع کا حکم دینا کیسا؟ علی قاری رحمہ اللہ شرح فقہا کبر میں لکھتے ہیں

أنا ممنوعون من التشبه بالكفرة و أهل البدعة  
المنكرة في شعارهم لا منهيون عن كل بدعة و لو  
كانت مباحة سواء كانت من أفعال أهل السنة أو  
من أفعال الكفرة و أهل البدعة۔

اب غور کرنے کا مقام ہے کہ جو تشبہ حدیث میں منع ہے اس کے شرعیہ مذکورہ معنی ہیں پھر ہم کو قوم ہنود سے کسی بات میں مشابہت نہیں نہ قرآن پڑھنے میں اور نہ چنوں پر کلمہ پڑھنے میں یہاں تک کہ تیسرے دن کے تعین میں بھی شرکت نہیں کیوں کہ ان کے تعین تو گرہ مذکورہ پیش آنے کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں لہذا ہمیں لغوی و شرعی کسی طرح کا بھی ان کے ساتھ تشبہ نہیں۔ والحمد للہ علی ذلک۔

لمعہ خامسہ چالیسواں بیسواں دسواں اور مسجد میں مٹی کا گھڑا رکھنا

پہلے دستور تھا کہ مٹی کا گھڑا (جس کو فارسی میں سیواور عربی میں جرہ کہتے ہیں) میت کی طرف سے مساجد میں بھیجا کرتے تھے نہ صرف ایک بلکہ چند گھڑے علاوہ ازیں وہ گھڑے بھی بھیج دیتے تھے جن سے غسل میت ہوتا تھا۔ جب اس کی یہ تھی کہ جب سعد بن عبادہ کی والدہ انتقال کر گئیں تو انھوں نے پوچھا یا رسول اللہ کون سا صدقہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا پانی۔ تو انھوں نے ایک کنواں تیار کر لیا اور کہا اس چاہ کا ثواب سعد کی ماں کو پہنچے۔

هذه لأُمِّ سَعْدٍ۔ (۳)

(۱) در مختار ۶۷۲/۱

(۲) مشکوٰۃ المصابیح ۳۳۱/۱ حدیث ۱۹۱۲ سنن ابوداؤد ۴۷۷۷ حدیث ۱۳۳۱



مشکوٰۃ کے اندر یہ حدیث موجود ہے۔

پھر ہر کوئی کھانا یعنی چاہ کھانے اور ہوانے کی قدرت تو نہیں رکھتا اس لیے مسلمانوں میں یہ قاعدہ جاری ہو گیا تھا کہ کورے گھرے مسجد میں بھیجا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو اچھا صدقہ فرمایا ہے۔ اگر کوئی نہ بنایا (تو کیا) ہمارا گھڑا بھرا ہوا مسجد میں رہے گا کوئی پیسا اس سے پانی پئے گا، کوئی غسل و وضو کے کام میں لائے گا تو (میت کو اس کا) ثواب ہوگا۔ گھڑا بھیجنے کی اصل یہی ہے اور مسجد میں گھڑا بھیجنا اہل اسلام کی اعانت پر مبنی ہے۔ اور جس شخص کے مد نظر یہ (مقصد) نہ ہو بلکہ وہ اس میں جاہلیت کی رسمیں ادا کرنے پٹہ باندھے اور نقاشی کرے تو ایسا درست نہیں۔

اور وہ جو چالیس روز تک مسجد کے مساکین کو کھانا بھیجتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہانے لکھا ہے

يستحب أن يتصدق عن الميت إلى ثلاثة أيام ميت کی طرف سے تین روز تک صدقہ دینا مستحب ہے۔ بعضوں نے لکھا ہے

إلى سبعة أيام۔ سات دن تک۔

بعضوں نے لکھا ہے

إلى أربعين۔ چالیس دن تک۔

یہ روایتیں خزائن الروایات اور شرح برزخ وغیرہ میں ہیں

ينبغي أن يواظب على الصدقة للميت إلى سبعة أيام وقيل إلى أربعين فإن الميت يشوق إلى بيته۔ بہتر تو یہی ہے کہ میت کی طرف سے سات دن اور بعضوں کے مطابق چالیس دن تک برابر صدقہ دیا جاتا رہے کیوں کہ میت اپنے گھر کی مشاق اور آرزو مند ہوتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے "تفسیر عزیزی" میں لکھا ہے

موت کے بعد اپنے اہلے جنس کی طرف لگاؤ باقی رہتا ہے اور زندوں کی مدد مردوں کو خوب پہنچتی ہے وہ اپنے اقربا وغیرہ کے صدقات کے امیدوار ہوتے ہیں۔

غرض کہ اس قسم کی روایات کے سبب لوگ چالیس دن تک برابر میت کی طرف سے محتاج کو روٹی وغیرہ دیتے ہیں۔ رہی بات چہلم وغیرہ کی تو اس کی صورت یہ ہے کہ جو صاحب اس کو منع کرتے ہیں ان کی چند دلیلیں ہیں پہلے ان کا حال معلوم کر لیں پھر جائز ہونے کی وجہ سنیں۔

پہلی دلیل

سيف النكح صفحہ ۴۴ پر شرح منہاج نووی شافعی کی یہ عبارت ہے

الاجتماع على المقبرة في اليوم الثالث وتقسيم السور و العود و إطعام الطعام في الأيام المخصوص كالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرين

تیسرے دن قبر پر جمگھٹا لگانا، عود و گلاب بانٹنا، اور مخصوص دنوں مثلاً تیسرے پانچویں نویں دسویں بیسویں چالیسویں چھٹویں مہینے اور برسی پر کھانا کھانا بدعت

الأربعين و الشهر السادس و السنة بدعة ممنوعة۔ ممنوعہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرح منہاج میں دو چیزوں کا ذکر ہے ایک تیسرے دن مردے کی قبر پر جمع ہونا اور پھر وہاں گلاب کے پھول اور اگر کی بتیاں وغیرہ حاضرین مجلس پر تقسیم کرنا تو اس کا ذکر تو "نصاب الاحتساب" کے حوالے سے تیجہ کے بیان میں گزر چکا کہ لوگوں نے نہایت تکلفات بے جا ایجاد کر لیے تھے نیز وہ میت کی قبر پر تکلفات بھی کرتے تھے تو اس کا ممنوع ہونا تو صحیح ہے۔ چنانچہ اس کی ممانعت کی تصریح ہم خود کر آئے ہیں اور جن بعض آدمیوں نے ایسی رسمیں ایجاد کی تھیں انھوں نے علماء کے منع کرنے سے چھوڑ دیں اب اس رسم کا وجود نہیں۔

شرح منہاج سے دوسری بات یہ نکلی کہ تیسرے پانچویں نویں دسویں بیسویں چالیسویں دن چھٹے مہینے اور برسویں دن بدعت ممنوعہ ہے۔ تو اس سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ ان ایام میں وہ مردے کی قبر پر لے جا کر کھانا کھاتے تھے۔ فتاویٰ بزار یہ میں قبر پر کھانا لے جانے کی تصریح ہے

ويكره نقل الطعام إلى القبر في المواسم۔

لفظ مواسم موسم کی جمع ہے اور لغت میں کسی ایک چیز کے وقت کو اور جمع ہونے کی جگہ کو موسم کہتے ہیں۔ کذا فی المنتخب وغیرہ۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان ایام مقررہ میں مردے کی قبر پر کھانا لے جانا مکروہ ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ تیسرے نویں دسویں دن چھماہی و برسی اور ایام عمید و شب براءت وغیرہ میں (جو کہ یہ ایام فاتحہ اموات کے واسطے معین ہیں) اہل اسلام سے بعض آدمیوں نے بعض شہروں میں قبروں پر کھانا لے جانا اور اسی جگہ جا کر کھانا رسم بنالیا تھا تو اس کو اہل فتویٰ نے منع کیا اور نصاب الاحتساب سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے جس میں لکھا ہے

ويشربون الشرابة عند القبور وفي الحديث الأكل في المقابر يقسي القلب۔ قبروں کے پاس شربت پیتے ہیں جب کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ قبروں کے پاس کھانا پینا دل کو سخت کر دیتا ہے۔

تو علمائے دین نے ممنوع و مکروہ ہونے کی وجہ حدیث شریف کی مخالفت بیان کی ہے کہ احادیث سے قبروں پر کھانا پینا منع ہے۔ یہ نہیں لکھا کہ یہ کھانا دن خاص کر لینے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان ملکوں میں دسویں بیسویں اور چالیسویں وغیرہ کی جوفاتحہ کرتے ہیں وہ مقابر پر نہیں کرتے (بلکہ اپنے گھروں پر کرتے ہیں) لہذا وہ جائز ہوئی۔

دوسری دلیل

فتاویٰ بزاری کی عبارت ہے جو کہ مستملی شرح منیہ المصلیٰ میں منقول ہے

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى المقابر في المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختام أو قراءة سورة الأنعام أو الإخلاص۔ پہلے اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد یعنی آٹھویں دن کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔ اور موسموں میں قبروں کو کھانا لے جانا بھی مکروہ ہے۔ یوں ہی قرآن مکمل ختم کرنے یا سورۃ انعام یا اخلاص پڑھنے کے لیے قاریوں اور صلحا کو جمع ہونے کی دعوت دینا بھی مکروہ ہے۔



اس عبارت سے تین مسئلے پیدا ہوئے۔

### پہلا مسئلہ

یہ کہ میت کا کھانا پہلے اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد یعنی آٹھویں دن تیار کرنا مکروہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دسویں بیسویں اور چالیسویں کا نام بھی نہیں پھر یہ عبارت چہلم وغیرہ کی ممانعت پر کس طرح دلیل ہو سکتی ہے۔ اور اجتہاد کر کے قیاس قائم کرو کہ جس طرح بزازیہ میں ان ایام کو منع کیا ہم ان ایام کو منع کرتے ہیں۔ تو اس کی بھی ہم دو وجہوں سے تردید کرتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ خود شارح منیۃ المصلیٰ نے عبارت بزازیہ نقل کر کے اس کو رد کیا ہے اور اس کھانے کا مکروہ ہونا مسلم نہیں رکھا اور یہ لکھا ہے

و لا یخلو عن نظر لانه لا دلیل علی الکراہۃ . اس کھانے کو مکروہ کہنا بحث سے خالی نہیں کیوں کہ کراہت پر کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔

پس جب کہ خود شارح منیۃ المصلیٰ نے کراہت کو مسلم نہ رکھا تو ہم بھی مسلم نہیں رکھتے۔ معلوم نہیں جن حضرات نے بزازیہ کی عبارت شرح منیۃ سے نقل فرمائی تو ایک سطر کے بعد شرح منیۃ پر اعتراض لکھا تھا کیوں نقل نہ فرمایا۔

مانعین کے استدلال کی تردید کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر مخصوص ایام کے کھانے کی کراہت بزازیہ کے مطابق مسلم بھی رکھیں تو وہ کراہت خاص اس کھانے کے لیے ہو سکتی ہے جس کو وارثان میت بعض ملکوں میں فخریہ طور پر کرتے ہیں اور جس طرح شادی عروسی وغیرہ میں فخر و شان کے ساتھ کھانا کھلانے کا دستور ہے اسی طرح میت کا کھانا بھی تکلف و زینت کے ساتھ امیروں مالداروں اور عزیز کنبہ والوں کو کھلاتے ہیں (عنقریب اسے محدث دہلوی اور فقیہ شامی کے کلام سے تیسری دلیل میں نقل کیا جائے گا) لیکن اس کی ممانعت بھی ایسی ہے کہ اس عبارت سے سمجھ لو جو سمجھ سکو۔ فتاویٰ عالمگیری کی پانچویں جلد ”باب الہدایا والاضیافات“ میں ہے

لا یباح اتخاذ الضیافۃ ثلاثۃ ایام فی ایام مصیبت کے دنوں میں تین دن تک مہمانی کرنا مباح المصیبتۃ و إذا اتخذ لا بأس بالاکل منه . (۱)

اس سلسلہ میں بعض علماء زیادہ تشدد کرتے ہیں بعض کچھ کم۔ اور فتاویٰ قاضی خاں جلد اول ”فصل فی المسجد“ میں یہ مسئلہ لکھا ہے مگر کراہت کو مقید کیا ہے کہ مکروہ اس وقت ہے جب کہ ترکہ سے کھانا پکایا جائے اور وارث ابھی نابالغ اور کچی عمر کا ہو یا بڑا ہو مگر غائب ہو۔ عبارت یہ ہے

و یکرہ اتخاذ الضیافۃ فی المصیبتۃ من التروکۃ ان کان الوارث صغیرا أو کبیرا غائبا .

صاحب بزازیہ نے جو منع کیا ہے تو اس قسم کے کھانے کو منع کیا ہے جو شادی کی طرح ہو اس کی دلیل خود صاحب بزازیہ کا کلام ہے جو شرح منیۃ المصلیٰ میں اسی مقام پر لکھا ہوا ہے

و ان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا . (۲)

(۱) فتاویٰ عالمگیری: ج ۳/۳۳۷ (۲) مرقات الفائق: ۲۲۵/۵

اگر صاحب بزازیہ کے نزدیک مذکورہ کھانے کی کراہت، تعین ایام کے باعث ہوتی تو یوں لکھتے: و ان اتخذوا الطعام فی غیر الايام المخصوصۃ کان حسنا تو معلوم ہو گیا کہ صاحب بزازیہ کے نزدیک کراہت تخصیص ایام کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ غریبوں کو نہیں کھلاتے تھے اپنے دوست آشنا اور مالداروں کو رسماً کھلاتے تھے اس واسطے صاحب بزازیہ نے کہا کہ اگر غریبوں کے واسطے کھانا تیار کریں تو اچھی بات ہے۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے استاذ جناب مولانا شیخ محمد محدث تھانوی مرحوم نے اپنی کتاب ”انوار محمدی“ مطبوعہ مطبع ضیائی میرٹھ میں مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کے لکھے ہوئے چند خاص فتاویٰ جمع کیے ہیں ان میں صفحہ ۴۶ پر ایک یہ فتویٰ بھی ہے

سوال: ہشتم آنکہ خوردن طعام روز سیوم و دہم و چہلم وغیرہ از اہل میت۔ جواب: محتاج رافع نیست۔ انتہی۔

دیکھیے مولوی اسماعیل صاحب نے فتاویٰ بزازیہ کی تصدیق کر دی، یعنی جو کھانا فقرا کے لیے ہو وہ صحیح ہے۔ مولف براہین قاطعہ کی صفحہ ۱۲۱ پر یہ بات اہل علم کے لیے قابل دید ہے آپ فرماتے ہیں

پہلی روایت بزازیہ کی کتاب البیان کی ہے اور دوسری کتاب الاحسان کی پھر کس طرح استناد درست ہو۔ انتہی۔ کیوں صاحب اگر ایک ہی مسئلہ دو باب میں ہو تو ایک کا دوسرے سے استناد درست کیوں نہ ہوگا؟ حدیث وفقہ کی کتابیں اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں لیکن ہم آپ کی خوش نودی کے لیے ایک ہی جگہ دونوں مطلب دکھائے دیتے ہیں لیجیے فتاویٰ قاضی خان کی ”کتاب الخضر والا باحۃ“ ملاحظہ کیجیے

و یکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبتۃ لانہا ایام تأسف فلا یلیق بہا ما یکون للسرور و ان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا . (۱)

دیکھیے یہاں دونوں مسئلہ (ایک ہی جگہ) موجود ہے۔ یعنی ایام مصیبت میں ضیافت برادرانہ تکلفی شادی کی طرح نہ کرے کیونکہ وہ سرور میں ہوتی ہے لہذا مصیبت میں ایسا نہ چاہیے پھر استثنا کیا یعنی دوسرا مسئلہ بیان کیا کہ اگر فقرا کے لیے کھانا پکائے گا تو اچھا ہے۔ اب مرد منصف کو چاہیے کہ خدا سے ڈر کر ان دلائل پر نظر کرے اور زبان زوری اور خن پروری سے تائب ہو۔ و اعلمنا الا البلاغ۔

دوسرا مسئلہ

مجملہ تین مسئلوں کے بزازیہ کی عبارت سے یہ معلوم ہو گیا کہ میت کی قبر پر کھانا لے جانا مکروہ ہے۔ یہ بات ہم پر حجت نہیں کیوں کہ ان ملکوں میں یہ رسم ہی نہیں۔

تیسرا مسئلہ

یہ نکلا کہ قاریوں اور حافظوں کو ختم قرآن کے واسطے جمع کرنا مکروہ ہے۔ تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ اگر اہل اسلام جمع ہو کر اللہ کے لیے قرآن پڑھیں اور میت کو بخش دیں۔ تو اس کا حکم ائمہ مجتہدین علمائے محققین اجماع اہل صلاح و دیانت اور مولوی اسحاق صاحب

(۱) مرقات الفائق: ۲۲۵/۵



کے کلام سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ ہرگز مکروہ نہیں لہذا صاحب بزاز کی یہ مراد ضرور بالضرور یہ ہے کہ بعض ملکوں کی رسم کے موافق اگر حافظوں کو مزدوری دے کر قرآن پڑھوائیں تو یہ البتہ مکروہ ہے۔ اس کی تصدیق کتب فقہ میں موجود ہے۔

شامی نے ”باب الاجارہ“ میں لکھا ہے

قال تاج الشريعة في شرح الهداية : إن قراءة القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاريء وعن شيخ الإسلام إن القاري إذا قرء القرآن لأجل المال فلا ثواب له فأي شيء يهديه إلى الميت. انتهى كلام الشامي ملخصاً (۱)

تاج الشريعة نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ اجرت کے ساتھ قرآن پڑھنے سے ثواب نہیں ملتا نہ تو پڑھنے والے کو نہ ہی مردے کو۔ اور شیخ الاسلام نے فرمایا کہ قاری نے جب مال کی نیت سے قرآن پڑھا تو اسے کوئی ثواب ہی نہ ملا تو آخر وہ میت کو کیا چیز ہدیہ کر رہا ہے۔

یہ جو لشکروں، چھاؤنیوں اور بعض شہروں میں قرآن اس طرح پڑھواتے ہیں کہ روپیہ کے تین قرآن یا چار قرآن کے حساب سے یا کچھ سپارہ کار و زمرہ ٹھہرا کر اس کا ٹھیکہ کر دیتے ہیں تو اس طرح قرآن شریف میت کے واسطے پڑھوانا منع ہے۔ اور سیف السنہ کے صفحہ ۱۲ پر جو عبارتیں طریقہ محمدیہ اور قرطبی کی نقل کی ہیں ان میں بھی وہی مزدوری کے طور پر قرآن پڑھنا مراد ہے۔ اس لیے کہ اس وقت بعض ملکوں میں وہی دستور تھا اور خود طریقہ محمدیہ کی عبارت سیف السنہ میں ہے

و الماخوذ منها حرام لا لاخذ و هو عاص بالتلاوة و الذكر لأجل الدنيا

قرآن کریم پڑھنے پر اجرت لینا حرام ہے۔ اور پڑھنے والا ذکر و تلاوت دنیا کے واسطے کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

بعض علماء نے قبر پر قرآن پڑھنے کی اجرت جو جائز رکھی ہے تو انھوں نے قبر پر آنے اور جانے کی محنت اور اس قدر پابند ہو کر بیٹھنے کی اجرت سمجھ کر جائز کیا ہے کوئی قرآن کی اجرت نہیں وہ تو گویا قاریوں (کے لیے ورثہ) کی طرف سے ہدیہ ہے۔ لہذا فتاویٰ بزازیہ کی عبارت سے ان باتوں کی کراہت ثابت ہوئی ہے مزدوری دے کر قرآن ختم کرانا، مردے کی قبر پر پہلے تیسرے اور آٹھویں دن کھانا لے جانا اور احباب و اغنیاء کی ضیافت کے لیے بطور فرحت و سرور کھانا پکانا مکروہ ہے۔ اور جس طرح ہمارے ملکوں میں رائج ہے یعنی دسویں، بیسویں اور چالیسویں کا کھانا جو (خالص اللہ) پکا کر مصلیوں اور ملاؤں کو اپنے گھر بلا کر کھلادیا جاتا ہے تو عبارت بزازیہ سے اس کی حرمت و کراہت ہرگز ثابت نہیں ہوتی بلکہ استحسان اور عمدگی ظاہر ہوگئی ہے۔ کیوں کہ اس نے اور قاضی خاں نے یہ لکھ دیا ہے

و إن اتخذوا طعاماً للفقراء كان حسناً

اگر غریبوں اور فقیروں کے لیے کھانا تیار کیا جائے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔

صاحب سیف السنہ اور ان کے والد بزرگوار نے یہ فقرہ مخالف مطلوب ہونے کی وجہ سے نقل نہ کیا۔ گویا لا تقربوا الصلوة بڑھ کر و أنتم سكارى پر زبان بند کر لی۔

تحقیق انیق

(۱) رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۴، ۲۹۷۔ مطلب فی الاستبصار علی الطاعات

عاصم بن کلیب نے اپنے باپ سے روایت کی اور انھوں نے ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے

قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة فرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على القبر يوصي الحافر يقول أوسع من قبل رجليه أوسع من قبل رأسه فلما رجع استقبله داعي امرأته فأجاب و نحن معه فجاء بالطعام فوضع يده ثم وضع القوم فأكلوا فنظرنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يلوک لقمة في فيه ثم قال أجد لحم شاة أخذت بغير إذن أهلها فأرسلت المرأة تقول يا رسول الله صلى الله عليه وسلم إني أرسلت إلى النقيع وهو موضع يباع فيه الغنم ليشتري لي شاة فلم توجد فأرسلت إلى جار لي قد اشترى شاة أن يرسل بها إلي بثمانها فلم يوجد فأرسلت إلي امرأته فأرسلت إلي بها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أطعمني هذا الطعام الأسرى (رواه أبو داود و البيهقي في دلائل النبوة كذا في المشكوة في باب المعجزات) (۱)

ایک انصاری صحابی نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ پر نکلے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر گورکن سے فرما رہے ہیں کہ پاؤں کی طرف سے قبر کو فراخ کرو اور سر کی طرف سے کشادہ کرو۔ دفن کے بعد جب آپ واپس ہوئے تو اس میت کی بیوی نے آدمی بھیجا کہ کھانا تیار ہے نوش جاں فرمائیے۔ آپ نے قبول فرمایا اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ کھانا سامنے آیا آپ نے دست مبارک کھانے کی طرف بڑھایا پھر پوری قوم نے بھی بڑھادیا اور سبھوں نے کھایا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دہن مبارک میں لقمہ چبا رہے ہیں مگر نگلتے نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ گوشت ایک ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی ہے تو عورت نے مالک کے ہاتھ یہ کہہ کر بھیجا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نقيع میں آجائے مگر نہ ملی تب بھیجا جہاں بکریاں بکتی ہیں تاکہ بکری مول آجائے مگر نہ ملی تب میں نے اپنے ہم سایہ کے پاس آدمی بھیجا کہ جو اس نے بکری خریدی ہے وہ مجھے بقیعت بھیج دے اتفاق سے وہ ہم سایہ بھی گھر نہ تھا پھر میں نے اس کی بیوی کے پاس بھیجا تو اس نے شوہر کی اجازت کے بغیر بکری میرے پاس بھیج دی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ قیدی کفار تھے جو کہ دائرۃ تکلف شرعی سے خارج تھے۔ اور اس کا شوہر نہ ملا کہ اس سے اذن لیا جاتا تاکہ مسلمان اسے کھالیتے۔

اس حدیث کو بیہقی نے ”دلائل النبوة“ میں اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور مشکوٰۃ کے ”باب المعجزات“ میں بھی ہے۔

”شرح کبیر مدنی“ میں علامہ ابراہیم حلبی نے کہا کہ اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

الحاصل اس حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ اہل میت کی دعوت قبول کرنا جائز ہے اور چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی

(۱) سنن ابوداؤد: ۱۶۲۹، حدیث: ۲۸۹۳، دلائل النبوة: بیہقی: ۷۹/۷، حدیث: ۲۵۶۹، مشکوٰۃ المصابیح: ۲۹۲/۳، حدیث: ۵۹۴۲، مستدرک: ۶/۳۶، حدیث: ۲۱۴۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/۳۶، حدیث: ۲۱۴۷، سنن بیہقی: ۳۳۵/۵، سنن دارقطنی: ۶۲/۱۱، حدیث: ۳۸۲۶



جماعت کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تھے تو یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی غنی بھی (جو صدقہ کا مصرف نہیں) ایسی دعوت میں شریک ہو جائے (تو اس کے لیے بھی) درست ہے۔ تو جواز کی بنیاد اس بات پر رہی کہ اگر اہل میت ریا و سمعہ کے لیے نہیں بلکہ خالص قربت و ثواب کی نیت سے کھانا تیار کرے تو وہ جائز ہے۔

مولانا شاہ عبدالغنی محدث رحمۃ اللہ علیہ (جن سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے حدیث پڑھی تھی) ”انجام الحاجۃ شرح ابن ماجہ“ میں لکھتے ہیں

و أما صنعة الطعام من أهل الميت إذا كان للفقراء فلا بأس به لأن النبي صلى الله عليه وسلم قبل دعوة المرأة التي مات زوجها (كما في سنن أبي داود) اهل میت کا ثواب کی نیت سے فقیروں کے لیے کھانا تیار کرنا کسی حرج کا باعث نہیں۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیوہ عورت کی دعوت قبول فرمائی تھی۔ سنن ابی داؤد میں بھی ایسا ہی ہے۔ (یعنی وہ حضرت عاصم بن کلیب والی مذکورہ حدیث)

ملا علی قاری نے ”شرح مشکوٰۃ“ میں لکھا

هذا الحديث بظاهره يرد على ما قرره أصحاب مذهبنا من أنه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول و الثالث و بعد الأسبوع. عاصم بن کلیب والی یہ حدیث کھلے طور پر ہمارے مذہب والوں کے اس قرار داد کی تردید کر رہی ہے کہ پہلے تیسرے اور ہفتے کے بعد کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔

اس کے بعد علی قاری نے اپنے مذہب والوں کی وجہ بیان کی کہ بھلا وہ حدیث کے خلاف حکم کیوں دیتے؟ اُن کا حکم ایسے مقامات پر محمول ہے کہ جس کے وارثوں میں کوئی چھوٹا لڑکا نابالغ ہو یا یہ کہ بالغ ہو لیکن غائب ہو وہاں موجود نہ ہو یا موجود تو ہو لیکن اس کی رضا مندی معلوم نہیں ہوتی اور یہ کھانا خاص ترکہ کے مال سے تیار کیا جائے اور کسی ایک معین وارث نے اپنے مال سے نہ کیا ہو۔ مرقاۃ میں علی قاری کی عبارت یوں ہے

يحمل على كون بعض الورثة صغيرا أو غائبا أو لم يعرف رضاه أو لم يكن الطعام من عند أحد معين من مال نفسه.

آخر عبارت میں لکھا

و نحو ذلك. (۱)

یعنی جیسے یہ عذر ہم نے بیان کیے ایسے ہی اور عذر مثلاً ریا و سمعہ وغیرہ جب پیش آئیں گے تو ان کے سبب میت کا کھانا منع کیا جائے گا۔ اور ہمارے اصحاب مذہب کی غرض یہی ہے نہ یہ کہ اگر محض ثواب کے لیے اور موانع مذکورہ سے خالی ہو کر اہل میت دعوت کریں تب بھی مکروہ ہوگا۔ حاشا وکلا! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس فعل کو کیا ہو وہ ہرگز مکروہ نہیں ہو سکتا۔

الحاصل، محدثین کے اجماع سے عاصم بن کلیب کی یہ حدیث میت کے لیے کھانا جائز ہونے کے سلسلہ میں ایک اصل عظیم ہے۔ اور دوسواں و بیسواں وغیرہ کی تعیین کے سلسلہ کی ایک اصل عظیم پہلے گزر چکی کہ جس طرح وعظ کے لیے بعض مصالح کی بنیاد پر دن متعین کیا گیا اسی طرح صدقہ اموات کے لیے بھی کچھ مصلحتوں کے باعث دن کا تعین ہوا۔ لہذا ہندوستان میں یہ جو فاتحے مروج ہیں اہل سنت و جماعت کے نزدیک شرعی دلیلوں کے موافق بالکل صحیح ہیں۔ اور جو لوگ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے ان کا رد کرتے ہیں جسے امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے

كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت و صنعهم الطعام من النياحة. (۱) اہل میت کے یہاں جمع ہو کر کھانا بنانے کو ہم سوگ میں شمار کرتے تھے۔

تو یہ دلیل کئی اعتبار سے مخدوش ہے۔

اولا

یہ کہ مقدمہ شرح مسلم میں ہے کہ جب کوئی صحابی یوں کہے کہ ہم ایسا کیا کرتے تھے یا ایسا کہا کرتے تھے تو اس کی دو صورت ہے: اگر وہ یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم ایسا کرتے تھے تو وہ حدیث مرفوع ہے ورنہ موقوف۔ اس قول کو جمہور محدثین اور اصحاب فقہ و اصول کا قول لکھا ہے۔ پھر لکھا کہ هذا هو المذهب الصحيح الظاهر۔ لہذا جریر بن عبداللہ کا قول موقوف ہوا کیوں کہ زمانہ رسول کی طرف اس کی نسبت نہیں ہوئی۔ اور حدیث موقوف حجت نہیں ہو سکتی، جیسا کہ میر سید شریف ”اصول حدیث“ میں فرماتے ہیں

الموقوف و هو مطلقا ما روي عن الصحابي من قول أو فعل متصلا كان أو منقطعا و هو ليس بحجة على الأصح. حدیث موقوف اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت مطلقا کسی صحابی سے قول یا فعل متصلا یا منقطعا ہو۔ اور اصح مذہب کے مطابق حدیث موقوف حجت نہیں ہوتی۔

لاحمد طاہر نے ”مجمع البحار“ جلد ثالث کے خاتمہ میں لکھا

و الموقوف ما روي عن الصحابي من قول أو فعل متصلا أو منقطعا و هو ليس بحجة. حدیث موقوف اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت کسی صحابی سے قول یا فعل متصلا یا منقطعا ہو۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ حجت نہیں ہوتی۔

لہذا جریر بن عبداللہ کی یہ حدیث موقوف حجت نہیں اور پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح مرفوع کے معارض بھی ہے۔

ثانیا

حدیث جریر کے معنی یہ ہوئے کہ ہم اس بات کو نیاحت میں شمار کرتے تھے کہ لوگ اہل میت کے پاس جمع ہوں اور وہ ان کے لیے کھانا تیار کریں۔ ”انجام الحاجۃ شرح ابن ماجہ“ میں اس کی تفسیر یوں لکھی ہے

(۱) سنن ابن ماجہ: ۹۹/۵ حدیث: ۶۶۱۱۱ مسند احمد: ۱۴۹/۱۳ حدیث: ۶۶۱۱۱ معجم طبرانی: ۳۲۶/۲ حدیث:



نعد وزره كوزر النوح .

اس کا گناہ ایسا شمار کیا کرتے تھے کہ جیسا نوحہ میں گناہ ہوتا ہے۔

نوحہ کا مسئلہ یہ ہے کہ شرح کبیر مدنیہ میں ہے

و يحرم النوح .

یعنی نوحہ کرنا حرام ہے۔

ابوداؤد میں ہے

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّائِحَةَ وَ الْمُسْتَمِعَةَ . (۱)

تو معلوم ہوا کہ اس اجتماع اور کھانے میں آدمی حرام کا مرتکب اور لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔ بھلا اگر یہ بات صحیح ہوتی تو ارباب فتاویٰ بزاز یہ اور قاضی خان وغیرہ کس طرح فتوے دیتے کہ اگر غریبوں کے واسطے اہل میت کھانا تیار کریں تو اچھی بات ہے۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ اس بیوہ کی دعوت پر کیسے تشریف لے جاتے۔ کیوں کہ ان دونوں صورتوں میں اہل میت کے پاس اجتماع اور کھانے کا تیار کرنا (جن کو منکرین حرام اور مستحق لعنت لکھتے ہیں) دونوں باتیں موجود ہیں۔ اور اس مقام پر مولف براہین قاطعہ نے بڑی شوخی سے کام لیا کہ صفحہ ۹ کی ساتویں سطر پر جریر بن عبد اللہ کی حدیث کے تحت لکھا

اس حدیث میں اجتماع کو مطلق فرمایا، کوئی قید نہیں کہ کس واسطے جمع ہونا تھا خواہ محض تعزیت مکررہ کے واسطے خواہ قرآن پڑھنے، اور مطلق کو بالرائے مقید کرنا حرام ہے اور طعام بھی مطلق ہے۔

بھلا جب اجتماع مطلق رہا تو جمیع اجتماعات کو شامل اور طعام بھی مطلق رہا تو سب افراد کو شامل، تو ذرا مولف براہین کی کج فہمی دیکھیے، مذکورہ بالا صورتیں کہاں کہاں پہنچ گئی ملاحظہ کرنے کے لائق ہے۔

ثالثا

فقہار حمم اللہ نے اس اجتماع اور طعام کو موت کے وقت مکروہ رکھا ہے۔ جیسا کہ علامہ حلبی نے ”شرح کبیر“ میں حدیث جریر کے بارے میں لکھا

و إنما يدل على كراهة ذلك عند الموت فقط .

حدیث عاصم بن کلیب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت قبول کرنا میت دفن کرنے کے بعد تھا، تو اس صورت میں تعارض اولہ کا شبہ بھی دفع ہو گیا۔ اور ہمارے ارباب مذہب نے جو بعد دفن بھی چند روز تک کھانا کھلانے کو منع کیا ہے تو فتاویٰ قاضی خان

(۱) سنن ابوداؤد: ۳۹۷۷، حدیث: ۲۷۲۱، مسند احمد: ۲۳۱/۲۳۲، حدیث: ۱۱۱۹۶، معجم کبیر طبرانی: ۳۵۰/۹، حدیث: ۱۱۱۳۶، شعب الایمان: ۱۲۰/۲۱، حدیث: ۹۸۰۰، معرّفۃ

اسنن والآثار: ۳۰۹/۶، حدیث: ۲۳۳۶، مجمع الزوائد منبع الفوائد: ۲۳۲/۱، المسند الجامع: ۳۶۸/۱۳، حدیث: ۲۳۰۵، تحفۃ الاشراف: ۳۳۶/۵، حدیث: ۲۱۹۳،

یوں بھی آیا ہے

لعن الله النائحة والمستمعة . (کنز العمال: ۶۱۲/۱۵، حدیث: ۲۲۳۳۵، ۴۰۲/۱۶، حدیث: ۲۵۱۰۹، الخفص الحیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ۴۰۶/۲، حدیث: ۸۰۴)

اور مرقات علی قاری کے حوالے سے اس کا بیان گزر چکا کہ اس منع کی شکلیں اور ہیں، محض قربت و ثواب کی نیت سے منع نہیں بلکہ فتاویٰ میں ہے کہ موت کے دن سے سات یا چالیس روز تک میت کی طرف سے برابر صدقہ کیا جائے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔ اور فقیروں کے لیے کھانے کا حسن ہونا بھی گزر چکا۔

رابعاً

علی قاری نے اس اجتماع اور کھانا بنانے کی تشریح ”مرقات“ میں یوں کی ہے

فينبغي أن نقيد كلامهم بنوع خاص من اجتماع يوجب استحياء أهل بيت الميت

فيطعمونهم كرها . (۱)

ہمیں چاہیے کہ اس اجتماع کے منع کو مطلق نہ رکھیں بلکہ حدیث جریر کو ارباب فتاویٰ ایک خاص قسم کے اجتماع کے ساتھ مقید کر دیں کہ آدمی خواہی خواہی جمع ہو جائیں اور وارثان میت ان کو جبراً اور اکراہاً شرماشری میں کھلائیں تو یہ اجتماع یقیناً مستحق لعنت اور درجہ حرمت میں ہوگا، جس کا گناہ نوحہ کے برابر گنا گیا ہے۔ اس صورت میں حدیث جریر کے اندر الاجتماع کا الف لام عہد کے لیے ہوگا۔ مولف براہین نے سیوم کے اجتماع اور خود کی تقسیم یوں ہی دسویں، بیسویں اور چالیسویں وغیرہ کے اجتماعات اور کھانوں کو جو حدیث جریر بن عبد اللہ میں داخل کیا ہے اور (صرف یہی نہیں) ان کے اگلے پچھلے تمام ہم مشرب داخل کرتے ہیں اور اس کو بڑی قوی دلیل جیسے لوہے کی لاث سمجھ رہے ہیں تو مذکورہ بالا تحقیقات سے معلوم ہو چکا کہ یہ بالکل بے اصل ہے کیوں کہ سیوم میں قرآن پڑھنے کے لیے اجتماع ہوتا ہے جو بالا جماع جائز ہے (جیسا کہ عینی وغیرہ کے حوالے سے گزر چکا) اور تجہ میں شیرینی و خود کی تقسیم اور دیگر فاتحے میں کھانا کھانا کوئی احتیاء اور شرماشری سے نہیں ہوتا جسے ملا علی قاری نے جریر بن عبد اللہ کی حدیث سے ثابت کیا کہ لوگ خواہی خواہی وارثان میت کے گرد جمع ہو گئے اور حلقہ مار کر بیٹھ رہے بلکہ خود ورثہ میت نے مولویوں اور مصلیوں کو دعوت کر کے قربت و ثواب کی نیت سے بلایا ہے۔ جو لوگ اس جلسہ میں غریباہیں ان کے دینے میں صدقہ کا ثواب اور جو کوئی غنی ہے ان میں فعل معروف کا ثواب موجود ہے۔ جس طرح نبی کریم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جماعت صحابہ کے ساتھ اس بیوہ عورت کے گھر موجود تھے۔

خامساً

حدیث جریر میں اجتماع اور کھانا تیار کرنا دونوں فعل ہیں اور فعل ہمیشہ کسی زمانہ میں ہوگا تو وہ زمانہ اس اثر میں محدود نہیں بلکہ میت کی وفات کے وقت سے لے کر جب تک وارثان میت زندہ ہیں اس وقت تک کو شامل ہے، تو اس صورت میں جرح عظیم لازم آئے گا اس لیے کہ مولف براہین نے اجتماع مطلق لیا کہ لوگ خواہ کسی واسطے جمع ہوں اور تعقید بالرائے حرام ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ زمانہ بھی مطلق ہے خواہ کبھی آدمی جمع ہو جائیں، تو اس صورت میں دو قباحتیں لازم آئیں گی۔

پہلی قباحت

یہ کہ موت میت کے بعد سے ہمیشہ کے لیے اہل میت کے گھر اجتماع اور کھانا کھانا خواہ کسی وجہ سے ہو ممنوع اور حرام ہو گیا، اور یہ بڑے جرح کی بات ہے، اسی وجہ سے علامہ حلبی نے اس کو وقت موت کے ساتھ مخصوص کر دیا کہ وہ وقت افسوس اور غسل و تکفین



وغیرہ میں مشغولی کا ہوتا ہے اور بعد دفن کا حکم اس سے خارج رہا۔ شرح حدیث جریر کے سلسلہ میں ان کی عبارت یہ ہے  
وإنما يدل على كراهة ذلك عند  
اجتماع الكراهية في تركه على ما دللنا عليه۔

### دوسری قباحت

یہ ہے کہ جب زمانہ مطلق رہا تو جمیع افراد یعنی ایام معینہ اور غیر معینہ سب کو شامل ہوگا۔ کیوں کہ المطلق بجری علی  
إطلاقه مسلم الثبوت قاعدہ کلیہ ہے تو جس طرح ایام معینہ کے فاتحے میں اجتماع اور کھانا بنانا ہوگا اسی طرح ایام غیر معینہ کے اطعام  
مساکین میں بھی یہی دونوں باتیں موجود ہوں گی الاجتماع إلى أهل الميت و صنعهم الطعام تو جس دلیل سے ایام معینہ  
کے کھانے کو منع کرتے ہو اسی دلیل سے ایام غیر معینہ میں اطعام مساکین بھی مکروہ و حرام اور مانند نوحہ ٹھہرے گا۔ مانعین ایچھے  
اعتراض کا جھوٹا کالائے کہ اپنی مشیت خاک بھی اڑالے گئے۔

الحاصل صاحب شرح کبیر معنیہ کی نظر بہت صحیح ہے اور اس نظر پر جو فقیہ شامی نے نظر فرمائی ہے اس کا بعض مضمون علمائے  
مقتدین مثلاً علی قاری وغیرہ کی قرارداد کے مخالف ہے مثلاً یہ عبارت

فإنه واقعة حال لا عموم لها مع احتمال سبب خاص بخلاف ما في حديث جرير علي

أنه بحث في المقول في مذهبننا ومذهب غيرنا كالشافعية

یہ کیا ضرور ہے کہ فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحیح اسناد سے پہنچا ہو کہ (جس کی بابت ارشاد ہے: مَا أَتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ) بلا  
محارض مرفوع صحیح واقعہ حال ٹھہرا کر ترک کر دیا جائے اور اس کے مقابل میں ایک صحابی کا اثر جو انہی پر موقوف ہے قانون کلی تجویز  
کر دیا جائے۔

طرفہ ماجرایہ ہے کہ دونوں میں کوئی تعارض بھی نہیں جو حدیث عاصم بن کلیب میں ثابت ہو اوہ بہ نظر قربت و ثواب ہے اس کو  
ہمارے اصحاب جائز رکھتے ہیں اور جو حکم اثر جریر بن عبد اللہ میں ہے وہ احتیاط و سمعہ اور یا موانع مذکورہ بالا کے سبب ہے اس  
کو ہمارے ارباب فتاویٰ منع کرتے ہیں؛ لہذا منقول فی المذہب میں بحث نہ ہوئی اور شافعیہ وغیرہ کا مذہب ہم پر حجت نہیں اسی وجہ  
سے عاجز راقم نے سابق انوار ساطعہ میں صرف کبیری کی نظر کو ذکر کیا اور شامی کی نظر کو بیان نہ کیا تھا کہ وہ منظور فیہ تھی اور اس مضمون  
کے بعد جو فقیہ شامی نے وجہ کراہت کے سلسلہ میں نکیریں بیان فرمائی ہیں وہ ہمارے اور علامہ حلبی وغیرہ کے خلاف نہیں بلکہ عین  
موافق ہیں۔ یعنی ورثہ کا صغیر یا غائب ہونا اور سامان فرحت و سرور جیسے طلبہ بجانا اور تقنی وغیرہ کے برے کام کرنا جو اموات سے  
متعلق ضیافت میں ہوتا ہے مکروہ تحریمی کے سبب ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ثواب کی نیت سے کھانا پکانا اور اکٹھا ہونا صرف  
یہی دو امر مندرجہ حدیث جریر میں کراہت و تحریم کا سبب ہوں۔ شامی کی یہ اخیر والی تعلیل فقہائے احناف کے بالکل موافق و مطابق  
ہیں۔ اور ”شفاء السائل“ میں شاہ عبدالغنی دہلوی موصوف کا بیان بھی یہی ہے

وطعام یختلن مثل شادی و جمع شدن در خانه میت مثل  
اجتماع شادی مکروہ است۔  
شوادی کی طرح خوشی منانا مکروہ ہے۔

اپنی دوسری کتاب ”انجام الحاجہ شرح ابن ماجہ“ میں بھی اسی مطلب کی ترجمانی کی ہے  
و أما إذا كان للأغنياء والأضياف ممنوع  
مكروه لحديث أحمد وابن ماجه كنائري  
الاجتماع و صناعة الطعام إلى آخره۔

تو شاہ صاحب موصوف نے صاف بیان فرمادیا کہ ممنوع و مکروہ وہ شکل ہے جس میں شادی کے کھانے کی طرح مالداروں اور  
”مہمانوں کا جگہ کھانا ہوا ان کے نزدیک حدیث جریر کا یہی محمل ہے۔ اور جو ثواب کی نیت سے ہو وہ جائز ہے یہ ان کے نزدیک عاصم بن  
کلیب کی حدیث کا محمل ہے۔ جیسا کہ انجام الحاجہ کے حوالے سے اوپر نقل کیا گیا۔ اور یہی مذہب ہے۔

### تیسری دلیل

چالیسویں وغیرہ کے سلسلے میں مانعین کی یہ عبارت ہے کہ ”سيف النـ“ کے صفحہ ۱۵ پر تحریر ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے  
”مقالة الوصية“ یعنی وصیت نامہ میں فرمایا ہے

دیگر از عادت شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتم و چہلم و  
چالیسویں چھماہی اور برسی کے فاتحہ کے مواقع پر اسراف سے  
کام لینا بھی ہے۔

میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ عاقل ہوتے تو شاہ ولی اللہ کے کلام کو کبھی پیش نہ کرتے اس لیے کہ اس میں چہلم وغیرہ کے کھانے کو نہیں  
منع کیا اس میں تو اسراف کرنے کو بری عادت سے تعبیر کیا ہے۔ اسراف بے اندازہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں اور قرآن شریف میں ہے  
وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (۱)  
اور بے جا خرچ نہ کرو بے شک بجا خرچ کرنے والے  
اسے پسند نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا منشا اس بند کرنے سے اسراف بند کرنا ہے چنانچہ اس کی برائی انھوں نے بیان کی ہے اور ہم بھی اس کو  
برا کہتے ہیں۔ لوگوں کے اندر مختلف مقامات پر طرح طرح کی فضول خرچیوں کی عادت پڑ گئی تھی؛ چنانچہ علامہ شامی نے ضیافت  
اموات کی قباحت کی بابت لکھا ہے

ما يحصل عند ذلك غالباً من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع و القناديل التي  
توجد في الأفراح و كصدق الطبول و الغناء بالأصوات الحسنات و اجتماع النساء و  
المُردان و أخذ الأجرة على الذكر و قراءة القرآن إلى آخره (۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے کھانوں کے موقع پر محفل شادی سے کہیں زیادہ اونچے پیمانہ پر قندیلیں اور شمعیں روشن کی  
جاتی ہیں طلبہ بجتے ہیں خوش آوازی سے گانے گائے جاتے ہیں عورتیں اور بلا داڑھی کے لڑکے اکٹھا ہوتے ہیں قرآن کریم پڑھنے  
پر مزدوری لیتے ہیں۔



یہ عبارت شامی نے ”باب الجنائز“ میں لکھی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہوں پر ایسے اسرافات بھی جاری ہو گئے تھے اور اسی طرح وہ حصے جو بطور توروہ بندی خاص اپنے احباب اور برادران اغنیا میں تقسیم کرتے ہیں اور غریبوں کو نہیں کھلاتے وہ بھی فی الجملہ اسراف اور خود نمائی میں داخل ہیں۔

چنانچہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت جسے مولوی اسحاق صاحب نے ”مسائل اربعین“ کے سوال نمبر ۳۶ میں ”جامع البرکات“ سے نقل کی ہے

وآنکہ بعد از سالی و ششماہی یا چہل روز در ایں دیار پزندو وہ چیز جو سالانہ ششماہی اور چالیسویں کے بعد ان کے گھروں درمیان برادران بخشش کنند آں را بھاجی گویند چیزے داخل میں بھاجی کے نام سے کھانے تیار کر کے برادری میں تقسیم کی جاتی اعتبار نیست بہتر آن است کہ خوردند۔ انھیں۔ ہے اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اور اس کا نہ کھانا ہی بہتر ہے۔

واضح ہو کہ شرح منہاج میں جو گزرا کہ شش ماہی اور سالانہ وغیرہ کا کھانا مکروہ ہے تو اس میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ جو اس کھانے کے مستحق ہیں ان کو نہیں کھلاتے اور کھانا ایسا پر تکلف پکاتے اور اس میں ایسی زینتیں کرتے ہیں جیسا کہ عموماً شادیوں کے موقع پر ہوا کرتا ہے اور اس میں احباب کی ضیافت خوشی خوشی کرتے ہیں تو ایسے کھانے کو فقہاً منع کرتے ہیں۔

و یکرہ اتخاذ الضیافۃ من اهل المیت لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور (یعنی

الحزن) وھی بدعة مستقبحة۔ الی آخرہ (۱)

حاشیہ خزائنہ الروایات میں ہے

ولا ضیافۃ فی بیوت الموتی و ہم فی الہل میت سے پر تکلف مہمانی کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ بات خوشی میں تو جائز ہے لیکن موت میں خوشی کہاں وہ تو غم ہوتا ہے اور پھر مردہ کے گھر میں ضیافت کیسی! وہ تو اپنی قبروں میں پڑے ہیں۔

واضح ہو کہ جس فقیہ کے کلام میں ممانعت ہے تو وہ اسی قسم کے کھانے کے بارے میں ممانعت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ بڑا زیادہ وغیرہ میں صراحت آیا ہے

وإن اتخذوا طعاماً للفقراء کان حسناً

جو لوگ تعینات کے ساتھ ساتھ ان فاتحے کو جائز رکھتے ہیں وہ سب یہ شرط لگاتے ہیں کہ صدقات کے ثواب میں صرف اغنیا کو کھلا دیئے گا کوئی اعتبار نہیں۔ چنانچہ ”تحفۃ الناصح“ میں ہے۔

سازی طعام مردہ چوں روز سیوم ہفتم چہل  
باید دی درویش را ورنہ نہ باشد معتبر

(۱) فتح القدیر: ۳/۳۳۳، فصل فی الدفن۔ مرقاۃ المفاتیح: ۴۲۵/۵

یعنی تیجہ ساتواں اور چالیسویں کے موقع پر مردے کے ایصال ثواب کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے چاہیے کہ وہ صرف فقرا ہی میں تقسیم کیا جائے ورنہ ان پر کوئی ثواب مرتب نہ ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ جب کھانا مردے کے ثواب کی نیت سے تیار کیا گیا اور فقرا ہی کو کھانا کھلایا لیکن ساتھ ہی کچھ غنی شخص بھی اس میں شریک کئے گئے تو اس کا بھی ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو یہ مسئلہ ایک بار مولانا احمد علی محدث سہارنپوری مرحوم کے سامنے پیش کیا گیا کہ مولانا اسحاق مرحوم کے ”مائتہ مسائل“ کے سوال پنجاہ و یکم (۵۱) میں ہے

طعامے کہ بہ نیت تصدق بر فقرا از اموات پزند تا ثواب جو کھانا مردوں کے ایصال ثواب کے لیے فقیروں میں آں بایشاں رسد جز فقیر و انہود چہ تصدق بر فقرا می باشد و ہدیہ تقسیم کرنے کی نیت سے تیار کیا جائے تو اسے فقیروں کے علاوہ کسی اور میں نہ بانٹا جائے اس کی حیثیت فقیروں کے لیے مراغیاریا۔

صدقہ اور اغنیا کے لیے ہدیہ کی ہے۔

اس وقت مولانا (احمد علی محدث سہارن پوری) کیپ میرٹھ کٹھی شیخ الہی بخش خاں بہادر مرحوم میں گیارہویں کا کھانا تناول فرما رہے تھے موقع وقت بھی یہی تھا کہ جناب مولانا بفضلہ تعالیٰ بہت ہی خوش حال، متمول اور صاحب تجارت تھے اور وہ کھانا حضرت غوث الثقلین قدس سرہ کی روح پر فتوح کے ایصال ثواب کے لیے تھا ارشاد فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اغنیا کے کھانے سے اس درجہ کا ثواب نہیں پہنچتا جس درجہ فقرا کے کھانے سے پہنچتا ہے ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اغنیا کے کھانے کا ثواب بالکل پہنچتا ہی نہیں کیوں کہ کھانا کھانا (اگرچہ اغنیا ہی کو ہو) کوئی منکرات سے نہیں بلکہ معروفات شرعیہ سے ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ

كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ (۱)

مولانا محدث کا کلام یہاں تمام ہوا۔

(۱) صحیح بخاری: ۱۸/۳۳۲، حدیث: ۵۵۶۲، صحیح مسلم: ۱۶۷۵، حدیث: ۱۶۷۵، سنن ابوداؤد: ۱۱/۱۱۳، حدیث: ۳۲۹۶، سنن ترمذی: ۲۳۶/۷، حدیث: ۱۸۹۳، سنن نسائی: ۲۳۶/۷، حدیث: ۱۸۹۳، مستدرک احمد: ۲۳۱/۲۹، حدیث: ۱۳۱۸۲، معنف ابن ابی شیبہ: ۳۵۹/۴۷، حدیث: ۲۲۲۹۰، سنن بیہقی: ۲۳۰/۱۸۸، الابانۃ الکبریٰ لابن بطہ: ۴۷۶/۵، حدیث: ۳۳، الآحاد والثانی: ۶/۷۶، حدیث: ۱۸۶۳، مستدرک حاکم: ۳۱۷/۵، حدیث: ۲۲۷۲، معجم کبیر طبرانی: ۱/۲۸۳، حدیث: ۱۱۱۵، معجم اوسط طبرانی: ۳۳۶/۱۹، حدیث: ۱۱۰۶۹، معجم صغیر طبرانی: ۶۱/۷۷، حدیث: ۶۳، شعب الایمان: ۳۳۲/۷، حدیث: ۳۱۸۰، مستدرک ابویعلیٰ موصلی: ۹۷/۵، حدیث: ۱۹۸۹، مستدرک حاکم: ۱۳۹/۵، حدیث: ۲۰۳۱، سنن دارقطنی: ۱۸۱/۷، حدیث: ۲۹۳۳، صحیح ابن حبان: ۱۳/۴۵، حدیث: ۳۳۴۷، صحیح ابن خزیمہ: ۳۹۱/۸، حدیث: ۲۱۶۳، مستدرک عبد بن حید: ۲۰۴/۳، حدیث: ۱۰۸۵، معرفۃ الصحاب: ۱۴/۱۳، حدیث: ۲۰۶۰، مستدرک شہاب قضاوی: ۱۴۲/۱، حدیث: ۸۶، مستدرک طحاوی: ۳۳۰/۱، حدیث: ۲۱۴، مشکل الآثار طحاوی: ۱۴۸/۱۳، حدیث: ۱۴۷۷، امثال الحدیث اصہبانی: ۳۳۰/۱، حدیث: ۳۳۰، الآداب بیہقی: ۱۱۴/۱، حدیث: ۹۵، الادب المفرد بخاری: ۳۳۳/۱، حدیث: ۵۰۰۰، اربعون صغریٰ بیہقی: ۱۷/۱۱، حدیث: ۸۳، مستدرک بزار: ۴۷۹/۳، حدیث: ۴۷۹، الجامع للاخلاق الراوی خطیب بغدادی: ۳۶۰/۱، حدیث: ۳۳۱، مستدرک شامی: ۳۸۸/۱، حدیث: ۳۱۶، المطالب العالیہ عسقلانی: ۲۷۷/۳، حدیث: ۱۰۱۹، غریب الحدیث: ۲۷۷/۱، حدیث: ۲۳۱، معجم ابن المقرئ: ۳۵۱/۱، حدیث: ۲۵۰، معجم الصحاب: ۳۷۸/۳، حدیث: ۸۹۳، مکارم الاخلاق خراکلی: ۸/۷، حدیث: ۷۷، مکارم الاخلاق طبرانی: ۱/۱۳۷، حدیث: ۱۱۱، مجمع الرواۃ: ۱۳/۳، نصب الراية: ۳۹۳/۷، المستدرک الجامع: ۱۱۵/۹، حدیث: ۲۷۷، تخريج احادیث الاحیاء: ۳۶۷/۷، حدیث: ۳۲۹۴



اب اس کے بعد مجھے تلاش ہوئی کہ یہ تو از روئے حدیث جواب ہوا فقہائے کرام کا جزیہ بھی دیکھنا چاہیے تو چند کتابوں میں مجھے اس مسئلہ کی تصریح بھی نظر آگئی جسے تحریر کرتا ہوں۔

اسی ”ماتہ مسائل“ کے سوال پنجاہم (پچاسویں) میں بحر الرائق سے نقل کیا ہے

وقيد بالزكوة لأن النفل يجوز للغني كما زكوة کی قید اس لیے لگائی کہ نفلی صدقہ جس طرح مرد ہاشمی نسب کو جائز ہے ویسے ہی غنی کے لیے بھی جائز ہے۔

للهاشمي . (۱)

تہستانی کی فصل (مصرف الزکوة) میں ہے

سوق الكلام مشيراً إلى جواز صرف صدقة التطوع إلى الغني .

اس عبارت کا خلاصہ بھی وہی ہے۔

ہدایہ کے (فصل صدقہ) میں ہے

لأنه قد يقصد بالصدقة على الغني الثواب . (۲)

مجمع البحار جلد دوم میں ہے

الصدقة ما تصدقت به على الفقراء أى غالب صدقہ وہ ہے جو فقرا کو دیا جائے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اکثر صدقے ایسے ہی ہوتے ہیں ورنہ صدقہ تو بے شک غنی کو بھی دینا جائز ہے اور اس پر ثواب بھی ملتا ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اغنیاء کا دینا بہہ اور ہدیہ ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہدیہ اور بہہ کرنا بھی معروفات شرعیہ اور موجبات ثواب میں سے ہے۔ لہذا اس پر ضرور ثواب ملے گا گو کہ فقیر کی بہ نسبت کم ہو۔

چوتھی دلیل

مجمع جہلم وغیرہ کے سلسلے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ وصیت نامہ میں فرماتے ہیں و بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و جہلم و ششماہی میرے مرنے کے بعد دسویں بیسویں چالیسویں ششماہی ششماہی و بر سنی چچ نکلتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ اور برسی جیسے دنیوی جیسے نہ کیے جائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز سے زیادہ سوگ منانے کو جائز نہیں فرمایا ہے۔

(۱) بحر الرائق ۷۶۶

(۲) عنایہ شرح ہدایہ ۳۲۵/۱۲

واضح ہو کہ اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھانا امور دین سے ہے اور قاضی صاحب نے رسوم دنیوی کو منع فرمایا ہے اور وہ یہ کہ عورتیں ان ایام میں جمع ہو کر رویا پینا کرتی ہیں۔ اور یہ کوئی ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے خود قاضی صاحب کی دلیل اپنے منہ بول ربی ہے یعنی منع جہلم وغیرہ کی دلیل یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ ماتم کرنا جائز نہیں فرمایا (۱) تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ چھماہی برسی اور جہلم وغیرہ میں ماتم نہ کریں۔

مولوی اسماعیل صاحب نے بھی ”تذکیر الاخوان“ میں لکھا ہے

جو عورت ماتم برسی کو آتی ہے وہ بھی ان کے پیٹنے چلانے میں شریک ہوتی ہے پھر کسی کے یہاں تین دن کسی کے سات دن کسی کے دس دن کسی کے چالیس دن کسی کے چھ مہینہ کسی کے برس دن تک اور کسی کے دو برس تک یہی بات جاری رہتی ہے جتنے دنوں جس قدر یہ نوحہ زیادہ ہو اسی قدر آپس میں ان لوگوں کی تعریف ہو اور اگر نہ ہو تو وطن کرتے ہیں کہ فلاں کے ہاں میت کی کچھ قدر نہ ہوئی۔ اور مرد جو جاتے ہیں تو صرف دستور و رواج کے موافق ان لوگوں کے دکھلاوے کو کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں اس فاتحہ سے مردے کے لیے ثواب منظور نہیں ہوتا (یہ تلخیص کے ساتھ تذکیر الاخوان کی عبارت ہے)۔

تو قاضی صاحب کا دراصل اشارہ ان امور کی طرف ہے ورنہ وہ خود اسی وصیت نامہ میں فرماتے ہیں

واذ کلمہ درود و ختم قرآن واستغفار از مال حلال صدقہ بہ فقر با خفا و در فرامید۔ اتھی۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ کلمہ اور ختم قرآن وغیرہ سب قاضی صاحب کے نزدیک درست ہے اور صدقہ کو پوشیدہ اس لیے فرمایا کہ اپنے ورثہ میں نمود و نمائش وغیرہ کا کچھ طریقہ دیکھا ہوگا (جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں) اس واسطے اخفا کا حکم دیا ورنہ صدقہ ظاہر کر کے دینا شرع میں درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ان تَبْذُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ . (۲)

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے

اگر کھلی دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا فارسی ترجمہ یوں کیا ہے

اگر آشکارا کفایت خیرات را پس نیکو چیز است۔

(۱) متن حدیث: لا یحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد علی میت فوق ثلاث لیل الا علی زوج اربعة اشهر و عشرًا .

صحیح بخاری: ۲۶۸۵ حدیث: ۱۲۰۱ صحیح مسلم: ۲۷۲۷ حدیث: ۲۷۳۱ متن ابوداؤد: ۲۲۳۶ حدیث: ۱۹۵۵ متن ترمذی: ۳۲۸۸ حدیث: ۱۱۱۷ متن ابن ماجہ: ۲۷۸۶ موطا امام مالک: ۲۲۸۸ حدیث: ۱۰۹۹ مستدرک: ۳۹۰ حدیث: ۱۱۹ حدیث: ۲۲۹۶۳ مصنف عبدالرزاق: ۲۸۷۷ متن کبریٰ نسائی: ۳۸۳۳ حدیث: ۵۶۹۳ صحیح ابن حبان: ۱۰۱۸۱۸ حدیث: ۲۳۷۸۸ مستطیسی: ۳۸۵۸۳ حدیث: ۱۶۸۱ مشکوٰۃ المصابیح: ۲۵۶۲۲ حدیث: ۳۳۳۰

(۲) سورہ بقرہ: ۲۷۱/۲



ظاہر کر کے دینے میں ایک نفع اور بھی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ہدایت ہو کہ وہ بھی صدقہ کیا کریں۔

### پانچویں دلیل

منع چہلم وغیرہ کے لیے یہ لکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

طعام المیت یمیت القلب و طعام المریض میت کا کھانا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور مریض کا کھانا دل بمرض القلب و در نوادر ہشام آمدہ کہ مکروہ ہست اجابت کو بیمار کر دیتا ہے۔ نوادر ہشام میں آیا ہے کہ میت کی روح کے کردن طعام کے بجھت روح مردہ کردہ باشند۔ واسطے کیا گیا کھانا قبول کرنا مکروہ ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح رکھو گے تو دوسری حدیثیں جو میت کی طرف سے ترغیب خیرات میں آئی ہیں اور باجماع امت مقبول بھی ہیں ان کا کیا جواب دو گے۔ اور اس حدیث کی اسناد بھی نہیں معلوم اور صحابی کا نام بھی نہیں کہ کس صحابی نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے نہ ہی صحابی کے بعد اور راویوں کے احوال معلوم کہ پھر صحابی سے کن کن راویوں نے اس کو روایت کیا نہ ہی حدیث کی کتاب کا نام لکھا کہ صحاح ستہ یا حدیث کی کسی اور کتاب میں یہ حدیث موجود ہے۔ ان امور سے قطع نظر اس حدیث کو معین و مخصوص تیجہ دسویں بیسویں اور چالیسویں کے فاتحے کی ممانعت کے لیے پیش کرنا بھی صحیح نہیں کیوں کہ اس میں مطلق طعام میت کی نہی موجود ہے تو بلا تعین کا صدقہ بھی نہیں پایا گیا جس کو تم جائز کہتے ہو اور جب مطلقاً فقیر و امیر کی قید کے بغیر اس دعوت کو قبول کرنا مکروہ ہوا تو میت کی طرف سے صدقہ کا جو حکم حدیث و فقہ میں ہے اس دعوت کو جنات قبول کریں گے یا جنگل کے وحوش و طیور۔ منکرین کتاب اربعین سے ایسی سند لائے جس سے خود اپنے پاؤں میں تیشہ مار گئے۔

### چھٹی دلیل

منع کی یہ ہے کہ مسائل اربعین میں لکھا ہے

در نوادر الفتاویٰ آورده اند کہ اجابت کردن طعام کے لیے تیجہ سا تو آں تیسواں از بہر مردہ ساختہ باشند مکروہ ست سہ روزہ ہفتہ و ماہیانہ و اور برسی کے نام پر جو کھانے مردے کے ایصال ثواب کے لیے سالیانہ و آل طعام علماء و فضلاء را مکروہ است۔ انتہی۔ تیار کیے گئے ہوں اس کا قبول کرنا مکروہ ہے اور اس کا علماء و فضلاء کے لیے کھانا مکروہ ہے۔

ابھی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ برسی تیجہ اور چالیسویں وغیرہ کا کھانا علماء و فضلاء کے لیے تو مکروہ ہے اوروں کے لیے مکروہ نہیں اگر سب کو مکروہ ہوتا تو عالموں کا نام لینا یہاں کیا ضرورت تھا۔ خیر! اگر یہ لوگ اسی قدر لکھ دیں تو کچھ مضائقہ نہیں کیوں کہ علماء فضلاء تو خود اس کھانے میں کم جاتے ہیں اکثر آدمی کھاتے ہیں اگر اوروں کو جائز ہوا تو یہ بھی غنیمت ہے اور صحیح یہی ہے۔ اس مسئلہ میں مولوی اسماعیل صاحب کی بڑی شہرت ہے کہ وہ منکروں کے سردار ہیں اور ان تعینات کو مکروہ و حرام کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت کا باعث محض یہ ہے کہ ان کو اپنے معصروں میں یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ خالصاً اللہ نہیں کرتے بلکہ لوگوں کے دکھاوے کے لیے جبراً کرتے ہیں۔ چنانچہ ”صراط مستقیم“ مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۷۲ پر لکھتے ہیں

و در تقسیم طعام سیوم و چہلم بسبب خوف مطعون شدن عوام کی ملامت کے خوف سے تیجہ اور چہلم کے موقع پر کھانا تقسیم کرنے میں نہایت فراخ دلی سے کام لیا جاتا ہے۔ وسعت و کشادگی می کنند۔ انتہی۔

صفحہ ۷۳ میں ہے

ورنہ پیدا زند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست چہ این معنی بہتر و افضل غرض آں ست کہ مقید برسم نہ باشد بے تعین تاریخ و روز و جنس و قسم طعام ہر وقت و ہر قدر کہ موجب اجر جزیل بود بعمل آرد ہر گاہ ایصال نفعی بہ میت منظور دارد موقوف بر اطعام نکذارد اگر میسر باشد بہتر است والا صرف ثواب فاتحہ و اخلاص بہترین ثواب ہا است در تعین تاریخ و روز و قسم و وضع طعام ضیق پیش می آید انسان را خواہ نخواہ آنچہ کردن دشواری بود سر انجام آں ضروری افتد۔ الی آخرہ۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مردے کو کھانے اور فاتحہ خوانی کے ذریعہ نفع پہنچنا کوئی اچھی بات نہیں چہ جائے کہ افضل و بہتر ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اس میں رسم کی قید تاریخ و دن اور جنس و قسم طعام کا تعین نہ ہو۔ جتنا اور جس وقت بھی ایصال ثواب کا خیال ہو اس پر عمل درآمد کر دیں۔ اور جب بھی میت کو ایصال ثواب کرنا ہو تو اسے محض کھانے تک محدود نہ رکھیں اگر اور کچھ میسر ہو تو بہتر ہے ورنہ صرف فاتحہ و اخلاص پڑھ کر ایصال ثواب کر دینا بہترین عمل ہے۔ تاریخ و دن اور کھانے کی قسم و ہیئت متعین کر دینے میں مضائقہ پیش آتا ہے جسے خواہی نہ خواہی کرنا پڑتا ہے اور انجام کار خود کو مشقت میں ڈالنا ہے۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ سویم اور چہلم وغیرہ کا کھانا تعین ایام کے سبب منع نہیں جیسا کہ بعض علماء فی زمانہ خیال کرتے ہیں بلکہ مولوی اسماعیل اور سید احمد صاحب کے نزدیک اس میں قباحت یہ ہے کہ انسان کے پاس کچھ ہو یا نہ ہو دن و تاریخ کی پابندی کی وجہ سے خواہ نخواہ اسے کرنا پڑتا ہے جس میں تنگی و مصیبت پیش آتی ہے۔ پھر اگر یہی بات کسی کو پیش آئے تو اس کے حق میں ہم بھی منع کریں گے کہ اے بھائی! تو اپنے مقدور کے موافق کرنام آوری کے لیے حوصلہ سے زیادہ جس کا سنبھالنا تجھے مشکل ہے اس طرح مت کر۔ خالصاً اللہ جس قدر تیرے پاس موجود ہے اسی قدر کر دے اور اگر کچھ بھی نہیں تو خالی فاتحہ ہی پڑھ دے۔

### سوال

تعین ایام کی ضرورت کیا ہے؟

### جواب

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں خیرات و حسنات حاصل کرنے کا خود شوق تھا وہ اپنے عشق دلی کے دلوں سے سرشار ہو کر نیک کام کیا کرتے تھے ان کو نہ کسی کی تاکید کی حاجت تھی نہ تعین کی اور نہ یاد دلانے کی لیکن جب وہ دور چلا گیا اور لوگوں کے دلوں میں نیک کاموں کی طرف سے بے رغبتی پیدا ہو گئی تو اس کے لیے علمائے دین نے اصلاح دین کے پیش نظر فتوے اور احکام صادر فرمائے مثلاً قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینا اصل حدیث سے منع تھا کیوں کہ اس وقت لوگوں کے دل (دین کی طرف) راغب تھے خالص اللہ کے واسطے تعلیم کیا کرتے تھے لیکن جب قرون صالحہ کا دور ختم ہو گیا لوگوں کے دل ویسے نہ رہے اور قرآن کا پڑھنا پڑھانا بند ہونے لگا تب علمائے دین رحمہم اللہ نے جواز کا حکم دیا یعنی قرآن پر اجرت لینا اور دینا دونوں جائز ہے۔ چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں

لو لم یفتح لهم باب التعليم بالأجر لذهب اگر اجرت کا دروازہ نہ کھولا جائے تو ڈر ہے کہ کہیں دنیا



القرآن . (۱)

سے قرآن نہ اٹھ جائے۔

ہدایہ میں ہے

لأنه ظهر التواني في الأمور الدينية ففي الامتناع تصحيح حفظ القرآن و عليه الفتوى . (۲)

قرآن پڑھانے کی اجرت لینا اس لیے جائز ہے کہ اب امور دینیہ میں سستی ظاہر ہونے لگی ہے تو ایسے وقت میں اجرت کی ممانعت کرنا دراصل حفظ قرآن کو ضائع کرنے کے مترادف ہوگا اور فتویٰ بھی اسی پر ہے یعنی کہ قرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔

یوں ہی اذان کے بعد تحویب کہنے کو یعنی الصلوٰۃ وغیرہ پکار کر کچھ کہنا تاکہ نمازی آکر جلد جماعت میں شریک ہوں متاخرین علماء نے مستحسن قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے

و المتأخرون استحسوه في الصلوات كلها

لظهور التواني في الأمور الدينية . (۳)

تغویب کا یہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری میں بھی ہے اور اس قسم کی بہت سی نظیریں فقہی کتابوں میں موجود ہیں جو ڈھونڈے گائے گا۔ مجمع البحار شامی اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ چند معتبر و مقبول کتابوں میں مندرج اس بات کے بھی یہی معنی ہیں

کم من أحكام يختلف باختلاف الزمان . (۴)

بہترے احکام زمانہ بدلنے کی وجہ سے بدل جاتے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ قرآن کے اندر زیروز بر وقت جائز، مطلق اور لازم وغیرہ لکھنا علماء جائز نہیں سمجھتے تھے اسے مکروہ کہتے تھے جو متقدمین کی کتابوں میں درج ہے۔ اور آج ایک وقت وہ آیا کہ لوگوں کا ڈھنگ بگڑ گیا، جہالت طاری ہو گئی تب علماء نے حکم دیا کہ قرآن شریف میں زیروز وغیرہ لکھنا واجب ہے۔ چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں تصریح ہے کہ کہاں مکروہ اور کہاں واجب۔ رع نہیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا۔

ذرا دیکھیے کہ راستے کا تفاوت کہاں سے کہاں تک ہے۔

(۱) رد المحتار: ۲۹۵/۲۳۰ مطلب فی الاستیجار علی الطاعات، حاشیہ رد المحتار: ۳۴۰/۶، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ۳۳۸/۱۳ باب الاجارة الفاسدة۔ البحر

الرائق شرح کنز الدقائق: ۲۳۳/۱۳ جعل الاوقات غلة الوقت لنفسه، مجمع الانهر فی شرح ملتقى الابحار: ۱۸۹/۷ باب الاجارة الفاسدة

(۲) عنایہ شرح ہدایہ: ۳۹۳/۱۲

(۳) عنایہ شرح ہدایہ: ۳۹۹/۱

(۴) تلاش لیسار کے باوصف یہ عبارت مجھے نہ ملی۔ ہاں اسی مفہوم سے ملتی جلتی الفاظ کے ذرا سے فرق کے ساتھ کی فقہی عبارتیں ملتی ہیں

هذا أمر يختلف باختلاف الزمان و المواضع . (بحر الرائق: ۲۳۲/۲۰ فتاویٰ ہندیہ: ۳۳۵/۳۷-۳۳۳/۷۷)

یوں بھی ہے

و کم من شيء يختلف باختلاف الزمان و المكان . (بحر الرائق: ۱۸۹/۲۲، مجمع الانهر: ۲۱۲/۸، رد المحتار: ۲۵۶/۲۶، درر الحکام شرح غرر الاحکام: ۲۶۴/۲)

اور یوں بھی ہے

و الحكم قد يختلف باختلاف الزمان . (۳۹۶/۱-۱۸۹/۷ تبیین الحقائق: ۳۳۸/۱۶، درر الحکام شرح غرر الاحکام: ۲۶۸/۲)

اسی طرح مسجدوں کو بلند کرنا اور اس کی زینت کرنا مکروہ بتایا گیا ہے مگر اب علماء مصلحت کے باعث اسے مستحب فرماتے ہیں۔ چنانچہ صاحب مجمع البحار نے لفظ زخرف کی تحقیق میں لکھا ہے کہ جب لوگ اپنے گھر بہت عمدہ عمدہ بنانے لگے تو اب اگر مسجد کو کچی اینٹوں سے اونچے اونچے مکانات کے پاس بنادیں گے اور وہیں کافروں کے بھی بہتیرے گھر بلند ہوتے ہیں تو اب مسجد نظروں میں حقیر ٹھہرے گی۔

ان مثالوں اور روایتوں سے مجموعی طور پر یہی معلوم ہوا کہ اگر زمان و مکان میں یا کسی ہیئت اور وضع میں کسی مصلحت کے باعث کسی قسم کے تعینات واقع ہوں تو وہ جائز ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ”انتباہ“ کے شروع میں فرماتے ہیں

اگرچہ اوائل امت رابا و آخر امت در بعض امور اختلاف اگرچہ امت کے پچھلوں کا پہلوں سے بعض امور کی بودہ باشد اختلاف صور ضرر نمی کند ارتباط سلسلہ ہمہ این امور صحیح بابت کچھ اختلاف واقع ہوا ہے۔ مگر صوری اختلاف معتبر نہیں۔ ان امور کے ساتھ اس سلسلہ کا ارتباط و تعلق درست ہے اور ست و اختلاف صور را اثرے نیست۔ انتہی کلامہ تلخیصاً۔

صوری اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ان عبارتوں سے (نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھنے کے قابل) یہ فائدہ پیدا ہوا کہ اگر علمائے متاخرین میں کسی قسم کا تعین علمائے متقدمین کی وضع کے مخالف پیدا ہو تو یہ ضرور نہیں کہ اس کو رد کر دیا جائے اس لیے کہ زمانہ متقدمین کی مصلحت وہ تھی جس کا انھوں نے حکم دیا اور متاخرین کے وقت میں امت کے اطوار اور طبیعتیں بدل جانے کی وجہ سے دوسری طرح پر امتحان ظاہر ہوا اور درحقیقت یہ اختلاف نہیں کیوں کہ متقدمین و متاخرین کا یہ دونوں گروہ اصلاح دین پر متفق ہے۔ ان کے وقت میں اصلاح اُس میں تھی اور ان کے وقت میں اصلاح دوسری طرح۔ چنانچہ یہی وجہ مولوی اسماعیل صاحب کے مرشد برحق سید احمد صاحب کو بھی پیش آئی کہ انھوں نے ”صراط مستقیم“ میں تجدید اشغال کے واسطے ایک جدا باب مقرر کیا۔ صفحہ ۸ میں لکھتے ہیں

مصلحت وقت چنان اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب مصلحت وقت کا تقاضا ہے کہ اس کتاب کے اندر اشغال برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب اس وقت ست تعین کردہ جدیدہ پر مشتمل ایک باب کا اضافہ کر دینا چاہیے۔

شود۔ انتہی۔

اسی کتاب کے آخر ورق میں مولوی اسماعیل صاحب اپنے پیر کا حال لکھتے ہیں

بعد ازاں در تلقین و تعلیم طریقہ چشتیہ بازوئے ہمت طریقہ چشتیہ کی تعلیم و تلقین کے سلسلہ میں انھوں نے کشادہ و تجدید اشغال کے اس کتاب مستطاب براں محتوی اپنے بازوئے ہمت کشادہ کر دیے اور جن اشغال جدیدہ پر یہ گردیدہ فرمودند۔ انتہی۔ کتاب مشتمل ہے اس کا انھوں نے اشاریہ دیا۔

انوار ساطعہ کا یہ مولف عاجز کوئی بات اپنی طبیعت سے نہیں کہتا کہ پھر بعد میں چل کر اسے الزام دیا جائے بلکہ جو کچھ خلاصہ کلام ہے وہ انھیں مانعین حضرات کی مسلم الثبوت کتابوں کا چھانٹنا ہوا عطر ہے۔

جب یہ مسئلہ متحقق ہو گیا تو اب سمجھنا چاہیے کہ صحابہ چوں کہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے اس لیے ایصال ثواب وغیرہ کے لیے تعین زمان کی انھیں کوئی حاجت نہیں تھی بلکہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کر اپنے اقربا کی طرف سے







یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ چالیس دن تک ہر کسی کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے تو شاید یہ حدیث بھی کہیں آئی ہوگی۔ انبیاء کی روحوں سے متعلق تو بیہتی کی یہ حدیث دیکھی مگر عام روحوں کی نسبت نظر سے نہیں گزری؛ لیکن ہم لوگ علمائے سابقین کی بہ نسبت کم مایہ ہیں، علمی کتابوں کا ذخیرہ بھی بہت تھوڑا ہی ہے اس لیے ہماری نظر سے نہ گزرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حدیث درحقیقت آئی ہی نہیں۔ ہاں! ہم نے امام غزالی کی طرف منسوب ”دقائق الاخبار“ میں یہ حدیث دیکھی ہے جو ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إذا مات المؤمن يدور روحه حول داره شهرا و ينظر إلى ما خلفه من ماله كيف يقسم ماله و كيف يودي دينه فإذا تم شهرا ينظر إلى جسده و يدور حول قبره سنة فينظر من يدعو له و من يحزن عليه فإذا تمت سنة رفعت روحه إلى حيث يجتمع فيه الأرواح إلى يوم ينفخ في الصور .

جب مومن مرتا ہے تو اس کی روح ایک مہینہ تک اپنے گھر کے گرد گھومتی رہتی ہے اور اپنے چھوڑے ہوئے مال کو دیکھتی ہے کہ وہ کس طرح تقسیم ہوتا ہے اور اس کا قرض کیسے ادا ہوتا ہے۔ پھر جب ایک ماہ پورا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بدن پر نظر کرتی ہے اور اپنی قبر کے گرد ایک سال تک گھومتی رہتی ہے اور دیکھتی ہے کہ کون اس کے لیے دعا کرتا ہے اور کسے اس کا دروغم ہے۔ پھر جب ایک سال پورا ہو جاتا ہے تو اس کی روح اٹھا کر وہاں رکھ دی جاتی ہے جہاں دوسری روحیں قیامت تک کے لیے رکھی گئی ہیں۔

لیکن یہ یاد رہے کہ انبیاء اور مومنین کی روحیں کسی جگہ رہیں لیکن قبر سے انھیں ایسا علاقہ رہتا ہے گویا وہ اسی قبر کے پاس موجود ہیں۔ اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے۔ گفتگو کا تسلسل کہاں سے کہاں پہنچ گیا کلام اس میں تھا کہ چالیس کا عدد اکثر مقامات میں آیا ہے اور اس عدد میں یہ دلالت ہر مقام پر پائی گئی کہ (اس کی وجہ سے) پچھلا حال بدل جاتا ہے۔ چنانچہ خیر آدم ’خیر نطفہ انسانی اور چلہ صوفیہ وغیرہ مذکورہ مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہے۔ تو چالیس دن میں میت کی ترکیب جسمی اور تعلق روحی میں بھی (جو دنیا کے ساتھ ہے) ضرور کچھ فرق اور تغیر ہوا ہوگا (جیسا کہ ارواح انبیاء میں صریح وارد ہوا ہے) لہذا اس تغیر کے وقت بھی امداد شائستہ کا دستور ٹھہر گیا تاکہ اس کی ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی ترقی و عروج عمدہ زاویرہ کے ساتھ ہو تو یہ فاتحہ چہلم کو مقرر کیا گیا۔ پھر تنصیف کا قاعدہ جو برسی سے ششماہی اور ششماہی سے سہ ماہی میں جاری کیا تھا، چہلم میں بھی کیا گیا یعنی چہلم کا نصف بیسواں اور بیسواں کا نصف دسواں۔ غرض کہ اس دستور کے مطابق فاتحہ کا قاعدہ مقرر ہو گیا۔

حاشیہ خزانۃ الروایات اور بعض رسائل میں مجموع الروایات کی یہ روایت اس عاجز کی نظر سے گزری ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر حمزہ کے لیے تیسرے دسویں چالیسویں روز، چھٹے مہینے اور برسوں دن صدقہ دیا۔ اگر یہ حدیث کسی قدر قابل اعتماد ہے تو یہ سب رسمیں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہو گئیں۔ یہ ”مجموع الروایات“ ایک پرانی کتاب ہے ”خزانۃ الروایات“ میں بھی اس سے کچھ مسائل اخذ کیے گئے ہیں؛ لہذا یہ جو قدیم زمانے سے بزرگان دین میں متفرق دنوں میں تعین فاتحات ایک امر متواتر چلا آرہا ہے تو بلاشبہ یا تو اس حدیث کا کسی اور حدیث سے انھوں نے استخراج کیا ہو گا یا پھر مصلحت کی بنا پر یہ طریقہ خود مقرر کیا ہوگا۔ بہر کیف! اگر انھوں نے خود بھی مقرر کیا تو وہ بھی صحیح ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا . (۱) جس نے اسلام میں کوئی اچھی راہ نکالی تو اسے اس کا اجر ملے گا۔ علامہ شامی نے اس حدیث کے معنی لکھے ہیں کہ جو کوئی دین میں کوئی نیا نیک طریقہ نکالے تو اس کو اجر اور ثواب ملے گا۔ واضح ہو کہ امر دین میں جو نیک طریقہ قرآن و حدیث کے موافق ایجاد ہو وہ درست ہے۔ زبان سے نماز کی نیت کرنے کو (جو علماء کی ایجاد ہے) درمختار اور اس کے شارح نے سنیہ العلماء قرار دے کر اسے جائز رکھا ہے (اس کی بحث گزر چکی)۔

معلوم رہے کہ یہ ہم کو لازم ہے کہ ہم سلف صالحین کے قواعد اور اعمال پر اعتراض نہ کریں بلکہ اس کا اتباع کریں۔ یہ حکم قیامت تک جاری ہے کہ ہر زمانے والا اپنے پہلے زمانے والے کی اطاعت کرے۔ چنانچہ قطب ربانی امام شعرانی اپنی کتاب ”میزان الشریعہ الکبریٰ“ میں لکھتے ہیں

فكما أن الشارع بين لنا بسنته ما أجمل في القرآن فكذلك الأئمة المجتهدون بينوا لنا ما أجمل في أحاديث الشريعة و لو لا بيانهم لنا ذلك لبقيت الشريعة على إجمالها و هكذا القول في أهل كل دور بالنسبة للدور الذي قبلهم إلى يوم القيامة فإن الإجمال لم يزل ساريا في كلام علماء الأمة إلى يوم القيامة و لو لا ذلك ما شرحت الكتب و لا عمل على الشروح و الحواشي. انتهى.

جس طرح شارع نے قرآن کے اجمال کو ہم سے بیان کیا تو اسی طرح ائمہ مجتہدین نے بھی شرعی احکام سے متعلق احادیث کے اجمال کو واضح فرمایا اور اگر ان کی یہ کرم فرمائیاں نہ ہوتیں تو شاید شریعت آج اپنے اجمال ہی پر باقی رہتی۔ اور یہی حال تا قیام قیامت ہر زمانے والے کا ہے بہ نسبت اس زمانے کے جو اس سے پہلے گزر چکا، کیوں کہ اہل علم کے کلام میں اجمال تو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر کتابوں کی شرحیں نہ کی جاتیں اور نہ شروح و حواشی پر عمل ہی کیا جاتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ”عقد الجید“ مطبوعہ فاروقی کے صفحہ ۳۶ پر فرماتے ہیں

إن الأمة اجتمعت على أن يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا في ذلك على الصحابة و تبع التابعين اعتمدوا على التابعين و هكذا في كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم و العقل يدل على حسن ذلك. إلى آخره.

امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت کے سلسلہ میں لوگوں کو سلف صالحین پر اعتماد کرنا چاہیے کیوں کہ تابعین نے صحابہ کرام پر اعتماد کیا تھا اور تبع تابعین نے تابعین پر۔ یوں ہی ہر دور میں اہل علم گزشتہ دور کے علماء پر اعتماد کرتے آئے ہیں۔ اور عقل اس کی خوبی کو قبول بھی کرتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کی گفتگو بھی اس کے قریب قریب ہے۔ پارہ سہمقول کے شروع میں فرماتے ہیں

(۱) صحیح مسلم: ۱۹۸/۵ حدیث: ۱۶۹۱؛ مسند احمد: ۱۸۰/۳۹ حدیث: ۱۸۳۸۱؛ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰/۳۹ حدیث: ۱۸۳۸۱؛ سنن بیہقی: ۱۷۵/۳؛ سنن نسائی: ۳۰/۲؛ حدیث: ۲۳۳۵؛ معجم طبرانی: ۸۲/۲؛ حدیث: ۲۳۲۴؛ شعب الایمان: ۳۳/۱۵؛ حدیث: ۶۷۳۹؛ سنن دارمی: ۶۳/۲؛ حدیث: ۵۲۳؛ صحیح ابن خزیمہ: ۹۷/۹؛ حدیث: ۲۲۷۸؛ مسند الشامیین: ۳۳۳/۷؛ حدیث: ۲۵۰۰؛ مشکل الآثار: ۸۳/۳؛ حدیث: ۱۳۳۷؛ الفقیہ و المحققہ خطیب بغدادی: ۲۸۲/۱؛ کنز العمال: ۸۰/۱۵؛ حدیث: ۷۸۰۷۸؛ مجمع الزوائد: ۱۶۸/۱؛ مسند الجامع: ۸۳/۱۰؛ حدیث: ۳۱۴۷



پیغمبر بر کمال شام گواہی دہد و شمار کمال تابعین ہلم جرأ الی  
یومنا ہذا پس صدر اول اس امت مرتبہ متوسط دارند در میان  
نبوت و امت محض کہ من وجہ کار پیغمبری می کنند من وجہ کار امتان  
و کذا الی یوم القیامۃ فی کل طبقۃ متقدمۃ بالنسبۃ الی الطبقة  
المختارۃ۔ انتہی۔

دے رہے ہیں اور دوسرے اعتبار سے امتیوں کے کام۔ اور یہ  
سلسلہ ہر اگلے طبقہ کا پچھلے طبقہ میں تا قیامت یوں ہی جاری  
و ساری رہے گا۔

اب ہم مولانا عبدالعزیز صاحب کا ایک جامع کلام جو بظاہر تو مختصر مگر فی الواقع اس میں اہل اسلام کے اندر مروجہ یہ ساری  
تفصیلات داخل ہیں اور یہ بزرگ اس فرقہ کے مسلم الثبوت علماء میں سے ہیں۔ پارہ عم ”والقمر اذا اتسق“ کی تفسیر میں لکھتے  
ہیں۔ ملخصاً ان کے الفاظ بعینہ نقل کرتا ہوں

اول حالتی کہ بحر جدا شدن روح از بدن خواهد شد فی  
الجملة اثر حیات سابقہ و الفت تعلق بدن و دیگر معروفان از  
اینائے جنس خود باقی است و آں وقت گویا برزخ است کہ  
چیزے از اں طرف و چیزے از ین طرف مدد زندگان بمردگان  
در ین حالت زودتری رسد و مردگان منتظر حقوق مدد از ین طرف  
می باشند صدقات و ادعیہ و فاتحہ در ین وقت بسیار بکار آوی آید و  
از ین است کہ طوائف بنی آدم تا یک سال و علی الخصوص تا یک  
چلہ بعد موت در ایں نوع امداد و کوشش تمامی نمایند۔ انتہی۔  
جس کا جی چاہے تفسیر عزیزی فارسی نکال کر دیکھ لے یہ مضمون کچھ مزید مضامین کے ساتھ اس میں پائے گا۔ اب ارباب  
انصاف جنبہ داری کو بر طرف کر کے خیال فرمائیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان ایام مروجہ کی امداد طعام  
وغیرہ کے لیے کیا صحیح علت شرعی پیدا کی ہے کہ مردے کا دل ان ایام میں کچھ ادھر ہوتا ہے کچھ ادھر اور زندوں کی مدد ان دنوں  
میں جلد پہنچتی ہے۔ پھر اس علت صحیحہ پر یہ حکم مرتب کیا کہ اسی سبب سے ایسا ہے کہ لوگ اپنے مردوں کی ایک برس تک اور خاص کر  
ایک چلہ تک مدد کیا کرتے ہیں۔ اب دیکھیے کہ برس تک کی امداد میں اہل اسلام کی یہ تمام مروجہ ریسیں یعنی سویم، دہم، بستم، چہلم اور  
ششماہی و سالینہ سبھی داخل ہیں پھر شاہ صاحب نے اس اسلامی رواج کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی تصدیق فرمائی۔ یعنی اس امر مروجہ کو  
اپنے مدعا پر دلیل لائے تو شاہ صاحب کا اس رواج پذیرام معین و مقرر کو بطور دلیل پیش کرنا اور کسی وجہ سے اس کی تردید نہ کرنا اس  
پر صریح دلیل ہے کہ یہ فعل جو بنی آدم کے درمیان عام طور پر رائج ہے حق اور صحیح ہے۔ اور طوائف بنی آدم (خصوصاً) ہندوستان میں

پرانے زمانے سے جو مروج چلا آتا ہے وہ یہی دہم، بستم اور چہلم وغیرہ ہے (جیسا کہ اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے) اس کا انکار کرنا  
در اصل بدیہیات کا انکار کرنا ہے۔

لحمہ ساوسہ اموات کے سلسلہ میں نصیحتیں

نصیحت: جب کسی کا کوئی قریبی عزیز مر جائے تو چاہیے کہ اس کی موت پر صبر کرے تاکہ اجر و ثواب کا مستحق ہو۔ طبرانی اور  
ابن مندہ نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں یہ بھی بیان ہے کہ

ملک الموت نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں آدمی کی روح قبض کرتا ہوں جب اس کے  
لواحقین رونے لگتے ہیں میں دروازہ پر وہ روح لیے کھڑا ہو جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اے رونے والو قسم اللہ  
تعالیٰ کی ہم نے اس آدمی پر ظلم نہیں کیا، وقت سے پہلے جلدی نہیں کی اور روح قبض کرنے میں کچھ ہماری  
خطا نہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہو تو ثواب پاؤ گے اور برامانوں کے تو گنہ گار ہو گے اور ہم کو تمہاری  
طرف پھر آنا ہے تو ہوشیار رہو۔ الی آخرہ۔ (۱)

نصیحت: تدفین کے بعد کسی قدر میت کی قبر پر ٹھہرنا چاہیے کچھ پڑھیں اور میت کے لیے دعا کریں۔ ”فتاویٰ عالم  
گیری“ میں ”جو ہرہ نیرہ“ کے حوالے سے نقل ہے

و يستحب إذا دفن الميت أن يجلسوا ساعة عند القبر بعد الانفراغ بقدر ما ينحصر

جزور و يقسم لحمها يتلون القرآن و يدعون للميت . (۲)

در مختار میں ہے

و يستحب جلوس ساعة بعد دفنه للدعاء و قراءة بقدر ما ينحصر الجزور و يفرق لحمه . (۳)

دونوں عبارتوں کے معنی یہ ہیں کہ میت کو دفن کے بعد اتنی دیر ٹھہرنا مستحب ہے جتنے میں اونٹ ذبح ہو کر اس کا گوشت تقسیم  
ہو جائے قرآن پڑھنا چاہیے اور میت کے لیے دعا بھی کرنی چاہیے۔

شامی نے ”رد المحتار“ میں اس حکم کو مسلم رکھا اور اس پر مزید دو حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔

ایک سنن ابوداؤد سے

(۱) إني لأقبض روح ابن آدم فإذا صرخ صرخ من أهله فمت في الدار و معي روحه فقلت: من هذا الصراخ؟ و الله ما ظلمناه و لا  
سبقنا أجله و لا استعجلنا قدره و ما لنا في قبضه من ذنب و إن ترضوا بما صنع الله توجروا و إن تحزنوا و تسخطوا تأثموا و  
تؤزروا ما لكم عندنا من عتي و لكن لنا عندكم بعد عودة و عودة فالحذر فالحذر.

الآحاد و الثاني ابن أبي عاصم: ۲۷۷/۲ حدیث: ۱۹۸۹ معرفۃ الصحابۃ: ۲۶۲/۷ حدیث: ۲۲۸۶ وصایا العلماء عند حضور الموت: ۱/۱۶۷ حدیث: ۱۰۰

کنز العمال: ۵۰۵/۱۵

(۲) فتاویٰ عالم گیری: ۳۸۱/۳ جو ہرہ نیرہ: ۲۰۲/۱

(۳) در مختار: ۲۵۷/۳



كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَعَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَى قَبْرِهِ وَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِأَجْنِحَتِي وَاسْتَلُوا اللَّهَ لَهُ التَّيْبَتُ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ (۱)

دوسری حدیث بروایت مسلم مشکوٰۃ میں موجود ہے

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَا بَيْنَ وَهُوَ فِي سِيَاقِ الْمَوْتِ إِذَا أَنَا مِتُّ فَلَا تَصْحَبْنِي نَائِحَةً وَلَا نَارًا فَإِذَا دَفَنْتُمُونِي فَشْنُوا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدْرَ مَا يُنْحَرُ جُزُورٌ وَيُقَسَّمُ لَحْمُهَا حَتَّى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ وَأَعْلَمَ مَاذَا أَرَا جَعَلَ يُرْسِلُ رَبِّي (رواه مسلم) (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے اس کی قبر پر ٹھہرتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے مغفرت اور ثبات قدمی کی دعا کرو کیوں کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی حالت نزع میں اپنے بیٹے سے فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ نہ کوئی نوحہ کرنے والی عورت ہونی چاہیے اور نہ ہی آگ۔ پھر جب مجھے دفن کرو اور مجھ پر آہستہ سے مٹی ڈال لو تو میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر کھڑے رہو کہ جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے تاکہ میں تمہارے ساتھ مانوس ہوں نیز یہ بھی جان لوں کہ اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

دیکھیے یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور مفتیان دین سے نہایت صحیح اور معتد طور پر ثابت ہے۔ معلوم نہیں کیوں لوگوں نے اسے ترک کر دیا۔ چاہیے کہ اہل اسلام اس کی تعمیل کریں اگر کاروبار یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے تمام آدمی نہ ٹھہر سکیں تو میت کے دوست آشنا اور اقربا میں سے چند ہی آدمی ٹھہریں قرآن پڑھیں اور میت کے لیے دعا و استغفار وغیرہ کریں۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

**نصیحت:** آدمی کو چاہیے کہ اپنی موت کو ہمیشہ یاد رکھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے

لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہیدوں کے درجے میں کوئی اور بھی ہوگا؟ فرمایا ہاں جو کوئی ہر روز میں مرتبہ اپنی موت کو یاد کیا کرے گا۔ (۳)

**نصیحت:** آدمی کو چاہیے کہ موت کے لیے تیار رہے اور اپنا وصیت نامہ لکھ کر ساتھ رکھے جس کسی کا قرض ذمہ پر ہوا اور جو کچھ نماز روزہ حج زکوٰۃ اس کے ذمہ ہو یا قسم توڑنے کا کفارہ ذمہ پر ہو وہ سب اس کا غذ میں لکھ دے اس لیے کہ کیا خبر کس وقت اس کی موت آجائے اور مرتے وقت زبان سے وصیت نکلے نہ نکلے اس کا غذ کو دیکھ کر وارثان میت تعمیل کر دیں گے۔

**نصیحت:** جب کوئی آدمی مرجائے اور اس کا کوئی قریبی عزیز اپنے خاص مال سے اس کے لیے فاتحہ کرے تو اس میں کسی

(۱) رد المحتار: ۶/۲۷۱ سنن ابوداؤد: ۲۲۹/۹ حدیث: ۲۸۰۳ مترک: ۳۹۹/۳ حدیث: ۱۳۲۰ معرفۃ السنن والآثار: ۶/۲۹۱ حدیث: ۲۳۳۳ سنن بیہقی: ۵۶/۳۰

(۲) رد المحتار: ۶/۲۷۱ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۸۶/۱ حدیث: ۱۷۱۶ صحیح مسلم: ۳۰۴/۱ حدیث: ۱۷۱۳ سنن بیہقی: ۵۶/۳ معرفۃ السنن والآثار: ۶/۲۹۲ حدیث: ۲۳۳۳

(۳) ۲۳۳۳ الایمان لابن مندہ: ۳۲۹/۱ حدیث: ۲۷۳ وصایا العلماء عند حضور الموت: ۸۱/۱ حدیث: ۵۳ مستدرک جامع: ۳۲۹/۳۲

(۴) متن حدیث: قالت عائشة هل يحشر مع الشهداء أحد؟ قال نعم من ذكر الموت اليوم والليلة عشرين مرة. (احیاء علوم الدین: ۳۸۳/۳)

تخریج احادیث الاحیاء: ۳۱۱/۹ حدیث: ۳۳۱۱

فقیر و محدث کو کلام نہیں۔ لیکن خاص میت کا مال اگر اس کام میں صرف کرنے لگیں تو اس میں یہ شرط ہے کہ اس کے وارثوں میں کوئی نابالغ لڑکی یا لڑکا نہ ہو اس لیے کہ ترکہ مورث کے مرنے کے بعد وارثوں کی ملک ہو جاتا ہے تو اگر وارث بالغ ہیں اور سب موجود ہیں تو وہ مال خاص ان کا ہو گیا اور اگر ان میں سے کوئی غائب تھا مگر اجازت دے دی تھی تو اس صورت میں ان کو اختیار ہے جس قدر چاہیں میت کے لیے صرف کریں۔ اور اگر سب نابالغ ہیں تو پورا ترکہ میت ان کی ملک ہو گیا اب میت کے ایصال ثواب کے لیے اس کا صرف کرنا جائز نہیں نہ کپڑا نہ کھانا نہ روپیہ نہ پیسہ صرف تجہیز و تکفین میں جو اٹھے وہی درست ہے اور بس۔ اور اگر بعض وارث نابالغ ہیں تب بھی چوں کہ نابالغوں کا حصہ کل اشیاء ترکہ میں مشترک ہے اس لیے ایصال ثواب کی غرض سے اس کا صرف بھی جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کی (جلد خاص) میں ہے

وإن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا إذا كانت الورثة بالغين فإن كان في الورثة صغير لم يتخذوا ذلك من التركة. (كذا في التارخانية) (۱)

یہ حکم کچھ فاتحہ کے کھانے کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اس قسم کے ترکہ کی چیز لباس یا کھانا یا نقد نہ تو مسجد میں دی جائے نہ کسی مدرسہ میں نہ کسی فقیر کو اور نہ کسی عالم کو۔ ہاں اگر شرعی طور پر ترکہ کی تقسیم ہو جائے اور صغیر وارث کو اس کا حصہ دے کر بالغ وارثین اپنے حصہ سے خرچ کر دیں یا عورت اپنے مہر کے دعویٰ میں وارث ہو کر اپنے حصہ مملوکہ سے صرف کر دے تو یہ جائز ہے خواہ مدارس و مساجد میں دیں خواہ فاتحہ کریں اور مساکین کو کھلائیں۔ یہ مسئلہ نہایت اہم ہے اسے ضرور یاد رکھنا چاہیے۔

**نصیحت:** جب کوئی وارث اپنے مورث کی طرف سے کھانا کھائے تو نمود اور بڑائی ظاہر کرنے کے لیے نہ کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے

مَنْ سَمِعَ سَمِعَ اللَّهُ بِهِ (۲)

جو کوئی لوگوں کو اپنی سخاوت اور داد و دہش کی تعریف سنوائے یعنی اپنی شہرت اور فخر چاہے تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کو سب کے سامنے ذلیل کرے گا۔

تو اس صورت میں مردہ کو ثواب پہنچنا تو کیا ممکن وہ عتاب الہی میں گرفتار ہوگا۔ تو وہی مثل ہو جائے گی کہ ”محنت برباد گناہ لازم“۔ اور کھانے والوں کو بھی چاہیے کہ معلوم کریں کہ یہ کسی کے مقابلہ میں فخر یہ کھانا تو نہیں بنوا رہا ہے کہ فلاں شخص نے کیا کھانا بنوایا میں اس سے بڑھ کر بنواتا ہوں تو ایسی دعوت ہی نہ قبول کریں خواہ وہ کھانا غمی و ماتم کا ہو یا شادی و خوشی کا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

(۱) فتاویٰ عالمگیری: ۳۳۱/۳

(۲) صحیح بخاری: ۱۵۳/۲۰ حدیث: ۶۰۱۸-۶۵۲۲ حدیث: ۶۲۱۹ صحیح مسلم: ۲۵۵/۱۳ حدیث: ۵۳۰۱ مستدرک جامع: ۳۱۶/۳۱ حدیث: ۱۹۵۵۷ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۱

۳۱۶ حدیث: ۱۹۵۵۷ سنن نسائی: ۵۲۲/۶ حدیث: ۱۱۷۰۰ معجم طبرانی: ۲۳۳/۲ حدیث: ۱۶۷۸ شعب الایمان: ۲۲۱/۱۲ حدیث: ۵۵۱۳ مستدرک ابی یعلیٰ موطی: ۵۶/۳

حدیث: ۱۳۹۱ مجمع الرواۃ: ۲۱۸/۳ کنز العمال: ۳۷۲/۳ حدیث: ۷۲۸۱ مستدرک جامع: ۱۹۱/۱۱ حدیث: ۳۲۰۸ تخریج احادیث الاحیاء: ۳۵۹/۷ حدیث: ۳۲۸۳



جب دو آدمی ایسے ہوں کہ ایک کی ضد میں دوسرا بڑائی حاصل کرنے کے لیے کھانا زیادہ بخوائے تو ایسے شخص کی دعوت قبول نہ کی جائے اور نہ اس کو کھانا ہی کھلایا جائے۔ (مشکوٰۃ میں ایسا ہی ہے)۔

**نصیحت:** یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ قرض دار آدمی کا صدقات کرنا (خواہ اپنے لیے کرے یا میت کے لیے) شرع میں مستحسن نہیں۔

صاحب مجمع البحار لفظ ظہر کی تحقیق میں فرماتے ہیں

خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غَنِيٍّ (۱)

اچھا صدقہ وہ ہے جو فراغت کی حالت میں دیا جائے۔

پھر دوسرے کے بعد لکھتے ہیں

و لا صدقة كاملة عن ظهر غني و هو رد عليه أى الشئ المتصدق به غير مقبول لأن قضاء الدين واجب .

صدقہ کاملہ وہی صدقہ ہوتا ہے جو فراغت کی حالت میں دیا جائے اور جو ایسا نہ کرے تو وہ صدقہ رد ہے یعنی وہ صدقہ قبول نہ کیا جائے گا کیوں کہ قرض کا ادا کرنا اس پر واجب تھا اس نے واجب کو چھوڑ کر صدقہ نافلہ کیوں کیا۔

لہذا معلوم ہوا کہ یہ طریقہ اچھا نہیں بالخصوص جب کہ سودی قرض دے کر بہم پہنچائے یہ تو نہایت ہی برا کام ہے ایسا آدمی محض 'الحمد شریف اور سورتیں پڑھ کر بخش دیا کرے۔

**نصیحت:** اگر دو ارثان میت مذکورہ شرطوں کے ساتھ کھانا کھلائیں تو بہتر یہ ہے کہ غریب رشتہ داروں، ہمسایوں اور اہل محلہ کو مقدم رکھیں۔ فقہا (باب الزکوٰۃ) میں لکھتے ہیں

لا تقبل صدقة الرجل و قرابته محاويج حتى يبدأ بهم فيسد حاجتهم (۲)

ایسے شخص کا صدقہ قبول نہیں کیا جاتا کہ جس کے اہل رشتہ محتاج ہوں (اور یہ دوسروں کو دیتا پھرے) یہاں تک کہ ان سے شروع کرے اور پہلے ان کی ضرورتیں پوری کرے۔

ایسا لگتا ہے کہ یہ مشہور مثل "اول خویش بعدہ درویش" اسی حدیث کا ترجمہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قصبات کے شرفاء میں جو رواج ہے کہ میت کا کھانا فاتحہ، چہلم اور ستم وغیرہ برادری کے آدمی بھی کھاتے ہیں تو وہ بھی شاید اسی روایت پر مبنی ہوگا کہ رشتہ دار ہمسایہ اور اہل محلہ دوسرے لوگوں پر مقدم ہیں اور ظاہر ہے کہ قصبات کے شرفاء میں فراغت اور وسعت کم ہے اکثر لوگ غریب ہوتے ہیں ایسے آدمی کہ جن پر زکوٰۃ واجب ہو یا اپنے مکان اور اہل و عیال کے نفقہ سے فارغ ہو کر بھی ان کے پاس کچھ مالیت زائدہ فاضل رہے ایسے آدمی کم ہیں بہت تو ایسے ہیں کہ ان کے گھر کھانے کا بھی ٹوٹا ہے اور شریعت میں ایسے لوگ فقرا میں داخل ہیں۔ اسی بنیاد پر بزرگوں نے ان کو کھانا اور سناکوں اور کوچہ گروں کی بہ نسبت مقدم سمجھا کہ حق ہم سائیگی و محلہ داری اور قربت

(۱) اسی مفہوم کی ایک حدیث بھی ملتی ہے: لا صدقة الا عن ظهر غني۔ (تحفۃ الفقہاء: ۳۳۴/۱، مبسوط: ۱۹۵/۳، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: ۳۹۰/۳)

تبيين الحقائق: ۳۸۷/۲، العنايه شرح الهدايه: ۲۲۹/۳، الجوهرۃ العيره: ۲۸۳/۳، فتح القدير: ۳۷۶/۳

(۲) در مختار: ۳۸۷/۲، در الحکام شرح غرر الاحکام: ۳۱۵/۲، البحر الرائق: ۶۱۲/۲، مجمع الانهر فی شرح ملتقى البحر: ۲۷۰/۲، رد المحتار: ۲۵۷/۲

بھی ادا ہو جائے اور چیز اپنی جگہ پر بھی صرف ہو جائے۔ پھر اگر برادری کے سو غریب آدمیوں میں کوئی آسودہ صاحب زکوٰۃ بھی شامل کر لیا تو اس میں چوں کہ یہ حکمت ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں یہ نہ پیدا ہو کہ ہم کو حقیر و نگال سمجھا تو ایک یاد و با آبرو آدمی کے شامل ہونے سے ان کی دلی ندامت بھی دفع ہو جاتی ہے علاوہ ازیں اغنیا کا کھانا بھی ثواب سے خالی نہیں، گرچہ اس میں فقر کے کھانے سے کم ثواب ہے لہذا اگر یہی نیت اس زمانہ میں بھی ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

اور اگر اہل محلہ اور رشتہ داروں کو اس نیت سے کھلائیں کہ آج میں ان کو کھلا دوں اور کل یہ مجھ کو کھلا دیں گے تو اس صورت میں کوئی ثواب نہ ملے گا اس لیے کہ ارادہ معاوضہ لینے کا ہے پھر ثواب کہاں؟۔ فلیکن آخر ما اردنا ایرادہ فی هذا الباب و الله هو الهادي للصدق و الصواب .

## نور سوم میں نو لمعے ہیں

لمعہ اولیٰ، محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا

وَ اذْکُروا نِعْمَۃَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ (۱)

اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے۔

اس آیت کریمہ میں انعام حقیقی فرمانے والا اپنی نعمتوں کے ذکر اور یاد کرنے کا حکم دیتا ہے کہ اپنے اوپر ہوئی اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرو اور انھیں یاد کرو۔

اس میں شک نہیں کہ صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا اور تشریف لانا اللہ کی نعمتوں میں ایک بڑی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں

انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے

اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ

ضرور اس سے پہلے کھلی گراہی میں تھے۔

رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ

یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ (۲)

شاہ ولی اللہ صاحب اس کا ترجمہ لکھتے ہیں

ہر آئینہ نعمت فراوان داد خدا بر مومنوں آنگاہ کہ فرستاد در میان ایشان پیغامبرے از قوم ایشان می خواند بر ایشان آیات

خدا و پاک می سازد ایشان را و می آموزد ایشان را کتاب و علم۔ انتہی۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں

اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا۔ الی آخرہ۔

تو ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود نعمت ہے کہ جس کا احسان حق سبحانہ نے ظاہر فرمایا ہے اور آپ کے اسماء مبارکہ



میں (جو ایک ہزار تک محدثین نے شمار کیے ہیں) آپ کا ایک نام نامی ”نعمۃ اللہ“ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے (جیسا کہ قسطلانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے)۔

سیدنا محمد سلیمان جزولی نے بھی ”دلائل الخیرات“ میں آپ کا یہ نام مبارک لکھا ہے۔ (۱)

حضرت اہل بن عبد اللہ تستری نے آیت کریمہ: **وَإِنْ تَعْلَمُوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا** کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ ”نعمۃ“ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیوں کہ وہ تو نعمت عظمیٰ ہیں۔ یعنی اس لیے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ کے سبب جو منافع و فوائد حاصل ہوئے شمار سے باہر ہیں۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ آپ ہی کے وجود باوجود کا طفیل ہے پھر کہاں تک اس کا شمار کیا جائے۔

زجاج اور سدی آیت کریمہ: **يَعْرِفُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا** کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نعمت اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی ظاہر و باہر معجزات دیکھ کر کفار آپ کو نبی جانتے تھے مگر پھر عناداً انکار کرتے تھے۔

سید المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بخاری وغیرہ نے آیت کریمہ: **الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا** کی تفسیریوں روایت کی ہے

قال هم و الله كفار قريش و محمد نعمة الله تعالى. (۲)

شرح مواہب زرقانی کے صفحہ ۲۲۱ میں یہ تینوں تفسیریں مرقوم ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نعمت الہی ہوتا مفسرین و محدثین کے کلام سے ثابت ہو گیا تو آپ کی یاد ماننا اور تذکرہ کرنا آیت کریمہ: **وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ** کے منطوق میں عمومیت الفاظ کے ساتھ اچھی طرح داخل ہو گیا۔

اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا

**وَ اشْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ إِنَّ كُنتُمْ لِيَاءَهُ تَعْبُدُونَ** . (۳)

اس آیت کریمہ میں حق سبحانہ اپنے بندوں کو نعمتوں کی شکر گزاری کا حکم دیتا ہے۔ اور اوپر ثابت ہو چکا کہ نعمتوں میں بڑی نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود ہے۔ لہذا اس نعمت کا شکر یہ بجالانا خوشی منانا اور اس کا ذکر جمیل کرنا حکم خداوندی کے پیش نظر اہل ایمان کے لیے ضروری ٹھہرا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

**التَّحَدُّثُ بِنِعْمَةِ اللَّهِ شُكْرٌ وَ تَرْكُهُ كُفْرٌ** . (۴)

(۱) دلائل الخیرات و شوارق الانوار: ۲۱۔ دار الفقیہ ”دبی“ (۲) صحیح بخاری: ۳۷۱۲/۳۷۱۳ حدیث: ۳۶۸۰ (۳) سورۃ نحل: ۱۱۳/۱۱۴

(۴) مستدرک: ۳۰۲/۳۰۳ حدیث: ۱۷۷۲۱/۱۷۷۲۲ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۲/۳۰۳ حدیث: ۱۷۷۲۱/۱۷۷۲۲ شعب الایمان: ۱۲۰/۱۲۱ حدیث: ۸۸۲۳ مجمع الزوائد: ۳۹۳/۳۹۴

القاصد الحسنة: ۹۶/۹۷ کنز العمال: ۲۵۵/۲۵۶ حدیث: ۶۴۱۸/۶۴۱۹ مستدرک: ۳۰۵/۳۰۶ حدیث: ۱۱۸۹۱/۱۱۸۹۲ مسند بزار: ۱۸۰/۱۸۱ حدیث: ۲۷۹۱/۲۷۹۲ فضیلة الشکر للعلی

نعمۃ: ۸۱/۸۲ شکر اللہ علی نعمہ خراشکی: ۸۱/۸۲ حدیث: ۸۴

یہ حدیث شیخ محی السنہ نے معالم میں آیت کریمہ: **وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ** کے تحت اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود کی نعمت کا بیان کرنا اللہ رب العزت کے انعام کی شکر گزاری اور اس کا چھوڑ دینا کفرانِ نعمت ٹھہرا۔

حق سبحانہ نے فرمایا

**وَ ذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ** . (۱)

اور انھیں اللہ کے دن یاد دلا۔

امام رازی نے لکھا کہ دنوں سے مراد واقعاتِ عظیمہ ہیں جو ان دنوں میں واقع ہوئے پھر اہل ایمان کو دیکھنا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے بڑھ کر اور کون سا واقعہ ہے جس میں ایوانِ کسریٰ کا شوق ہونا، بتوں کا سر کے بل گر جانا، آتشِ کدہ فارس کا بجھ جانا، رودخانہِ سماوہ کا جاری ہونا، آسمان سے تاروں کا نیچے جھک آنا اور کعبۃ اللہ کا جھک کر شکر الہی بجالانا ایسے ایسے بہت سے واقعات کو شامل ہے۔ لہذا یومِ میلاد کی یاد دلانا اہل ایمان کے نزدیک تمام ایام کے یاد دلانے سے بڑھ کر ہے۔

تفسیر روح البیان میں بعض مفسرین سے یہ تفسیر بھی نقل کی گئی ہے

ذکرهم بآیام اللہ ای ذکرهم نعمائی لیومنا ہی . (۲)

انھیں میری نعمت یاد دلاتا کہ وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نعمت ہیں اور آپ کا تذکرہ ایمان کی رونق بڑھانے کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

**وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** . (۳)

اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

تم کو نبی بنایا، زمین و آسمان میں مشہور کیا، دنیا کے کونے کونے میں تمہارا ذکر پھیلا دیا اور تمہارے ذکر کو دلوں میں محبوب و مطلوب کر دیا۔

امام رازی یہ سب مطلب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں

كأنه تعالى يقول: أملاء العالم من أتباعك

كلهم يشنون عليك و يصلون عليك . (۴)

یہ جو اللہ تعالیٰ نے بلندی ذکر کی بات کی تو اس کا معنی یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ ہم دنیا کو تمہارے چاہنے والوں سے بھر دیں گے وہ سب تمہاری تعریفیں کریں گے اور تم پر درود و سلام کے گجرے بچھاؤ کریں گے۔ اتنی۔

غور کرنا چاہیے کہ یہ معنی محفلِ میلاد شریف پر بخوبی صادق آتے ہیں۔ بے شک یہ نورانی محفل آیت کریمہ **وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** میں داخل ہے اس لیے کہ اس محفل میں درود شریف کی ایسی کثرت ہوتی ہے کہ کسی اور مجالس و عطا و تدریس میں ایسی نہیں ہوتی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور و ظہور اور معجزات و کرامات کا بیان ہوتا ہے جو قبل ولادت و رضاع اور قبل و بعد نبوت ظاہر ہوئے اور آپ کے حلیہ شریف کا بھی بیان ہوتا ہے۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء اور صفت ہی تو ہے۔ لہذا تفسیر مذکور یشنون علیک و يصلون علیک کا مفہوم اس پر خوب صادق آیا۔



اور مہربا چوکی جیسی کسی پاکیزہ اور بلند مقام پر بیٹھ کر باواز بلند پڑھنے سے وَرَقَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی ایک اور ہی شانِ رفعت ظاہر ہوتی ہے۔ اور جو کچھ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و معجزات بیان کیے جاتے ہیں وہ روایتیں ہوتی ہیں کہ جنہیں صحابہ نے تابعین کی مجالس میں اور تابعین نے تبع تابعین کی مجلسوں میں بیان فرمایا ہے اسی طرح طبقہ بہ طبقہ یہ ذکر جمیل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے اگر یہ قصہ اور ذکر ممنوع ہوتا تو اول طبقہ ہی میں صحابہ اس سے اپنی زبان بند کر لیتے نہ ہم تک وہ فضائل پہنچتے اور نہ ہم مجالس و محافل میں ان مدائح و مناقب کو آیت کریمہ وَرَقَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے مطابق آفاق میں پھیلاتے اور تشہیر کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ذکر ثابت الاصل ہے عہد صحابہ میں تقاضا کر کے وصف خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم دل سے سنا جاتا تھا۔ ترمذی نے شمائل میں روایت کی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہند بن ابوالہثمی سے سوال کیا

وَكَانَ وَصَافًا عَنْ حَلِيَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا  
وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف نہایت عمدگی سے بیان کیا کرتے تھے۔ تو میں چاہتا تھا کہ وہ میرے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اوصاف سنادیں کہ میری دلچسپی کا کچھ سامان ہو جائے۔

اب دیکھیے یہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تواسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو وصال اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سات برس کے تھے اتنی عمر والا اپنے اقربا کی صورت بھولائیں کرتا حالانکہ یہ صاحب زادہ رضی اللہ عنہ تو کمال ذہین و متین اور قوی الحفظ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث حفظ کر کے روایت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ صحاح ستہ کے چند ائمہ حدیث نے قنوت و ترکی حدیث ان سے روایت فرمائی ہے۔ اور اسماء الرجال میں ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسا صاحب حفظ ایسے پیارے نانا جان کی صورت (جو ہر دم گود میں رکھتے تھے) کدھے پر چڑھالیتے تھے (نہیں بھولے تھے) بلکہ کیف حاصل کرنے کے لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ سرور قلب کا سبب ہو اور سن کر دل میں خوب اچھی طرح منضبط کریں۔ اس لیے ہند بن ہالہ سے سوال کیا کہ مجھ کو شکل مبارک کے کچھ وصف سناؤ۔ تو ہند بن ہالہ نے وہ طویل حدیث بیان کیا جو شمائل میں مذکور ہے۔

اور ہند بن ہالہ کی نسبت یہ لفظ آیا: كَانَ وَصَافًا عَنْ حَلِيَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ۔ لفظ و صاف مبالغہ کا صیغہ ہے اور مبالغہ کثرت سے ہوتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہ حلیہ شریف کثرت سے بیان فرماتے رہتے تھے۔

اسی طرح داری وغیرہ محدثین ابو عبیدہ سے (جو کہ تابعی اور مقبول بن الحدیث ہیں) روایت کرتے ہیں کہ ابو عبیدہ نے مسماۃ زینب صحابیہ سے عرض کیا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف سناؤ تو بولیں

(۱) شمائل محمدیہ ترمذی: ۹/۱ حدیث: ۳۲۸/۱۰۰۸، دلائل النبوة بیہقی: ۲۶۸/۱ حدیث: ۲۳۶، معرفۃ الصحابہ اصہبانی: ۱۵۶/۱۹ حدیث: ۵۹۵۶، الا حادیث الطوال طبرانی: ۵۱/۱ حدیث: ۳۰، الشریعہ آجری: ۱۲۶/۳ حدیث: ۱۰۰۸، دلائل النبوة اصہبانی: ۱۲/۱۹۳ حدیث: ۵۴، مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۲۲/۳۱، مسند جامع: ۲۶۶/۳۱ حدیث: ۱۰۳۱۱

لَوْ رَأَيْتَهُ لَقُلْتُ: الشَّمْسُ طَالِعَةٌ. (۱)  
انہیں دیکھو تو ایسا لگتا کہ بس اب سورج نکلا چاہتا ہے۔  
اسی طرح بیہقی نے روایت کی کہ جلیل القدر تابعی ابوالخلق نے ایک صحابیہ سے عرض کیا کہ مجھ سے بیان کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے تھے تو وہ بولیں

كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَمْ أَرْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا تھے جیسے کوئی چودھویں کا چاند کہ ان سا کوئی نہ تو میں نے پہلے دیکھا اور نہ ان کے بعد۔

غرض کہ اس قسم کی بہت سی روایتیں موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور تابعین میں اکثر آپ کے اوصاف کے تذکرے رہا کرتے تھے۔ عہد صحابہ اور اس زمانے میں صرف اسی قدر فرق ہے کہ اُس وقت روایتیں مختصر طور پر بیان ہوتی تھیں اور اب تفصیل و تطویل سے ہوتی ہیں۔ جس طرح کہ علم حدیث کا حال ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ ”انتباہ“ میں لکھتے ہیں کہ صدر اول میں حدیث لکھنے کا کوئی دستور نہ تھا یعنی صحابہ میں حدیث کا تذکرہ اور یادگاری زبانی ہوتی تھی لیکن ان کے بعد حدیثیں لکھی جانے لگیں اور ایک صدی کے بعد کتابت کا بہت ہی اہتمام ہوا پھر دوسری صدی کے بعد پورے طور پر کامل تصنیفیں ہونے لگیں۔

غرض کہ اب یہ جو احادیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک قسم کی حدیثوں کا باب الگ نمازی کی جس قدر حدیثیں ہیں وہ محدثوں نے ایک جگہ کر دیں اور زکوٰۃ کی ایک جگہ پہلے یہ بات نہ تھی۔

بس اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کی بابت جو روایتیں اور میلاد و رضاء وغیرہ کے متعلق جو واقعات صحابہ میں منتشر و متفرق تھے ایک وقت وہ آیا کہ محدثین کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کو یکجا جمع کر دیا جائے تب انھوں نے جمع کیے تو وہ رسالے بن گئے اس طرح سیکڑوں رسائل میلاد شریف پر تصنیف ہو گئے۔ انھیں میں حافظ شمس الدین محدث دمشق کا مولد شریف ”مورد الصاوی فی مولد الہادی“، محمد بن عثمان لولوی دمشقی کا ”الدر المنظم فی مولد النبی الأعظم“، امام القراولحیثین ابن جوزی کا ”عرف التعریف فی مولد الشریف“، مجد الدین (صاحب قاموس) کا ”نفحات العنبریۃ فی مولد خیر البریۃ“ بھی اس میں شامل ہے۔ (اس سلسلہ خیر کی) جملہ کتابوں کا نام لکھنا طویل کا باعث ہے۔

غرض کہ علامہ سخاوی اور ابن حجر وغیرہ محدثین نے اس قسم کی روایات کو پاکیزہ الفاظ اور نفیس ترکیب میں نظماً اور نثرً جمع کرنا اور اس خیر میں شریک ہونا اپنے لیے مایہ سعادت سمجھا اور ان کے وہ رسائل (ذوق و شوق سے) محفلوں میں پڑھے جانے لگے۔ پھر فارسی دانوں نے فارسی زبان میں (اس کا ترجمہ کیا) بلادرومیہ میں ترکی زبان میں اور ہندوستان میں ہندی زبان میں ترجمہ ہو کر وہ پڑھے جانے لگے۔

(۱) ان سے دو طرح کی روایتیں ملتی ہیں۔ ایک تو یہی مذکورہ جسے امام بیہقی نے دلائل النبوة میں جلد اول صفحہ ۱۳۲ حدیث: ۱۱۶ کے تحت درج فرمایا ہے۔ مگر ساتھ ہی دوسرے راوی سے مندرجہ ذیل حدیث بھی ذکر کیا ہے

دوسری روایت یوں ہے: لَوْ رَأَيْتَهُ لَرَأَيْتَهُ الشَّمْسُ طَالِعَةً. (مجم کبیر طبرانی: ۱۲/۱۸ حدیث: ۲۰۱۵۹، مجمع اوسط طبرانی: ۱۰/۱۰۷۷ حدیث: ۲۶۱۳، شعب الایمان: ۳/۵۵ حدیث: ۱۳۰۳، سنن داری: ۱/۱۷۱ حدیث: ۶۱، معرفۃ الصحابہ: ۱۵۱/۲۳ حدیث: ۶۹۹۹، فتح الباری: ۱۰/۳۶۰ (باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲) دلائل النبوة بیہقی: ۱۳۳/۱ حدیث: ۱۱۵، اخبار مکہ فاکہی: ۲۸۳/۱ حدیث: ۲۳۱



یہ ذکر پاک چوں کہ خوشی و مسرت کا باعث تھا اس لیے اس میں کچھ سامان سرور مثلاً مجلس کی تزئین، بخور و عطریات کا استعمال، کھانا کھانا، شیرینی بانٹنا اور دوست بھائیوں کا اس میں اکٹھا ہونا بھی داخل ہو گیا، ان امور کے شامل ہونے کو علماء نے جائز رکھا ہے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے ”حسن المقصد“ اور ملا علی قاری نے ”مورد الروی“ میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

و أما ما يتبعه من السماع و اللهو و غیرهما  
فینبغي أن يقال ما كان من ذلك مباحا بحيث يعین  
السرور بذلك اليوم فلا بأس بالحاقه و ما كان  
حراما أو مکروها فيمنع.

محفلی میلاد کے اندر لہو و سماع وغیرہ جو مباح کام ہوتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان کی وجہ سے خوشیاں دو بالا ہو جایا کرتی ہیں۔ ہاں اگر اس میں کوئی حرام و مکروہ کام ہو تو اسے بہر حال منع کیا جائے گا۔

اس عمل کو ماہ ربیع الاول کے ساتھ خاص کیا گیا۔ ہر چند وہ تو نہایت ہی قدیم یعنی وقت صحابہ سے چلا آ رہا تھا لیکن یہ سامان فرحت و سرور کرنا اور اس کو بھی ربیع الاول کے مہینہ کے ساتھ مخصوص کرنا اور اس میں بھی میلاد شریف کے لیے خاص و بنی بار ہوا دن معین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں۔

سب سے پہلے تخصیص و تعین کے ساتھ ربیع الاول کا یہ عمل عراق کے ایک شہر ”موصل“ میں ہوا جسے صلحائے روزگار میں سے ایک متقی و دین دار شیخ عمر نے شروع کیا۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ مولود شریف سات سو برس سے نکلا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بعض خصوصیات کی وجہ سے اتنے دنوں سے ہے ورنہ میلاد شریف کا اصل تذکرہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلا آ رہا ہے۔ بادشاہوں میں سب سے پہلے ابوسعید مظفر بادشاہ نے ربیع الاول میں تخصیص و تعین کے ساتھ میلاد شریف کیا۔ غرض کہ اس بادشاہ نے اس کام میں شیخ عمر کی پیروی کی۔ وہ ہر سال ربیع الاول میں تین لاکھ اشرفی لگا کر بڑی محفل کیا کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں ابو الخطاب بن دحیہ نامی ایک عالم گزرے ہیں (جو حضرت دحیہ بکلی صحابی کی نسل اور اولاد سے تھے) جن کی بابت شرح علامہ زرقانی اور تاریخ کی دیگر عربی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ علم حدیث کے بڑے ماہر اور پختہ کار تھے، علم نحو لغت اور تاریخ عرب میں کامل تھے، کئی ملکوں میں جا کر انھوں نے علم حاصل کیا تھا۔ ملک اندلس، مراکش، افریقہ، مصر، شام، عراق، دیار شرق و غربہ اور ماژندان و خراسان وغیرہ کے اکثر شہروں میں علم حدیث حاصل کرتے اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتے انجام کار ۶۰۴ھ (1207ء) میں شہر اربل آئے۔ جہاں سلطان ابوسعید مظفر کے لیے میلاد شریف (کے موضوع پر) ”التنوير في مولد البشير النذير“ نامی ایک کتاب لکھی، خاص سلطان کے سامنے اسے پڑھا، اور ایک ہزار اشرفی انعام پائی۔

مکرین حضرات مولد شریف لکھنے اور پڑھنے کی وجہ سے اس عالم و محدث کو اپنا دشمن جانتے ہیں، اور ان کی برائی کرتے ہیں؛ حالانکہ کتب معتبرہ میں ان کی تعریف مندرج ہے۔ اور اسی طرح وہ سلطان مظفر کو بھی برا کہتے ہیں۔ اس کے پلٹنوں میں طبل غازی بجاتھا جس سے مکرین نے اس پر مزامیر سننے کا عیب لگایا، حالانکہ وہ تیاری جہاد کے آلات میں داخل تھا، اس قسم کے طبل وغیرہ دوسری چیز ہیں اور کھیل کود کے مزامیر دوسری چیز۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں سرور میں اسے وجد آجاتا تھا جس کو ان بھلے مانسوں نے محفل میں ناچنے سے تعبیر کیا اور لکھا کہ اس کی محفل میں خیال گائے جاتے تھے، یہ اس کا خاکہ اڑایا کہ یہ اشعار نعت پڑھے جاتے تھے اور اشعار کی تعریف خود کتابوں میں تصریحاً لکھی ہے کہ اشعار مقدمات خیالی کو کہتے ہیں۔ تو کہاں یہ

خیال اور کہاں وہ چلا اور خیال جس کی تعریف میں تو تاریخ عرب میں طومار کے طومار بھرے ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ طول کا موقع نہیں اس لیے شارح مواہب علامہ زرقانی کی ایک مختصر عبارت لکھتا ہوں جسے انھوں نے تاریخ ابن کثیر سے نقل فرمایا ہے:

كان شهما شجاعا بطلا عاقلا عادلا محمود  
جو تندرست، بہادر، دلیر دانش مند، انصاف و راور اچھی سیرت و خصلت کا مالک تھا۔

الحاصل اس بادشاہ کے دور میں محفل میلاد دھوم سے ہونے لگی اور بڑے بڑے علماء و مشائخ اور صوفیہ اس میں شامل ہونے لگے۔ سبط ابن الجوزی نے (مرآة الزمان میں) لکھا ہے:

و كان يحضر عنده في المولد أعيان العلماء و  
میلاد شریف کی محفل میں وقت کے اجلہ علماء اور صوفیہ شرکت فرماتے تھے۔

جلال الدین سیوطی نے ”فتاویٰ حسن المقصد“ میں لکھا ہے:

أحدثه ملك عادل عالم و قصد به التقرب  
میلاد شریف کے عمل کو ایک عالم منصف بادشاہ نے

إلى الله عز وجل و حضر عنده فيه العلماء و  
تقرب الی اللہ حاصل کرنے کے لیے ایجاد کیا جس میں

الصلحاء من غیر نكبر منهم. (۳)

بلا اختلاف علماء اور صالحین حاضر ہوا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس عمل پر بلا انکار جملہ علماء و صلحا کا اجماع ہو گیا۔ لیکن اس اجماع کے 50 برس بعد تاج الدین فاکہانی مغربی پیدا ہوا۔ اس کی ولادت ۶۵۴ھ (1257ء) میں ہوئی، اور ابوسعید مظفر نے محفل میلاد کا آغاز ۶۰۴ھ (1207ء) میں کیا اور ۶۳۶ھ (1239ء) میں اس بادشاہ کا انتقال ہوا۔ غرض کہ اس اجماع اور شاہ مظفر کی وفات کے بعد اس عالم یعنی فاکہانی نے جمہور مخالف ہو کر میلاد شریف کے عدم جواز پر فتویٰ لکھ دیا جس کا فقہاء و محدثین نے رد کیا۔ میلاد شریف قدیم دستور کے مطابق قائم و دائم رہا اور شرق و غرب، شمال و جنوب تمام اسلامی شہروں میں رائج ہو گیا۔ چنانچہ ملا علی قاری اور علامہ حلبی و قسطلانی وغیرہ نقل کرتے ہیں۔

ثم لا زال أهل الإسلام في سائر الأقطار و  
پھر تمام اطراف اور بڑے بڑے شہروں میں اہل اسلام

المدن الكبار يحتفلون في شهر مولده صلى الله  
ماہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں برابر محفلیں جماتے رہے اور

عليه وسلم و يعتنون بقراءة مولده الكريم و يظهر  
سرکار کے میلاد مبارک پڑھنے کا اہتمام کرتے رہے جس کی

عليهم من بركاتہ كل فضل عظيم. (۳)

برکت سے ان پر افضال و برکات کی بارشیں ہوتی رہیں۔

ملا علی قاری نے تمام ملکوں میں میلاد شریف کا ہونا ثابت کیا ہے جس کا جی چاہے ان کا رسالہ ”مورد الروی“ اٹھا کر دیکھ لے وہ لکھتے ہیں کہ مولود شریف کی محفلیں، حرمین شریفین، زادما اللہ شرفاً و تظلیلاً، ملک مصر، ملک اندلس، ممالک مغربی، ملک روم، ممالک عجم اور ملک ہندوستان وغیرہ میں کمال اہتمام و احتشام سے ہوتی ہیں۔ مزید یہ بھی لکھا۔

و من تعظيم مشائخهم و علماء نهم هذا المولد المعظم و المجلس المكرم انه لا ياباه أحد في حضوره رجاء إدراك نوره.

(۱) سبل الہدی والارشاد: ۳۶۲/۱

(۲) حوالہ سابقہ: ۳۶۲/۱

(۳) نفس مصدر: ۳۷۰/۱

(۴) سبل الہدی والارشاد: ۳۶۲/۱، سیرت حلبیہ: ۱۲۲/۱



یہاں لفظ ہم کی ضمیر غائب مذکورہ تمام دیار و امصار کی طرف لوٹ رہی ہے جس کے معنی یہ ہوئے  
اس محفل و مجلس مبارک کی تعظیم ان جملہ ملکوں کے مشائخ طریقت اور علمائے شریعت اس قدر کرتے ہیں کہ ان میں سے  
کوئی بھی اس محفل کے انوار و فیوض سے متمتع ہونے کے لیے اس میں حاضر ہونے سے انکار نہیں کرتا۔

تو اس عمل پاک کی کثرت اور اس کی شہرت و مقبولیت ملا علی قاری وغیرہ کے کلام سے روشن ہوگئی ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ  
علماء و مشائخ میں سے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا تھا جس سے ظاہر ہوا کہ وہ جو کوئی ایک یا دو آدمی ادھر ادھر انکار کرتے رہے تو وہ  
ہزاروں لاکھوں بلکہ سواد اعظم کا مخالف سمجھ کر ہر دور اور ہر جہد میں غیر مقبول اور متروک العمل رہے۔

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام جو سیرت حلبی میں منقول ہے

ثم لا زال اهل الإسلام في سائر الأقطار  
والمدين الكبار يعملون المولد (۱)

یوں ہی ”موہب اللدنیہ“ مولفہ شیخ شہاب الدین قسطلانی میں ابن الجزری کا یہ کلام منقول ہے  
ولا زال اهل الإسلام يتحفلون بشهر مولده  
مسلمان ماہ ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں  
علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ سے سجاتے چلے آ رہے ہیں۔

ان عبارتوں میں لازال اهل الإسلام جمہور اہل اسلام کے اجماع اور مخلوق میں اس عمل مقبول کے دوام کا فائدہ دے  
رہا ہے۔ چنانچہ حرین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً میں زمانہ قدیم سے آج تک اور ملک روم و شام و اندلس اور مغربی ممالک وغیرہ  
جملہ بلاد اسلامیہ میں ہمیشہ سے اس وقت تک میلاد شریف کے اسی احباب و استحسان پر عمل ہے، بجز خطہ پاک ہندوستان کے کہ اس  
میں طرح طرح کے انکار پیدا ہو گئے۔ مگر زمانہ قدیم میں ہندوستان کے اندر بھی علمائے ہند کی مقبول و معتمد شخصیات مثلاً شیخ عبدالحق  
محدث دہلوی اور ملا محمد طاہر صاحب مجمع البحار میلاد شریف کے انتخاب کے قائل تھے۔ نیز بادشاہان دہلی ہمایوں وغیرہ کے بعض  
قصص و حکایات اور حافظ ابوالخیر سخاوی کے کلام سے ہندوستان میں اس عمل پاک کا رائج ہونا بھی یقینی طور پر معلوم ہے۔ انتہایہ کہ اس  
وقت جو انگریز حکام و فرماں روا ہیں کہ جنہیں تعظیم و آداب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ علاقہ نہیں انھوں نے بھی اپنے محکمہ و کچہری میں  
اہل اسلام کے لیے جا بجا چھٹیاں مقرر کر رکھی ہیں۔ مثلاً عید بقر عید شب براءت اور ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو میلاد حضرت  
خیر العباد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی منانے کے لیے ایک ایک دن کی تعطیل۔

افسوس صد افسوس کہ انگریز حکام تو اپنے کاروبار میں حرج منظور کر لیں، اپنے حقوق خدمت اور کارگزاری، اس روز حضور کی  
سرور و تعظیم کی بجا آوری کے لیے موقوف کر دیں اور اس کے مقابل میں یہ لوگ زبان سے فرمائیں کہ یہ فعل بدعت و ضلالت  
ہے! معاذ اللہ اس دین داری اور خوش عقیدتی پر افسوس ہے۔ خیر! انکار کرنے والے انکار کریں کہ ان کو یہی توفیق ملی ہے کہ وہ ذکر  
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل پاک سے کنارہ کرتے رہیں مگر ہم اس وقت تک کا کامل ثبوت فراہم کر چکے کہ مشرق سے مغرب تک  
تمام ممالک اسلامیہ میں اس عمل پاک کو اہل اسلام محمود اور مستحسن جانتے ہیں تو اب ہم کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کافی ہے

کہ آپ فرماتے ہیں  
مَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ  
حَسَنٌ (۱)

امام احمد نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں مرفوعاً روایت کی ہے  
سَأَلْتُ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ أَنْ لَا يَجْمَعَ أُمَّتِي عَلَى  
ضَلَالَةٍ فَأَعْطَانِيهَا (۲)

ابن عمر سے مرفوعاً روایت ہے  
إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْمَعُ هَذِهِ الْأُمَّةَ عَلَى ضَلَالَةٍ أَبَدًا (۳)

امام سیوطی کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ ۶۰۴ھ (1207ء) سے اس عمل کے استحسان پر علماء اور صلحائے امت کا بلا تکبر  
اجماع ہے تو علمائے امت کا یہ اجماع حدیث کی رو سے اس بات پر دلیل شافی ہے کہ یہ عمل ضلالت نہیں ہے۔ اور قاف کہانی مغربی نے  
جو مدت دراز کے بعد پیدا ہو کر مخالفت کی تو یہ خود اس کی خطا ہے۔ آیت کریمہ: وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ (نساء: ۱۱۵)  
سے اندیشہ کرنا ضروری تھا تو قاف کہانی کی مخالفت علمائے سلف کے اتفاق کے خلاف ٹھہری۔ اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ والعمل علی  
الخلافاً خرق الإجماع یعنی اتفاق امت کے خلاف عمل کرنا اجماع کو توڑ دیتا ہے اور یہ بڑی خطا ہے۔

قاف کہانی کے بعد انکار میں بعض لوگ جو اس کے تابع ہوئے تو وہ دراصل خلاف کی پیروی ہے اور شرعاً ناجائز ہے۔ اس کو  
اختلاف نہیں کہہ سکتے اور اگر کوئی اس کو اختلاف ہی قرار دے اور کسی گروہ کے پانچ دس مولوی ایک جگہ باندھ کر اور اس عمل پاک  
کا انکار کر کے اختلاف کی صورت ظاہر کریں تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے اس کا صاف صفایا ہو جاتا ہے۔  
ابن ماجہ اور دارقطنی وغیرہ محدثین حضرت انس سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
فَإِذَا رَأَيْتُمْ اخْتِلَافًا فَهَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ (۴)

جب علمائے امت میں اختلاف دیکھو تو جس پر سواد اعظم  
ہوں اس کی پیروی کرو۔

(۱) مسند احمد: ۲۵۳/۷ حدیث: ۳۳۱۸ مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۵۳/۷ حدیث: ۳۳۱۸ مستدرک: ۲۵۷/۱۰ حدیث: ۳۳۳۹ معجم کبیر طبرانی: ۱۲۸/۸ حدیث: ۸۵۰۳  
معجم اوسط طبرانی: ۲۶۳/۸ حدیث: ۳۷۳۰ معرفۃ السنن والآثار: ۷۳/۱ معرفۃ الصحابہ: ۵۷/۱ حدیث: ۳۱/۱ مسند طحاوی: ۲۵۵/۱ حدیث: ۲۳۰ مجمع الزوائد و منبع  
الغوائد: ۱۰۷/۱ کنز العمال: ۲۸۵/۱۲ حدیث: ۳۵۵۹۰ نصب الراية: ۲۳۳/۱۰ ابی ابن مردودہ: ۱۹/۱ حدیث: ۱۸ الاعتقاد: ۳۳۰/۱ حدیث: ۲۹۷  
بحر الخوارزمی: ۲۱۹/۵ حدیث: ۱۶۰۶ الشریعہ: ۲۶۳/۳ حدیث: ۱۱۲۸ الفقہ: ۱۱۲۸ خطیب بغدادی: ۴۹۲/۱ حدیث: ۳۳۹ المدخل الی السنن  
الکبریٰ: ۲۱۱/۱ حدیث: ۲۷/۱ شیت الاملۃ وترتیب الخلافۃ: ۲۱/۱ حدیث: ۲۰۲ جامع بیان العلم و فضلہ: ۸۲/۳ حدیث: ۱۰۲۳ فضائل  
الصحابہ: ۲۶۲/۲ حدیث: ۵۱۷ معجم ابن الاعرابی: ۳۳۲/۲ حدیث: ۸۲۳

(۲) مسند احمد: ۲۸۵/۵ حدیث: ۲۵۹۶۶ مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۱۱/۵ حدیث: ۲۵۹۶۶ معجم کبیر طبرانی: ۲۵۹/۲ حدیث: ۶۰۵/۲ حدیث: ۲۱۲۹ مجمع الزوائد: ۱۰۷/۱  
کنز العمال: ۲۸۵/۱۱ حدیث: ۳۱۱۰۰ المسند الجامع: ۲۸۶/۳ حدیث: ۳۲۸۶۱

(۳) الابانۃ الکبریٰ: ۱۶۲/۱ حدیث: ۱۵۶/۱ مستدرک: ۳۸۱/۱ حدیث: ۳۶۱/۱ کنز العمال: ۲۰۶/۱ حدیث: ۱۰۲۹

(۴) سنن ابن ماجہ: ۴۳۲/۱۱ حدیث: ۳۹۳۰ الابانۃ الکبریٰ: ۱۲۸/۱ حدیث: ۱۲۳/۱ مسند عبد بن حنبل: ۳۳۲/۳ حدیث: ۱۲۲۳ مسند الشافعی: ۲۱۵/۶ حدیث: ۲۰۳۸  
کنز العمال: ۱۸۰/۱ حدیث: ۹۰۹ المسند الجامع: ۱۵۲/۳ حدیث: ۱۲۲۰ تحفۃ الاشراف: ۳۷۳/۳ حدیث: ۱۷۱۵



جولوگ سواد اعظم کے معنی میں ہیر پھیر کر کے طرح طرح کی باتیں پیش کرتے ہیں وہ قابل توجہ نہیں۔ جمہور محدثین کے نزدیک اس کے معنی وہ ہیں جو مولانا احمد علی محدث سہارن پوری مرحوم نے اپنی مطبوعہ مشکوٰۃ میں شرح ملا علی قاری سے نقل کیے ہیں

يعبر به عن الجماعة الكثيرة والمراد ما عليه  
اکثر المسلمین (۱)

پیروی کرو جس پر اکثر مسلمان ہوں۔

اسی طرح مولوی اسحق صاحب کے خلیفہ وشاگرد رشید نواب قطب الدین خان صاحب نے ترجمہ مشکوٰۃ ”مظاہر الحق“ میں اس حدیث کی شرح یوں لکھی ہے

جو اعتقاد اور قول و فعل اکثر علماء کے ہوں ان کی پیروی کرو۔

باقی رہی یہ بات کہ اکثر علماء سے کس فریق کے علماء مراد ہیں تو اس کو علم اصول کی کتاب ”توضیح“ میں واضح کیا گیا ہے کہ وہ اہل سنت و جماعت سے ہونے چاہئیں عبارت یوں ہے

و السواد الأعظم عامة المسلمین ممن هو أمة  
مطلقة والمراد بالأمة المطلقة أهل السنة و  
الجماعة (۲)

سواد اعظم سے امت مسلمہ کی اکثریت مراد ہوتی ہے اور جب مطلق امت بولی جائے تو اس سے اہل سنت و جماعت مراد ہوتے ہیں۔

علم اصول کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جس عمل پر مدت دراز سے علمائے محققین کا اتفاق چلا آ رہا ہو وہ شرع میں حجت اور دلیل حقیقت ہے۔ ”مسلم الثبوت“ کے آخر حصہ میں ہے

إن اتفاق العلماء المحققین علی ممر  
الأعصار حجة كالإجماع۔

عرصہ دراز سے کسی بات پر علماء محققین کا اتفاق اجماع کی طرح حجت مانا جاتا ہے۔

اس مقام پر علامہ بحر العلوم نے ”المحققین“ کے تحت لکھا ہے

و إن كانوا غیر مجتہدین۔

یہ محققین گرچہ غیر مجتہد ہی کیوں نہ ہوں۔

مطلب یہ ہوا کہ کسی امر پر مدت دراز سے جو علمائے اہل تحقیق کا اتفاق چلا آتا ہو تو اگر وہ مجتہد نہ بھی ہوں تب بھی ان کا یہ عمل اجماع کی طرح حجت ہے۔

اب دیکھیں کہ میلاد شریف کو جائز رکھنے والے علماء جیسے ابوشامہ ابن حجر ابن جزری سیوطی اور ملا علی قاری وغیرہ (جن کے نام نامی لمعہ ثانیہ میں درج ہوں گے) سب اہل سنت و جماعت ہیں کسی نے بھی معاذ اللہ ان کو اہل بدعت میں شمار نہیں کیا ہے اور یہ لوگ محققین بھی ہیں۔ لہذا عمل مولد شریف پر ان سب کا اتفاق اجماع کی طرح حجت ٹھہرا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

لمعہ ثانیہ، مشائخ خاندان عزیزیہ اور شرکت محفل میلاد شریف

جناب مرشدی و مولائی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب عم فیضیہم بھی شریک محفل ہوا کرتے ہیں۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس سلسلہ میں بیان یہ ہے کہ آپ نے رئیس مراد آباد علی محمد خان

صاحب کو ایک خط رقم فرمایا جس کی عبارت ملخصاً یوں ہے

در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد می شود اول کہ مردم روز عاشورا یک دور و پیش ازین قریب چہار صد یا پانصد کس بلکہ قریب ہزار کس و زیادہ ازاں فراہم می آید و در دومی خوانند بعد ازاں کہ فقیری آید می شنید و ذکر فضائل حسنین کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید و آنچه در احادیث اخبار شہادت این بزرگان وارد شدہ نیز بیان کردہ می شود و بعد ازاں ختم قرآن و بیخ آیت خواندہ بر ما حاضر فاتحہ نمودہ می آید پس اگر اس چیز ہانزد فقیر جائز نمی بود اقدام براں اصلاً نمی کرد باقی ماند مجلس مولود شریف پس حالش اینست کہ بتاریخ دواز دہم شہر ربیع الاول ہمیں کہ مردم موافق معمول سابق فراہم شدند و در خواندن درود شریف مشغول گشتند و فقیری آید اولاً بعضے از احادیث و فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مذکور می شود بعد ازاں ذکر ولادت باسعادت و ہندے از حال رضاع و حلیہ شریف و بعضے از آثار کہ دریں آواں بظہور آمد بمعرض بیان می آید پس بر ما حاضر از طعام یا شیرینی فاتحہ خواندہ تقسیم آں بجا حاضرین مجلس می شود۔

سال میں دو مجلس فقیر کے گھر منعقد ہوا کرتی ہیں۔ پہلی کہ عاشوراء کے دن یا اس سے ایک دور و قبل چار پانچ سو کی تعداد میں بلکہ ہزار سے بھی زیادہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور درود پڑھتے ہیں۔ پھر فقیر کے آنے کے بعد حدیث میں وارد شدہ فضائل حسنین کا تذکرہ ہوتا ہے اور حدیث کی روشنی میں بیان شہادت بھی ہوتا ہے جو کہ بزرگوں کا طریقہ ہے۔ اس کے بعد فاتحہ کے لیے جو چیز موجود ہوتی ہے اس پر ختم قرآن اور بیخ سورتیں پڑھی جاتی ہیں اب اگر یہ چیزیں فقیر کے نزدیک جائز نہ ہوتیں تو انھیں عمل میں کبھی نہ لایا جاتا۔ رہی بات مجلس میلاد شریف کی تو اس کا حال یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول میں لوگ مذکورہ بالا تعداد میں حاضر ہوتے ہیں اور درود شریف کے درود میں مشغول ہو جاتے ہیں پھر فقیر کی آمد ہوتی ہے پہلے تو احادیث کی روشنی میں کچھ سرکار علیہ السلام کے فضائل بیان کیے جاتے ہیں اس کے بعد آپ کی ولادت باسعادت کا تذکرہ ہوتا ہے آپ کی رضاعت کے احوال اور کچھ حلیہ شریف کا بیان ہوتا ہے اور کچھ وہ واقعات سنائے جاتے ہیں جو آپ کی تشریف آوری پر ظہور پذیر ہوئے پھر کھانا یا شیرینی جو کچھ حاضر ہوتا ہے اس پر فاتحہ دی جاتی ہے اور حاضرین مجلس میں اس کو تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

یہ شاہ عبدالعزیز صاحب وہ ہیں کہ جن کا شہرہ زبان زد خاص و عام ہے اور منکرین بھی ان تک سند حدیث کا سلسلہ پہنچ جانے کو اپنے لیے کمال درجہ مایہ افتخار سمجھتے ہیں۔ تو جس طرح ہم ان کی تحریروں سے وجود بدعت حسنہ کا ثبوت ثابت کر چکے ہیں اور اموات کے سلسلہ میں مروجہ صدقات کی سندیں بھی ان کو دے چکے ہیں تو اب انھیں کے کلام سے بدعت حسنہ کے اس فرد خاص ذی اختصاص راجح بین اہل اخلاص یعنی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند بھی گزاردی اور اس کے اندر رجوعاً کھانے پر فاتحہ کی تائید بھی ہوگئی ہے۔

اب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان سنئے۔ یہ شاہ عبدالعزیز دہلوی موصوف کے باپ استاد اور پیر تھے۔ آپ نے اپنا حال ”فیوض الحرمین“ میں یوں لکھا ہے

کننت قبل ذلک بمکة المعظمۃ فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم ولادته و الناس یصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویذکرون

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس سے پہلے ماہ ولادت یعنی ربیع الاول شریف میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر مکہ معظمہ میں تھا، لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم



إرهاصاته التي ظهرت في ولادته و مشاهدته قبل بعثته فرأيت أنواراً سطعت دفعة واحدة لا أقول إنني أدر كنتها ببصر الجسد ولا أقول أدر كنتها ببصر الروح فقط واللّه أعلم كيف كان الأمر بين هذا و ذلك فتأملت تلك الأنوار فوجدتها من قبل الملائكة الموكلين بأمثال هذه المشاهدة بأمثال هذه المجالس ورأيت يخالط أنوار الملائكة أنوار الرحمة .

پر درود نچھاؤ کر رہے تھے ساتھ ہی سرکار کی ولادت کے وقت جو واقعات ظہور پذیر ہوئے نیز آپ کی بعثت سے پہلے کے احوال بیان ہو رہے تھے میں نے دیکھا کہ یکا یک انوار غیبی بلند ہو گئے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعہ میں نے اپنی ظاہری آنکھ سے دیکھا یا باطنی آنکھ سے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ظاہر و باطن کے درمیان وہ کیا عالم تھا پھر میں نے تجسس اور غور سے ان انوار کو دیکھا تو وہ ان فرشتوں کے انوار تھے جن کو حق تعالیٰ نے اس بات پر معین کر رکھا ہے کہ وہ ایسے ایسے مقامات میں اور ایسی ایسی مجلسوں میں حاضر ہوا کریں نیز میں نے یہ بھی دیکھا کہ انوار رحمت اور انوار ملائکہ باہم خلط ملط ہو رہے تھے۔

ایک تو ملائکہ خود اجسام نوری ہوتے ہیں دوسرے حاضرین مجلس کے لیے انوار رحمت نازل ہوئے تو اب یہ دونوں نور مل کر مجلس میں نور علی نور کا سماں باندھ رہے تھے جس کو اس عبارت سے تعبیر کیا ہے

فرأيت أنواراً سطعت دفعة .

دیکھیے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ذکر ولادت شریف کی ایسی مجالس میں فرشتوں کی آمد اور رحمت کا نزول اپنے مشاہدہ سے ثابت کر رہے ہیں۔

اب ان کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ کا حال سنئے جو شریعت و طریقت میں بھی ان کے رہنما تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے عالم رویا کی چالیس حدیثوں پر مشتمل اپنی کتاب ”الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین“ کی بائیسویں حدیث میں نقل کیا ہے

أخبرني سيدي الوالد قال كنت أصنع في أيام المولد طعاماً صلة بالنبي صلى الله عليه وسلم فلم يفتح لي سنة من السنين شييء أصنع به طعاماً فلم أجد إلا حمصاً مقلياً فقسمته بين الناس فرأيت به صلى الله عليه وسلم وبين يديه هذه الحمص مبتهجا بشاشا .

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے والد بزرگوار نے بتایا کہ میں نسبت رسالت کی بنیاد پر میلاد شریف کے موقع پر کھانے کا اہتمام کیا کرتا تھا تو ایک سال ایسا ہوا کہ میرے پاس کھانا بنوانے کی وسعت نہیں تھی صرف کچھ بھنے ہوئے چنے تھے جسے میں نے لوگوں کے درمیان بانٹ دیے پھر (کیا تھا میری قسمت بیدار ہوا ٹھٹھی) میں نے دیکھا کہ وہ چنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ ایسے خوش ہیں کہ چہرے سے بشاشت پھوٹی پڑ رہی ہے۔

اب شاہ ولی اللہ صاحب کے پیران پیر مولانا جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا حال سنئے جو چھ طبقہ اور پر مشائخ طریقت اور ان

کے مشائخ حدیث میں آتے ہیں شروع کتاب ”لعمد البعین“ ”انبتاہ“ کے حوالے سے آپ نے ان کا سلسلہ حدیث دیکھا ہوگا۔

مولانا جلال الدین سیوطی ”حسن المقصد فی عمل المولد“ میں فرماتے ہیں

يستحب لنا أيضا إظهار الشكر بمولده عليه السلام بالاجتماع و إطعام الطعام و نحو ذلك من وجوه القربات و المسرات . (۱)

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر اہل اسلام کا اکٹھے ہو کر کھانا کھلا کر اور یوں ہی دوسرے اچھے امور خوشحالیوں کے ساتھ انجام دے کر اظہار تشکر بجالانا مستحب ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت تفسیر روح البیان اور سیرت شامی وغیرہ کتب معتبرہ و متداولہ میں بھی سنداً نقل ہے۔

اب شیخ القرآن والحديث حضرت شیخ الاسلام شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ کا حال سنئے (جو حضرت شاہ ولی اللہ کے نویں طبقہ اور پر مشائخ حدیث و طریقت میں آتے ہیں) ”عرف التعریف بالمولد الشریف“ میں فرماتے ہیں

فما حال المسلم الموحد من أمته عليه السلام يسر بمولده ويبذل ما تصل إليه قدرته في محبته صلى الله عليه وسلم لعمرى إنما يكون جزاءه من الله الكريم أن يدخله بفضله العليم جنات النعيم . (۲)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اس موحد کا کیا حال ہوگا جو آپ کے میلاد شریف پر خوشیاں مناتا ہے اور آپ کی محبت میں اپنی بساط کے مطابق خرچ کرتا ہے مجھے اپنی عمر کی قسم! اللہ کی طرف سے اس کی جزا یہی ہے کہ وہ اپنے فضل فراوان سے اسے جنت النعیم میں داخل فرمائے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”مورد الروي في مولد النبي“ میں حضرت ابوالخیر شمس الدین ابن الجزری کی ایک تحریر نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

قال ابن الجزري رحمة الله عليه و لقد حضرت في سنة خمس و ثمانين و سبع مائة ليلة المولد عند الملك الطاهر يرقوق رحمة الله بقلعة فرأيت ما سرنى فحرزت ما أنفق في تلك الليلة على القراء و الحاضرين من الوعاظ و المنشدين و غيرهم بنحو عشرة آلاف مثقال من الذهب ما بين خلع و مطعوم و مشروب و مشموم و شموع و غيرها و عددت ذلك خمسا و عشرين حلقة من القراء الصبيين .

ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال نور الدین ابوسعید بורانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے فارسی میلاد نامہ میں بعینہ نقل کیا ہے۔

تبصره : اس وقت عمل میلاد شریف کے سلسلہ میں دو گروہ ہیں۔



پہلا

وہ جو کراہت و حرمت ثابت کرتا ہے جس کا سب سے پہلا پیشوا تاج الدین فاکہانی مغربی ہے۔ اس کا یہ قول ”الموردی عمل المولد“ میں یوں ہے

هو بدعة أحدثها البطالون و شهوة نفس اعتنى بها الأتكالون .

چند سطر کے بعد لکھا

و هذا لم يأذن فيه الشرع و لا فعله الصحابة و لا التابعون .

پھر دو تین سطر کے بعد لکھتا ہے

و حينئذ يكون الكلام فيه في فصلين أحدهما: أن يعمل رجل من عين ماله لأهله و أصحابه و عياله لا يجاوزون ذلك الاجتماع على أكل الطعام و لا يقتربون شيئاً من الآثام فهذا الذي وصفناه بأنه بدعة مكروهة و شناعة و الثاني: أن تدخله الجنابة و هذا الذي لا يختلف في تحريمه اثنان (۱)

یہ عمل مولد بدعت ہے جس کی ایجاد باطل اور نفس پرست لوگوں نے کھانے پینے کی غرض سے کی ہے۔ نہ تو شریعت ہی نے اس کی اجازت دی اور نہ صحابہ و تابعین ہی سے اس کی کوئی سند ملتی ہے۔ اب اس میں دو طریقے سے کلام ہوگا۔ ایک یہ کہ آدمی خاص اپنے مال سے کرے اپنے بال بچوں دوستوں اور کنبہ والوں کو کھلائے اس کے سوا اور کچھ نہ کرے کہ لوگوں کو جمع کر کے کھانا کھلا دے مگر وہ لوگ کوئی گناہ کی بات نہ کریں اسی کو ہم نے بدعت مکروہہ و شنیعہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور دوسرا طریقہ مولد کا یہ ہے کہ اس میں گناہ کی باتیں داخل ہوں تو یہ ایسا حرام ہے کہ جس میں کسی دوا آدمی کو بھی اختلاف نہ ہوگا کہ ان میں کا کوئی ایک اسے درست کہہ دے۔

دوسرا

وہ جو یہ کہتا ہے کہ صحابہ و تابعین سے کسی فعل کا منقول نہ ہونا حرمت و شناعة کا باعث نہیں ہوتا اگر مولد مباح و مستحسن امور پر مشتمل ہوگا تو جدید طریقہ عارض ہونے اور مباح الاصل چیزوں کے یکجا ہو جانے کی وجہ سے حرمت و کراہت ہرگز لاحق نہیں ہو سکتی۔ لہذا یہ عمل مباح اور اچھا ہے سلفاً و خلفاً یہی سواد اعظم اور امت محمدیہ کے جمہیر محققین و صالحین کا مذہب ہے یہاں تک کہ وہ مشائخ کرام جن کو ہمارے وقت کے منکرین بھی محقق پارسا اور اپنا پیشوا سمجھتے ہیں وہ بھی اسی طرف ہیں (جن کے افعال و اقوال شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت امام القرآن الامجد شین ابن جزیریم قدس سرہ تک ابھی اوپر نقل کیے گئے)۔

اے ہمارے مسلمان بھائیو! غفلت میں بغیر سمجھے ہوئے تم کدھر چلے گئے جمہور اہل سنت و جماعت سے منہ موڑا خاندان عزیز یہ کے پیشواؤں کو چھوڑا اور اتباع کیا تو کس کا! تاج الدین فاکہانی مغربی کا۔ العجب العجب!۔

امام الامجد شین ابن جزری، میلاد شریف کے اہتمام و احتشام کو پسند فرمائیں۔ نویں صدی کے مجدد علامہ سیوطی اس کے استحباب

کا حکم لگائیں۔ شاہ عبدالرحیم سال بسال بلاناغہ میلاد شریف کے موقع پر کھانا تیار کر کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہشاش بشاش پائیں اور ہمارے دور کے منکرین فاکہانی کے قول کو اپنا دستور العمل بنا کر ان سب مشائخ کبار کے افعال و اقوال کو شہوت نفس بدعت کراہت و شناعة اور شاہ عبدالرحیم کے ہر سال کھانا تیار کرنے کو أحدثھا البطالون و الأتكالون میں شامل ٹھہرائیں۔ معاذ اللہ۔

اے بھائیو! آؤ اب بھی خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور ہمارے ساتھ ہو کر جمہور علماء برگزیدان امت اور اپنی خاندان عزیز یہ کے مقبولین ذی کرامت کو اس مغربی کی قباحت و شناعة سے بچاؤ۔

اگر کوئی یہ وسوسہ ڈالے کہ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بعض علمائے خلف نے حضرت مولانا کا خلاف کیا ہے۔ تو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسا کہنا بالکل غلط ہے کیوں کہ ان کے خاص نواسہ اور مشہور زمانہ شاگرد وجائشیں جناب مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم ”نمائے مسائل“ کے اندر پندرہویں سوال کے جواب میں لکھتے ہیں

وقیاس عرس بر مولد شریف غیر صحیح است زیرا کہ در مولد ذکر ولادت خیر البشر است و آل موجب فرحت و سرور است و در شرع اجتماع برائے فرحت و سرور کہ خالی از منکرات و بدعات باشد آمدہ برائے اجتماع حزن و شرور ثابت نہ شدہ و فی الواقع فرحت ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در دیگر امر نیست پس دیگر امر بریں قیاس صحیح نخواہد شد و معہذا در مولود ہم اختلاف است زیرا کہ در قرون ثلاثہ کہ مشہود ہم بالخیر است این امر معمول نہ بود بعد قرون ثلاثہ این امر حادث شدہ بنا بریں علماء در جواز و عدم جواز آل مختلف شدہ اند چنانچہ بہ تفصیل و بسط در کتاب سیرت شامی مذکور است من شاء فلینظر فیہ۔

میلاد شریف پر عرس کا قیاس کرنا درست نہیں کیوں کہ میلاد شریف میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا ذکر خیر ہوتا ہے جو فرحت و سرور کا باعث ہے اور شریعت میں منکرات و بدعات سے خالی فرحت و سرور کے لیے اکٹھا ہونے کا جواز ملتا ہے جب کہ غم و ملال کے لیے اجتماع ثابت نہیں۔ تو درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانا یہ ایک دوسرا معاملہ ہے لہذا دوسری چیزوں کا اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہ میلاد شریف کے سلسلہ میں باہم اختلاف ہوا ہے کیوں کہ قرون ثلاثہ میں (جس کی بہتری کی گواہی دی گئی ہے) اس کا کوئی معمول نہ تھا اس کے بعد اس کی ایجاد ہوئی ہے اس بنیاد پر اس کے جواز اور عدم جواز کی بابت علماء کے درمیان اختلاف ہوا ہے جس کی تفصیل سیرت شامی میں مذکور ہے جسے ضرورت ہو اس کا مطالعہ کرے۔

اس عبارت میں چند چیزیں مخالفین کے مطلب کے خلاف موجود ہیں۔

اول

یہ کہ ہمارے دور کے منکرین دعویٰ کرتے ہیں کہ عمل میلاد شریف بالاتفاق ضلالت ہے تو ”نمائے مسائل“ کی اس تقریر سے ان کا رد ہو گیا کہ علماء نے اس کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں اختلاف کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اگر کسی نے منع کیا ہے تو



دوسرے علماء جواز کی طرف بھی گئے ہیں۔ لہذا مولانا اسحاق صاحب (جو تیرہویں صدی میں تھے) کی تحریک بھی منع پر اتفاق نہ ہوا تھا۔ اس بنیاد پر ممانعت پر اتفاق کا دعویٰ باطل رہا۔

### ثانی

یہ کہ سیرت شامی کا حوالہ دے کر ظاہر کر دیا کہ علماء کے اس اختلاف میں مذہب صحیح یہ ہے کہ عمل مولد شریف مستحب ہے کیونکہ شامی نے مولد شریف کو جائز رکھنے والے علماء کے اقوال کثرت سے نقل کر کے اس کا جواز و انتخاب ثابت کیا ہے اور منکرین کے اقوال کو مرجوح، مغلوب اور غیر معتد رکھا ہے۔ اور آپ نے شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا وہی قول نقل کیا جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں: فیستحب لنا إظهار الشکر لمولده . الخ.

نیز مولد کو بہتر سمجھنے کے سلسلے میں شامی نے امام القرا ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کیا ہے اور یہ دونوں محدث بواسطہ شاہ ولی اللہ صاحب مولانا اسحاق صاحب کے مشائخ حدیث میں ہیں لہذا مولانا اسحاق صاحب کا شامی کی عبارت کا حوالہ دینا گویا یہ تصریحاً بیان فرمانا ہے کہ ہمارے مشائخ اور اساتذہ کے نزدیک یہ محفل مبارک اور مستحسن ہے۔

### ثالث

یہ کہ جو عمل قرون ثلاثہ میں نہ پایا گیا ہو لیکن اس کی اصل شرع میں موجود ہو تو وہ عمل باتفاق فریقین صحیح و درست ہوتا ہے۔ لہذا مولانا اسحاق صاحب نے اس عمل کی اصل بیان فرمادی

در مولد ذکر ولادت خیر البشر است وآں موجب فرحت میلا والقی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ولادت خیر البشر کی وسرورست ودر شرع اجتماع برائے فرحت وسرور کہ خالی از بات ہوتی ہے اور یہ مسرت وخوشی کا باعث ہے اور منکرات منکرات و بدعات سے خالی فرحت و نشاط میں جمع ہونا از روئے شرع درست ہے۔

اس عبارت سے صاف واضح ہو گیا کہ میلاد شریف میں اسباب سرور کے ساتھ یہ اجتماع از روئے شرع جائز ہے بشرطیکہ منہیات شرعیہ سے خالی ہو اور یہی ہمارا دعویٰ ہے۔

مولانا اسحاق صاحب محفل میلاد شریف میں برابر شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ مولوی نور الحسن صاحب کے ”مجموعہ رسائل عشرہ“ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی کے صفحہ 40 کی پندرہویں سطر میں یہ مضمون موجود ہے اور راقم نے بذات خود مولانا اسحاق صاحب مرحوم کے شاگرد رشید جناب مولانا فضل الرحمن صاحب صوفی صانی فقیہ و محدث کافی (ساکن گنج مراد آباد) ملک اودھ سے بذریعہ خط دریافت کیا تو آپ نے ڈاک ہی سے یہ جواب تحریر فرمایا

ماہرہ حضرت مولانا محمد اسحاق رفتہ ایم در میلاد آنحضرت۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میلاد شریف کے لیے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کے ساتھ ہم جایا کرتے۔

اس کے علاوہ مشہور زمن ماہرن جناب مولانا فیض الحسن صاحب مرحوم سہارن پوری ”شفاء الصدور“ مطبوعہ لاہور مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۸۸۵ء (۱۳۰۳ھ) کے صفحہ 10 میں تحریر فرماتے ہیں

من جاء مجلس المیلاد فله أن يقوم إن قاموا وإلا فلا و هكذا يقول المولوي أحمد علي المحدث المرحوم تبعاً لاستاذہ مولانا محمد اسحق المغفور .

جو کوئی محفل میلاد شریف میں آئے تو اس کو چاہیے کہ جب سب کھڑے ہوں تو یہ بھی کھڑا ہو جائے اور اگر اہل مجلس نہ کھڑے ہوں تو یہ بھی نہ کھڑا ہو۔ مولوی احمد علی محدث مرحوم سہارن پوری اپنے استاد مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم و مغفور کی اتباع میں یوں ہی فرمایا کرتے تھے۔

یہاں مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم کے دو محدث شاگرد مولانا فضل الرحمن صاحب اور مولانا احمد علی صاحب کا محفل میلاد میں شامل ہونا اور اس کو مستحسن سمجھنا ثابت ہو گیا۔ لہذا یہ لوگ اپنے نانا اور استاد شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مخالف نہ ٹھہرے۔ اب ہم شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک دوسرے شاگرد رشید حقائق و معارف دستگاہ جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب مرحوم کا حال بیان کریں۔ آپ ہمیشہ میلاد شریف منایا کرتے تھے اور میلاد شریف کے ثبوت میں نظماً اور نثر اٹھوس دلائل قائم فرماتے تھے۔ اس مقدس محفل کی ترغیب دلایا کرتے اور اس سلسلے میں دل کش اشعار بھی ارشاد فرماتے۔ اُن کے رسالہ ”خدا کی رحمت“ سے دو شعر یہاں نقل کرتا ہوں۔

پیدا ہوا جس دن سے محمد سانی ہے یہ شادی میلاد رسول عربی ہے  
تخیم کھڑے ہو کے بجالاتاد سے اس کام کا انکار بڑی بے ادبی ہے  
اب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ طریقت جناب سید احمد صاحب کا بیان سنئے جو مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کے مرشد و رہنما تھے۔ سید احمد صاحب کے ایک مرید خاص مولوی سید محمد علی صاحب نے آپ کے حالات پر مشتمل فارسی زبان میں ایک کتاب ”مخزن احمدی“ لکھی جس کو نواب محمد علی خاں صاحب والی ٹونک نے مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۲۹۹ھ (1881ء) میں طبع کرائی۔ اس کے صفحہ ۸۰ میں سید احمد صاحب کے سفر عرب کے سلسلہ میں یوں لکھا ہے

مقدار مدت ہجوں فصل بہار در گزرا کلکتہ ابواب ہدایت موسم بہار کی مدت کے اندازے پر محیط اس کے ابواب مفتوح داشتہ ہرم سفر یا زودہ جہاز بطریق گرایہ مقرر فرمودہ ہدایت کلکتہ میں کھلے رہے۔ اور سفر کے ارادے سے گیارہ دوازدہ ہزار روپیہ نول آں مقرر کردہ و مراکب را بر اہل قافلہ تقسیم جہازوں کو بارہ ہزار روپے میں طے کر لیے۔ اور کشتیوں کو اہل فرمودہ و ہر مرکب شخصے را امیر ساختہ و برائے زاد راہ ایں سفر قافلہ پر تقسیم کردیا اور ہر کشتی میں ایک امیر کی تقرری فرمائی اور وسیلۃ النظر بہ قیمت دوازدہ ہزار روپیہ غلجیات از قم گندم و برنج اس سفر مبارک کے زاد راہ کے لیے بارہ ہزار روپے کے غلہ جات وغیرہ خرید فرمودہ ہر ہر جہاز تقسیم نمودہ فرستادند جہاز موسوم بدربتقے کہ ناخدا ایش سید عبدالرحمن حضر موتی بود و معلم آں داؤد جس جہاز کو حضرت نے اپنے لیے منتخب کیا وہ بدربتقے کے نام ساکن بندر سورت برائے مسکن خود مقرر ساختند و باناث و ذکور داؤد نامی شخص بندر سورت کا رہنے والا تھا۔ اور زن و مرد اطفال ذوالقربی خویش کہ باطفال و جواری قریب بہ چہل کس میرسند و جواری سمیت خویش واقارب کی تعداد چالیس افراد پر مشتمل ہر جہاز مذکور جا گرفتند و باقی اہل قافلہ بر مراکب خود ہانیز



بشستند و بدت وہ شبانہ روز مرا کب را در گنگا ساگر جریاں نمودہ تھی۔ جہاز مذکورہ میں جا کر سوار ہو گئے۔ اور باقی دیگر اہل قافلہ نے روز سیوم مقدار یکپاس روز برآمدہ در بحر زار در مہرے کہ مشہور اپنی اپنی کشتیوں میں جگہ لے لی اور قریباً دس دن تک یہ کشتیاں یکجا کا چھی است داخل گردیدند۔ گنگا ساگر میں چلتی رہیں۔ اور تیسویں روز دن کے آغاز کے ساتھ بحر زار کی بندرگاہ مشہور کیلا کا چھی میں داخل ہو گئے۔

اس کے بعد جہاز کا کالی کٹ اور ملیبار جانا اس کے بعد سنگل ویپ پھر وہاں سے لنکا (جس کو عرب قلعة العفاریت کہتے ہیں) پہنچنا لکھا وہ چوں کہ ایک ہولناک مقام تھا تو صفحہ 75 پر اس کو ان الفاظ میں لکھا ہے

و بر ہر کس از شما امروز وقت شب یاد الہی و تسبیح و تہلیل آپ میں سے ہر ایک پر رات کے وقت یاد الہی و تسبیح و تہلیل و استغفار از جمع جرائم و منافی واجب و محرم است چوں لامتناہی اور جملہ گناہ و منافی سے استغفار واجب و ضروری ہے۔ شب در آمد آں حضرت بعد از عشاءین حزب البحر مذکور امشب جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو حضرت عشاءین کے بعد اس شب سے بار خواندوی فرمودند کہ عفاریت و شیطین اگر زہرہ تقابل سے متعلق حزب البحر کو تین بار پڑھ کر فرمانے لگے کہ اگر اس بایں گروہ قلیل میدارند ایک گوے وایک میدان و دریاں شب چھوٹے گروہ کا واسطہ شیطین و جنات سے پڑ جائے تو اس مجرب و نیک آنحضرت اکثر بیدار می بودند و مانند پاسبانان وظیفہ کو پڑھ لیں۔ اور شب تاریک میں حضرت اکثر بیدار رہا دور سیر گاؤں گاؤں و گاہ زیر مرۃ بعد از خرمی و کربۃ بعد اولی در تمام جہاز کرتے تھے اور پاسبان کی طرح اوپر نیچے تمام جہاز کا چکر لگاتے می فرمودند تا آن کہ شب پیاپیاں رسید صبح صادق بد مید و جہاز تھے۔ یہاں تک کہ رات کا اندھیرا چھٹ گیا اور صبح نمودار ہوئی اور از مکان خوف و ہولناک بحیرت تمام بدرآمد و ہر گاہ کہ روز اس طرح جہاز اس خوف و خطر والے مقام سے حیرت تمام کے روشن شد ناخدائے چند طبق حلوائے از حجرہ خویش بیروں آوردہ ساتھ نکل آیا۔ اور جب دن کی روشنی پھیل گئی تو ناخدائے اپنے مجلس مولد شریف منعقد کردہ بعد از اختتام قصائد مولود یہ شیرینی کمرے سے حلوائے چند طبق نکالے مجلس مولود شریف منعقد کی تقسیم نمود۔ اتھی بلفظ۔ اور قصائد مولود ختم کرنے کے بعد شیرینی تقسیم کردی۔

دیکھیے اس بیان سے صاف واضح ہو گیا کہ مولد شریف بڑی برکت کی چیز ہے جو ایسے خطرناک موقع پر پڑھا گیا کہ خود سید احمد صاحب بھی رات بھر تردد میں رہے تھے اور پھر خاص اس جہاز میں جس میں سید احمد صاحب اور ان کے کنبہ و متعلقین تھے غیر کا اس میں کوئی دخل بھی نہ تھا یہ بافیض محفل مبارک منعقد ہوئی تھی۔ اور یہ جو اوپر مذکور ہوا کہ سید صاحب کے 40 آدمی ایک جہاز میں سوار تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جہاز موجودہ دور کے اسٹیروں کی طرح بڑے نہ تھے بلکہ وہ چھوٹی بادبانی کشتی تھی۔ الحاصل خاص سید صاحب کے جہاز میں مولد شریف اور قصائد کا پڑھا جانا اور ساتھ ہی شیرینی کا تقسیم ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ وکلی بہ جتہ (اور حجت قائم کرنے کے لیے اتنا کافی ہے)۔

اب باقی رہے سید صاحب کے مرید خاص مولوی اسماعیل صاحب دہلوی! تو ان کے محفل میلاد شریف میں شامل ہونے کی کوئی روایت ہم تک نہیں پہنچی۔ ہاں ان کی ایک ایسی تقریر ہم تک پہنچی ہے کہ جس سے ضمناً میلاد شریف کا اثبات ان کے منہ سے صاف ثابت ہے۔ وہ یہ ہے

جناب مولانا رشید الدین خاں صاحب مرحوم دہلوی نے مولوی اسماعیل صاحب سے 14 سوال کیے تھے جن میں تیرہویں سوال کا جو جواب رقم فرمایا ہے وہ بعینہ ان کی عبارت اور پوری شان امانت کے ساتھ لکھا جا رہا ہے

**سوال:** سیزدہم آنکہ اعراب قرآن بدعت است یا نہ و اگر ہست حنہ است یا سیدہ و اس جمع قرآن بحکم قرآن بود و یا بکدام حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بحکم ہر دو نبود پس بدعت است یا نہ و ہم جنس ہر حکم کہ از نص قرآن شریف یا ظاہر احادیث متین نبود بدعت است یا نہ۔

**جواب:** از سیزدہم آنکہ اعراب قرآن بدعت حنہ است کہ صحت قراءت عجیان بل عربیان حال براں موقوف است لیکن جمع قرآن ظاہر نہ بحکم کلام آیت قرآنی است و نہ بحکم کلام حدیث نبوت پس بدعت باشد لیکن بدعت حنہ چہ کہ مقصود از ان ضبط و حفظ قرآن است از ضیاع و غلط و در حسن بودن بعضی بدعات شبہ نیست و اثبات آں از اکثر احادیث می توان نمود مثل من سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها وتقيد بدعت مردود بہ بدعت ضلالت چنانکہ در حدیث ست: من ابتدع بدعة ضلالة لا يرضها الله ورسوله (الحديث) و حدیث: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد چہ از ان مردود بودن بدعت ثابت می شود کہ تعلقی بدیں نداشته باشد پس بدعتی کہ اصل آن از شرع ثابت باشد مثل اخذ تسبیح و تراویح حنہ باشد پس حکمی از نص صریح قرآن و حدیث ثابت نہ باشد ہر دو قسم است یکے بدیل شرعی دیگر مثل اجماع و قیاس ثابت شود یا اصل شرعی داشته باشد آں خود ہرگز بدعت سیدہ نیست بلکہ چون بدیل شرعی و بحکم آیت کریمہ: اليوم اكملت لكم دينكم قواعد استنباط وغیرہ آں در دین داخل است در سنت یا بدعت حنہ کہ در معنی سنت است داخل باشد بلکہ بعمل آوردن بعضی بدعات حنہ فرض کفایہ چنانکہ در کتب بسیار مصرح است مثلاً آں فتح المبین شرح ابن قیمین امام نووی ست از شیخ ابن حجر عسقلانی کہ دروے در شرح حدیث خاص گفت قال الشافعي رضي الله تعالى عنه ما أحدث و خالف كتابا أو سنة أو إجماعاً أو أثراً فهو البدعة الضلالة و ما أحدث من الخير و لم يخالف شيئاً من ذلك فهو البدعة المحمودة الحاصل ان البدعة الحسنة متفق علی ندبها و هي ما وافق شيئاً مما مر و لم يلزم من فعله محذور شرعي و منها ما هو فرض كفاية كتصنيف العلوم و نحوها مما مر قال الإمام أبو شامة شيخ المصنف رحمة الله عليه و من أحسن ما ابتدع في زماننا ما يفعل كل عام في اليوم الموافق ليوم مولده صلى الله عليه وسلم من الصدقات و المعروف و إظهار النعمة و السرور فإن ذلك مع ما فيه من الإحسان إلى الفقراء مشعر بمحبته صلى الله عليه وسلم و تعظيمه و جلاله في قلب فاعل ذلك و شكر الله تعالى على ما من به من إيجاد رسوله الذي أرسله للعالمين رحمة صلى الله عليه وسلم اتھی بحرفہ۔

تیرہواں سوال یہ ہے کہ قرآن پر اعراب لگانا بدعت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو بدعت حنہ ہے یا بدعت سیدہ؟ اور جمع



قرآن کامل حکم قرآنی سے ہوا یا حدیث رسول سے یا ان میں کسی سے نہیں تو پھر یہ جمع بدعت ہوئی یا نہیں۔ اور یوں ہی ہر وہ حکم جو نص قرآن یا کسی حدیث رسول سے ثابت نہ ہو تو وہ بدعت ہوتا ہے یا نہیں۔

**جواب:** تیرہویں سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن پر اعراب لگانا بدعت حسنہ ہے کیوں کہ نہ صرف اہل عجم بلکہ اہل عرب کی صحت قراءت بھی اسی پر موقوف ہے۔ لیکن جمع قرآن ظاہراً کا ثبوت نہ تو کسی آیت قرآنی سے ہے اور نہ کسی حدیث نبوی سے لہذا بدعت ہو اگر بدعت حسنہ۔ کیوں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کو ضیاع و خطا سے بچا کر اسے محفوظ کر دیا جائے۔ اور بعض بدعتوں کے حسنہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ وہ اکثر احادیث سے ثابت شدہ ہیں مثلاً یہ حدیث کہ جس نے دین میں کوئی نیا طریقہ نکالا تو اسے اس کا اجر ملے گا نیز اس کا اجر بھی جو اس پر عمل پیرا ہوگا۔ اور بدعت سیدہ کو بدعت ضلالت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ جس نے اللہ و رسول کی رضا کے خلاف کوئی بری چیز ایجاد کی۔ نیز یہ حدیث کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ مردود ہے۔ لہذا ان سے کچھ بدعتوں کا مردود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر جن بدعتوں کی اصل شرع میں ملتی ہے تو وہ حسنہ ہوں گی جیسے اخذ تسبیح و تراویح۔ اب اگر کوئی حکم نص قرآنی یا حدیث نبوی سے ثابت نہ ہو تو اس کی دو قسمیں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ دلیل شرعی سے ثابت ہو۔ دوسری یہ کہ اجماع امت یا قیاس سے یا اس کی کوئی اصل شرع میں موجود ہو تو وہ کبھی بھی بدعت سیدہ نہیں ہوتا بلکہ دلیل شرعی اور آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم کے حکم سے جو قواعد اخذ کیے جاتے ہیں وہ دین میں سنت یا بدعت حسنہ کے طور پر داخل ہیں کہ بدعت حسنہ سنت کے معنی میں ہوتی ہے۔ چنانچہ بہت ساری کتابوں میں اس کی تصریح ملتی ہے انھیں میں سے اربعین نووی کی شرح فتح المعین از شیخ ابن حجر مکی بھی ہے جس میں پانچویں حدیث کی تشریح کے تحت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایسی چیز ایجاد کی جائے جو کتاب و سنت یا اجماع و اثر کے خلاف ہو تو وہ بدعت سیدہ ہے۔ اور اگر کوئی ایسی نیک چیز ایجاد کی جائے جو ان کے مخالف نہ ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے۔ الغرض بدعت حسنہ کا مستحب ہونا متفقہ ہے اور یہ انھیں خوبیوں کی حامل ہونی چاہیے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور اس سے کسی امر شرعی پر ضرب بھی نہ پڑتی ہو۔ اور بدعتوں میں بعض فرض کفایہ ہوتی ہیں جیسے علوم دینیہ کی تدوین و تصنیف وغیرہ۔ امام نووی کے شیخ امام ابو شامہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے کی نو ایجاد چیزوں میں یہ چیز کیسی عمدہ ہے کہ لوگ ہر سال میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر صدقات و خیرات اور زینت و مسرت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں ایک طرف تو فقر کا فائدہ ہوتا ہے اور دوسری طرف محفل میلاد کرنے والے کے دل میں محبت و عظمت رسول کی جڑیں گہری ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور اس میں شکر و امتنان کا پہلو بھی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کی تشریف آوری کو مسلمانوں پر احسان عظیم قرار دیا۔

دیکھیے مولوی اسماعیل صاحب اس مقام پر بدعت حسنہ کے ذکر میں محدث ابو شامہ کی وہ عبارت لائے کہ جس میں محفل میلاد شریف کے استحسان کی صاف تصریح ہے۔ اور ان کے سوا دہلی کے اور اکابر علماء مثلاً مولانا محمد کریم اللہ صاحب مرحوم جامع علوم عقلیہ

و نقلیہ استاذ مولانا و مولیٰ العالمین مفتی محمد صدر الدین خاں صاحب صدر العلماء و الفضلاء اور عارف و محدث و فقیہ جناب مولانا احمد سعید صاحب دہلوی محفل میلاد شریف کے انتخاب کے قائل تھے۔ ان کے مہری فتاوے راقم کے پاس موجود ہیں۔ اور زبدۂ متورعان روزگار عمدہ محدثین کبار جناب مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی (جن سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی کچھ پڑھا ہے) بزم میلاد شریف کے معتقد تھے اور قیام بھی کرتے تھے۔ ان کے ہندوستان میں اقامت پذیری کے دوران تصنیف کردہ رسالہ ”شفاء السائل“ میں ایک مختصر عبارت یوں ہے

حق آنست کہ نفس ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات یہ ہے کہ ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس علیہ وسلم و سرور و فائق نمودن یعنی ایصال ثواب بروح ذکر خوشی منانا اور دونوں عالم کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فوج سید الثقلین از کمال سعادت انسان است پاک کے لیے فاتحہ کا ایصال ثواب کرنا ایک انسان کے لیے چنانچہ شیخ ابن حجر مکی و شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہما تصریح کمال سعادت کی بات ہے۔ چنانچہ شیخ ابن حجر مکی اور شیخ عبد نمودہ اند آریے چیز ہائے دیگر اگر مقتدرن شدند کہ الحق دہلوی وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے ہاں اگر اس کے ساتھ خلاف شرع مستند پس البتہ ممنوع خواہد بود مثل مراثن کچھ خلاف شرع چیزیں ملا دی جائیں تو وہ البتہ ممنوع ہوں گی و سرود خوانی۔ الی آخرہ۔ جیسے مرثیہ پڑھنا اور گانے گانا۔

دیکھیے کہ اس مختصر عبارت میں آپ سب فرما گئے۔ یعنی جب کوئی شخص ممنوع اور خلاف شرع باتیں مثلاً مرثیہ و سرود خوانی کرنے لگے گا تو اس کو البتہ منع کیا جائے گا اور اگر ایسا نہیں تو آپ کا فاتحہ یعنی ایصال ثواب کے لیے کھانا یا شیرینی مسلمانوں کو دینا اور کھانا اور آپ کی ولادت با سعادت کی خوشیاں منانا انسان کی کمال سعادت ہے۔ جب خوشی منانا کمال سعادت ہو تو سرور کے جملہ سامان مثلاً دوست احباب کا جمع ہونا، خوشبو کا استعمال کرنا، شیرینی باٹنا، کھانے کھانا ذکر ولادت کے وقت ولادت نبوی کی خوشی کا مظاہرہ کرنے کے لیے غلبہ محبت اور جوش مسرت میں کھڑے ہو جانا اور درود و سلام پڑھنا یہ سب کا سب سرور کرنے میں داخل اور سعادت انسانی کا باعث ٹھہرا۔

شاہ صاحب موصوف نے اس سلسلہ میں دو علمائے ربانی کا حوالہ دیا ہے ان میں ایک شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو خود صراحۃً میلاد کے عمل کو سامان سرور اور تعین یوم کے ساتھ ”ما ثبت من النہ“ وغیرہ اپنی تصنیفات میں درست مان رہے ہیں۔ دوسرے ابن حجر مکی وہ بھی امور مذکورہ اور قیام مروجہ کو اپنی تصنیف مولد کبیرہ وغیرہ میں صراحۃً لکھ رہے ہیں۔ تو شاہ صاحب نے عبارت بالا میں ان دونوں بزرگواروں کا نام لکھ کر ہر مرد عاقل کے لیے کامل اشارہ فرمادیا کہ جس طرح علمائے مجوزین کا فریق اس عمل کو مستحسن مان رہا ہے میں بھی مانتا ہوں۔ اور آپ صراحۃً زبانی بھی یوں ہی ارشاد فرمایا کرتے تھے اور یہی آپ کا دستور العمل تھا جس کو شک ہو آپ کے مقبول تلمیذ اور شاگرد عزیز جناب مولانا عبدالحق صاحب سے دریافت کر لے؛ جو بالفعل حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً و تظلیماً اور دیگر بلاد اسلام میں بھی دور دور تک مشہور و معروف ہیں۔

افسوس ہے کہ وہ کالین حضرات تو اب موجود نہیں انتقال فرما گئے لیکن ہم ان کے انتقال و وفات پر صبر کر کے پھر بھی اس منعم حقیقی کا شکر بجالاتے ہیں کہ اب بھی حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً و تظلیماً میں ہمارے ہندوستان کے دور کن رکن حامی دین



مؤید شرع متین اور قبلہ از باب یقین موجود ہیں۔ یعنی استاذی و لجانی و ملازی شیخ العلماء حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب عمت فیوضہم اور مرشدی و مولائی و ثقی و رجائی الحافظ الہما جر مولانا امداد اللہ نفعنا اللہ بانوارہ واسرارہ۔

یہ دونوں حضرات بابرکات بھی محفل اقدس کو خیر و برکت کا سبب فرماتے ہیں اور جو کوئی صاحب محفل آپ کو بلائے برغت اس کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ غرض کہ آپ کا مشرب صدق و سدا ہے قیام کے سلسلہ میں یہ ارشاد ہے کہ نہ اس میں وہ افراط و غلو چاہیے کہ اس کو فرض و واجب کہا جائے اور نہ اس قدر تفریط کہ حرام و بدعت ٹھہرا دیا جائے، صراط مستقیم اور درمیانی راستہ یہ ہے کہ علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً کے فتوے کے موافق اور علمائے روم و شام و یمن کی تحقیق کے مطابق اس کو مستحب و مستحسن تسلیم کیا جائے۔ اور یہی اس راقم السطور کا مشرب ہے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ أَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ (۱) واضح ہو کہ راقم نے اگرچہ سلف سے لے کر خلف تک محفل میلاد شریف کا ثبوت کامل طور پر فراہم کر دیا لیکن چون کہ مانعین کے بعض شبہات ادھر ادھر اہل ایمان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر رہے ہیں؛ اس لیے اب ان وساوس و اعتراضات کے جواب قلم بند کیے جا رہے ہیں (واللہ ولی التوفیق)۔

### لمعہ ثالثہ

اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہر سال محفل کرتے ہیں اور یہ کنہیا کے جنم کی مشابہت ہے نیز اس میں نصاریٰ کے بڑے دن کا تشبیہ بھی ہے۔ نعوذ باللہ من ہذا القول والاعتقاد۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فقط ہندوستان میں یہ فعل ہوتا تو یہ بات کہہ سکتے تھے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے یہ بات سیکھ لی اور ان کی مشابہت کا قصد کرتے ہیں۔ تو تم اصل حال سن چکے کہ اول یہ عمل عراق کے شہر موصل میں ایجاد ہوا وہ لوگ تو خود کنہیا کو نہیں جانتے کہ کنہیا کس چیز کا نام ہے اس کے جنم کی مشابہت کا قصد تو درکنار۔ بھلا اگر ہندوستان کے مسلمان کنہیا کے جنم کی مشابہت کرتے ہیں تو بیان کرو کہ روم و شام کے مسلمان اور علمائے حرمین شریفین جو یہ عمل کرتے ہیں وہ کس کے جنم کی مشابہت کرتے ہیں نعوذ باللہ منہا تو سمجھ لو کہ اس عمل میں ہم سلاطین روم، فرماں روا یا ان شام، ممالک مغربیہ، اندلس اور مفتیان عرب کے دستور العمل کے تابع ہیں۔ سلمہم اللہ الیوم الدین۔

اب سمجھنا چاہیے کہ جس طرح اس میں کنہیا کے جنم کی مشابہت نہیں اسی طرح کئی وجہ سے نصاریٰ کی بھی کوئی مشابہت نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر خدا نخواستہ مسلمان نصاریٰ کے بڑے دن کو ان ہی کی طرح کے افعال کرنے لگتے تو جو اس قوم کا شعار ہے اس میں شرکت لازم آتی اور ان کے مانند ہو جاتے پھر ان پر یہ صادق آتا مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کیوں کہ تشبیہ کے معنی مانند ہونے کے ہیں اور یہاں یہ بات ہرگز نہیں پھر اعتراض کیا رہا؟۔

دوسری وجہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اہل اسلام کا اجتماع اور عطریات و حلوے وغیرہ کا استعمال شرع میں ہرگز مذموم اور بری بات نہیں کیوں کہ یہ چیزیں اہل کفر کے شعار سے نہیں بلکہ اصول شرعیہ سے ان کا ثبوت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ رحمت ہے کیوں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور رحمت الہی پر مسرت و خوشی منانے

کے ہم من جانب اللہ مامور ہیں

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا (۱) تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آپ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کا سبب استحب پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا میں اسی دن پیدا ہوا اور اسی دن وحی اتری۔ (۲)

تو ولادت شریف کی خوشی اور اس کا شکر ادا کرنا اہل اسلام نے اصول شرعیہ سے ثابت کیا ہے اس کو کفار کے شعار سے نہیں بتایا ہے اور تشبیہ اس امر میں مکروہ ہوتا ہے جو شعار کفار اور شرعاً مذموم ہو۔ چنانچہ در مختار اور بحر الرائق وغیرہ کی عبارتیں ذکر فاتحہ سویم کے سلسلے میں ہم نقل کر چکے ہیں۔ اور یہی جواب ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی ہو سکتا ہے جو تشبیہ بالنصارى کا اعتراض ان پر کیا ہے۔

ان کی طرف سے دو ہر جواب یہ بھی ہے کہ پہلے اہل اسلام تیر اندازی کیا کرتے تھے پھر جب کفار سے ان کے مقابلے ہوئے تو ان کے پاس توپ اور بندوقین تھیں پھر لشکر اہل اسلام کے مجاہدین کے لیے بھی یہی آلات تجویز کیے گئے۔ چنانچہ تیر اندازی کے بارے میں فقہا لکھتے ہیں

هو في زماننا اسغنى عنه بالمدافع (۳) اب ہمارے زمانے میں توپوں کی موجودگی میں اس کی کوئی حاجت نہ رہی۔

جس طرح پلٹن اور رسالہ وغیرہ کے قواعد حرب ان کے ہاں تھے اس طرف بھی اسی طرح کر کے مقابلہ کیا گیا تو اس کو تشبیہ نہیں کہتے۔ یہ تو اس آیت کریمہ کی تعمیل ہے

فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ (۴) جو تم پر زیادتی کرے اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی۔

اس آیت کریمہ کے ذیل میں صاحب روح البیان لکھتے ہیں

أى بعقوبة مماثلة لجناية اعتدائه الخ (۵) تم اس کو ویسی ہی سزا دو جیسی انھوں نے زیادتی کی۔

(۱) سورۃ یونس: ۵۸/۱۰

(۲) الفاظ حدیث یہ ہیں

عن أبي قتادة الأنصاري قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صوم يوم الاثنين فقال: فيه ولدت وفيه أنزل عليّ. (صحیح مسلم: ۵۷/۶: حدیث: ۱۹۷۸: سنن ابوداؤد: ۳۰۷۶: حدیث: ۲۰۷۱: مشکوٰۃ المصابیح: ۲۶۳/۱: حدیث: ۲۰۳۵: سنن کبریٰ بیہقی: ۲۹۳/۳: مستدرج: ۲۳۵/۲۶: حدیث: ۲۱۵۰۸: دلائل النبوة بیہقی: ۳۲۶/۳: حدیث: ۲۲۶/۳: شعب الایمان بیہقی: ۳۲۶/۳: حدیث: ۱۳۷۵: متخرج ابوعوانہ: ۲۳۰/۶: حدیث: ۲۳۵۱: صحیح ابن خزیمہ: ۲۸۶/۷: حدیث: ۱۹۳۹: فضائل الاوقات بیہقی: ۳۲۳/۱: حدیث: ۲۸۳: مستدرج: ۲۸۳/۳۸: تحفۃ الاشراف: ۱۹۹/۱۱: حدیث: ۱۲۱۱۸:)

(۳) اس سلسلے میں رد المحتار کی عبارت یوں ہے: وقد تركت اليوم للاستغناء عنها بالمدافع الحادثة. (۲۳۶/۱۵)

(۴) تفسیر روح البیان: ۳۰۷/۱: لبنان

(۵) سورۃ بقرہ: ۱۹۳/۲۰







پھر نصاریٰ کے بڑے دن اور کنہیا کے جہنم میں کہ ہم ان کے ان دونوں دنوں میں ان کے افعال میں (کسی بھی طرح) شریک نہیں تمہارا کیا خیال ہے؟ اور ہم جو محفل میلاد شریف کرتے ہیں اس کی ترتیب و آئین جدا اور ان کے رسوم و قواعد جدا نہ دن میں کوئی شرکت اور نہ کاروبار میں کوئی مشابہت! (استغفر اللہ) اسے ابن جزری کی طرف سے چوتھا جواب سمجھو۔

خلاصہ یہ کہ امام محمد ثین علامہ ابن جزری اور جملہ اہل سنت و جماعت کا مشرب نہایت صاف اور تشبیہات کفریہ سے بالکل پاک ہے۔ ہاں! یہ حضرات محفل میلاد شریف کو جہنم کنہیا وغیرہ سے تشبیہ دے کر کچھ اپنی عاقبت بخیر ہونے کا سامان کر رہے ہیں۔ اگرچہ مجھ کو اکثر مبتدعین کی تکفیر میں سکوت ہے کیونکہ اگر وہ کافر ہو گئے تو ان کے عذاب کے لیے اللہ بس ہے میں اپنا منہ کیوں آلودہ کروں۔ ہاں! بعض اہل علم تحریر فرماتے ہیں کہ ایسی تشبیہ دینے اور حضور سید البرار صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی محفل کو اس قسم کی تحقیر و اہانت کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو اہل اسلام کو چاہیے کہ ایسے خطرناک الفاظ سے پرہیز کریں۔ و ما علینا الا البلاغ۔

## فائدہ

چونکہ تحفہ بالہند و النصاریٰ کا لفظ ابن جزری وغیرہ علمائے کبار تک پہنچا ہے اس لیے ہم شرع سے اس کی ایک نظیر پیش کرتے ہیں تاکہ وہ پاکبازان امت اس وجہ سے پاک نظر آئیں۔

اگر کسی کام میں بظاہر تحفہ معلوم ہوتا ہو لیکن مسلمانوں کی اس سے غرض تحفہ کی نہ ہو بلکہ کسی مصلحت اور اعلاے شان اسلام مقصود ہو تو وہ فعل مکروہ نہیں رہتا۔ دیکھیے مساجد کی تزئین و آرائش کے سلسلہ میں حدیث آئی ہے

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَمْرٌ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَسَوْ خُفِرَ فَنَهَا كَمَا زَخِرَفَتِ الْيَهُودُ وَ النَّصَارَى (۱)

عباس اس حدیث کی مراد یہ بتاتے ہیں کہ تم مسجدوں کو یوں ہی سجاؤ گے جس طرح یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں کی تزئین اور نقش نگاری کیا کرتے ہیں۔

ابن ماجہ میں ہے

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۱۵۸/۱ حدیث: ۷۱۸، سنن ابوداؤد: ۳۳/۲ حدیث: ۳۷۸، سنن بیہقی: ۳۹۹/۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۵۲/۳ حدیث: ۵۱۲۷، صحیح ابن حبان: ۲۳۲/۷ حدیث: ۱۶۳۲، کنز العمال: ۶۶۸/۷ حدیث: ۲۰۸۲۷، المستدرک: ۵۱۹/۱۹ حدیث: ۵۹۷۸، تحفۃ الاشراف: ۲۲۰/۷ حدیث: ۶۵۵۲، روضة المحررین: ۱۰۲/۹

حدیث کے الفاظ یوں بھی ملتے ہیں

انی لم أومر بتشديد المساجد، قال ابن عباس ..... بمجم کیر طبرانی: ۳۸۳/۱۰ حدیث: ۱۲۸۲۶، مستدرک ابی یعلیٰ موصلی: ۸۶/۶ حدیث: ۲۳۹۹

مسند حمیدی: ۸۶/۶ حدیث: ۲۳۹۹

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتُمْ سَتَشْرَفُونَ مَسَاجِدَكُمْ بَعْدِي كَمَا شَرَفَتِ الْيَهُودُ كَنَائِسَهَا وَ كَمَا شَرَفَتِ النَّصَارَى بَيْعَهَا (۱)

دیکھیے یہاں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں لفظ تحفہ وارد ہوا ہے جس سے یہ ثابت ہے کہ اگر مسلمان اپنی مسجدوں کو بلند بنائیں یا نقش و نگار سے سجائیں تو یہود و نصاریٰ کے فعل کے ساتھ تحفہ ہے لیکن اس کے باوجود محققین اہل سنت اور ارباب اجتہاد و فتاویٰ نے اس کو جائز رکھا۔

ہدایہ میں ہے

لا بأس بأن ينقش المسجد بالجص و الساج و ماء الذهب (۲)

یوں ہی درمختار اور فتح القدیر میں ہے کہ مسجد کی زینت کرنے میں تین قول ہیں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ان کی عبارت یہ ہے

و الأقوال ثلاثة و عندنا لا بأس به (۳)

طحاوی نے بحر الرائق کے حوالے سے نقل کیا ہے

و أصحابنا قالوا بالجواز من غير كراهة (۴)

ان تین اقوال میں دوسرا قول یہ ہے کہ مسجد کو زینت دینا مستحب ہے۔ یہ قول بھی ہدایہ اور شامی وغیرہ میں موجود ہے۔ شامی کی عبارت یوں ہے

و قيل يستحب لما فيه من تعظيم المسجد (۵)

تیسرا قول یہ ہے کہ مساجد کی تزئین و آرائش مکروہ ہے مگر یہ قول ضعیف و مرجوح ہے۔

- (۱) سنن ابن ماجہ: ۳۳۶/۲ حدیث: ۳۲۰، کنز العمال: ۶۶۷/۷ حدیث: ۲۰۸۲۳، مستدرک: ۵۱۹/۱۹ حدیث: ۵۹۷۸، تحفۃ الاشراف: ۱۳۹/۷ حدیث: ۶۲۰۸
- (۲) الغنیہ شرح الہدایہ: ۱۷۸/۲ (فصل استقبال القبلة)، فتح القدیر: ۳۳۹/۲ (فصل ویکرہ استقبال القبلة)، البیہقوی: ۱۱۵/۳۳ (کتاب الکلب)، در شرح غرر: ۳۹۳/۱ (مکروہات الصلوٰۃ)
- (۳) فتح القدیر: ۳۳۰/۲ (فصل ویکرہ استقبال القبلة)
- (۴) بحر الرائق: ۱۸۶/۳ (باب نقش المسجد)
- (۵) رد المحتار: ۸۲/۵ (فروع استقبال الصلوٰۃ علی الصماء)



علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا

مانعین کی حجت ضعیف ہے اس لیے کہ جملہ مسلمانوں کے اجماع سے کعبۃ اللہ کو زینت دی گئی اور یوں کہ اندر سے سنہرا کام کیا گیا اور باہر سے غلاف دیا اس پر چڑھایا گیا اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلاف چڑھایا۔ اسی طرح مسجد کی زینت میں لوگوں کو مسجد آنے کی رغبت ہوتی ہے تو یہ تکثیر جماعت کا سامان ہے اور اس میں خانہ خدا کی تعظیم ہے۔ انتہی۔

مجمع البحار کی تقریر ذکر چہلم وغیرہ کے سلسلے میں ہم اوپر لکھ چکے کہ لوگ اپنے مکانات عمدہ عمدہ بنانے لگے اب اگر مساجد کی زینت نہ کی جائے تو خانہ خدا کی تحقیر لازم آتی ہے۔ انتہی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی یہی مضمون ”اشعة اللمعات“ میں یوں رقم فرماتے ہیں

مردم خانہ ہائے مشید و مزخرف و مطلائی سازند اگر ما لوگ تو اپنے مکانات پختہ منقش اور پر زینت بنائیں مسجد باخت و گل سادہ بنا کینیم شاید کہ در نظر عوام خوار نماید و اب اگر مسجدیں صرف اینت اور مٹی کی بالکل سادہ بنائی جائیں حقیر در آید۔ انتہی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مکروہ سمجھنے پر محققین کا عمل نہیں بلکہ عالم بھر میں پھر کر دیکھو جمع اہل اسلام چونہ اور گج وغیرہ سے تعمیر مساجد میں خوبصورتی پیدا کرتے ہیں اور جنھیں قدرت ہوتی ہے وہ فرشوں قدیلوں اور گونا گوں نقوش وغیرہ سے زینت دیتے ہیں حتی کہ مولف براہین قاطعہ گنگوہی نے بھی اس مقام پر صفحہ ۱۳۳ کی پانچویں سطر میں اسی طرح لکھا ہے

زینت مساجد کی بوجہ ازالہ شین اسلام کی ہے اور رفع شین اسلام کا فرض ہے۔ الی آخرہ۔

بھلا جب وہ تخبہ جو حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں منصوص ہے کسی دینی غرض کی وجہ سے کراہت سے نکل کر مولف براہین قاطعہ کے مذہب کے مطابق فرضیت کے عالی منصب پر پہنچ گیا اور علمائے سلف کے اقوال کے موافق مستحب اور مباح ہو گیا۔ تو کیا غفلت کا پردہ پڑ گیا مانعین کی فہم پر؟

مولد شریف میں کیوں نہیں سمجھتے کہ اگر بالفرض تم کو اس میں تخبہ نظر آتا ہے تو کیفیت زمانہ تبدیل ہو جانے کی وجہ سے اب اس کو مستحب سمجھو جیسا کہ ہم اوپر علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے امام سخاوی کا یہ قول نقل کر چکے

يجتمع أئمة العلماء الأعيان من كل مكان و لاتے تھے اور اہل کفر کے درمیان کلمہ ایمان بلند کرتے تھے۔

یہ فائدہ ہم نے بطور تنزل لکھا ہے یعنی درحقیقت اس میں تخبہ نہیں اور اگر تخبہ بھی ہوتا تب بھی یہ عمل ایک دوسری خوبی کی بنیاد پر مستحب اور مستحسن ہوتا کہ اس میں کلمۃ الحق بلند ہوتا ہے۔ جیسا کہ مساجد کی زینت میں کہ (گو یہود و نصاریٰ کا تخبہ موجود ہے لیکن دوسری خوبی کے باعث کہ خانہ خدا کی تعظیم نکلتی ہے) اس کی یہ زینت مستحب اور مستحسن ہے۔

لمعہ راجعہ

یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگرچہ اس میں کفار کا تخبہ نہیں پھر بھی یہ محفل بدعت سیدہ ضرور ہے کیوں کہ قرآن ثلاثہ میں نہیں پائی گئی۔

جواب مولوی اسماعیل صاحب اپنی تصنیفات تذکیر الاخوان وغیرہ میں لکھتے ہیں

جو عمل ایسا ہو کہ زمانہ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور اس کے بعد تین زمانے (یعنی صحابہ و تابعین اور تبع تابعین) میں وہ عمل نہ پایا جائے اور نہ ان چاروں زمانوں میں اس کی نظیر و مثل پائی جائے تو وہ عمل بدعت ہے۔ اور جو کچھ مجتہدین نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے۔ انتہی۔

اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ عمل مولد شریف بدعت نہیں کیونکہ اس کی اصل بھی پائی گئی اور اس کی مثل و نظیر بھی۔

اصل وجود تو یہ ہے کہ میلا د شریف کی شروعاتی بحث میں ہم نصوص قرآنی لکھ چکے ہیں ان کو دیکھنا چاہیے۔ علاوہ ازیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (۱) بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔

دیکھیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا ذکر فرمایا اس کے بعد آپ کی صفیتیں بیان فرمائیں۔ اور میلا د شریف میں بھی یہی ہوتا ہے۔ آپ کے آنے کا ذکر کرتے ہیں کہ آپ پیدا ہوئے یعنی عالم غیب و بطون سے عالم شہادت و ظہور میں تشریف لائے۔ اور پھر آپ کی صفات کا نثر اور نظم بیان ہوتا ہے۔

اس سے بھی واضح تر سنو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سَأَخْبِرُكُمْ بِأَوَّلِ أَمْرِي دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ وَ بَشَارَةُ عِيسَى وَ رُؤْيَا أُمِّي النَّبِيِّ رَأَتْ أَنِّي عِنْدَ اللَّهِ مَكْتُوبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَ إِنَّ آدَمَ لَمُنْجِدٌ فِي طِينَتِهِ وَ حِينَ وَضَعْنِي وَ قَدْ خَرَجَ لَهَا نُورٌ أَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ (۲) میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی وقت سے خاتم النبیین لکھا ہوا ہوں جب کہ آدم ابھی اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ اب میری ابتدا کا معاملہ سنو! میں ابراہیم کی دعا (۳) نوید عیسیٰ (۴) اور اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انھوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا اور اس وقت ان کے لیے ایک ایسی روشنی ظاہر ہوئی جس سے ان کو شام کے محلات تک نظر آنے لگے تھے۔

(۱) سورہ قیامہ: ۹۸/۹۷

(۲) مشکوٰۃ المصابیح: ۲۵۱/۳۵۹: حدیث صحیح ابن حبان: ۳۳۹/۲۶۰: حدیث: ۶۵۱۰: موارد الطمان: ۵۱۲/۱

یہ حدیث الفاظ کے ذرا ذرا سے فرق کے ساتھ متعدد طریقے پر ملتی ہے

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إني عبد الله في أم الكتاب لخاتم النبيين وإن آدم لمنجدل في طينته و سأبينكم بتأويل ذلك دعوة أبي إبراهيم و بشارة عيسى قومه و رؤيا أمي النبي رأت أنه خرج منها نور أضاء له قصور الشام (مسند احمد: ۲۵۱/۳۵۹: حدیث: ۱۶۵۳۷: مستدرک حاکم: ۲۵۱/۹۰: حدیث: ۲۱۴۰: مجمع کبیر طبرانی: ۱۴۲/۱۳: حدیث: ۱۵۰۳۳: دلائل النبوة: ۲۲/۱: حدیث: ۱۵۰۳۳)

۱۵۰۳۳: دلائل البشران: ۲۲/۱: حدیث: ۴۰)



یہ روایت مشکوٰۃ کے باب (فضائل سید المرسلین) میں موجود ہے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب لدنیہ میں کہا کہ اس حدیث کو امام احمد بیہقی اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اور زرقانی نے شرح مواہب میں کہا کہ اس کو ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ دیکھیے حدیث صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی اولیت و سابقیت کا ذکر اور ولادت باسعادت کا بیان بھی خود فرمایا ہے اور وہاں موجود صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت نے سنا جن کو حضور نے مخاطب کر کے فرمایا تھا: **سأخبركم بأول أمري**۔

اب ہم دوسری روایت وہ بیان کریں جس میں یہ بات ہے کہ ایک جلیل القدر صحابی نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مجمع عام میں ایسے اشعار پڑھے جن میں ولادت شریف کا ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے برضا و رغبت سنا۔

❊ قال: دعوة أبي إبراهيم وبشرى عيسى و رأت أمي أنه يخرج منها نور أضاءت منها قصور الشام. (مسند احمد: ۳۵/۲۲۶ حدیث: ۲۱۲۳۱ بغیۃ الخارث: ۲۸۱/۱ حدیث: ۹۳۱ مجمع کبیر طبرانی: ۱۹۴/۷ حدیث: ۶۳۱ دلائل النبوة بیہقی: ۲۴۱/۱ حدیث: ۱۷۱ مسند الشامیین: ۵/۱۸۲ حدیث: ۱۵۵۲ مسند طبرانی: ۳۳۳/۳ حدیث: ۱۲۲۳ مجمع الزوائد: ۳۹۱/۳ کنز العمال: ۳۸۳/۱۱ حدیث: ۳۱۸۲۹ مسند الجامع: ۱۷/۱۸۶ حدیث: ۵۳۳۹ حدیث ابوالفضل زہری: ۶۱/۲ حدیث: ۵۶۵۵ سبجہ مجالس من ابی الی الطاهر: ۶/۱ حدیث: ۵ مسند ابن جعد: ۱۹۷/۷ حدیث: ۲۸۹۴ مسند الخارث: ۳۸۲/۳ حدیث: ۹۱۶ مسند الروایاتی: ۳۳۳/۳ حدیث: ۱۲۵۴)

❊ إني عبد الله و خاتم النبيين و إن آدم عليه السلام لمجدل في طينته و سأحدثكم عن ذلك دعوة أبي إبراهيم و بشارة عيسى و رؤيا أمي رأت و كذلك أمهات النبيين يرين و إن أم رسول الله صلى الله عليه وسلم رأت حين وضعت نور أضاءت منه قصور الشام. (مجمع کبیر طبرانی: ۱۷۱/۳ حدیث: ۱۵۰۳۳ دلائل النبوة بیہقی: ۲۴۱/۱ حدیث: ۲۰۱/۱ شعب الایمان: ۳۲۵/۳ حدیث: ۱۳۷۳ روح المعانی: ۱۲۲/۳ حدیث: ۲۵۲/۳)

❊ إني عند الله لخاتم النبيين و إن آدم لمجدل في طينته و سأحدثكم بأول ذلك دعوة إبراهيم و بشرى عيسى و رؤيا أمي رأت ..... حين وضعت نور أضاءت منه قصور الشام. (مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۳۹۲/۳ کنز العمال: ۳۱۸/۱۱ حدیث: ۳۱۹۶۰)

❊ أخذ الله عز وجل مني الميثاق كما أخذ من النبيين ميثاقهم و بشر بي المسيح عيسى ابن مريم و رأت أمي في منامها أنه خرج من بين رجلها سراج أضاءت له قصور الشام. (کنز العمال: ۳۱۲/۱۱ حدیث: ۳۱۹۴۱)

(۳) سورة بقرہ کے بارہویں رکوع میں یہ دعا مذکور ہے  
رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْجِسْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ  
(بقرہ: ۱۲۹/۴)

اے ہمارے رب! اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستر فرمادے بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا

روایت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تو غیب سے آواز آئی کہ ابراہیم تیری دعا قبول ہوگئی وہ رسول آخر زمانہ میں آئے گا

(۴) سورة صف میں ہے عِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے کہا

و مَبَشِّرَا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (صف: ۶۷/۱۱)

اور ان رسول کی بشارت سنا تا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔ ۲۷/۱۱

مواہب لدنیہ نیز دیگر کتابوں میں حاکم و طبرانی اور دیگر محدثین کے حوالے سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس آئے تو پہلے آپ مسجد میں تشریف لائے جہاں آپ نے مجلس عام میں اجلاس فرمایا؛ جیسا کہ کعب بن مالک نے صحیح میں روایت کیا ہے۔

پھر عباس بن عبد المطلب نے اجازت چاہی آپ نے دعائے خیر دے کر ان کو اجازت عطا فرمائی اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے (۱)۔

مِنْ قَبْلِهَا طُبَّتْ فِي الظَّلَالِ وَ فِي مُتَوَدِّعٍ حَيْثُ يُخَصِّفُ الْوَرَقُ  
ثُمَّ هَبَطَتْ الْبِلَادُ لَا بَشَرَ أَنْتَ وَلَا مُضَفَّةٌ وَلَا عَلَقُ  
بَلْ نُطْفَةٌ تَرَكَّبَتِ السَّفِينُ وَقَدْ الْجَمَ نَسْرًا وَ أَهْلَهُ الْغَرَقُ  
نُقِلَ مِنْ صَالِبٍ إِلَى رَحِمٍ إِذَا مَضَى عَالَمٌ بَدَا طَبَقُ  
وَرَدَّتْ نَارُ الْخَلِيلِ مُكْتَفَى فِي ضَلْبِهِ أَنْتَ كَيْفَ يَحْتَرِقُ  
حَتَّى اخْتَوَى بَيْتَكَ الْمُهَيَّمُ مِنْ خَنَدَفٍ عَلَيَاءَ تَحْتَهَا الْبُطُقُ  
وَأَنْتَ لَمَّا وَلِدْتَ أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ وَ ضَاءَتْ بِنُورِكَ الْأَفُقُ  
فَنَحْنُ فِي ذَلِكَ الضِّيَاءِ وَ فِي النَّورِ وَ سُبُلُ الرِّشَادِ نَخْتَرِقُ

آپ ولادت شریف سے قبل صلب آدم میں نہایت عمدہ ترین حالت میں تھے جہاں جنت کے پتوں کے پوند لگائے جاتے تھے۔

پھر آپ آدم کے ساتھ زمین پر یعنی صلب آدم میں اترے اس وقت نہ آپ بشر تھے نہ پارہ گوشت اور نہ بسہ خون۔

بلکہ صلب سام بن نوح میں کشتی کے اندر سوار آپ ایک ایسا نطفہ تھے جس نے بت نسر کو ڈبودیا اور اس کے پوجنے والوں کو طوفان نے غرق کر دیا۔

آپ ایک پشت سے ایک رحم میں منتقل ہوتے رہے تو جب ایک عالم گزر تا دوسرا ہو پیدا ہو جاتا۔

صلب براہمی میں چھپے آتش نرود میں آپ ہی نے نزول اجلال فرمایا تھا تو بھلا وہ کیوں جلنے لگتے!

(آپ پاک صلبوں میں منتقل ہوتے رہے) یہاں تک کہ شامل ہوا آپ کا نسب عالی اولاد خندف کے نسب سے بلند تر ہو گیا کہ اس کے بیج اور طبقات تھے۔

اور جب آپ عالم دنیا میں جلوہ گر ہوئے تو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و برکات سے زمین و آسمان جگ مگ جگ مگ کراٹھے۔

تو اب ہم اسی جادہ نور و ضیا اور رشد و ہدایت پر چل رہے ہیں۔

(۱) مستدرک: ۱۲/۳۳۷ حدیث: ۵۳۲۶ مجمع کبیر طبرانی: ۲۸۶/۳ حدیث: ۲۰۵۷ دلائل النبوة بیہقی: ۲۴۱/۱ حدیث: ۳۵۳/۵ معرفۃ الصحابہ اصہبانی: ۷/۲۱۸ حدیث: ۲۲۶۱ الفوائد الشہیر ابو بکر شافعی: ۲۶۹/۱ حدیث: ۲۶۳ مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۳۸۸/۳ کنز العمال: ۳۲۸/۱۲ حدیث: ۳۵۳۸۹ تخریج



اب دیکھیے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت آپ کے ایک صلب سے دوسرے صلب میں منتقل ہونے اور حضرت نوح وبراہیم علیہما السلام کا آپ کی برکت سے نجات پانے کے احوال بیان ہوئے ہیں کہ آپ کا نور ان کے ساتھ تھا پھر پاک صلبوں اور رحموں سے منتقل ہوتے ہوئے انجام کار عالم وجود میں آیا وقت ولادت ایک نور پھوٹا جس سے تمام عالم روشن ہو گیا تو جو کچھ میلاد شریف کی محفل میں بہ تفصیل بیان ہوتا ہے اس جلسہ میں وہ سب بالا جمال مذکور ہوا ہے۔ لہذا ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ استقلال کے ساتھ یہ ذکر نہ کرے اگر وعظ کے اندر اور ذکر کے دوران یہ بھی ذکر کر دے تو درست ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ تمہا پڑھ لیا جائے تو جائز ہے مجمع میں نہ پڑھیں۔

اب لوگوں کو آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیے کہ اس مجلس میں حضرت عباس کا پورا قصیدہ بالاستقلال اسی ایک ذکر میں ہے جس کے اول و آخر کوئی پند و موعظت نہیں۔ اور پھر عین مجمع میں پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح روایت سابقہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ایک ذکر مجمع عام میں بالاستقلال بیان فرمایا تھا تو مجلس ذکر مبارک کی اصل اصیل ثابت ہو گئی۔

اب ہم دوسری بات ثابت کریں کہ اس کی نظیر اور مثل بھی ثابت ہے۔ تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ مجلس میلاد شریف نعمت خداوندی کا شکریہ ہے کہ اس نے ایک ایسا ہادی کامل ہماری ہدایت کے لیے بھیج دیا۔ جیسا کہ امام نووی کے کلام کی اسناد میں اس مضمون کی تصریح موجود ہے

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا . الْآيَةِ .

تو اس کی نظیر اور مثل یہی ہے کہ جلسہ شکر یہ صحابہ میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا چنانچہ صحیح مسلم میں ہے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلقہ صحابہ میں تشریف لائے اور پوچھا تم کیوں بیٹھے ہو؟ کہا ہم یہاں بیٹھے اللہ کی یاد کرتے ہیں اور اس کا شکر و احسان ادا کرتے ہیں جو اس نے ہمیں دولت اسلام سے مالا مال فرمایا اور ہمیں راہ راست پر لگا دیا۔ (اُن کے کلمات یہ ہیں:)

عَلَى مَا هَدَانَا اللَّهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ بِهِ عَلَيْنَا .

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم کیا محض تم شکر کے لیے بیٹھے ہو انھوں نے عرض کی قسم اللہ کی ہم صرف اسی غرض سے بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے تم کو قسم اس لیے نہیں دی کہ تم پر جھوٹ بولنے کا گمان تھا بلکہ میرے پاس جبرئیل آئے اور انھوں نے یہ خبر دی

إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبَاهِي بِكُمْ الْمَلَائِكَةَ . (۱)

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے درمیان تم پر فخر فرما رہا ہے کہ دیکھو یہ میری نعمت کا شکر ادا کر رہے ہیں۔

دیکھیے صحابہ نے نعمت اسلام کا شکر یہ ادا کر کے وہ درجہ پایا۔ اور مجلس میلاد میں اُس نعمت عالی کا شکر ہے جو دین اسلام کی اصل جڑ ہے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ملائکہ میں بائیان محفل میلاد اقدس پر بھی فخر ظاہر فرمائے کیوں کہ علت وہی نعمت کا شکر ہے۔

(۱) صحیح مسلم ۱۴/۱۳۲ حدیث: ۳۸۶۹ سنن ترمذی ۱۱/۲۳۳ حدیث: ۳۳۰۱ مشکوٰۃ المصابیح ۱۳/۲۲۸ حدیث: ۲۲۸۸ مستدرک ۱۹۵/۳۳۲ حدیث: ۱۶۲۳۲ سنن کبریٰ نسائی ۵۰۰/۳ الآحاد و الثانی ابن ابی عاصم ۶۰/۲۲ حدیث: ۲۹۳۰ معجم کبیر طبرانی ۱۳/۲۲۲ حدیث: ۶۰۵۷۷ مستدرک ابی یعلیٰ موصلی ۱۹۳/۱۵ حدیث: ۲۲۳ صحیح ابن حبان ۱۱۸/۳ حدیث: ۸۲۳ الدعا طبرانی ۶۰/۵۷ حدیث: ۱۷۸۰ الزہد و الرقائق ابن مبارک ۱۵۷/۳ حدیث: ۱۱۰۹ الشریعہ آجری ۵/۱۵۸ حدیث: ۱۸۸۰ کنز العمال ۳۴۷/۱ حدیث: ۱۸۸۲ مستدرک جامع ۳۵/۲۹۶ حدیث: ۱۱۶۵۳ الترغیب والترہیب ۹۸/۲ حدیث: ۱۵۰۳

جب یہ معلوم ہو گیا کہ مجلس ذکر میلاد شریف کی اصل اور نظیر و مثل سب ثابت ہیں تو پھر اس کا بدعت سینہ کہنا باطل ہو گیا۔ اب اگر کوئی مجلس میں امور مروجہ بالائی کے سلسلہ میں بحث کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محفلوں کے امور مروجہ جیسے فرش، چوکی، منبر یا عطریات کا استعمال، شیرینی کی تقسیم یا کھانا وغیرہ تو یہ سب امور مباحات شرعیہ میں سے ہیں (جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا) اور بعض مباحات کا بعض مباحات کے ساتھ گھل مل جانا کسی اصولی کے نزدیک کراہت و حرمت کا باعث نہیں۔

### اعتراض

یہ کہنا کہ ایک آدمی ابن عمر رضی اللہ عنہما کے برابر میں چھینکا اور یہ کہا الحمد لله والسلام علی رسول الله۔ ابن عمر نے فرمایا: میں بھی کہتا ہوں: الحمد لله والسلام علی رسول الله۔ لیکن ایسے موقع میں ہم کو ایسا تعلیم نہ فرمایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم فرمایا ہے کہ کہا کریں: الحمد لله علی کل حال۔ اس حدیث سے یہ سند ہوئی کہ جو شرع میں ثابت ہو اس پر زیادہ کرنا منع ہے۔

### جواب

مختصر طور پر (اس کا جواب) یہ ہے کہ ”در مختار“ کے (کتاب الذبائح) میں ہے (قال علیہ السلام) مَوَطِنًا لَا أَذْکُرُ فِيْهِمَا دو جگہ میرا ذکر نہ کرنا چاہیے، چھینک اور ذبح کے عِنْدَ الْعُطَاسِ وَ عِنْدَ الذَّبْحِ . (۱) وقت۔

تو اس کا السلام علی رسول اللہ کہنا نبی کے مقابل واقع ہوا تھا پھر بھلا وہ ایک منیٰ عن امر کے الحاق کو کیوں نہ منع فرماتے۔ امور منہیہ کو تو ہم بھی منع کرتے ہیں۔ براہین قاطعہ میں ہے

ایک شخص نے چھینک کر کہا السلام علیکم حضرت ابن عمر نے اس پر بھی انکار کیا۔ انتہی۔

ہم کہتے ہیں وہ انکار اس لیے تھا کہ شریعت کا الحمد لله کہنے کا جو معینہ و نطق تھا اس نے اسے چھوڑ کر اس کی جگہ تحیت ملاقات کا وظیفہ قائم کیا تھا اور یہ دین میں تبدیلی کرنا اور نئی شریعت گڑھنا ہے۔ مولد شریف کو اس سے کیا علاقہ؟ امور خیر کا اضافہ و ایجاد تو من سن فی الاسلام سنة حسنة کی تعمیل ہے نہ تو تبدیل دین اور نہ تشریع جدید۔

اب ہم یہ تقریر پیش کرتے ہیں کہ کسی ایسے امر مستحسن یا مباح کا زیادہ کر دینا (جو پہلے نہ تھا) جائز ہے۔ اس کی دو نظیریں لکھتا ہوں۔ باقی جس شخص کی نظر فتاویٰ پر ہوگی وہ اور تغیریں نکال لے گا۔

نظیر اول: یہ بھی جانتے ہیں کہ صحاح ستہ میں جلسہ التحیات کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم فرمایا ہوا ردو دیہ ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ . إِلَى آخِرِهِ . (۲)

(۱) در مختار ۶۱۱/۵

کنز العمال میں یوں آیا ہے: لَا تَذْكُرُونِي فِي ثَلَاثِ مَوَاطِنَ عِنْدَ الْعُطَاسِ وَ عِنْدَ الذَّبْحِ وَ عِنْدَ التَّعَجُّبِ . (۵۱۰/۱ حدیث: ۲۲۵۶)

(۲) صحیح بخاری ۱۵۵/۱۱ حدیث: ۳۱۱۸ صحیح مسلم ۳۲۴/۲۲ حدیث: ۶۱۳ سنن ابوداؤد ۱۶۱/۳ حدیث: ۸۳۰ سنن ترمذی ۳۰۲/۲ حدیث: ۳۳۵ سنن نسائی ۷۷/۲



لیکن اگر کوئی آدمی اس میں تعظیم و ادب کے لیے لفظ 'سیدنا' زیادہ کر کے یوں کہے اللھم صل علی سیدنا محمد الخ. تو صاحب درمختار نے اس کو افضل و مستحب لکھا ہے  
و ندب السیادة، لأن زیادة الاخبار الواقع  
عین سلوک الأدب فهو افضل من ترکہ (۱)  
عین ادب کا راستہ چلنا ہے تو اس کا پڑھنا اس کے چھوڑنے سے افضل ہے۔

**تظہیر دوم:** زیارت مدینہ منورہ زاد ہا اللہ شرفاً و تعظیماً کے سلسلے میں فقہاء یوں لکھتے ہیں

و کل ما کان أدخل فی الأدب و الإجلال کان  
افعال و اعمال سے جو چیز زیادہ ادب و جلال میں داخل  
ہو وہ بہتر ہے۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ سلف سے منقول بات کی رعایت کرنا کہ وہی ہو اس سے کچھ زیادہ نہ ہو ایسا کچھ ضروری نہیں بلکہ اپنی طرف سے جو کچھ بھی مودبانہ حرکات و سکنات کرے گا سب بہتر ہیں ان تعظیماً میں زائر کو اختیار ہے۔  
خلاصہ یہ کہ حدیث عطا میں اس شخص کا لفظ السلام علی رسول اللہ زائد کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبی کے مقابل تھا اسی لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو منع کیا اور مولد شریف میں جو بعض امور ملاحظہ ہیں ان کی نبی شرع میں وارد نہیں لہذا امور غیر منہیہ کا امور منہیہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

آج کل کے مروجہ مدارس کی کیفیت کا ذرا خیال کیجیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تعلیم دین ہوتی تھی اور آج مدارس اسلامیہ میں بھی ہوتی ہے لیکن (دونوں میں) کس قدر فرق ہے کہ پہلے تو یہ بات شائع تھی کہ استاد پڑھتے اور شاگرد سنتے تھے۔ چنانچہ بخاری و مسلم اور ابوداؤد وغیرہ سبھی محدثین لکھتے ہیں کہ ہمارے استادوں نے یہ حدیثیں ہمارے سامنے پڑھیں اور ہم کو تعلیم کیں لفظ حدیثاً بجا اس پر شاہد ہے۔ اور امام احمد ابن مبارک اور یحییٰ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک لفظ آخر بنا بھی حدیث کی طرح سماع عن الاستاذ کے معنی میں ہے۔ مکہ معظمہ زاد ہا اللہ شرفاً و تعظیماً میں تیرہ سو برس ہو چکے اور ابھی تک وہی دستور جاری ہے کہ استاد پڑھتا ہے اور شاگرد سنتے ہیں جو شبہ ہوتا ہے استاد سے دریافت کر لیتے ہیں۔

ہندوستان کے مدارس کا یہ طریقہ ہے کہ شاگرد پڑھتا اور استاد سنتا ہے جو سلف میں تو بکثرت تھا مگر اب یہاں بالکل متروک ہو چکا ہے۔

مدرسہ کی تعمیر نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور نہ بوکر و عمر اور نہ عثمان و علی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے۔ اور پہلے صحابہ و تابعین  
۹/۱۱ حدیث: ۳۱۳۳ سنن ابن ماجہ: ۵۰۳/۳ حدیث: ۸۹۳ مسند احمد: ۳۳۱/۳ حدیث: ۱۳۲۳ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۶/۳ حدیث: ۱۶۳۵۰ سنن  
کبریٰ بیہقی: ۱۴۷/۲ مصنف عبد الرزاق: ۲۱۲/۲ حدیث: ۳۱۰۷ سنن کبریٰ نسائی: ۳۸۱/۱ حدیث: ۱۴۰۸ متدرک: ۳۹۸/۲ حدیث: ۹۳۲ معجم کبیر طبرانی:  
۲۰۹/۱۲ حدیث: ۱۴۱۱ شعب الایمان: ۳۳۳/۳ حدیث: ۱۴۷۶ سنن دارمی: ۱۴۲/۳ حدیث: ۱۳۹۲ مسند ابویعلیٰ موصلی: ۱۳۱/۲ حدیث: ۶۲۶ سنن  
دارقطنی: ۳۸۶/۳ حدیث: ۱۳۵۵ صحیح ابن حبان: ۳۱۲/۳ حدیث: ۹۱۳ صحیح ابن خزیمہ: ۱۵۹/۳ حدیث: ۶۸۸ مسند شافعی: ۱۶۶/۱ حدیث: ۱۶۳ مسند  
طحاوی: ۲۲۸/۳ حدیث: ۱۱۴۳ مشکل الآثار طحاوی: ۲۱۷/۵ حدیث: ۱۸۵۵

حتی کہ امام اعظم امام محمد اور امام ابو یوسف تک بھی علم دین کی تعلیم کی اجرت نہ لیتے تھے اب علم دین کے پڑھانے پر باقاعدہ تنخواہیں معین ہیں اور آئین تعلیم میں صرف و نحو وغیرہ کے حدود مقرر ہیں کہ فلاں فلاں کتاب تک ہو جب کہ پہلے ایسا نہ تھا۔ اس کے علاوہ منطق اور علم ہیئت و ہندسہ وغیرہ (جن کا سلسلہ یونانیوں تک پہنچتا ہے) اب تحصیل میں داخل ہیں جب کہ صحابہ کی جوتیوں تک کو ان علوم کی گرد نہ لگی تھی۔

پہلے جو کوئی روپیہ دیتا تھا تو خفیہ طور پر دینے کو یا سے خالی سمجھتا تھا اور اب چندہ دینے والوں کی نمائش ہوتی ہے ان کے نام سال بہ سال کتابوں میں چھپتے ہیں۔ چندہ والا اگر دینے میں کچھ تاثر کرے تو تقاضا کرنے والا ایک پیادہ اس پر معین کیا جاتا ہے خلاصہ کلام یہ کہ اس زمانہ کے مطابق تعلیم مدارس کو کہاں تک بیان کروں کم سے کم علم آدمی بھی سوچے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ بے شک اس ہیئت کذائی و مجموعی کے ساتھ تعلیم دین کا مدرسہ قرون ثلاثہ میں ہرگز نہ پایا گیا لیکن صرف اس بنیاد پر اس کو جائز رکھتے ہیں کہ گو کہ یہ عوارض و لوازم سلف سے ثابت نہیں لیکن اصل تعلیم دین تو ثابت ہے ان عوارض سے اس کی اصلیت باطل نہیں ہو جاتی۔ اب کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس ہیئت کذائی کے ساتھ تعلیم بدعت اور ضلالت ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اس ہیئت کذائی کے عارض ہونے سے محفل میلاد شریف بھی سنت ہونے سے خارج نہیں ہو سکتی اور اس کو بدعت ضلالت کہنا خود ضلالت ہے۔

**فائدہ:** اس مقام پر مولف براہین قاطعہ نے زمانہ حال میں مروجہ مدرسہ کو تمام وجوہ کے ساتھ سنت ثابت کیا ہے۔ صفحہ ۱۸۵ پر تعمیر مدرسہ کے سلسلہ میں لکھا

صفہ کوجس پر اصحاب صفہ طالب علم دین اور فقر او مہاجرین رہتے تھے مدرسہ ہی تو تھا نام کا فرق ہے لہذا اصل سنت وہی ہے اور اعمال کو یعنی جو زکوٰۃ وصول کرتے تھے ان کو عمالہ یعنی اجر ملتا تھا سو وہ بھی تنخواہ مدرسین کی ہے یہ بھی امر دین پر لینا ہے۔

صفحہ ۱۸۶

اور چندہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں لیا ہے۔

صفحہ ۱۸۷

بے شک تھوڑے علم والا بھی جانتا ہے کہ مدارس کے سب امور سنت ہیں قرون ثلاثہ میں موجود تھے۔ اتنی کلامہ تلخیصاً ہم کہتے ہیں کہ امور مندرجہ محفل میلاد کا ثبوت اس سے بہت اعلیٰ طور پر ہے۔ ذکر ولادت یہ خود ثابت الاصل ہے (جیسا کہ اوپر گزر چکا)۔

فرش، کھانا، شیرینی اور عطر وغیرہ کا استعمال

فرش استعمال عطر اور کھانا و شیرینی دینا یہ دراصل مہمانوں کی ضیافت اور خاطر دارمی ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ



مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ  
 صَيْفُهُ. (۱)

تو فرزند پران کو بٹھانا اور غطر لگانا یہ مہمانوں کی تعظیم و اکرام ہی تو ہے۔ اور مجلس کرنے والوں سے پوچھ لیجیے کہ ان کی نیت بے شک یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ کھجور یا شیرینی وغیرہ ہم نے تیار کی ہے وہ اپنے گھر آنے والے لوگوں کو کھلائیں گے۔ اور شریعت سے یہ بات معلوم کیجیے کہ ضیافت شرع میں کس چیز کا نام ہے۔ کھانے کی چیز خواہ تھوڑی ہو یا بہت جب اس کے لیے آدمیوں کو بلائے گا تو وہی شرع میں ضیافت کہلائے گی۔ صحابہ روٹی کا ٹکڑا یا کھجور جو کچھ ہوتا پیش کر دیتے اور حدیث میں ہے

لَوْ دُعِيَ إِلَى الْكُرَاعِ لَأَجَبْتُ. (۲)

اے ضرور قبول کروں گا۔  
 (۱) صحیح بخاری: ۱۰۳۱۹/۱۹، حدیث: ۵۶۷۱، صحیح مسلم: ۱۶۵۱/۱، سنن ابوداؤد: ۱۸۹۱۰/۱۰، حدیث: ۳۲۵۶، سنن ترمذی: ۲۳۱۷/۷، حدیث: ۱۸۹۰، سنن نسائی: ۳۰۷۹/۹، حدیث: ۲۳۲۳، سنن ابن ماجہ: ۶۶۱۱/۱۱، حدیث: ۳۶۶۲، مشکوٰۃ المصابیح: ۳۶۳۲/۲، حدیث: ۲۳۳۳، مستدرک: ۲۷۰۱۳/۱۳، حدیث: ۶۳۳۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۸۱۵/۱۵، حدیث: ۷۳۰۷، سنن کبریٰ بیہقی: ۶۸۷۵/۵، مصنف عبدالرزاق: ۷۷۱۱/۱۱، حدیث: ۱۹۷۳۶، متذکر: ۱۳۳۱۷/۱۷، حدیث: ۷۳۰۵، معجم کبیر طبرانی: ۱۶۹۷۳/۳، حدیث: ۳۷۷۸، شعب الایمان: ۳۲۲۱۰/۱۰، حدیث: ۳۷۱۶، سنن داری: ۲۱۳۶۶/۶، حدیث: ۲۰۸۸، مستخرج ابوعوانہ: ۵۸۱۱۳/۱۳، حدیث: ۵۸۱۳۵، مسند ابویعلیٰ موصلی: ۳۳۷۱۳/۱۳، حدیث: ۶۳۵۵، صحیح ابن حبان: ۵۷۳/۳، حدیث: ۵۰۷، معرفۃ الصحابہ اصہبانی: ۲۰۲۲/۲۲، حدیث: ۶۲۸، مسند شہاب قضا: ۲۶۳۲/۲، حدیث: ۳۳۷، مسند طحاوی: ۳۲۶۶/۶، حدیث: ۲۳۵۸، مشکل الآثار طحاوی: ۲۶۸۷/۷، حدیث: ۲۳۲۹، اخبار اصہبان: ۱۷۹۷۷/۷، حدیث: ۳۰۵۵۵، آداب بیہقی: ۷۸۱/۱، حدیث: ۶۵، الآداب المغرور: ۱۵۸۱/۱، حدیث: ۱۰۴، مسند یزید: ۱۲۱۹/۹، حدیث: ۳۱۹۵، البرد والرقائق: ۳۹۲۱/۱، حدیث: ۳۷۱، مسند شامی: ۲۸۹۲/۲، حدیث: ۸۳۹، المطالب العالیہ: ۲۳۳۱/۱، حدیث: ۱۹۵، مسند عمر بن عبدالعزیز: ۱۱۰۱/۱، حدیث: ۷۶، معجم ابن المقرئ: ۳۲۱۲/۲، حدیث: ۸۸۹، مکرم الاخلاق خراطی: ۳۰۲۱/۱، حدیث: ۳۰۷، مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۳۶۲۳/۳، کنز العمال: ۲۳۶۹/۹، حدیث: ۲۵۸۶۰، مسند الجامع: ۲۳۶۱۲/۱۲، حدیث: ۲۵۲۶، تحفۃ الاشراف: ۲۸۲۱۱/۱۱، حدیث: ۱۲۳۷، روضۃ المحررین: ۲۳۲۱۱/۱۱، حدیث: ۵۳۳۳

(۲) صحیح بخاری: ۱۲۷۹/۹، حدیث: ۲۳۸۰، مشکوٰۃ المصابیح: ۳۱۱۱/۱۱، حدیث: ۱۸۲۷، مستدرک: ۳۹۷۲۰/۲۰، حدیث: ۹۸۵۳، سنن کبریٰ نسائی: ۱۴۰۳/۳، حدیث: ۶۶۰۹، معجم کبیر طبرانی: ۳۲۸۱۹/۱۹، حدیث: ۱۰۷۷۳، شعب الایمان: ۳۸۶۱۸/۱۸، حدیث: ۸۶۹۳، صحیح ابن حبان: ۱۲۰۲۲/۲۲، حدیث: ۵۳۸۲، اخبار اصہبان: ۶۰۷/۷، حدیث: ۳۷۶، سنن کبریٰ بیہقی: ۳۰۳۹۳/۳، حدیث: ۳۰۲، معجم ابن المقرئ: ۲۳۱۲/۲، حدیث: ۷۲۵، مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۶۰۷۲/۲، کنز العمال: ۲۵۷۷/۷، حدیث: ۲۵۹۳۰، نصب الراية: ۱۰/۱۰، حدیث: ۳۵۵، تحفۃ الاشراف: ۳۵۸۱۱/۱۱، حدیث: ۱۳۰۵، تخریج احادیث الاحیاء: ۳۳۵۳/۳۳، حدیث: ۱۳۳۵

یوں بھی آیا ہے

لَوْ أَهْدَى إِلَيَّ كُرَاعَ لَقَبْتُهَا وَ لَوْ دُعِيَ عَلَيْهِ لَأَجَبْتُ. (سنن ترمذی: ۷۸۷۵/۵، حدیث: ۱۲۵۸، مستدرک: ۳۹۷۲۰/۲۰، حدیث: ۹۸۵۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۱۶۹۶۶/۶، حدیث: ۳۳۲، معجم کبیر طبرانی: ۳۳۸۱۸/۱۸، حدیث: ۲۰۹۰۰، شعب الایمان: ۳۸۷۱۸/۱۸، حدیث: ۸۶۹۵، صحیح ابن حبان: ۱۱۸۲۲/۲۲، حدیث: ۵۳۸۱، مسند ابن راہویہ: ۲۳۳۱/۱، المطالب العالیہ: ۱۸۲۷/۵، حدیث: ۱۷۰۵، مسند الخلیف بن راہویہ: ۱۸۱۱/۱۱، حدیث: ۱۷۰۲، معجم ابن المقرئ: ۱۹۳۴/۴، حدیث: ۶۹۰، مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۱۱۶۲/۲، کنز العمال: ۲۵۷۷/۷، حدیث: ۲۵۹۲۹، مسند الجامع: ۱۹۰۳/۳، حدیث: ۸۶۳، روضۃ المحررین: ۳۶۷۵/۵، حدیث: ۱۸۱۱

اور یوں بھی آیا ہے

لَوْ أَهْدَيْتَ لِي كُرَاعَ لَقَبْتُهَا وَ لَوْ دُعِيَ عَلَيْهَا لَأَجَبْتُ. (مصنف عبدالرزاق: ۳۳۹۱۰/۱۰، حدیث: ۱۶۶۶۸، جامع معمر بن راشد: ۳۳۷۱/۱، حدیث: ۲۶۷۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق عالی اہل ضیافت کو خوش کر دینا تھا اپنا پیٹ بھرنا منظور نہ ہوتا اور یہی امت کو بھی ارشاد فرمایا: جیسا کہ بخاری میں ہے

إِذَا دُعِيتُمْ إِلَى كُرَاعٍ فَأَجِيبُوا. (۱)

نقہا نے بھی یہی حکم دیا ہے۔ فتاویٰ برہنہ میں ہے  
 از جہت بعد و فقر انتاع نیار دو قصد کند حاجت شکم را بلکه  
 نیت کند اقتدائے سنت و ادخال سرور در دل مسلم۔  
 دور اور فقیر ہونے کے سبب نہ رُکے اور پیٹ بھرنے کی  
 نیت سے نہ جائے بلکہ اس کی نیت سنت کی پیروی اور دل مسلم کو  
 خوش کر دینے کی ہونی چاہیے۔

تو اگر کوئی باحیثیت دولت مند محفل میلاد میں شکم سیر کھانا کھلا دے۔ یا کسی کم حیثیت والے نے محض شیرینی اور کھجور ماحضر کے لیے اہل اسلام کو زحمت دی تو یہی شریعت میں ضیافت کہلاتی ہے۔ ہدایہ میں ہے

مَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ. (۲)

اگر کوئی کسی مسلمان کی دعوت رد کر دے تو گویا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے۔  
 افسوس وہ لوگ تو تعمیل سنت کے لیے آئیں قلیل و کثیر پر نظر نہ کریں۔ اور یہ منکرین ان عالمان سنت پر طعن کریں اور اس بات کا بھی خیال نہ کریں کہ سنت کی استہزا میں ایمان چلے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

مٹھائی باٹنے کا ثبوت  
 یہ جو طعنہ دیا جاتا ہے کہ مٹھائی کے لالچ سے آتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ مٹھائی باٹنے کی کیا اصل ہے تو یہ اعتراض بھی صحیح نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رسالہ ”ما اہل بغیر اللہ“ مطبوعہ مطبع محمدی کے صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں

و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع  
 علماء ائمہ بلفظہ۔  
 علامہ ائمہ بلفظہ۔  
 علامہ ائمہ بلفظہ۔

(۱) صحیح مسلم: ۲۸۵۷/۷، حدیث: ۲۵۸۲، سنن کبریٰ بیہقی: ۲۶۲۷/۷، مستخرج ابوعوانہ: ۲۷۶۱/۸، حدیث: ۳۳۱۹، صحیح ابن حبان: ۱۱۶۲۲/۲۲، حدیث: ۵۳۸۰، موارد الطمان: ۲۶۱۱/۱۱، کنز العمال: ۲۵۵۷/۹، حدیث: ۲۵۹۱۸، تحفۃ الاشراف: ۳۷۷۸/۸، حدیث: ۸۲۳۹، کنز العمال میں یہ حدیث یوں بھی آئی ہے: مَنْ دَعَاكُمْ إِلَى كُرَاعٍ فَأَجِيبُوهُ. (۲۵۹۲۸/۲۵)

(۲) عنایہ شرح ہدایہ: ۲۱۶/۱۳، فصل فی الاکل و الشرب، نصب الراية: ۲۳۳۳/۳، مبسوط: ۳۳۱۹/۱۹، کتاب ادب القاضی، تبیین الحقائق: ۳۳۶/۱۶، کتاب الکراہیۃ، فتح القدیر: ۳۶۹۲/۲، باب ادراک الفریضہ و درغیر: ۳۶۶۳/۳، سنن دق الی ولیمہ: بحر الرائق: ۱۱۵۲۲/۲۲، سنن دق الی ولیمہ: مسند ابویعلیٰ موصلی: ۱۳۶۱۲/۱۲، حدیث: ۵۷۵۸، کتب احادیث میں یہ حدیث یوں ملتی ہے

مَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَ رَسُولَهُ. (صحیح مسلم: ۲۸۹۷/۷، حدیث: ۲۵۸۱، مستدرک: ۲۸۱۱/۱۱، حدیث: ۵۰۱۴، سنن کبریٰ بیہقی: ۲۶۲۷/۷، مستخرج ابوعوانہ: ۳۶۹۸/۸، حدیث: ۳۳۱۳، صحیح ابن حبان: ۱۳۳۲۲/۲۲، حدیث: ۵۳۹۳، مسند طحاوی: ۳۷۱۲/۱۲، مشکل الآثار طحاوی: ۷/۷، حدیث: ۳۵، الجواب الرئی ترکانی: ۲۵۹۷/۷، کنز العمال: ۳۰۷۱۶/۱۶، حدیث: ۲۵۹۲۶، مسند الجامع: ۳۶۶۲۳/۲۳، حدیث: ۶۶۹۳، الترغیب والترہیب: ۲۲۸۱۲/۲، حدیث: ۲۱۵۲)



فتاویٰ ”خزانۃ الروایات“ کی (فصل ضیافت) اور ”روح البیان“ کی جلد دوم میں لکھا ہوا ہے

ان في بطن المؤمن زاوية لا يملأها إلا  
الحلو. (۱)

مومن کے پیٹ میں ایک ایسا گوشہ ہوتا ہے جسے مٹھائی  
کے بغیر کوئی چیز بھر نہیں سکتی۔

اب سوچیں کہ ایک مومن کا گوشہ شکم (جو کہیں سے نہیں بھرتا) تو مٹھائی سے اس کا بھر دینا کیا کچھ اجر کی بات نہ ہوگی؟  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ . (۲)

تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو۔

اور حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ جن چیزوں کو مومن دوست رکھتا ہے ان میں مٹھائی بھی ہے، چنانچہ ”غزائے الروایات“ نیز ”تفسیر روح البیان“ میں آیا ہے

قال عليه السلام إِنَّ الْمُؤْمِنِينَ خُلُقٌ وَ يُحِبُّ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن خود بھی  
 شیریں ہوتا ہے اور بیٹھی چیز کو پسند بھی کرتا ہے۔  
 الْحَلَاوَةُ . (۳)

تو جو چیز خود بانٹنے والے مومن اور لینے والے مومنین کو محبوب ہو تو امید ہے کہ اس کی تقسیم میں وہ نیکو کاری کی حد کو پہنچیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہی وجوہات کی بنیاد پر شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس کو باجماع علماء مستحسن و خوب لکھا ہے۔

منبر یا چوکی نیز اشعار پڑھنے کا ثبوت

منبر یا چوکی اور اشعار کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت حسان، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں منبر پر کھڑے ہو کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھتے تھے۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (۴)

(١) تفسير روح البيان: ٣٢٢/٣ (٢) سورة آل عمران: ٩٢/٣ (٣) تفسير روح البيان: ٣٢٢/٣

المقاصد الحسنة: (۱/۶۳) كشف الخفاء: ۹۹/۲، حدیث: ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، تذکرة الموضوعات: ۱/۱۳۹، کنز العمال: ۱/۳۶۷، حدیث: ۱۶۱۲۔ کے الفاظ حدیث یوں ہیں: المؤمنون حلوا، يحب الحلوة۔

نیز یہ حدیث یوں بھی ملتی ہے : قلب المؤمن حلو، یحب الحلاوة . ( المقاصد الحسنیہ : ۱۶۲۱) الدرر المنقذہ فی الاحادیث المشتملہ اربعا  
الموضوعات : ۱۹۲۳، اشف الخفاء : ۹۹۲، حدیث : ۱۸۸۳ تذکرۃ الموضوعات : ۱۴۹۱، کنز العمال : ۱۴۶۱، حدیث : ۷۱۴۰)

(۴) متن حدیث یوں ہے

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَنَ مِنْبَرٍ فِي الْمَسْجِدِ يَقُومُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاجِرُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (سنن البوداد: ٦٦/١٠، حديث: ٢٤٤٣، مشكوة المصابيح: ٣/١٣، حديث: ٢٨٠٥، شمائل ترمذي: ٢٨٢/١، حديث: ٢٣٤، مستدرک: ١٠٨/١٣، حديث: ١)

٦٠٩٩ تهذيب الآثار طري: ٢/١٢٦ حديث: ٥٣٣٣ مسند ابويعلیٰ موصلي: ١٠/٨١٠ حديث: ٢٠٦٢٣ معرفة الصحابة: ١/٣٣١ حديث: ٤٢٠١ تحفة الاشراف: ١٣/٢٤٨ حديث: ١٤٠٢٠ أخرجه احاديث الاجزاء: ٥/١٤١٤١ حديث: (٢١٤١)

اور مجسم کبیر طبرانی میں یوں ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يضع لحيان بن ثابت منبرا في المسجد يشد عليه الأشعار . (٣٢/٣) حديث: (٣٥٠)

تداعی یعنی آدمیوں کو بلانا۔ اس کی دو شکلیں ہیں یا تو یہ بلانا تناولِ حاضر کے لیے ہے جو خود سنت و دعوت ہے۔ یا یہ بلانا اس لیے ہے کہ وہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و صفات سنیں اور یہ بھی سنت ہے اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی صحابہ کو خبر بھیج کر بلواتے اور جمع کر کے ان سے کچھ فرماتے تھے۔ آپ کا زبان سے کچھ فرمانا حدیث ہے لہذا حدیث سننے کے لیے لوگوں کو بلانا سنت ہوا۔

اصطلاح دین میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل و تقریر صفات و شمائل اور فضائل و جلیہ و غیرہ کو شامل ہے۔ علم حدیث کا موضوع ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور اس کی غایت دارین کی سعادت کا حصول ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محفل میلاد شریف میں افراد علم حدیث بیان ہوتی ہے تو اعلام کر کے بلانا گویا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بلانا ہے تو اس تداعی کو مکروہ حرام کہنا عجیب بات ہے۔ اگر یہ لوگ آیت کریمہ: ادع الی سبیل ربک سے بھی انہی تسلی کر لیں تو یہ بھی ممکن ہے۔

تہج ہے کہ مدرسہ کے لیے کس قدر دور دراز فکر کو دوڑایا کہ کہاں عمالہ عالمین اور کہاں تنخواہ مدرسین، کہاں صفہ اور کہاں مدرسہ، کہاں جہاد کا چندہ اور کہاں مدرسہ کا چندہ۔ اور میلا دشریف کے سلسلے میں ہمارے دلائل جو اپنے دعووں کے مدلولات پر صراحتہ دلالت کر رہے ہیں، ان کی طرف ایک ذرا خیال نہیں فرماتے، اس کو بدعت ٹھہراتے ہیں۔ اللہ اللہ کمال بواجبی کا مقام ہے۔

## اعتراض

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ چیزیں الگ الگ تو بیشک جائز ہیں لیکن ہم ان کا جمع ہونا جائز نہیں جانتے۔

**جواب**

یہ ہے کہ مدرسہ کی ہیئت مجموعی بھی قرونِ ثلاثہ سے ثابت نہیں، اس کے اثبات کے لیے بھی انفرادی اجزاء کا ثبوت دیا گیا ہے تو یہاں بھی وہی قبول کرنا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ”احیاء العلوم“ میں فرماتے ہیں

فإن أفراد المباحات إذا اجتمعت كان ذلك

المجموع مباحا. ومهما انضم مباح إلى مباح لم

يعني اذا تضمن المحرم محظورا لا تتضمنه

الآحاد (1)

تو مباح اور مستحسن چیزوں کے جمع ہو جانے سے یہ محفل ممنوع نہ ہو جائے گی۔

برائین قاطعہ کے صفحہ ۶۰ میں سلف کے اس قاعدہ مسلمہ پر جو اعتراض کیا ہے اور یہ لکھا ہے

تمر اور مانی دونوں کا نمبید بنایا جائے بعد کف دینے کے جو ہیئت حاصل ہوئی حرام ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک محض کھجور اور پانی تھا اس وقت تک مباح تھا اب طول مدت اور تاثیرِ زماں سے ایک تیسری چیز

(١) إجماع علوم الدين: ١١٢٣ - بيان الدليل على إباحة السماع

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يضع لحيان بن ثابت منبرا في المسجد ينشد عليه الأشعار . (٣٧/٢) حديث: (٣٥١)



پیدا ہوگی جو نشہ آوری کا سبب ہے تو حرمت کا باعث یہ تیسری چیز ممنوع شرعی ہے نہ کہ وہ مباح چیزیں۔ ورنہ مولف براہین کی تعلیل کے موافق تو مباح چیزوں کے جمع ہونے سے قطع نظر ایک منفرد چیز بھی حرام ہو جائے گی اس لیے کہ انکسار کے بعد خود شراب بن جاتا ہے تو چاہیے کہ منفرد چیز کو بھی حرام کہا جائے اور یہ صحیح نہیں۔ شرعی احکام میں غور و خوض درکار ہے۔ لہذا صحیح وہی ہے کہ اگر مباح چیزوں کے اجتماع میں کوئی ممنوع شرعی لازم نہ آتا ہو تو وہ درست اور مباح ہے۔ اس سے مخالفین کے وہ دوسرے دو اعتراض بھی رد ہو گئے جو کہتے تھے کہ قرآن دیکھ کر پڑھنا سنت تھا اور نماز سنت تھی مجموعہ اہل کتاب کے مشابہ ہو گیا۔ اور رکوع شروع اور قرآن شروع دونوں کا جمع کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی صورت میں محظور شرعی یہ لازم آیا کہ اہل کتاب سے تشبہ ہوا۔ اور دوسری صورت میں یہ کہ حدیث شریف کے مخالف یہ فعل ٹھہرا کہ (آپ نے) فرمایا

أَلَا إِنِّي نَهَيْتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا (۱)

ذکر میلاد شریف میں مذکور بالا امور شریک ہوئے ہیں لیکن اہل کتاب سے کوئی تشبہ نہیں ہے (جیسا کہ لمحہ ثالثہ میں بخوبی اس کا ابطال ہو چکا ہے) اور نہ تو مباح چیزوں کے ملانے کے سلسلہ میں کوئی شرعی نہی وارد ہوئی ہے لہذا یہ مروجہ مجلس مباح و مستحسن امور کے اجتماع کے ساتھ درست اور مستحسن ہے۔

امور مذکورہ کے جواز پر دوسری تقریر یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَ

الطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (۲)

پہلے تو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ آیات کا نزول خواہ کسی موقع پر ہوا ہو لیکن ان کا حکم شان نزول کے ساتھ خاص نہیں ہوتا بلکہ جہاں تک الفاظ کی دلالت جاری ہوتی ہے وہاں تک حکم جاری کیا جاتا ہے۔ علمائے اصول کے نزدیک یہ متفقہ ہے۔ چنانچہ توضیح وغیرہ میں مندرج ہے

إن العبرة لعموم الألفاظ لا لخصوص السبب (۳)

(۱) صحیح مسلم: ۲۲۳۳ حدیث: ۲۳۸، مشکوٰۃ المصابیح: ۱۹۰/۱: حدیث: ۸۷۳، معرفۃ السنن والآثار: ۶۲۳/۳: حدیث: ۸۹۲، کنز العمال: ۳۶۸/۱۵: حدیث: ۳۱۳۰۹

انصاف الراہی فی تخریج احادیث الہدایہ: ۴۱۴/۲: باب صفۃ الصلوٰۃ - تلخیص الخیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ۴۷۸/۱: حدیث: ۳۶۷، مستدرک جامع: ۱۹/۵۹ حدیث: ۶۰۲۵، تخریج احادیث الاحیاء: ۳۸۳/۲: حدیث: ۹۸۳

(۲) سورۃ اعراف: ۳۲/۷

(۳) شرح التلویح علی التلویح: ۲۵۱/۱: فصل فی الفاظ العام المحصول: ۲۵۳/۳: انوار البروق فی انواع الفروق: ۳۲۲/۱: حمل العموم کشف الاسرار: ۱۸۵/۶: باب حکم الاجتماع وملتزم البحر المحیط: ۲۳۳/۳: المسئلۃ: الثانیۃ: صحیح دعویٰ التقریر والتجیر: ۱۸۹/۱: استدلال علی اصول شرح الکواکب المشرقیہ: ۲۶۲/۳: مفہوم الموافقتہ: نوغان: غز عیون البصار شرح الاشباہ والنظائر: ۳۹۶/۲: الخراج بالضممان حافیۃ الطائر علی شرح الجلال المکمل علی جمع الجوامع: ۴۰۳/۷: مسئلۃ: جواب السائل غیر المستقل۔

انصاف سرخی میں یوں ہے

فإن العبرة لعموم الخطاب لا لخصوص السبب (۱۶۴/۱)

الاشباہ والنظائر کی شرح غز عیون البصار میں یوں بھی آیا ہے

إن العبرة لخصوص الغرض لا لعموم اللفظ (۱۳۷/۱) اختلاف اللسان والقلب فی الدیۃ۔

ہماری یہ بات استدلال کی جملہ آیتوں میں یاد رکھنا چاہیے۔ تو یہ آیت کریمہ گو کسی خاص موقع کے لیے نازل ہوئی لیکن تمام مفسرین و اصولیین اور فقہاء اس آیت کو عام لیتے ہیں؛ جس کی نظر درمختار تفسیر بیضاوی اور تفسیر رازی وغیرہ پر ہوگی اس سے یہ بات مخفی نہیں کہ فرش بچھانا، محفل سجانا، عطریات سے لباس بسانا، چوکی و منبر اور مسند لگانا یہ سب زینۃ اللہ میں داخل ہے۔ اور حاضرین کو پانچ لالچئی چائے، کھجور شیرینی یا کھانا جو کچھ کھلایا جائے گا اس کو لفظ طیبات من الرزق شامل ہے۔

علامہ بیضاوی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے

فہ دلیل علی أن الأصل فی المطاعم و

الملابس و أنواع التجمعات الإباحة (۱)

طرح طرح کی آرائشوں میں اصل حکم یہ ہے کہ مباح ہے۔

لہذا یہ سب چیزیں علم اصول کے قواعد کی رو سے اور مفسرین کرام کی تصریح کے مطابق جائز اور مباح ہوئیں۔ اور ان کو منع کرنے والا بڑے خطرے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرُّمُوا طَيِّبَاتِ مَا

أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

الْمُعْتَدِينَ (۲)

اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لیے حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

لہذا مانعین کو اس سے اندیشہ کرنا چاہیے کہ وہ کہیں معتدین میں شامل نہ ہو جائیں جنہیں اللہ پسند نہیں فرماتا۔

تیسری تقریر جملہ امور مجلس میلاد کے لیے یہ ہے کہ اس آیت کریمہ سے دلیل پکڑنی چاہیے جو سورہ یونس کے چھٹے رکوع میں ہے

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا

هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ (۳)

تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں وہ ان کے لیے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔

بارہ برس قبل یہ نجف اس آیت کو اپنی کتاب ”بہار جنت“ میں درج کر چکا ہے، لیکن عام آدمیوں کو جب تک تشریحاً نہ سمجھایا جائے اصل مدعا کو نہیں پہنچتے، تو اب اس کی تفسیر کر رہا ہوں۔

واضح ہو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اس آیت ہدایت پیرایہ میں اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ وہ اللہ ہی کے فضل اور اللہ ہی کی رحمت سے

فرحت و سرور کریں۔ امام رازی اور امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہا فرماتے ہیں کہ یہاں ایک فعل فلیفرحوا محذوف ہے اب آیت

مذکورہ یوں ہوگی کہ اہل ایمان کو چاہیے کہ اللہ کے فضل و رحمت پر خوشی کریں۔ پھر دوبارہ فرمایا کہ چاہیے اسی پر خوشی کریں تو یہ امر کی

تکرار تاکید کے لیے ہے اور لفظ فبذلک مفید حصر ہے۔ یعنی ایک انسان پر واجب ہے کہ فرحت و خوشی خاص اللہ ہی کے فضل

و رحمت پر کرے کیونکہ جو جسمانی و نفسانی لذتیں اور دنیاوی نعمتیں ہیں سب فانی ہیں یہ فرحت و سرور کے قابل نہیں۔ اور فضل

و رحمت خداوندی کے بارے میں فرمایا: هو خیر مما یجمعون یعنی وہ تمام فانی لذتوں اور نعمتوں سے بہتر ہے جو وہ دنیا میں جمع کرتے اور سمیٹتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی: ۲۵۳/۲ (۲) سورہ مائدہ: ۸۷/۵ (۳) سورہ یونس: ۵۸/۱۰



اس آیت کریمہ سے اللہ کے فضل و رحمت کے ساتھ فرحت و سرور کرنا ثابت ہوا اور اس میں کوئی شک نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی رحمت اور اس کے فضل ہیں۔

علامہ ماوردی نے آیت کریمہ

لَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْنَا وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا (۸۳/۴) (۱)

کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ”فضل اللہ“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور رحمت بھی وہی ہیں۔ اس کو شارح مواہب زرقانی نے ذکر کیا ہے۔

تفسیر روح البیان میں سورہ نساء کی اس آیت مذکورہ کے تحت لکھا ہے

وفي الحقيقة كان النبي عليه السلام فضل الله ورحمته يدل عليه قوله تعالى: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا (إلى قوله) ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (و قوله تعالى) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ.

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہیں۔ جس پر اللہ کی یہ آئین شہادت دے رہی ہیں: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ. (۲)

یہی وجہ ہے کہ حدیث و سیرت کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجملہ اسماء مبارکہ میں ”فضل اللہ“ رحمۃ للعالمین، ”رحمۃ مہداتہ“، ”رحمۃ الامۃ“ اور ”سول الرحمۃ“ بھی شمار کیے ہیں۔ جیسا کہ زرقانی اور قسطلانی وغیرہ محدثین نے لکھا ہے۔ لہذا آپ کے وجود باوجود پر فرحت و سرور کرنا ثابت ہو گیا تو اب خوشی کے جتنے بھی مباح اسباب ہیں سب ثابت ہو گئے کیوں کہ یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے۔

إذا ثبت الشيء ثبت بلوازمه.

جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے جملہ لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

تو برادران اسلام کا اجتماع مکان کی آرائش شیرینی کے خوان اور زمانے کی جملہ مرجہ چیزیں حتیٰ کہ ذکر ولادت شریف کے وقت جوش فرحت و سرور میں کھڑے ہو جانا اور اس فضل و رحمت مہداتہ کی بابت شکر الہی بجالانا سب فلیفو حوا کے منطوق سے ثابت ہو گیا۔ اور آیت کریمہ: وَاشْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ إِنَّ كُنتُمْ لِيَاءَهُ تَعْبُدُونَ سے بھی یہ امور ثابت ہو سکتے ہیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی نعمت ہیں اور شکر طرح طرح کے افعال و اعمال سے ادا ہوتا ہے جیسے آیتوں کی تلاوت کرنا، معجزات و درود و سلام سے متعلق احادیث پڑھنا اور کھانا کھانا وغیرہ (لمعہ خامسہ میں بھی امور ماحقہ کی تقریر آئے گی)۔

اگر مانعین اس طرح کی نظیر و مثل طلب کرتے ہیں کہ ایسا جلسہ مسنونہ بتاؤ جس میں جلسہ مولد شریف کی طرح چند سنتیں

(۱) تفسیر التک والعیون: ۳۱۶/۱۔ ترجمہ آیت: اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے مگر تھوڑے

(۲) تفسیر روح البیان: ۳۳/۳

اکٹھا ہوں تو اس کی نظیر بھی شرع میں موجود ہے مثلاً شادی عروسی کہ اس میں مومنوں کا اجتماع بھی ہے اور اللہ کا ذکر بھی اس لیے کہ خطبہ نکاح (جو سنت ہے) جلسہ نکاح میں پڑھا جاتا ہے پھر اس کے بعد خرما وغیرہ تقسیم کر دیا جاتا ہے یا حاضرین کے ہاتھوں لٹا دیا جاتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے

لا بأس بنشر السكر و الدزاهم في الضيافة و ضيافت اور شادی بیاہ کے موقع پر میٹھی چیزیں اور روپیہ پیسہ لٹانے میں کوئی حرج نہیں۔ عقد النکاح: (۱)

مولوی الحق صاحب نے ”مسائل اربعین“ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھا ایجاب و قبول کیا اور چھوڑے لٹائے۔ نیز جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہ کے ساتھ نجاشی بادشاہ حبشہ نے اپنے ملک حبش میں کیا تو حضرت جعفر اور تمام مہاجرین کو جمع کر کے خطبہ پڑھا ایجاب و قبول کیا اور اس کے بعد سب کو کہا کہ ابھی بیٹھے رہو یہ پیغمبروں کی سنت ہے کہ نکاح کے بعد کچھ کھانا کھائیں پھر کھانا منگا کر سب کو کھلایا۔ یہ بھی مسائل اربعین میں ہے۔

اب دیکھیے کہ اگر نکاح میں عقد نکاح کا سرور ہے تو یہاں یعنی مجلس میلاد شریف میں اس سے کہیں زیادہ بڑی نعمت (یعنی باعث ایجاد عالم کے وجود) کا سرور ہے۔ وہاں خطبہ میں توحید اور اقرار رسالت ہے تو یہاں بھی وہ مضمون، شرح و تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ وہاں شیرینی و خرما اور کھانے کی تقسیم ہے تو یہاں بھی علیٰ ہذا القیاس یہ باتیں موجود ہیں۔

اگر سال بہ سال داگی ہونے کی مناسبت مطلوب ہو تو محدثین، صوم عاشورا کی نظیر دے چکے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا شکر یہ سال بہ سال کب سے چلا آتا ہے۔ غرض کہ میلاد شریف کی اصل بھی شرع میں موجود ہے اور نظیر و مثل بھی۔ لہذا مولوی اسماعیل صاحب کے قول کے موافق یہ محفل بدعت نہیں۔

اب ایک اور تقریر سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ محفل سنت ہے۔

مولوی اسماعیل صاحب ”تذکیر الاخوان“ میں مجتہدوں کی نکالی چیز کو سنت میں داخل کرتے ہیں اور مجلس میلاد اس ہیئت مجموعی کے ساتھ گرچہ کسی مجتہد مطلق نے خود ایجاد نہیں فرمائی لیکن مجتہدان مطلق نے ایسے ایسے عمدہ قاعدہ ہائے کلیہ ایجاد کیے کہ یہ مجلس ان قاعدوں میں داخل ہو گئی۔ مثلاً حضرت امام مالک، حدیث کی تعظیم اس طرح کرتے تھے کہ اول غسل کرتے پھر فرش ہوتا، چوکی و مسند بچھتی، عود و لوبان بخور وغیرہ خوشبو سلگتی، پھر منبر پر بیٹھ کر کمال ادب سے بیان فرماتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ اہتمام کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم کرتا ہوں۔ پھر کسی نے اعتراض نہ کیا اور چپ ہو گئے۔

امام مالک، مجتہد اور خیر القرون تھے تابعین میں تھے اور ان کے فعل سے یہ آداب ثابت ہوئے۔ پھر جس نے ان پر اعتراض کیا وہ ان کی معقول دلیل سن کر چھپ ہو گیا کہ واقعی یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے تو اعتراض کے بعد دوسروں کا سکوت کرنا یہ بھی امام مالک کے قول کا مؤید ہو گیا۔ علاوہ ازیں اس وقت سے لے کر آج تک حنفیہ و مالکیہ و شافعیہ کی تمام کتابوں میں یہ

(۱) فتاویٰ عالمگیری: ۳۵۹/۳۹۰ (باب فی منیہ)



دستور العمل تحریر ہو گیا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بلند مکان پر بیٹھنا خوشبو لگانا اور تعظیم مد نظر رکھنا مستحب ہے۔ مدارج النبوة، مواہب اللدنیہ اور شرح مواہب وغیرہ سے یہ بات ظاہر اور سب کو معلوم ہے کہ محفل میلاد شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و معجزات کا ذکر ہوتا ہے تو اس میں اس قسم کے آداب کیے جاتے ہیں۔ لہذا یہاں تک تو محفل میلاد شریف خیر القرون کے بعد میں داخل اور سنت میں شامل ہے۔ باقی رہا یہ کہ کھڑے ہو کر تعظیماً درود و سلام اور مدح و نعت پڑھنا تو اس کی اصل بھی مجتہدوں سے ثابت ہے۔

امام احمد بن حنبل کے استاد یحییٰ بن سعید زینارہ مسجد سے پشت لگا کر بیان کرنا شروع کرتے تھے اور بڑے بڑے عالم مجتہد، محدث (جیسے علی ابن مدینی، ابن خالد اور امام احمد وغیرہ) کھڑے رہتے اور حدیثوں کی تحقیق کرتے تھے اور انکے ہیبت و جلال سے کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ فتاویٰ برہنہ میں یہ احوال موجود ہیں۔ تو ان محدثوں اور مجتہدوں کے فعل سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر ذکر رسول کرے (تو یہ بھی) صحیح ہے۔ اور حضرت حسان منبر پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھا کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر بیان کرتے تھے، لیکن قاری اور سامعین اول سے آخر تک کھڑے رہنے میں مشقت سمجھ کر کہ ہر کسی کا کھڑا رہنا دشوار ہے، لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا تو بس اتنی ہی دیر کھڑے ہو جاتے ہیں جس میں اصل ولادت شریف کا ذکر ہوتا ہے کہ یہ جملہ اسی کی فرحت و سرور کا ہے۔

الحاصل، مجلس میلاد سے متعلق مندرجہ امور کا ثبوت مجتہدین مطلق کے قواعد و اعمال سے ہو گیا۔ اور جس وقت ملک ابوسعید مظفر نے محفل میلاد کا سامان کیا اور ۶۰۳ھ (1207) میں مفتیان دین میں اس مسئلہ کا اعلان کیا تو اس وقت اگرچہ کوئی مجتہد مطلق موجود نہ تھا لیکن مجتہدین کے چند طبقے میں سے ایک مجتہدین فی المسائل بھی ہوتے ہیں کہ ان کی قوت نظریہ قوی ہوتی ہے اور اپنے امام کی اصل پر نظر کر کے غیر منصوص مسائل میں بہ نظر اجتہادی حکم دیتے ہیں، اس قسم کے مجتہد شافعی و مالکی وغیرہ موجود تھے۔ تو ارنخ سے ثابت ہے کہ اس وقت محفل میلاد شریف کو تمام علماء نے امور مروجہ اطعام طعام اور تعین یوم میلاد وغیرہ کے ساتھ جائز رکھا۔ تو ان خصوصیات کی اسناد بھی مجتہدین تک پہنچے گی۔ اور مولوی اسماعیل صاحب نے مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع کی قید تو لگائی نہیں کیونکہ ان کی غرض یہ ہے کہ کوئی فعل ایسا نہ ہو کہ عوام یا علمائے کم مایہ اس کو پسند کر لیں بلکہ وہ ایسے مجتہد ہوں کہ ان کی قوت نظریہ اصل و نظیر پہچاننے کے لائق ہو۔ اور مولوی اسماعیل صاحب نے ”تذکیر الاخوان“ کے باب تقلید میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ

اگر اکثر دین دار متقی عالم اس مسئلہ کو قبول کر لیں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے۔ انتہی۔

دیکھیے کہ یہاں اجتہاد کی بھی قید نہیں ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اس محفل کو اکثر دین دار علماء اور متقیوں نے معتبر رکھا ہے اور استحباب کا فتویٰ بھی دیا ہے۔ اور ابوسعید مظفر کے عہد میں بڑے عالی درجہ صحیح النظر اور جامع اصول و فروع علماء تھے اپنی عقل و ادراک میں غیر منصوص سے مسائل اخذ کرنے کی قوت رکھتے تھے علاوہ بریں اہل اسلام میں مروجہ یہ محفل اپنے جملہ خصوصیات و تعینات کے ساتھ امام شافعی (جو کہ مجتہد فی الشرع تھے) کے قاعدہ میں داخل ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ امام شافعی سے پہلی نے یہ روایت کی ہے کہ اگر کوئی ایسی نئی بات ایجاد ہو کہ قرآن و حدیث اور اجماع کے احکام

کو مٹاتی اور رد کرتی ہو تو وہ بدعت حسنہ اور محمودہ ہے اس کو برائیں کہنا چاہیے۔ (۱)

لہذا محفل میلاد اس مجتہد کے قول میں داخل ہوگئی کیوں کہ یہ قرآن و حدیث اور اجماع کے کسی حکم کو رد نہیں کرتی۔ اور رد کرتی ہو تو بیان کر دمن ادعیٰ فعلیہ البیان۔

الحاصل ہر نسخ سے سب کی اسناد مجتہدین تک پہنچتی ہے خواہ تصریحاً خواہ استنباطاً لہذا یہ محفل مولوی اسماعیل صاحب کے مقررہ قاعدہ کے موافق بدعت نہیں بلکہ سنت میں داخل ہے۔

**سوال:** تم ہندوستان کے رہنے والے خفی المذہب ہو امام مالک اور شافعی سے استدلال کیوں کرتے ہو۔

**جواب:** جو مسئلہ ہمارے امام سے تصریحاً بیان نہ ہو اور دوسرے اماموں نے اس کی تصریح کی ہو اور وہ ہمارے قاعدے کے مخالف نہ ہو تو وہ تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ ہمارے مذہب حنفیہ میں کتب فقہ پر نظر رکھنے والے کو بالفعل اس کی نظیریں مل جائیں گی۔ ایک مثال لکھتا ہوں۔ در مختار میں ہے

و أما تقبيل الخبز فحرر الشافعية أنه بدعة

صاحب در مختار نے کہا کہ شافعیوں نے روٹی چومنے یعنی

مباحة و قبيل حسنة. (۲)

بوسہ دینے کو بدعت مباح یا مستحب تحریر کیا ہے۔

شافعیوں کا یہ مذہب لکھنے کے بعد صاحب در مختار نے (جو مذہب حنفی ہیں) لکھتے ہیں۔

و قواعدا لا تأباه. (۳)

ہم خفیوں کے قاعدے اس سے کچھ مخالفت نہیں رکھتے۔

تو ثابت ہوا کہ غیر اماموں کے مذہب میں جو بات ایسی ہو کہ ہمارے مذہب میں اس کا ذکر نہ ہو اور ہماری مخالفت بھی نہ ہو تو اس کا لے لینا درست ہے۔ چنانچہ ہماری کتب فقہ شامی وغیرہ میں بدعت حسنہ اور سیرہ کی تقسیم امام شافعی کے مذہب کے مطابق درج ہے۔ اور اسی طرح قرأت حدیث کے وقت لبان وغیرہ سلگانا خوشبو لگانا اور انجی جگہ بیٹھنا باقتدائے امام مالک کتب حنفیہ میں موجود ہے۔

### لمعہ خامہ

**اعتراض:** اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ محفل کبھی کبھی کرنی جائز بھی ہو تو خیر، لیکن اس کا خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ میں کرنا اور وہ بھی ہر سال دہما کرنا اس کی تو کوئی دلیل نہیں ہے۔

**جواب:** محفل میلاد شریف کی تخصیص اس طور پر کہ خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ اور پھر جائز نہ ہو یہ کسی عالم اہلسنت نے تصریح نہیں فرمائی بلکہ اہل ایمان جب کر سکیں کریں فتاویٰ متقدمین کی صریح عبارتیں موجود ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ”مورد الروی“ میں ہے

بل يحسن في أيام الشهر كلها و لياليه.

بہتر تو یہ ہے کہ مہینہ کے تمام دنوں اور راتوں میں کیا جائے

(۱) و جاء عن الشافعي أيضا ما أخرجه البيهقي في مناقبه قال: المحدثات ضربان ما أحدث يخالف كتاباً أو سنة أو أثراً أو إجماعاً

فهذه بدعة الضلال، و ما أحدث من الخير لا يخالف شيئا من ذلك فهذه محدثة غير مذمومة

فتح الباری لابن حجر: ۳۳۰/۲۰ حدیث: ۶۷۳۵

(۲) نفس المصدر: ۷۰۲/۵

(۳) در مختار: ۷۰۲/۵



اس کے بعد ابن جماع رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے

كان يقول لو تمكنت عملت بطول الشهر كل يوم مولدا .

سیرت شامی میں علامہ ظہیر الدین ابن جعفر کا فتویٰ یہی ہے

بدعة حسنة إذا قصد فاعلها جمع الصالحين و الصلوة على النبي الأمين صلى الله عليه وسلم و إطعام الطعام للفقراء و المساكين و هذا لقد يثاب عليه بهذا الشرط كل وقت .

اس میں اصل تحقیق یہ ہے کہ نصوص قرآنی مطلق ہیں

وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ . (۱)

اسی طرح

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَ بِرَحْمَتِهِ قَبِلْتُ لَكُمْ فَلْيَفْرَحُوا . (۲)

اسی طرح

وَ اشْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ . (۳)

پس حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجوہ کی نعمت کا شکریہ ہم پر فرض ہوا اور اسی طرح فرحت کا بھی حکم ہوا کہ رحمت خداوندی پر فرحت و سرور کیا کرو اور ظاہر ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس فرحت و سرور اور شکریہ کو کسی وقت کے ساتھ موقت نہیں فرمایا ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی فرحت و خوشی دائمی ہوئی اسی لیے مشرق و مغرب کے تمام اسلامی شہروں میں جملہ اہل اسلام بارہ مہینہ میں جب کسی سے بن پڑتا ہے میلاد شریف کر دیا کرتا ہے۔ اور اسی طرح ولادت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شکر عبادت کے جملہ افراد میں عام رہا اور یہ بات علمائے اصول سے مخفی نہیں ہے کہ فرضیت امر الہی کسی فرد میں پالے جانے سے ادا ہو جاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی قلیل ہو لیکن تکمیل فرض کے لیے (جہاں تک بوجہ مشروع یعنی شرعاً جائز ہو سکے) از روئے شرع فرض کی مقدار سے زیادہ کرنا شرعاً مستحب اور مطلوب ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو ثابت ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کا سرور و شکریہ دائمی ہے جب ہو سکے اور جس فرد میں ہو سکے عمل میں لائے خواہ اہل ایمان میں کھانا کھانا ہو یا شیرینی کی تقسیم خواہ تلاوت قرآن قراءت معجزات اور تعظیم و ادب کے طور پر مدائح و مناقب کا گنگنانا ہو خواہ ان سب باتوں کو جمع کر دے پھر ماہ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو یہ افعال و اعمال بجالائے یا کسی اور تاریخ و مہینہ میں سب جائز ہے۔

(۱) سورۃ بقرہ ۲۳۱/۲ آل عمران ۱۰۳/۳ سورۃ مائدہ ۷۵/۵

(۲) سورۃ پولس ۵۸/۱۰

(۳) سورۃ نحل ۱۱۳/۱۶

اس تقریر سے مطلق کا ہر فرد جائز رہا اگر کوئی ”اللہ کی نعمت“ کا یہ ذکر بلا قید کرے وہ بھی جائز ہے اور جو آداب و مستحبات کی قید کے ساتھ کرے (جن کا ذکر لمحہ رابعہ میں گزر چکا) وہ بھی جائز ہے۔

یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ محفل میں مستحبات و مستحبات شریعہ جتنے زیادہ ہوں گے خیر و برکت اتنی زیادہ ہوگی اسی وجہ سے اکثر آدمی اس ذکر اقدس کو مقدور بھر تعظیم و احترام اور زیب و اقدشام کے ساتھ کرتے ہیں تاکہ افراد مستحبات کے اجتماع سے حسن معنوی و آئینہ ہو جائے اور ظاہری زیب و زینت سے شان اسلام کا مجمل ظاہر ہو۔ ایسا نہیں جو مانعین سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کے نزدیک امور مرصوبہ کے بغیر محفل ذکر اقدس منع ہے (حاشیاً وکلا) جب جی چاہے قیود سے خالی بھی مدح و قصاید میلاد وغیرہ پڑھتے ہیں لہذا ان پر کوئی غبار نہیں۔ ہاں مانعین ایک عظیم اندیشہ میں ہیں کہ زیب و مجمل تقسیم شیرینی اور مومنین کے اجتماع کو منع کرتے ہیں گویا انھوں نے مطلق کو مقید کر دیا ہے کہ اس ہیئت مجمل کے ساتھ نہ ہو اس کا نام شرع میں نسخ ہے معاذ اللہ۔

اعتراض: یہ اعتراض کہ صحابہ نے اس مجمل کے ساتھ کیوں نہ کیا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے وقتوں میں چند ایسے مصارف پیش تھے کہ روپیہ کا ان میں صرف ہونا قرین مصلحت تھا وہ اپنی زینت اور طعام و لباس کے تکلف میں بھی نہ لگاتے تھے جو کچھ پاتے انھیں مواقع میں اٹھاتے لیکن پھر بھی اصل فرحت و سرور ذکر نبی میں ہمارے شریک تھے۔ مجمل سے گوجلسہ نہ کیا لیکن اصل عمل فرحت و سرور اور شکر یہ مفروضہ تو ان میں پایا گیا ایک فرد بھی ادا ہو سکتا ہے جیسا افراد کثیرہ میں ادا ہوتا ہے۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صحیح طور پر ہم تک پہنچ چکا ہے کہ اپنی امت کو ارشاد فرمایا قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میرے صحابہ کی وہ شان ہے کہ اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں لٹا دو گے تب بھی ان کے تین پاؤں جو کے ثواب نہ ملے گا۔

اور ڈیڑھ پاؤں<sup>(۱)</sup> کے برابر۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔

(۱) جو کلفاً قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس حدیث میں لکھا ہے۔ ۱۲۷

متن حدیث یوں ہے

فوالذي نفسي بيده لو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً ما أدرك مئذ أحدهم ولا نصيفه . (صحیح مسلم ۳۶۹/۱۲ حدیث: ۳۶۱۰ سنن ابوداؤد: ۲۲۶/۱۲ حدیث: ۲۰۳۹ سنن ترمذی: ۳۶۱/۱۲ حدیث: ۳۷۹۶ سنن ابن ماجہ: ۱۸۹/۱ حدیث: ۱۵۷۷ مسند احمد: ۱۳۷/۲۳ حدیث: ۱۱۰۹۲ سنن کبریٰ بیہقی: ۲۰۹/۱۰ مجمل کبیر طبرانی: ۱۳۰/۱۹ حدیث: ۳۰۳ مجمل اوسط طبرانی: ۱۹۷/۲۰ حدیث: ۶۹۸ صحیح ابن حبان: ۳۷۷/۳۰ حدیث: ۷۲۷۶ حدیث: ۱۰۰۲۱ السنن لابن ابی عاصم: ۸۳/۳ حدیث: ۸۲۳ الشریعہ آجری: ۱۲۶/۳۲ حدیث: ۱۳۳۲ الکفایۃ فی علم الروایۃ خطیب بغدادی: ۱۱۵/۱ حدیث: ۱۰۰ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ الکافی: ۳۳۰/۵ حدیث: ۱۹۰۵ فضائل الصحابہ احمد بن حنبل: ۵/۱ حدیث: ۳۳۸/۱ نوادر: ۲۳۸/۱ حدیث: ۲۳۷ مسند ابن جعد: ۲۱۷/۲ حدیث: ۶۱۹ من حدیث خثیمہ بن سلیمان: ۱۹۳/۱ حدیث: ۱۸۳ نسخہ کوچ بن عیش: ۲۳/۱ نظم المتناثر: ۱۹۹/۱ حدیث: ۲۳۹ کنز العمال: ۵۲۸/۱۱ حدیث: ۳۲۲۶۲ مسند جامع: ۲۶/۳۵ حدیث: ۱۳۷۹۵ تحفۃ الإشراف: ۲۷/۵ حدیث: ۳۰۰۱۔)

یوں بھی آیا ہے: لا تسبوا أصحابي لو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً ما بلغ مئذ أحدهم ولا نصيفه . (صحیح بخاری: ۵۱۲/۱۲ حدیث: ۳۳۹۷ صحیح مسلم: ۳۷۷/۱۲ حدیث: ۳۶۱۱ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۰۷/۳ حدیث: ۵۹۹۸ مسند احمد: ۲۰۲/۲۲ حدیث: ۱۰۶۷۷ سنن کبریٰ نسائی: ۵/۸۳ حدیث: ۸۳۰۸ شعب الایمان بیہقی: ۳۸/۳ حدیث: ۱۳۸۰ مسند ابویعلیٰ موصلی: ۹۳/۳ حدیث: ۱۰۳۹ صحیح ابن حبان: ۲۹/۲۹ حدیث: ۷۱۲۰ مسند

ابن راہویہ: ۲۶/۱ ابوالی ابن بشران: ۱۱۳/۲ حدیث: ۵۷۹ مشیخہ ابن طہمان: ۱۳۳/۱ حدیث: ۱۳۳)



اس صورت میں اہل اسلام بنظر تحقیق دیکھیں کہ حضرت عباس کا حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ذکر میلاد کے سلسلہ میں وہ قصیدہ خوشی خوشی پڑھ دینا اور حضرت حسان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ میں اکثر فخریہ اشعار پڑھنا اس تمام ہیئت مجموعی کے افراد کثیرہ کی خیر و برکت سے کہیں زیادہ ہوگا جب ان کا ڈیڑھ پاؤ خرچ کیا ہوا جو ہمارے پہاڑ کے برابر سونے سے زیادہ نہ ہوا تو یہ اعتراض لغو ہو گیا جو کہتے ہیں کہ تم صحابہ سے بھی بڑھ گئے کہ انھوں نے تو یہ تحمل نہ کیا تم کیوں کرتے ہو؟

لغو ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا فرحت اور سرور قلبی سے ایک ذکر کرنا از روئے حدیث ہمارے بہت سے سامان فرحت و سرور سے افضل ہے پھر ہم ان سے کہاں بڑھ گئے۔ ہاں صحابہ اصل اس تذکرہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی فرحت و سرور میں ہمارے شریک ہیں لہذا ہمارا سلسلہ ان سے ملا ہوا ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ”انتباہ“ کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔

باید دانست کہ یکے از نعم خدا تعالیٰ بر امت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات آنست کہ تا امروز سلسلہ ہائے پر ایک انعام یہ ہے کہ ان کے یہ سلسلے حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک صحیح اور ثابت ہیں گرچہ امت کے ایثاں تا حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و ثابت است و اگرچہ اوائل امت را با و خراست در بعض امور اختلاف بودہ پچھلوں کا پہلوں سے بعض امور کی بابت کچھ اختلاف واقع است پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایثاں در زمن اول بصحبت و تعلیم ہوا ہے۔ در اصل صوفیہ صافیہ کا اول زمانے میں ربط و تعلق صحبت و تادب با د ب و تہذیب نفس بودہ است نہ خرقہ و بیعت و در زمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و بعد ازاں رسم بیعت پیدا گشت و ارتباط سلسلہ بہمہ ایں متحقق است و اختلاف صور ارتباط ضرر نمی کند (الی ان قال) و علمائے کرام ارتباط ایثاں و زمن اول باستماع احادیث و حفظ آں در وعائے قلب بود و بعد ازاں تصنیف کتب و قراءت و مناوہ و اجازت آں پیدا شد و ارتباط سلسلہ بہمہ نوع ایں امور صحیح است و اختلاف صور را اثرے نیست۔

سلسلہ شروع ہوا۔ اور ان امور کے ساتھ اس سلسلہ کا ارتباط و تعلق درست ہے اور صوری اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا۔

لہذا اگر فرحت و سرور اور مدح خوانی میں ہمارے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے مابین ہیئت کا کچھ اختلاف ہو تو یہ ہرگز مضرت نہیں کیونکہ اصل امر ہم میں اور ان میں مشترک ہے۔

باقی رہی تعیین تاریخ کی تحقیق تو ان لوگوں کی مراد یہ نہیں کہ بارہویں ربیع الاول کے علاوہ اور دنوں میں جائز نہیں بلکہ اس میں ایک قسم کی مناسبت سمجھ کر زیادہ تر یہ محفل پاک اس میں کرتے ہیں اور اس پر بھی دلیل شرعی موجود ہے۔

شرع شریف میں یہ مضمون پایا گیا ہے کہ جس روز کسی نعمت عظمیٰ کا ظہور ہو ہر سال اسی روز خوشی کیا کریں۔ قرآن شریف کے

اندر اس تعیین یوم کی مثال یہ ہے کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لیے آسمان سے کھانے کا (کوئی) خوان اترے تب عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے یہ فرمایا

اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَ آخِرِنَا . (۱)

امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا

اس کے معنی یہ ہیں کہ یا اللہ آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے یعنی جس دن وہ مائدہ اترے اس کو ہم عید بنالیں اور ہمارے بعد جو پیدا ہوں وہ بھی اس کو عید بنائیں اور اس دن کی تعظیم جاری رہے تو وہ مائدہ اتوار یعنی یک شنبہ کو اترے اور نصاریٰ نے اس کو خوشی کا دن بنالیا کہ اس میں خوشی کرتے ہیں۔ انتہی۔ (۲)

وہ لوگ اپنی عبادت گاہ میں یک شنبہ کو جمع ہوتے ہیں جیسے اہل اسلام (روز جمعہ و عیدین) جمع ہوتے ہیں۔ اس روز اپنے محکموں میں تعطیل کرتے ہیں اور راحت پاتے ہیں۔

دیکھیے کہ قرآن کریم سے اصل ثابت ہوئی کہ نعمت حاصل ہونے والے دن کو ہمیشہ کے لیے عید بنا لیا جائے۔

حدیث سے اس کی سند یہ ہے جسے محدث ابن حجر نے مسلم اور بخاری کی حدیث سے نکالی ہے یعنی جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ وہ عاشوراء کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ وہ بولے کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ڈبایا اور موسیٰ علیہ السلام کو بچالیا۔ شکرانے میں موسیٰ نے روزہ رکھا فنحن نصومہ شکراً للہ تعالیٰ یعنی تو ہم بھی شکر الہی ادا کرنے کے لیے اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا تمہاری بہ نسبت موسیٰ سے ہم کو زیادہ مناسبت ہے تب آپ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی حکم دیا۔ یہ حدیث صحیح ہے بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ (۳)

اب دیکھیے کہ کب فرعون ڈوبا کب موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی اور جب سے اب تک اس نعمت کا شکریہ جاری ہے کہ جب وہ عاشوراء کو روزہ آتا ہے ہر سال اہل اسلام اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا تو ایسی بڑی نعمت ہے کہ حضرت عیسیٰ کے خوان اترنے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نجات پانے سے کہیں زیادہ افضل و اکمل ہے تو جب یہ دن ہر سال آئے تو اس میں فرحت و سرور ظاہر کیوں نہ کیا جائے اور شکر الہی کیوں نہ ادا کیا جائے۔ جب ایک معین دن کا ہر سال اعادہ شکر و سرور کا باعث ہوتا قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا تو یوم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے کہیں درجہ اس قابل ہے کہ اس کو یوم سرور کیا جائے۔

(۲) تفسیر رازی: ۱۹۸/۶

(۱) سورہ مائدہ: ۱۱۳/۵

(۳) متن حدیث یوں ہے

لما قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة وجد اليهود يصومون عاشوراء فسئلوا عن ذلك فقالوا هذا اليوم الذي أظفر الله فيه موسى و بني إسرائيل على فرعون و نحن نصومه تعظيماً له فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم نحن أولى بموسى منكم ثم أمر بصومه . (صحیح بخاری ۳۳۳/۱۴ حدیث ۳۶۳۹ صحیح مسلم ۴۷۲/۵ حدیث ۱۹۱۰ سنن ابوداؤد: ۲۳۸/۶ حدیث ۲۰۸۸ مسند ابویعلیٰ صلی: ۱۲۲/۶ حدیث: ۲۵۱۳ صحیح ابن خزیمہ: ۲۳۳/۷ حدیث ۳۰۳۱ تحفۃ الاشراف: ۲۱۵/۶ حدیث ۵۳۵۰)



ان دلائل کے علاوہ علمائے محققین مثلاً مفتی سعد اللہ صاحب وغیرہ نے ظہور نعت کے باعث یوم سرور کے تعین و قرار کے سلسلہ میں اور بھی حدیث صحیح بیان فرمائی ہے۔ اور یہ بات تو اس قسم کی ہے کہ ابو عبد اللہ بن الحجاج (جن کو یہ صاحب اپنا طرف دار شمار کرتے ہیں یعنی ان کو میلاد النبی کے عمل کو منع کرنے والا جانتے ہیں) انھوں نے ماہ ربیع الاول کی افضلیت کی اس تخصیص کو مسلم رکھا ہے۔ ”مدخل“ میں ان کی عبارت یوں ہے

هذا الشهر الكريم الذي من الله تعالى علينا فيه بسيد الأولين والآخرين فكان يجب أن يزداد فيه من العبادات والخير شكرا للمولى سبحانه وتعالى على ما أولانا من هذه النعم العظيمة وقد أشار عليه الصلوة والسلام إلى فضيلة هذا الشهر العظيم بقوله عليه الصلوة والسلام. للسائل الذي سأله عن صوم يوم الإثنين فقال له عليه الصلوة والسلام ذلك يوم ولد في فتشريف هذا اليوم متضمن لتشريف هذا الشهر الذي ولد فيه. (۱)

بزم دنیا میں تشریف لائے۔

ایک دوسرا اعتراض جو وارد ہوتا تھا کہ یہ مہینہ اگر افضل تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اظہار شکر یہ وغیرہ بذات خود کیوں نہ کیا۔ تو اس کا جواب بھی حضرت ابن حجاج نے ”مدخل“ میں دے دیا ہے

وإن كان النبي صلى الله عليه وسلم لم يزد فيه على غيره من الشهور شيئا من العبادات وما ذاك إلا لرحمته صلى الله عليه وسلم بأتمته ورفقه بهم، لأنه عليه الصلوة والسلام كان يترك العمل خشية أن يفرض على أمته. (۲)

یہ عبارت پہلی عبارت سے ملی ہوئی ہے یعنی ہم پر ربیع الاول میں نیکیوں کی کثرت واجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی بات اس مہینہ میں زیادہ نہیں فرمائی اور ایسا اس لیے تھا کہ آپ بعض کام چھوڑ دیا کرتے تھے کہ میری سبب سے کہیں یہ کام امت پر فرض نہ ہو جائے۔

تو تخصیص ربیع الاول کے اعتراض کو دفع کرنے کے لیے ان کے محقق و مسلم الثبوت کا یہ کلام کافی و دوانی ہے واللہ اعلم بالذکر۔

**دوسری دلیل:** اس عمل کی علی الدوام یعنی ہر سال کرنے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے

(۱) مدخل: ۲۸۱/۱۔ فصل فی مولد النبی والبدع

(۲) مدخل: ۲۸۰/۱۔ فصل فی مولد النبی والبدع

أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قُلْ. (۱)

اللہ کے نزدیک سب سے پیارا عمل وہ ہوتا ہے جو برابر ہوتا رہے اگرچہ تھوڑا ہو۔

تو جو شخص سال بھر میں ایک دو مرتبہ محفل کرے گا تو ظاہر ہے کہ تین سو ساٹھ دن میں ایک دن یا دو دن اس عمل پاک کے حصہ میں آئے تو یہ قلیل ہے جب قلیل ہوا تو اب اس کو دائمی بھی نہ کریں تو کیا اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوگا۔ لہذا طالب حسنات کو لازم ہوا کہ یہ عمل ہر سال کیا کرے۔

**تیسری دلیل:** اس کے دوام کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ حدید میں ارشاد فرمایا ہے

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا. (۲)

اور راہب بننا، تو یہ بات انھوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انھوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نبھایا جیسا کہ اسے نباہنے کا حق تھا۔

یہ آیت جس طرح بدعت حسنة کے جواز کی دلیل ہے اسی طرح اس پر بھی دلیل ہے کہ اگر کوئی نیک کام اپنی طرف سے ایجاد کرے تو اس کا نباہ اور حق ادا کرنا بھی مناسب ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اپنی نفس کشی کے واسطے اپنی طرف سے یہ ایجاد کیا کہ پہاڑوں اور جنگلوں میں اکیلے جا بیٹھتے، موٹے کپڑے پہنتے، نکاح نہ کرتے لیکن انجام کار پوری حق گزاری ادا نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ انھوں نے بدعتیں تو ہماری رضامندی کے لیے ایجاد کیں اور ہم نے ان کا حکم نہیں دیا تھا پھر ان کو نہ نباہا جس طرح نباہنا چاہیے تھا۔

(۱) صحیح بخاری: ۱۰۰۲۰/۱ حدیث: ۵۹۸۳ صحیح مسلم: ۱۸۸/۳۰ حدیث: ۱۳۰۵ مسند احمد: ۳۱۰/۵۱ حدیث: ۲۳۱۵۳ سنن کبریٰ بیہقی: ۲۸۵/۲ مسند عبد بن حمید: ۱۴۲/۳ حدیث: ۱۵۲۰ معارف السنن والآثار: ۱۵۰/۳۰ حدیث: ۱۳۹۷ مسند شہاب قضاوی: ۷۸/۷۸ حدیث: ۲۳۲/۳ حدیث: ۱۰۵۳ مسند ابن راہویہ: ۱۴۰/۲ اخبار اصحابان: ۲۴۷/۲ حدیث: ۵۲۲ آداب الصحبة ابو عبد الرحمن سلمی: ۵۳/۱ حدیث: ۳۶ الزہد والرقائق: ۳۵۹/۳ حدیث: ۱۳۱۱ الفوائد الثمیر بالعلیانیات ابو بکر شافعی: ۲۵/۳ حدیث: ۹۶۶ مسند اسحاق بن راہویہ: ۶۷/۲ حدیث: ۵۴۶ کنز العمال: ۴۲۳/۳ حدیث: ۵۴۰ مسند الجالیع: ۳۶۸/۵۱ حدیث: ۱۷۳۱۲ تحفۃ الاشراف: ۱۷۱/۱۳ حدیث: ۷۷۱۸ تحفۃ جرح احادیث الاحیاء: ۱۳۸/۲ حدیث: ۶۳۸ یوں بھی آیا ہے

أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قُلْ. (مسند احمد: ۳۱۰/۵۱ حدیث: ۲۳۱۵۳ صحیح ابن حبان: ۱۵۷/۷۷ حدیث: ۶۶۰۳ حدیث: اسماعیل بن جعفر: ۱۹۹/۱ حدیث: ۱۹۵)

صحیح ابن خزیمہ میں یوں ہے

إن أفضل الأعمال أدومها. (۵۱/۵ حدیث: ۱۲۱۳)

اور مسند عبد اللہ بن مبارک میں یوں ہے

إن أحب الأعمال عند الله أدومها وإن قل. (۸۰/۱ حدیث: ۷۹)

(۲) سورہ حدید: ۲۷/۵۷



دیکھیے اس میں ایک دلیل تو یہ پیدا ہوئی کہ بعض بدعتیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے بھی ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر ایسی بدعت نکالی تو اس کا پوری طرح نباہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس بات پر ملامت نہ فرمائی کہ انھوں نے یہ بدعتیں کیوں ایجاد کیں بلکہ ملامت اس بات پر فرمائی کہ انھوں نے اس کو نبانے کی طرح نبانا نہیں۔

جب یہ مضمون قرآن سے ثابت ہو گیا تو معلوم کرنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح تین رات پڑھ کر چھوڑ دی تھی نہ اس میں یہ بیان ہوا تھا کہ اول شب میں ان کو پڑھنا چاہیے یا آخر شب میں۔ اور رمضان کی تمام راتوں میں پڑھنا چاہیے یا کسی رات میں پڑھ لینا کافی ہے اور نہ قراءت کی مقدار ہی بیان ہوئی تھی کہ ختم قرآن ہو یا نہ ہو اور نہ ہی یہ بیان ہوا تھا کہ اپنے گھر میں پڑھیں یا مسجد میں۔ اور نہ اس کے لیے جماعت ہی کا کچھ اہتمام و انتظام ارشاد ہوا تھا۔ اور اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی رہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں زیادہ اہتمام کیا، تمیم داری کو حکم دیا کہ عورتوں کو تراویح پڑھائیں اور ابی بن کعب کو حکم دیا کہ مردوں کو نماز تراویح پڑھائیں۔ مردوں کو مسجد میں تراویح کا حکم دیا جبکہ پہلے صحابہ اپنے اپنے گھروں میں بلا جماعت پڑھتے تھے۔ اور حضرت عمر نے مسجد میں قندیل روشن کیے۔ ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں ہے کہ یہ بھی حکم دیا کہ عشا کے بعد شروع رات میں پڑھا کر، یعنی بطور تہجد پچھلی رات کو مت پڑھو۔ غرض کہ جب حضرت عمر نے اس نماز کو جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پڑھ کر چھوڑ دی تھی جاری فرمائی اور بعض خصوصیات و تعینات اس میں زیادہ فرمائیں تو اب اس میں ہیئت کذائی جدید عارض ہو جانے کی وجہ سے آپ نے بزبان خود اس کو بدعت فرمایا لیکن تعریف کے ساتھ فرمایا

نِعْمَتِ الْبِدْعَةِ هَذِهِ (۱)

اس وقت صحابہ میں ٹھہرا کہ دیکھو اس نماز کو تم نے اہتمام جماعت اور قیود کے ساتھ خود کیا ہے لہذا اب اس کو ترک نہ کرنا چاہیے اور خوب مداومت کے ساتھ پڑھنا چاہیے ایسا نہ ہو جیسا بنی اسرائیل کچھ باتیں ایجاد کر کے پھر اس پر پورے عامل نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عتاب کیا: مَارِعَوْهَا حَقَّ رِعَائِهَا کہ انھوں نے اس کو ویسا نہ نبایا جیسا کہ نبانے کا حق تھا۔ یہ قصہ ”کشف الغمہ“ اور تفسیر روح البیان کی سورۃ حدید میں مذکور ہے

وَ كَانَ أَبُو أَمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ أَحَدُ ثَمَمٍ قِيَامَ رَمَضَانَ وَلَمْ يَكْتُبْ عَلَيْكُمْ

فَدُومُوا عَلَيَّ مَا فَعَلْتُمْ وَ لَا تَتْرَكُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ عَاتَبَ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي قَوْلِهِ: وَ رَهْبَانِيَّةً

نَابِتَدْعُوها مَا كَتَبْنَاها عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْها حَقَّ رِعَائِهَا. انتھی (۲)

(۱) موطا امام مالک: ۳۳۰/۱ حدیث: ۲۳۱ صحیح بخاری: ۱۳۵/۷ حدیث: ۱۸۷۱ معجم طبرانی: ۵۳۱/۱۱ حدیث: ۱۳۳۸ شعب الایمان: ۷/۲۷۱ حدیث: ۳۲۲ الصیام فریابی: ۱۵۷/۱ حدیث: ۱۳۸ المدخل: ۱۹۱/۱ حدیث: ۱۹۰ فضائل الاوقات بیہقی: ۲۷۱/۲۷۱ حدیث: ۲۲۳ نوادر محمد بن خالد: ۶۱/۱ حدیث: ۵ قیام رمضان مروزی: ۲۰/۱ حدیث: ۱۶ نصب الراية: ۲۲۸/۳ تلخیص حیر: ۱۲۲/۲ حدیث: ۵۵۱ تحفۃ الاشراف: ۳۵۲/۹ حدیث: ۱۰۵۹۳ روضۃ المحدثین: ۱/۵۰۰ حدیث: ۵۰۰

نعم البدعة هذه کے الفاظ بھی درج ذیل کتابوں میں ملتے ہیں۔ (سنن بیہقی: ۳۹۳/۲ مصنف عبدالرزاق: ۲۵۹/۳ حدیث: ۷۷۲ صحیح ابن خزیمہ:

۳۳۷/۳ حدیث: ۱۰۳۶ معرفۃ السنن والآثار: ۲۰۶/۳ حدیث: ۱۴۳۲ کنز العمال: ۴۰۸/۸ حدیث: ۲۳۳۶۶)

(۲) تفسیر قرطبی: ۲۶۳/۱۷

جب آیت کریمہ کے معنی اور اس سے احداث بدعت حسنہ کے جائز ہونے کے سلسلہ میں صحابہ کا استدلال اور اس کی تاکید و اومت سن چکے تو اب مسئلہ میلاد شریف کا حال سنو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ ربیع الاول میں کوئی عمل مقرر نہیں فرمایا تھا۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا عذر بیان کر دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ کہیں میرے کرنے سے امت پر فرض نہ ہو جائے، لیکن اس کی فضیلت کا اشارہ دے دیا کہ میں پیر کے دن اس لیے روزہ رکھتا ہوں کہ اس میں پیدا ہوا ہوں یعنی اس سے امت کو اشارہ مل گیا کہ جب ہفتہ کے سات دنوں میں یہ ایک دن ولادت مبارکہ ہونے کے باعث محل عبادت شکر یہ ہو گیا تو برس کے بارہ مہینوں میں ایک دو مہینہ بھی بلاشبہ محل عبادت شکر یہ ہو گا جس میں میلاد شریف ہوا۔

اس اصل و بنیاد پر اہل اسلام نے اس مہینہ میں مجلس شکر یہ (جو چند عبادات بدنہ و مالیہ پر مشتمل ہوتی ہے) ایجاد کی اور اکابر علماء محدثین اور فقہاء (جن کا نام ہم خاتمہ میں شمار کریں گے) اس کے بانی جائز کرنے والے اور ثناء خواں ہوئے۔ اور اہل کشف اولیاء اللہ نے مکاشفات (۱) و منامات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے راضی پایا۔ غرض کہ علمائے طریقت و شریعت کے اتفاق سے یہ عمل مستحسن ٹھہرا لہذا اس پر بھی آیت کریمہ والا وہی مضمون صادق آیا، ابْتَدِعُوها مَا كَتَبْنَاها عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ اور تراویح کے سلسلے والا قصہ صحابہ اس کے مطابق ہوا۔ تو اگر ہم اس عمل پاک پر مداومت نہ کریں اور ہر سال بطور اراد معینہ ادا نہ کریں تو ہم کو بھی وہی اندیشہ ہو گا جو ابوامامہ باہلی کو ہوا جس کے سبب انھوں نے فرمایا

ذُومُوا عَلَيَّ مَا فَعَلْتُمْ وَ لَا تَتْرَكُوهُ۔

اب اسے برابر کرتے رہو کبھی چھوڑنا نہیں۔

راہ طیبی کا یہ قول

من أصر على مندوب و جعل عرفا و لم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان (۲)

جو آدمی کسی امر مستحب کو واجب جان کر کرتا رہے کبھی ترک نہ کرے تو یقیناً اس میں شیطان کا دخل ہے۔

تو علامہ طیبی نے یہ بات عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیدا کی ہے کہ انھوں نے فرمایا

تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ کرے یعنی یہ عقیدہ جمالے کہ سلام پھیرنے کے بعد وہی طرف پھرنا واجب ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دفعہ سلام پھیر کر بائیں طرف مڑتے بھی

دیکھا ہے۔ اتھلی۔ (۳)

(۱) حاشیہ: اس عاجز نے کچھ اولیاء کے قصے اس قسم کے دیکھے ہیں کہ ان واقعات و منامات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمل مولد شریف سے خوش پایا ہے۔ یہ کتابوں میں دیکھے ہیں اور اس وقت بھی چند صلحائے وقت کو اس محفل شریف کی بشارت ہوئی ہے۔ ۱۲ امنہ

(۲) فیض القدیر: ۳۷۲/۳ مگر اس میں وجعل عرفا کا لفظ نہیں آیا۔

(۳) کنز العمال: ۲۶۸/۸ حدیث: ۲۲۸۵۹ صحیح مسلم: ۱۶۲/۳ حدیث: ۱۱۵۶ سنن ابوداؤد: ۲۳۰/۳ حدیث: ۸۷۸ مصنف عبدالرزاق: ۲۳۰/۲ حدیث: ۳۴۰۸ صحیح ابن خزیمہ: ۳۰۵/۶ حدیث: ۱۶۲۰

حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں

لا يجعلن أحدکم للشیطان من نفسه جزء لا یری إلا أن علیہ حقا أن ینصرف عن یمینہ فقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم أكثر ما ینصرف عن شمالہ۔



اب ہم سے اس کی تحقیق سنو۔ نماز کے بعد دینی طرف پھر جانے سے جو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا تو اس میں دو باتیں خلاف شرع تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ دینی طرف سے پھرنا سنت ہے، پھر اگر کوئی اس کو واجب اعتقاد کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ حکم شرع کو بدل دے گا۔

یہ دیکھو تمہارے مسلم الثبوت عالم مولوی قطب الدین خان صاحب اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں

سنت میں واجب ہونے کا اعتقاد نہ کرے۔ انتہی۔ (۱)

دوسرے یہ کہ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے بہت دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف سے پھرتے دیکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف سے پھر جانا بھی سنت ہے حالانکہ جو شخص وہ دینی طرف سے پھر جانا واجب اعتقاد کرے گا اس کے نزدیک بائیں طرف سے پھرنا قانون شرع کے مطابق مکروہ تحریمی ٹھہرے گا کیونکہ واجب کا عہد ترک مکروہ تحریمی ہوتا ہے تو اس کے اعتقاد کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل یعنی بائیں طرف سے پھرنا جو کہ سنت تھا وہ مکروہ تحریمی ٹھہرنا تھا ان دونوں قباحتوں کی وجہ سے صحابی موصوف نے منع فرمایا کہ تم ایسے اعتقاد کر کے شیطان کا حصہ یعنی گمراہی اپنے دین میں پیدا نہ کرو۔ اس حدیث کے موافق طبیب نے فرمایا

من أصر على مندوب، إلى آخره.

تو جو معنی اثر صحابی کے ہیں کہ سنت کو واجب اعتقاد نہ کرے وہی معنی کلام طبیب کے بھی ہوئے۔

اور اگر کوئی شخص مستحب کو مستحب جان کر مداومت کرے تو کلام طبیب سے اس کی برائی ثابت نہیں ہوتی۔ اور ہو بھی کیسے جب خود حدیث شریف میں عمل کا دوام محبوب ثابت ہو چکا ہے۔

مولوی قطب الدین خان صاحب اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں

اس حدیث کے سبب اہل تصوف ترک اوراد کو ایسا ہی برا جانتے ہیں جیسے ترک فرائض کو۔ انتہی۔ (۲)

ہم کہتے ہیں تو اسی طرح اہل مولد بھی میلاد کے وظیفہ معمولہ کو ترک کرنا اچھا نہیں جانتے۔

براہین قاطعہ گنگوہی کے اعتراضات مع جوابات

۱۔ یکشنبہ کا عید ہونا نیز صوم عاشورا بحکم الہی تھا۔

جواب: اگر بحکم الہی نہ ہوتا تو ہم اس پر قیاس بھی نہ کرتے، اور جب وہ بحکم الہی ہوا تو یہ استنباط بالکل صحیح ہو گیا کہ حصول نعمت کا شکریہ اور دائمی طور پر ہر سال خوشی منانا بحکم الہی ہے، لہذا ان افراد سابقہ کو نظیر قرار دے کر وہی حکم نعمت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں بھی جاری کیا۔

۲۔ یکشنبہ کا عید ہونا منسوخ ہو چکا اور شریعت عیسائی علیہ السلام منسوخ ہو چکی۔

جواب: اس میں کچھ حرج نہیں۔ اگر ان کے لیے ماندہ نازل ہونے والا دن عید ٹھہرا تو ہمارے لیے جس رات کو مادہ وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شکم جناب آمنہ میں نزول فرما ہوا اس کی صبح یعنی جمعہ کا دن عید ٹھہرایا گیا۔ اور صحیح تریہ ہے کہ حضرت آمنہ کے

(۱) مظاہر حق حصہ اول ۳۶۹ باب الدعائی التہنید، مطبع آسی لکھنؤ (۲) مظاہر حق حصہ اول ۱۴۷ باب القصص فی العمل، مطبع آسی لکھنؤ

مصدق رحم میں درہ محمدیہ کا استقرار شب جمعہ ہوا تھا جیسا کہ مدارج النبوة میں ہے۔ اس سے قطع نظر اگر پہلی باتیں نسخ ہو گئیں تو جملہ ملتوں کا ہر حکم تو نسخ نہیں ہو جاتا۔ ہم کہتے ہیں کہ نعمت ملنے کے دن کا شکریہ ادا ہونا کبھی نسخ نہیں ہوا، اور یہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے کہ آپ نے نجات موسیٰ کے شکرانے میں روزہ عاشورا رکھا۔

۳۔ یہود نے حضرت سے کہا تھا: نحن نصومه فقط اب اس پر شکراً للہ تعالیٰ مولف انوار ساطعہ نے افتراء علی الحدیث کیا ہے۔ براہین قاطعہ صفحہ ۱۹۴۔

جواب: یہود کا نحن نصومه شکراً للہ تعالیٰ کہنا خود ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ پھر ان سے جلال الدین سیوطی طاب اللہ ثراہ نے ”حسن المقصد“ میں نقل کیا ہے، نیز علی قاری نور اللہ مرقدہ نے ”مورد الروی“ میں بھی نقل کیا ہے۔ ذرا کتابوں پر نظر بھی چاہیے یونہی زبان اٹھا کر مفتری کہہ دینا اچھا نہیں، قیامت کو ہر لفظ کا محاسبہ ہوگا۔ (۱)

واضح ہو کہ لفظ شکراً للہ کی جگہ تعظیماً کا لفظ بھی روایت میں آیا ہے۔ نحن نصومه تعظیماً لہ کی عبارت بخاری و مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت غوث الثقلین نے ”غنیۃ“ میں اور ابواللیث سمرقندی نے ”تنبیہ الغافلین“ میں روایت کی ہے۔ اور شکراً للہ کی طرح یہ روایت بھی وہی معنی دیتی ہے۔ (۲)

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم عاشورا، شکر اور سرور انہیں رکھا اور أحق بموسیٰ منکم کے معنی یہ ہیں: اتباعاً لا سروراً و شکراً۔ صفحہ ۱۶۵۔

جواب: آپ انکار فرماتے ہیں اور مذہب خفی کے ایک بڑے امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ”شرح معانی الآثار“ مطبوعہ مصطفائی کے صفحہ ۳۳۷ پر ہمارے معنی کی تصریح فرماتے ہیں

ففي هذا الحديث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم إنما صامه شكراً لله عز وجل

في إظهار موسى على فرعون. (۳)

(۱) علاوہ ازیں شکر اللہ کی تفصیل ذیل کی کتابوں میں بھی موجود ہے

صحیح بخاری: ۱۹۵/۱۱: حدیث: ۳۱۳۵، مسند احمد: ۴۰۲/۱۷: حدیث: ۸۳۶۰، سنن کبریٰ نسائی: ۱۵۷۲/۲: حدیث: ۲۸۳۵، تہذیب الآثار طبری: ۹۵/۲: حدیث: ۱۰۶۳، صحیح ابن حبان: ۲۳۹/۱۵: حدیث: ۳۶۹۵، کنز العمال: ۵۷۶/۸: حدیث: ۲۲۲۵۶، مجمع الزوائد: ۱۸۳/۳: مسند الجامع: ۴۰۰/۳۱: حدیث: ۱۳۳۹۵، شرح ابن حجر: ۲۸۴/۶: حدیث: ۱۸۶۵، شرح ابن بطلال: ۳/۷: فیض القدير: ۲۵/۳: شرح معانی الآثار: ۲۷۳/۳: باب صوم یوم عاشورا۔ تفسیر بنوی: ۲۷۳/۳: تفسیر آلوسی: ۳۳۱/۶: تفسیر البحر المحیط: ۳۳۵/۵: نظم الدرر البقاع: ۲۶۴/۳: تفسیر نسفی: ۳۸۸/۱: تفسیر نيسابوری: ۲۱۹/۱: تفسیر کشاف: ۲۸۱/۲: تفسیر ابوالسعود: ۳۶۴/۳: تفسیر و منشور: ۲۵۸/۱۰: تفسیر خازن: ۱۸۱/۱: تفسیر اضواء البیان: ۹۰/۹: تفسیر مقاتل: ۲۸۳/۲: تفسیر الاقلم زیدی: ۲۳۱/۱: تفسیر ہیمان الراوا باضی: ۳۰۵/۱: تفسیر معالم التنزیل: ۱۷۹/۳: الانصاف فیما قبل فی المولد من الغلو والاوجاف: ۵۶/۱: اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة اصحاب الجحیم: ۳۶۱/۱: حواشی الشروانی: ۲۲۳/۷: تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج: ۳۷۷/۳: قصص الانبیاء: ۱۱۳/۱: سبل الہدی والرشاد: ۳۶۶/۱: زاد المعاد: ۶۳۲/۲: ثقات ابن حبان: ۱۴۵/۱: البدایہ والنہایہ: ۱۳۲/۱: نہایہ الارباب فی فنون الادب: ۲۷/۱

(۲) صحیح بخاری: ۳۳۳/۱۴: حدیث: ۳۶۹۹، صحیح مسلم: ۴۷۲/۵: حدیث: ۱۹۱۰، سنن ابوداؤد: ۴۲۸/۶: حدیث: ۲۰۸۸، سنن کبریٰ نسائی: ۱۵۶/۲: حدیث: ۲۸۳۳، صحیح ابن خزیمہ: ۳۳۳/۷: حدیث: ۳۰۳۱

(۳) شرح معانی الآثار: ۲۷۳/۳: باب صوم یوم عاشورا



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرعون پر حضرت موسیٰ کو غلبہ عطا کیے جانے کی خوشی میں بطور شکر الہی روزہ رکھا تھا۔  
پھر اکیس سطر کے بعد لکھا

وقد أخبر ابن عباس في حديثه بالعلة التي من أجلها كانت اليهود تصومه إنها على الشكر منهم لله تعالى في إظهاره موسى على فرعون و أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أيضا صامه كذلك و الصوم للشكر اختيار لا فرض (۱)

حضرت ابن عباس نے اپنی حدیث میں اس سبب کو بھی بیان فرمادیا جس کی وجہ سے یہود روزہ رکھا کرتے تھے کہ وہ دراصل شکرانے کا روزہ تھا جو اللہ نے فرعون پر موسیٰ کو غلبہ بخشا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یوں ہی شکر یہ کے طور پر روزہ رکھا۔ اور شکر کا روزہ کوئی فرض نہیں بلکہ اختیاری ہوتا ہے۔

تو جس طرح ابن حجر اور سیوطی کے کلام سے سمجھا گیا تھا اسی طرح مذہب حنفی کے امام کبیر سے بھی ثابت ہو گیا کہ یہود اس روزہ کو بطور شکر یہ رکھتے تھے پھر حضرت نے بھی شکر یہ کے طور پر رکھا۔ اور خود مولف براہین نے صفحہ ۱۶۵ کی سولہویں سطر پر بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم موسیٰ کے متبع ہیں۔ اتنی۔

یہ بات معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے شکر اروزہ رکھا تھا کہ ان کو نجات ملی تھی۔ براہین کے صفحہ ۱۶۲ پر ہے فصامہ موسیٰ شکرا۔

تو علت اتباع اور اس تقریر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ بھی شکر اہو گیا کیونکہ تابع ومتبع کا حکم ایک ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ وہ روزہ ہم بھی رکھتے ہیں تو ہزار ہا سال گزر جانے کے باوجود وہ شکر یہ اب تک باقی ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود کی نعمت کا شکر یہ اگر ہمیشہ جاری رہے تو کیا بڑی بات ہے اور اس کا شرع سے کیا منافات (ٹکراؤ)۔

لمعہ سادسہ

اعتراض کرتے ہیں کہ قیام بدعت سیدہ اور شرک ہے چند دلیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ محفل میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا شرک ہے اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور خاص نماز کی صورت ہے اور غیر اللہ کے لیے عبادت شرک فی العبادۃ ہے۔ دوسری قباحۃ نجم الدین قزوینی نے یہ لکھا کہ قیام کرنے والے یوں سمجھتے ہیں گویا اسی وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر سے باہر تشریف لاتے ہیں اور یہاں حاضر ہیں اور یہ کفر و شرک ہے۔

تیسری قباحۃ یہ کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح محفل میں آیا کرتی ہے اور یہاں حاضر ہے اور یہ اعتقاد شرک ہے۔

جواب: ان امور کا جواب یہ ہے کہ ذکر اللہ اور ذکر رسول اللہ اگر کوئی کرے وہ تین حالتوں سے خالی نہیں یا کھڑا ہو کر کرے یا بیٹھ کر یا لیٹے ہوئے۔ ان تینوں حالتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا ہے

فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ (۲)

لیکن لیٹ کر پڑھنے کے اذکار تو وہ ہیں جو خاص سونے کے وقت احادیث میں آئے ہیں یا کوئی تھکا ہوا سستی چڑھا ہوا یا

(۱) شرح معانی الآثار: ۲۹۸ باب سوم یوم عاشورا

(۲) سورۃ نساء: ۱۰۳

مریض ہو اس لیے کہ جب آدمی تندرست اور چاق ہوتا ہے تو ذکر اللہ اور ذکر رسول اللہ کی کتاب نہیں سمجھتا چنانچہ نماز میں بھی قیام وقعود تو تجویز ہوا لیثنا نہ ہوا مگر مریض کے واسطے۔ تو عبادت کے لیے ادب کی دو حالت مقرر ہوئیں قیام اور قعود۔ اب اس کی تین شکلیں ہیں یا تو پورا ذکر قیام کی حالت میں کرے یا پورا قعود میں یا کچھ قیام میں اور کچھ قعود میں۔ یہ تینوں شکلیں کلام اللہ کے مضمون میں داخل ہیں۔ ان میں کی ایک شکل جلسہ میلاد شریف پر بالکل منطبق ہے کیونکہ اس میں کچھ روایات و معجزات بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں اور کچھ درود و سلام یا مدح کھڑے ہو کر۔ مندرجہ آیت کریمہ کے تین مضامین میں سے یہ ایک مضمون ہوا اور کتاب الہی سے ثابت شدہ افراد ثلاثہ میں سے ایک فرد ہوا لہذا لفظ بدعت کا اطلاق اس پر صحیح نہیں۔ بدعت وہ ہے جس کی کتاب و سنت سے لفظا و اشارۃ کوئی سند نہ ہو۔ جیسا کہ مولوی اسحاق صاحب نے ”مائتہ مسائل“ میں لکھا ہے۔

ہاں ایک وجہ خاص کے سبب کہ چونکہ وہ قیام خاص اسی وقت کیا جاتا ہے جب میلاد شریف کا ذکر آتا ہے نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد نیز مداومت کرنے کے باعث کہ دائمی قیام کیا جاتا ہے تو اگر اس مناسبت سے لفظ بدعت کا اس پر اطلاق کریں تو صحیح ہے۔ لیکن جمہور اسلام کے مفتی بہ اور مذہب صحیح کے مطابق بدعت دو طرح کی ہوتی ہے سیدہ اور حسنہ۔ بدعت سیدہ وہ ہے جو قرآن حدیث یا اجماع کے خلاف ہو لیکن یہ بات تو اس قیام میں نہیں۔ اس لیے کہ اگر کوئی قرآن کی آیت یا کوئی حدیث اس سلسلہ میں آئی ہوتی کہ ایسے موقع میں کھڑے ہو کر مدح و سلام پڑھنا منع ہے یا اس بات پر علمائے امت کا اجماع ہو گیا ہوتا تب تو اس کی مخالفت کی وجہ سے قیام کا یہ حکم استحباب بدعت سیدہ ہوتا لیکن اس خاص موقع کے لیے کوئی نہی ہرگز وارد نہیں۔ کیا عجیبوں کے قیام مروجہ کے علاوہ قیام تعظیمی کے لیے شرع میں نہی وارد نہیں ہوئی؟ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں لکھا ہے۔ پس جب کہ نہی ثابت نہیں ہوئی تو جمہور حنفیہ و شافعیہ کے علمائے فقہ کے قواعد مقررہ اور اصول مسلمہ کے مطابق کہ ”اشیا میں اصل اباحت ہے“ یہ قیام مباح امر ٹھہرا اور بدعت سیدہ نہ ہوا بلکہ شان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی نیت شامل ہونے کی وجہ سے مستحب اور مستحسن ہو گیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نصوص قرآنی: وَ تَعَزُّوْهُ وَ تَقَرُّوْهُ اور مَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللّٰهِ نَاطِقٌ ہین کہ شرعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم مطلوب ہے اسی لیے مجمع البحار کی جلد دوم ”تحقق لفظ صدق“ میں لکھا

فتعظیمہ صلی اللہ علیہ وسلم أفضل القرب . آپ ﷺ کی تعظیم افضل عبادات و قربات میں سے ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں لکھتے ہیں

و ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالتعظیم و طلب الخیر من اللہ تعالیٰ فی حقہ آلۃ صالحۃ للتوجہ الیہ . (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعظیم و ادب کے ساتھ ذکر اور آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کرنا آپ کی توجہ کے لیے عمدہ آلہ ہے۔

قاضی عیاض نے ”شفا“ میں لکھا

واجب علی کل مومن عند ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم أن یتوقر و یاخذ فی ہیبتہ و إجلالہ . (۲)

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی توقیر کرے اور دل میں ان کی ہیبت و بزرگی بٹھائے۔

(۲) شفا قاضی عیاض: ۴۰۲

(۱) حجۃ اللہ البالغہ: ۱۳۹



جب یہ معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر مطلوب ہے تو یہ قیام بھی تعظیم شان رسول کا فائدہ دینے کی وجہ سے مطلوب ہوا۔ تو اب اگر اس قیام کو اس سبب سے کہ خاص اس موقع میں صدر اول سے منقول نہیں بدعت کہیں گے، تو تعظیم کے قاعدہ شرعیہ کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے اسے احسن و مستحسن بھی کہیں گے۔ بیان بدعت کے سلسلہ میں ”مجمع البحار“ اور ”شرح مسلم نووی“ کی عبارتیں گزر چکیں کہ بدعت حسنہ کی ایجاد میں ثواب ملتا ہے خواہ وہ تعلیم علم کا طریقہ ہو یا عبادت یا ادب کا، سواء کسان ذلک تعلم علم او عبادة او ادب تو یہ قیام جو ایجاد کیا گیا ادب کا طریقہ ہے لہذا یہ مستحسن ہوا۔

چنانچہ مولد کبیر ابن حجر، سیرت حلبی، تفسیر روح البیان، و رعد الجوہر وغیرہ میں اس کے استحسان پر تصریح موجود ہے اور اسی پر حرمین شریفین اور جملہ اسلامی ملکوں کا عمل ہے (ان ملکوں کا ذکر اس رسالہ میں ملا علی قاری وغیرہ کے کلام سے نقل کیا گیا ہے) بھلا جو عمل سوا اعظم کے اتفاق سے مستحب اور مستحسن ہوا اس کو بدعت سیئہ اور بدعت ضلالت کہنا انصاف و دیانت کے کس قدر خلاف ہے۔ اور اس کا شرک و کفر کہنا تو فضول محض ہے اس لیے کہ شرح عقائد نفی میں شرک کے معنی یہ لکھے ہیں

کسی کو خدائی میں شریک کرے یعنی جیسے اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے ایسا ہی کسی دوسرے کو بھی مستقل بالذات واجب الوجود سمجھے یا جس طرح خدا کو مستحق عبادت جانتے ہیں یوں ہی کسی دوسرے کو بھی مستحق عبادت جانے۔ انتہی۔

اور ذکر ولادت شریف کے وقت کھڑے ہو کر مدح و سلام پڑھنے میں یہ دونوں باتیں نہیں پھر شرک کیسا۔ اور اگر متقدمین یعنی عقائد حنفی کا کلام نہیں سنتے تو اپنے متاخرین ہی کا کلام سنو۔

مولوی اسماعیل صاحب ”تقویۃ الایمان“ کی فصل شرک فی العبادۃ میں کہتے ہیں

اللہ کی تعظیم کسی اور کی نہ چاہیے اور جو کام اس کی تعظیم کے ہیں وہ اوروں کے واسطے نہ کیجیے۔ انتہی۔

### قیام کی ایک اچھوتی تحقیق

اب قیام کو دیکھنا چاہیے کہ خاص اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے یا کسی اور کے لیے بھی۔ اور دست بستہ قیام عبادت بھی ہے یا نہیں۔ مولوی اسماعیل صاحب کے دادا پیر شاہ عبدالعزیز ”تفسیر عزیزی“ کے پارہ الم میں لکھتے ہیں

در حقیقت چیزے کہ نماز از غیر نماز تمیز پیدا کند ہمیں دو فعل اندر رکوع و سجود قیام اختصاص بہ نماز بلکہ بعبادت ہم

ندارد۔ انتہی۔

علامہ حلبی نے ”شرح کبیر منیہ“ میں لکھا ہے

و القیام لم یشرع عبادة وحده و ذلك لأن السجود غاية الخضوع حتی لو سجد لغير

الله یکفر بخلاف القیام۔

شاہ صاحب اور علامہ حلبی کی عبارتوں سے ظاہر ہو گیا کہ قیام فی نفسہ عبادت نہیں اور نہ نماز اور عبادت کے ساتھ اس کو کچھ خصوصیت ہے۔ تو قیام کو اللہ کی خاص تعظیموں میں شمار کرنا خود اپنے بزرگوں کے کلام کو رد کرنا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نماز میں قیام جو عبادت گنا جاتا ہے تو وہ چند قیود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے عبادت گنا گیا ہے۔ طہارت کاملہ اور استقبال قبلہ کا شرط ہونا، قراءت کا واقع ہونا اور رکوع و سجود کی تکرار کے لیے وسیلہ ہونا۔ اگر نماز میں ان باتوں کا خیال نہ ہوتا تو نماز

میں قیام مشروع نہ ہوتا بخلاف سجدہ و رکوع کے کہ یہ خود اصل عبادت مقصودہ ہیں جو خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لیے قرآن وحدیث اس پر ناطق ہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں۔ اب سجدہ کا حال کتب معتبرہ سے سنیے۔

مولوی اسحق صاحب ”مایہ مسائل“ کے تینتیسویں (۳۳) مسئلہ میں لکھتے ہیں

سجدہ کردن غیر خدا را قبر باشد یا غیر قبر حرام و کبیرہ است غیر خدا کو سجدہ کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے خواہ وہ قبر ہو یا قبر و اگر بہ جہت عبادت غیر خدا را سجدہ کند موجب کفر و شرک کے علاوہ کچھ اور۔ اور عبادت کی نیت سے غیر خدا کا سجدہ است۔ انتہی۔

ابھی مضمون تفسیر عزیزی پارہ الم میں بھی ہے۔

اب دیکھیے کہ ان کے بزرگوار تو عین سجدہ میں بھی تفریق کرتے ہیں کہ عبادت کے لیے دوسرے کو سجدہ کرنا شرک ہے اور عبادت کی نیت نہ ہو تو حرام ہے مگر شرک نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد ثانی کے مکتوب نو دودوم (۹۲) میں لکھتے ہیں

بعضے از فقہا ہر چند سجدہ تحت بہ سلاطین تجویز نموده اند اما ہر چند کہ بعض فقہانے سلاطین کے لیے سجدہ تعظیسی لایق حال سلاطین عظام آن است کہ دریں امر حضرت حق کو جائز کر رکھا ہے لیکن سلاطین عظام کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ لوگوں سے کراتے پھریں کیونکہ سجدہ تو صرف حق سبحانہ سبحانہ تعالیٰ تواضع نمایند۔ انتہی۔ (۱)

و تعالیٰ ہی کے لیے ہونا چاہیے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بعض فقہانے بادشاہوں کو سجدہ کرنا بھی جائز لکھا ہے لیکن حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کو تواضع اور عاجزی چاہیے کہ لوگوں سے سجدے نہ کروائیں۔ جب عبادت مخصوصہ یعنی سجدہ جو خاص اللہ کا حق تھا بغیر نیت عبادت کے شرک نہ ہوا بلکہ بقول حضرت مجدد بعض فقہانے جائز بھی لکھا تو صرف قیام (جو اصل عبادت بھی نہیں) بھلا شرک اور کفر کس طرح ہو سکتا ہے۔ افسوس ان زبان درازوں کی تعدی اور عدم مبالغات پر۔

سجدہ پہلے حرام نہ تھا اب حرام ہے

واضح ہو کہ پہلی امتوں میں دوسروں کے واسطے سجدہ تعظیسی بھی جائز تھا۔ مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس ان کے باپ یعقوب علیہ السلام ان کے خالہ اور سب بھائی آئے جب یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو اس وقت کا حال قرآن میں یوں ہے

وَ خَرُّوا لَهُ سُجَّدًا. (۲)

حضرت یوسف کے والد خالہ اور بھائی سب کے سب آپ کے آگے تعظیماً سجدے میں گر پڑے۔

اسی طرح جب حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا کہ

(۱) مکتوبات امام ربانی دفتر دوم: ۲۳۵۔ ترکی

(۲) سورہ یوسف: ۱۰۰/۱۲



وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ . (۱)  
اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔  
تو اس وقت شیطان ملعون کے سوا تمام فرشتوں نے آدم کا سجدہ کیا۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے  
فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ . (۲)  
یہ ذات اس وقت غرور میں رہی سجدہ نہ کیا لعنت کا طوق گلے میں پڑا اور جہنمی بن گئے۔ امام فخر الدین رازی نے پارہ ملک  
الرسال میں لکھا ہے

إن الملائكة أمروا بالسجود لآدم لأجل أن  
فرشتوں کو آدم کے سجدے کا حکم اس لیے ہوا تھا کہ پیشانی  
نور محمد علیہ السلام فی جبهة آدم . (۳)  
آدم میں نور محمدی جلوہ گر تھا۔  
شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ

فرشتوں نے جو آدم علیہ السلام کو اور برادران یوسف نے جو یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا وہ عبادت کے لیے نہ تھا، ایسا  
سجدہ کبھی جائز نہیں ہوا کیونکہ یہ محرمات عقلیہ سے ہے اور محرمات عقلیہ کبھی نہیں بدلتی بلکہ وہ سجدہ تعظیمی تھا اور اس  
امت میں اب وہ بھی حرام ہے۔ انتہی۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سجدہ تعظیمی اس امت میں حرام تو ہے لیکن شرک اور کفر نہیں۔ جب باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص اس  
عبادت خاص کا یہ حال ہو پھر قیام کس طرح شرک ہو سکتا ہے۔ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا شرک ہوتا تو علمائے دین اس کو کبھی بھی  
قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے جائز نہ رکھتے۔ صاحب جذب القلوب لکھتے ہیں

و در وقت سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام پیش کرتے وقت  
دراں جناب با عظمت دست راست را بردست چپ بارگاہ رسالت کی عظمت مد نظر رکھتے ہوئے دایاں ہاتھ بائیں  
بہند چنانچہ در حالت نماز کرمانی کہ از علمائے حنفیہ است تصریح پر رکھ کر یوں کھڑا ہو جیسے نماز کی حالت میں کھڑا ہوتا ہے۔ یہ  
بائیں معنی کردہ۔ انتہی۔

ملا علی قاری نے بھی ”در المصیبہ“ میں ”مثل نماز ہاتھ باندھنے کی یہ بات کرمانی کے حوالے سے نقل کی ہے۔ اور مدینہ جانے  
والے خوب جانتے ہیں کہ وہاں اسی پر عمل ہے اور اس کے خلاف یہ کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو منع کریں، ایسا ہرگز عمل نہیں۔  
علامہ محمد بن سلیمان کی شافعی نے ”حاشیہ مناسک خطیب شربنی“ میں لکھا ہے

فالاولیٰ له وضع یمینہ علی ینارہ  
کالصلوۃ کما اقتصر علیہ فی الحاشیۃ و آقرہ  
ابن علان و آخر کلامہ فی الجوہر یشیر الی  
المیل الیہ . انتہی۔  
زیارت کرنے والے کے لیے بہتر تو یہی ہے کہ نماز کی  
طرح اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے۔ حاشیہ میں یہی ایک  
بات لکھی ہے جس کو ابن علان نے مان لیا ہے۔ اور جوہر میں  
اس کا آخری کلام اس کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میدان اس کا  
اسی بات پر ہے یعنی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا چاہیے۔

فتاویٰ عالمگیری میں قبر شریف کی زیارت کے سلسلے میں لکھا ہے  
و یقف کما یقف فی الصلوۃ . (۱)

ایک زائر جناب رسالت میں یوں ہی کھڑا ہو جیسے نماز کی  
حالت میں کھڑا ہوتا ہے۔

اب دیکھیے کہ شافعی و حنفی تمام علماء نماز کے ساتھ تشبیہ دے کر کہتے ہیں کہ جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں  
اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک کے سامنے بھی با ادب کھڑا ہو۔

اب اس میں دو احتمال ہیں یا تو یہ علماء سمجھتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر با ادب کھڑا ہونا نہ تو عبادت ہے اور نہ کچھ خدا کے ساتھ مخصوص  
(جیسا کہ شاہ عبدالعزیز وغیرہ کا کلام ہم نقل کر چکے) لہذا جب خدا کے ساتھ مخصوص نہیں تو رسول خدا کے واسطے اس طرح کھڑے ہونے  
میں کیا مضائقہ ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے تو شاید یہ سمجھا ہو کہ رسول اللہ کی تعظیم میں  
کھڑے ہونا غیر اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ یہ گویا خود اللہ کی تعظیم ہے۔ چنانچہ بعض آیات سے یہ مضمون سمجھ میں آتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے  
مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ . (۲)  
جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

دوسری جگہ فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ يَبِيعُونَكَ إِنَّمَا يَبِيعُونَ اللَّهَ . (۳)  
وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت  
کرتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے

جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے۔ انتہی۔

تفسیر روح البیان میں ہے

كان المقصود بالمبايعه منه عليه السلام المبايعه مع الله و إنه عليه السلام انما هو  
سفير و معبر عنه تعالى و بهذا الاعتبار صاروا كأنهم يبايعون الله و بالفارسية آنانکہ  
بیعت می کنند باتو جزیں نیست کی بیعت می کنند با خدا می چہ مقصود بیعت اوست و  
برائے طلب رضای اوست . انتہی . (۴)

اور وقت بیعت جو رسول اللہ کا ہاتھ لوگوں کے ہاتھ پر تھا اس کو قرآن شریف میں فرمایا

يَذِ اللّٰهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ . (۵)  
ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

شاہ عبدالقادر نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے۔

تفسیر مدارک میں ہے



یرید أن ید رسول الله صلی الله علیه وسلم  
التي تعلق أیدی المبیعین هی ید الله و الله منزہ عن  
الجوارح و عن صفات الأجسام وإنما المعنی تقریر  
أن عقد الميثاق مع الرسول كعقدہ مع الله من غیر  
تفاوت بينهما (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت گویا اللہ کی بیعت ہے دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اگر یہ دست بستہ قیام عبادت نہیں (چنانچہ مذہب علماء اور قول فقہاء یہی ہے) تو محفل میلاد شریف میں کھڑا ہونا کفر و شرک ہرگز نہ ہوا۔ اور اگر زبان زوری سے خواہ مخواہ علمائے دین کے خلاف کر کے اس کو عبادت قرار دیتے ہیں تو ہم یہی جواب دیں گے کہ اگر یہ عبادت ہے تو بھی اللہ ہی کے واسطے ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہمارے لیے بڑی نعمت اور اللہ کی رحمت ہے تو جس وقت اس ظہورِ نعمت کا بیان ہوتا ہے ہم تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں بایں معنی کہ اے اللہ تعالیٰ ہم نے تیری اس بھیجی ہوئی نعمت کو عظیم جانا۔

اس سے دو باتیں حاصل ہوئیں ایک تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نکل کیونکہ آپ کی دنیا میں تشریف آوری کا ذکر سن کر بہ بیت تعظیم کھڑے ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ یہی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعینہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو گئی کیونکہ نعمت کی تعریف خود نعمت کی تعریف ہے اور نعمت کی تعظیم سراسر نعمت کی تعظیم ہے لہذا عطاے نعمت کے شکر یہ میں یہ دست بستہ کھڑا ہونا درحقیقت منعم حقیقی کے سامنے ہے۔ اب خیال فرمائیں کہ اس معنی کو شرک اور کفر سے کیا علاقہ۔ فماداً بعد الحق إلا الضلال۔

اب (۲) دوسری قباحت کا جواب سنئے کہ تمام میلاد پڑھنے والے اپنی زبان سے خوب تصریح و توضیح سے تعین یوم ولادت کی شرح کرتے ہیں۔ شاہ سلامت اللہ صاحب کے میلاد شریف میں ہے

بارہویں تاریخ رجب الاول کی صبح صادق کے وقت پیر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

غلام امام شہید کے مولد شریف میں ہے

بارہویں تاریخ رجب الاول دو شنبہ کے دن وقت صبح صادق زمانہ آدم کے چھ ہزار سات سو پچاس برس کے بعد (آپ پیدا ہوئے)

اسی قسم کی عبارتیں ”راحۃ القلوب“ وغیرہ اردو زبان کے رسائل میلاد میں ہیں۔ اور عربی زبان کے ”مولد برزنجی“ میں ہے  
ولما تم من حملہ تسعة أشهر قمریۃ ولدته  
صلی اللہ علیہ وسلم یثلاً لا سناہ۔  
کاہو گیا تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور آپ کے وجود باجود سے درخشانی ہویدا تھی۔

(۱) مدارک التزیل لشی ۳۳۲:۳

(۲) حاشیہ یعنی یائنین کا جو یہ اعتراض تھا کہ دست بستہ کھڑا ہونا شرک ہے۔ اس کا جواب تو ہو چکا اب دوسری قباحت کا جواب شروع ہوتا ہے۔ یعنی یہ افترا کہ بانیان محفل یوں جانتے ہیں گویا اب آپ اس محفل میں پیدا ہوئے ہیں نعوذ باللہ منہا الف مرۃ۔

علامہ غرب مدنی کے مولد میں ہے۔

بشان عشر من ربيع الأول ☆ في يوم الاثنين المفخم ذی المجد  
بارہ رجب الاول بروز پیر وہ مجد و بزرگی والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے۔

توان رسائل میں ولادت و وصال کے دن اور مہینے کا لکھا ہونا صاف اقرار ہے کہ آپ اس زمانے میں پیدا ہوئے نہ یہ کہ اب محفل میں پیدا ہوئے نعوذ باللہ منہا۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح تشریف لانے کی نسبت تیسری قباحت کا جواب سننا چاہیے۔ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ جہاں مولود پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں شرک ہے۔ ہر جگہ موجود صرف خداے تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی۔

جواب: اللہ تعالیٰ کے حاضر ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ تم ذرا عرش عظیم کی عظمت و وسعت اور کرسی کی فراخی خیال کرو کہ ان کے آگے سات آسمانوں کی کیا حقیقت ہے۔ پھر کرۂ ناری ہوائی اور مانی کو خیال کرو کہ آسمان کے آگے ان کی کیا وسعت ہے۔ پھر ان کے کرات کے آگے زمین کو دیکھو کہ اس کی وسعت کو کرات سے کیا نسبت ہے۔ پھر زمین کے چوتھائی حصہ کو دیکھو جو پانی سے باہر نکلا ہوا ہے پھر اس باہر نکلے ہوئے میں کس قدر جنگل پہاڑ اور نیستان ہیں اور وہ آدمیوں سے کس قدر آباد ہیں اور اس میں کتنے کفار ہیں اور کتنے مسلمان۔ اور پھر مسلمانوں میں مولد شریف کرنے والے کتنے ہیں اور نہ کرنے والے کتنے۔ تو ان سب مراتب میں فکر و خیال کرنے سے ایک مرد منصف کو فرق معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا حاضر ہونا تو اس درجہ میں ہے کہ عرش کرسی آسمان لوح و قلم ساتوں زمین تمام پہاڑ و سمندر اور ویرانہ و آبادی وغیرہ ہر مکان ہر زمان اور ہر آن کی نسبت وہ حاضر اعتقاد کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے یہ اعتقاد کیا کہ وہ مواقع مولود خوانی میں تشریف لے آتے ہیں تو ان تمام زمانوں اور مقامات مذکورہ کی بہ نسبت یہ زمانہ اور وہ مواقع کس حصہ میں داخل ہیں؟ کہ بس ان مواقع میں تشریف لانے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابری لازم آگئی اور شرک ہو گیا نعوذ باللہ منہ۔

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت جس طرح اس کے ساتھ خاص ہے بالکل اسی طرح اور اسی حقیقت کے ساتھ دوسرے میں نہیں ہو سکتی۔ اور خصوصیت کے یہ معنی ہیں

یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ۔  
جو اس کے اندر تو پائی جائے مگر اس کے علاوہ کسی اور میں نہ پائی جائے۔

اور روئے زمین پر ہر جگہ موجود ہو جانا کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص نہیں۔ تفسیر معالم التزیل جلال الدین سیوطی کے رسالہ برزخ اور علامہ زرقانی کی شرح مواہب میں ہے کہ ملک الموت جنات و انسان اور جملہ مخلوقات کی روحوں پر قابض ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ان کے آگے ایک چھوٹے خوان (اور ایک روایت کے مطابق طشت) کی مانند کر دیا ہے (۱)۔

فیقبض من ہہنا و ہہنا۔  
کبھی ادھر سے لے لیتے ہیں اور کبھی ادھر سے۔

(۱) جعلت له الأرض مثل طست یتناول منها حیث یشاء۔

(تفسیر بغوی: ۳۰۲/۶، تفسیر طبری: ۴۱۲/۱۱)



اب خیال کرو کہ ایک ایک آن میں مشرق سے مغرب تک کس قدر چوٹی، چھڑ، کیزے، کوڑے، چرند پرند درند اور آدمی مرتے ہیں اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔

مشکوٰۃ میں ہے کہ ملک الموت، مومن اور کافروں کی موت کے وقت سر ہانے ہوتے ہیں، یہ ایک طویل حدیث ہے جسے قاضی ثناء اللہ نے ”تذکرۃ الموتی“ میں نقل کیا ہے۔ (۱)

اس سلسلہ میں طبرانی اور ابن مندہ سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ ملک الموت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ نیک یا بد آدمیوں کا ایسا کوئی گھر نہیں جس کی طرف مجھ کو توجہ نہ ہو رات دن دیکھتا رہتا ہوں اور ہر چھوٹے بڑے کو ایسا پہچانتا ہوں کہ وہ خود بھی اپنے کو اتنا نہیں پہچانتے۔ (۲)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ملک الموت نمازوں کے وقت آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ نماز پڑھتا رہا تو اس سے شیاطین کو دفع کرتے ہیں اور کلمہ طیبہ تلقین کرتے ہیں۔ (۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت علیہ السلام (ہر جگہ موجود ہوتے ہیں) اور ملک الموت تو ایک مقرب فرشتہ ہیں، یہ دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔

در مختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولاد آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔ علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر یہ کہ جن کو اللہ نے بچالیا۔ پھر اس کے بعد لکھا

و أقدره علی ذلک كما أقدر ملک الموت اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح اس نے ملک الموت کو ہر جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے۔

علی نظیر ذلک . (۴)

(۱) إن لملک الموت حریۃ تبلغ ما بین المشرق والمغرب، وهو يتصفح وجوه الناس، فما من أهل بیت إلا و ملک الموت يتصفحهم فی کل یوم مرتین، فإذا رأى إنسانا قد انقضی أجله ضرب رأسه بملک الحرۃ.

تفسیر بغوی: ۳۰۲/۶

(۲) متن حدیث: وما من أهل بیت یامحمد شعر ولا مدربر ولا بحر سهل ولا جبل إلا أنا أنصفهم فی کل یوم وليلة حتی لأنا أعرف بصغیرهم وکبیرهم منهم بأنفسهم.

کنز العمال: ۷۰۵/۱۵: حدیث: ۲۲۸۱۰، مجمع کبیر طبرانی: ۳/۲۹۵، حدیث: ۲۰۷۵، معرفۃ الصحابہ اصہبائی: ۲۶۲/۷، حدیث: ۲۲۸۶، وصایا العلماء عند حضور الموت ربی: ۱۶۷/۱، حدیث: ۱۰۰، مجمع الزوائد وفتح القوائد: ۳۳۰/۱

(۳) قال جعفر: بلغنی أنه إنما يتصفحهم عند مواقیب الصلوة فإذا نظر عند الموت ممن کان یحافظ علی الصلوات دنا منه ملک الموت ودفع عنه الشیطان وتلقبه الملائکة لا إله إلا الله محمد رسول الله فی ذلک الحال العظیم.

کنز العمال: ۷۰۵/۱۵: حدیث: ۲۲۸۱۰، مجمع کبیر طبرانی: ۳/۲۹۵، حدیث: ۲۰۷۵، معرفۃ الصحابہ اصہبائی: ۲۶۲/۷، حدیث: ۲۲۸۶، وصایا العلماء عند حضور الموت ربی: ۱۶۷/۱، حدیث: ۱۰۰، مجمع الزوائد وفتح القوائد: ۳۳۰/۱

(۴) روتار: ۱۳۲/۳، افروغ قرآنی الفارسیۃ والقرآنیۃ

اب محسوس عالم اجسام میں اس کی مثال سمجھئے کہ اگر کوئی آدمی دنیا کی مشرق سے مغرب تک کی آبادی کی سیر کرے تو وہ جہاں جائے گا چاند اور سورج کو موجود پائے گا، پھر اگر وہ کہے کہ ایک ہی چاند سورج ہر جگہ موجود ہیں تو تمہارے قاعدے سے چاہیے کہ وہ کافر ہو جائے کیونکہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے اور نہ کافر، خاصا مسلمان ہے۔ تو اسی طرح سمجھو کہ جب سورج ہر جگہ یعنی ہفت اقلیم میں موجود ہو کہ وہ چوتھے آسمان پر ہے اور روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک تمام روئے زمین کی چند جگہوں اور مقاموں پر پڑ جائے اور فیضان احمدی کے انوار کی کرنیں پوری مجلس کو سورج کی شعاع کی طرح ہر طرف سے گھیر لیں تو کیا بعید و محال ہے۔

علامہ زرقانی نے ابوالطیب کا شعر شرح مواہب لدنیہ کی ”فصل زیارت قبر شریف“ میں نقل کیا ہے

كالشمس فی وسط السماء و نورها \* یهدی الی عینک نوراً ثاقباً

یغشی البلاد مشارقاً و مغارباً \* کالبدر من حیث التفت رأیتہ

جس طرح سورج، آسمان کے بیچ میں ہے مگر اس کی روشنی مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور جس طرح

چاند کہ تو جہاں سے اسے دیکھے وہیں سے وہ تیری آنکھوں میں نور بخشنے گا۔

فرق یہ ہے کہ سورج اور چاند کو دیکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آنکھ کھول رکھی ہے جس کے ذریعہ سے ایک بیٹا آدمی دیکھ کر یہ کہہ دیتا ہے کہ چاند ہر جگہ موجود ہے، لیکن ایک اندھا مادرزاد تو یہی کہے گا کہ چاند کہیں نہیں، بس اسی طرح روح نبوی کا دیکھنا بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت پر موقوف ہے، اگر وہ باطنی آنکھ کھول دے اور پردے اٹھا دے تو انسان ہر جگہ جلوہ احمدی دیکھ سکتا ہے۔ علامہ زرقانی شرح مواہب جلد ثالث میں ”تذکرۃ قرطبی“ سے نقل کرتے ہیں

إن موت الأنبیاء إنما هو راجع الی أن غیبوا عنا بحیث لا ندرکهم و إن کانوا موجودین أحياء و لا یراهم أحد من نوعنا إلا من خصه الله تعالیٰ بکرامۃ من أولیائہ.

امام شعرانی نے ”میزان الشریعہ“ میں لکھا ہے

قد بلغنا عن أبي الحسن الشاذلي و تلميذه

أبي العباس المرسي و غیرهما إنهم کانوا یقولون لو

احتجبت رؤیة رسول الله صلی الله علیه وسلم

طرفۃ عین ما اعدنا أنفسنا من جملة المسلمین.

دیکھیے ابوالحسن شاذلی وغیرہ اولیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر پلک جھپکنے کے برابر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے چھپ جائیں تو ہم اپنے تئیں خود کو مسلمان نہ سمجھیں۔

دیکھیے ابوالحسن شاذلی وغیرہ اولیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر پلک جھپکنے کے برابر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے چھپ جائیں تو ہم اپنے تئیں مسلمان نہ جانیں۔

ہم نے جو انبیاء علیہم السلام کی روحوں کا ساتویں آسمان پر علیین میں ہونا بیان کیا تو یہ تفسیر عزیزی کے ”بیان علیین“ میں



دیکھو۔ لیکن علیین میں ہونے کے باوجود آپ کی روح کو قبر شریف سے بھی گہرا ربط ہے۔ آپ ہر زاوہ کو جانتے ہیں کہ کون زیارت کو آیا۔ اور سب کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ قبر میں جسم مبارک زندہ ہے

إن نبینا بالرفیق الأعلى و بدنہ فی قبرہ یرد  
السلام علی من یسلم علیہ۔  
بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہیں لیکن آپ کا بدن مبارک قبر اقدس میں موجود ہے اور آپ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ جب چاند سورج ہر جگہ موجود شیطان زمین پر ہر جگہ موجود ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہیں تو یہ خاص اللہ کی صفت کہاں ہوئی کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک کرنے سے مشرک اور کافر ہو جائیں معاذ اللہ۔

تماشا یہ ہے کہ اہل محفل میلاد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمین کی تمام پاک و ناپاک جگہ اور مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے جب کہ ملک الموت اور ابلیس کا اس سے بھی زیادہ تر پاک و ناپاک اور کفر و غیر کفر کے مقامات میں حاضر ہونا پایا جاتا ہے۔

### سیر ارواح کی تحقیق

اب سیر ارواح کی تحقیق لکھی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ ارواح انبیاء کا چلنا پھرنا فقہ وحدیث سے ثابت ہے۔ معراج کی حدیثوں میں ہے آپ ارشاد فرماتے ہیں میں نے اپنے تئیں انبیاء کی جماعت دیکھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں یہ عیسیٰ علیہ السلام پڑھ رہے ہیں اور یہ ابراہیم علیہ السلام پڑھ رہے ہیں

فَحَافَتِ الصَّلَاةَ فَأَمَمْتُهُمْ (۱)  
اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اور قرطبی نے ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ نے آدم سے لے کر تمام انبیاء کو جمع کر دیا اور سات جماعتیں حضور کے پیچھے تھیں۔

فتاویٰ سراجیہ کے باب مسائل متفرقہ میں ہے  
إمامۃ النبی علیہ السلام لیلۃ المعراج لأرواح  
الأنبیاء علیہم السلام كانت فی النافلة۔  
معراج کی شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفلی نماز میں ارواح انبیاء کی امامت فرمائی۔

فقہ وحدیث کی ان روایات سے ثابت ہو گیا کہ جملہ پیغمبروں کی روحوں اپنے اپنے مقامات سے سمت کر بیت المقدس میں حاضر ہو گئیں اور یہیں آکر نماز پڑھی۔  
مشکوٰۃ میں مسلم سے روایت ہے کہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ و مدینہ کے بیچ میں چلے

(۱) صحیح مسلم: ۴۰۳/۱: حدیث: ۲۵۱: مشکوٰۃ المصابیح: ۲۷۶/۳: حدیث: ۵۸۶۶: دلائل النبوة: ۲۳۳/۲: حدیث: ۶۵۱: مشکوٰۃ المصابیح: ۷۱۱/۱: حدیث: ۳۳۷۸

۳۳۷۸: ماوردی فی حیات الانبیاء بعد وفاتہم: ۲۱: الامان ابن مندہ: ۳۳۹/۲: حدیث: ۵۳: التوحید ابن مندہ: ۳۳۲/۱: حدیث: ۲۳: جزء ابن عرق: ۷۱: حدیث: ۶۹: حیات الانبیاء فی قیومہم: ۱۰۱: حدیث: ۹: کنز العمال: ۳۹۶/۱۱: حدیث: ۳۱۸۴۹: مسند جامع: ۳۶۸/۲۳: حدیث: ۱۵۷۲۳

جار ہے تھے جب ایک جنگل سے گزرے تو حضور نے پوچھا یہ کون سا جنگل ہے؟ صحابہ نے کہا یہ وادی الازرق ہے حضور نے فرمایا: گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں پھر حضور نے ان کا رنگ اور ان کے بالوں کا حال بیان فرمایا کہ موسیٰ دونوں کانوں میں اذان کی طرح انگلیاں رکھے ہوئے لبیک کی آواز بلند کیے ہوئے اسی جنگل سے گزرے چلے جاتے ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ہم آگے چلے تو ایک پہاڑ کی گھاٹی پر پہنچے۔ حضور نے پوچھا یہ کون سی گھاٹی اور پہاڑ ہے؟ صحابہ نے کہا یہ پہاڑ یا تو ہرشا ہے یا لغت ہے۔ آپ نے فرمایا: گویا میں یونس علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر سوار پشیمہ کا جبہ پہنے دیکھ رہا ہوں ان کی اونٹنی کی مہار پوست خرما کی ہے اسی جنگل میں حج کے لیے لبیک کہتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ (۱)

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا

یہ بات متفقہ ہے کہ انبیاء کرام کی اپنی دنیوی زندگی کی طرح زندہ ہیں۔ لیکن عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر بے منام و بے مثال و بے اشتباہ و بے اشکال ظاہر فرمادی۔

قسطانی نے بھی ”مواہب“ میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے  
وقیل ہو علی الحقیقۃ لأن الأنبیاء أحياء عند  
ربهم یرزقون فلا مانع أن یحجوا فی هذه الحالة  
كما فی صحیح مسلم عن أنس أنه صلی اللہ علیہ  
وسلم رأى موسی قائما فی قبرہ یصلی قال القرطبی  
حب إليهم العبادة فهم یتعبدون بما یجدونه۔

صاحب مواہب نے دو تین معنی بیان کیے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہا گیا ہے کہ وہ دیکھنا حقیقت میں تھا کیونکہ انبیاء کرام زندہ ہیں اور اپنے رب کے تئیں رزق پاتے ہیں پھر اگر وہ اس حالت میں حج کریں تو کیا مشکل۔ جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر مبارک میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ انبیاء کی روحوں کو عبادتیں بہت پیاری ہیں تو جو عبادت انھیں میسر آتی ہے کرتے رہتے ہیں۔

(۱) متن حدیث: عن ابن عباس قال سرنّا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین مکة و المدينة فمررنا بوادی فقال أي وادی هذا فقالوا

وادی الازرق فقال کانی أنظر إلی موسی صلی اللہ علیہ وسلم فذكر من لونه و شعره شینا لم یحفظه داؤد و اضعا اصبعیه فی

أذنیہ لہ جوار إلی اللہ بالتلبیة ماذا بهذا الوادی قال ثم سرنّا حتی أتینا علی ثنیة فقال أي ثنیة هذه قالوا هرشی أو لغت فقال

کانی أنظر إلی یونس علی ناقۃ حمراء علیہ جبة صوف خطام ناقته لیف خلیة ماذا بهذا الوادی ملیا۔

صحیح مسلم: ۳۹۳/۱: حدیث: ۲۳۲: سنن ابن ماجہ: ۳۳۷/۸: حدیث: ۲۸۸۲: مشکوٰۃ المصابیح: ۲۳۲/۳: حدیث: ۵۷۱: مستخرج ابی عوانہ: ۳۹۱/۷: حدیث: ۳۰۰۷: صحیح ابن خزیمہ: ۳۷۲/۹: حدیث: ۲۳۲۹: تحفۃ الاشراف: ۲۰۸/۶: حدیث: ۵۳۲۳



ان احادیث اور محدثین کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ارواح انبیاء حج اور نماز وغیرہ من چاہی عبادتیں کرتی رہتی ہیں۔

مشکوٰۃ کے ”باب المعراج“ میں بخاری و مسلم کی حدیث سب کو یاد ہوگی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ دوسرے پر حضرات یحییٰ و عیسیٰ تیسرے پر حضرت یوسفؑ چوتھے پر حضرت ادریسؑ پانچویں پر حضرت ہارونؑ چھٹے پر حضرت موسیٰؑ اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملے۔ (۱)

اب دیکھیں کہ آسمان پر جانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ انبیاء کی روحیں بیت المقدس میں ملیں اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی اب یہ ارواح انبیاء آسمانوں پر ملیں۔ اور روایت ہے کہ معراج کے لیے تشریف لے جاتے وقت آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا پھر انھوں نے بیت المقدس میں آپ کے پیچھے نماز پڑھی پھر چھٹے آسمان پر ملے۔ یہ تینوں روایتیں صحیح مسلم میں موجود ہیں۔

زرقانی نے ”حیات فی القبر“ کے مقام پر اس تعارض کو یوں دفع کیا کہ انبیاء علیہم السلام کے کھانے پینے کے لیے فراغت کے مقامات ہیں جہاں چاہیں جائیں پھر لوٹ آئیں

و للأنبياء مراتع و مسارج يتصرفون فيما شاؤوا ثم يرجعون .

سوچنے کا مقام ہے کہ یہ کس قدر حرکت ہوئی ہر آسمان اتنا موٹا ہے جتنا پانچ سو برس کا رستہ اور زمین سے آسمان تک اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو برس کا رستہ ہے تو اس تحقیق کے مطابق ایک ذرا عرصہ میں آدم علیہ السلام کی روح ایک ہزار برس کا رستہ یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی روحیں دو ہزار برس کا رستہ علیٰ ہذا القیاس موسیٰ علیہ السلام کی روح چھ ہزار برس کا رستہ اور ابراہیم علیہ السلام کی روح سات ہزار برس کا رستہ طے کر گئی اس سرعت سیر کو یاد رکھیں عنقریب اس پر ہم کچھ فائدے مرتب کریں گے۔

خاتم المحدثین علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں لکھا

لا يمنع رؤية ذاته عليه السلام بجسده و بروحه و ذلك لأنه سائر الأنبياء صلى الله عليهم وسلم ردت إليهم أرواحهم بعد ما قبضوا و أذن لهم في الخروج من قبورهم للتصرف في الملكوت العلوي و السفلي .

یہ مضمون ”تنویر الحکک“ سے جلد اول کے شروع میں نقل کیا ہے۔

**فائدہ:** مولف براہین قاطعہ کا صفحہ ۲۰ پر یہ اعتراض ودھہ لگانا کہ مولف انوار نے کلام زرقانی میں لفظ ”والتصرف“ کی جگہ ”للتصرف“ بنادیا اور تصرف کے عرفی معنی بنالئے یہ دونوں دعوے بالکل غلط ہیں۔

یہ دیکھیں مطبع منیریہ مصر ۱۲۷۸ھ (1861ء) کی چھپی ہوئی شرح مواہب زرقانی جلد اول صفحہ ۱۱ کی سطر اول کہ اس میں ”للتصرف“ لکھا ہوا ہے۔ یا اللہ جھوٹی تہمتوں سے بچا۔

دوسرے اعتراض کا یہ حال ہے کہ میں نے حاشیہ پر اس عبارت کا جو ترجمہ لکھا ہے انوار ساطعہ طبع اول و دوم دونوں میں بعینہ لفظ ”تصرف“ نقل کیا ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ وجہ یہ تھی کہ تصرف جس وقت باب تفعلیل کا مطاوع واقع ہوتا ہے اس وقت اس کے معنی پھرنے کے ہوتے ہیں: صرفتہ فتصرف یعنی میں نے اس کو پھرایا تو وہ پھر گیا۔ یہ قاموس میں ہے۔ اور جب مطاوعت کا موقع نہیں ہوتا تو اس کے معنی ہوتے ہیں: تصرف دست در کاری کردن۔ جیسا کہ صراح اور منتخب میں ہے۔

اب معلوم ہونا چاہیے کہ ارواح کاملہ کی نسبت دونوں معنی ثابت ہیں اس بنیاد پر میں نے تصرف کے معنی میں کوئی تصرف نہیں کیا تھا وہی لفظ تصرف قائم رکھا تھا جس کا جی جس معنی کو چاہے سمجھ لے تو یہ اعتراض بھی غلط ہے کیونکہ میں نے تصرف کے اردو معنی نہیں لکھے۔

معلوم نہیں معترض کو ارواح کاملہ کے تصرف میں کیوں بحث ہے کیونکہ اس بات کو علمائے معقول تک مان چکے ہیں کہ نفس ناطقہ قدسیہ (جو کامل درجہ کی حکمت عملیہ و علمیہ کو جامع ہوتا ہے) جب وہ بدن سے نکل جاتا ہے تو عقول مدبرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اس عالم میں اپنا اثر پہنچاتا ہے۔ شیخ الرئیس اور ارسطاطالیس وغیرہ کے کلام میں اس کی تصریح موجود ہے اور ہمارے حکمائے دین بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

علامہ بیضاوی ”فالمندبرات أمرا“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

أو صفات النفوس الفاضلة حال المفارقة فإنها تنزع عن الأبدان غرقاً أي نزعا شديداً من إغراق النازع في القوس و تنشط إلى عالم الملكوت و تسبح فيه فتسبق إلى حظائر القدس فتصير بشرفها و قوتها من المندبرات. (۱)

روح البیان میں ہے

ثم ان النفوس الشريفة لا يبعد أن يظهر منها آثار في هذا العالم سواء كانت مفارقة عن

الأبدان أو لا. (۲)

پھر دس سطر کے بعد لکھا

بل هو بعد مفارقتة البدن أشد تأثيراً و تدبيراً

لأن الجسد حجاب في الجملة. (۳)

کچھ بعید نہیں کہ نفوس شریفہ سے اس عالم میں اثر ظاہر ہو خواہ وہ اپنے بدن میں موجود ہوں یا نکل گئے ہوں بلکہ بدن سے جدا ہو جانے کے بعد ان کی تاثیر و تدبیر زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ بدن غصری ایک قسم کا حجاب تھا اور وہ اٹھ گیا۔

لحد ثانیہ کے نور دوم جمعرات کی فاتحہ میں تذکرۃ الموتی والقبور کے حوالے سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اولیاء شہداء کے حکم میں



ہیں اور انبیاء و صدیقین شہداء سے بھی افضل ہیں ان کی روحوں زمین و آسمان اور بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اپنے دوست اور عقیدت مندوں کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔ اٹھی۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ”انتباہ الاذکیاء“ میں ہے

النظر في أعمال أمته و الاستغفار لهم من السيئات و الدعاء بكشف البلاء عنهم و التردد في أقطار الأرض بحلول البركة فيها و حضور جنازة من مات من صالحی أمته فإن هذه الأمور من أشغاله كما وردت بذلك الأحاديث و الآثار .

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بات احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ آپ اعمال امت پر نظر فرماتے ہیں ان کے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں بلا دور ہونے کی دعا فرماتے ہیں روئے زمین پر برکت بانٹتے پھرتے ہیں اور امت کا کوئی نیک آدمی مرے تو اس کے جنازے میں تشریف لاتے ہیں۔ عالم برزخ میں یہ آپ کے اشغال ہیں۔

”روح البیان“ میں سورہ ملک کے آخر میں ہے

قال الإمام الغزالي رحمه الله تعالى و الرسول عليه السلام له الخيار في طواف العوالم

مع أرواح الصحابة رضي الله عنهم لقد رآه كثير من الأولياء . (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس زمین ہی کی کچھ خصوصیت نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی روحوں کے ساتھ تمام عالم میں پھرتے ہیں۔ اور بہت سے اولیاء نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب ”درمبین“ کی سترہویں حدیث میں لکھتے ہیں

أخبرني سيدي الوالد قال أخبرني شيخ

السيد عبد الله القارئ قال حفظت القرآن على

قارئ زاهد كان يسكن في البرية فبينما نحن

نتدارس القرآن إذ جاء قوم من العرب يقدمهم

سيدهم فاستمع قراءة القارئ و قال بارك الله

أديت حق القرآن ثم رجع و جاء رجل آخر

بذلك الزي فأخبر أن النبي صلى الله عليه

وسلم أخبرهم البارحة أنه سيذهب إلى البرية

الفلاية لاستماع قراءة قارئ هناك فعلمنا

أن السيد الذي كان يقدمهم هو النبي صلى الله

عليه وسلم قال و قد رأيته بعيني هاتين .

نیز شاہ ولی اللہ صاحب ”فیوض الحرمین“ میں لکھتے ہیں

و رأيته صلى الله عليه وسلم في أكثر الأمور

بيدي أي صورته الكريمة التي كان عليها مرة بعد

مرة فتفطنت أن له خاصية من تقويم روحه بصورة

جسده عليه السلام و أنه الذي أشار إليه بقوله :

إن الأنبياء لا يموتون و أنهم يصلون في قبورهم و

يحجون و أنهم أحياء .

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد اول کے مکتوب ذویست و ہشتاد و دویم (۲۸۲) میں لکھتے ہیں

امروز در حلقہ بامدادی ینیم کی حضرت الیاس و حضرت

خضر علی نبینا و علیہما الصلوٰۃ و التسلیمات بصورت روحانیان حاضر

شدند و بہ تلقی روحانی حضرت خضر فرمودند کہ ماز عالم ارواحیم

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ارواح مارا قدرت کاملہ عطا فرمودہ

است کہ بصورت اجسام متمثل شدہ کارہائے کہ از اجسام یوقوع

می آید از ازل ارواح ما صدور می یابد۔ (۱)

ہو کر حاضر ہوں۔ اور ہماری روحوں وہ کام سرانجام دیتی ہیں جو

جسموں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

اسی مکتوب ذو صد و ہستم (۲۴۰) میں ہے

دریں اثنا عنایت خداوندی جل شانہ در رسید و حقیقت

معاملہ را کما ینبغی و انمود و روحانیت حضرت رسالت خاتمیت صلی

اللہ علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و السلام کہ رحمت عالمیان ست دریں

وقت حضور ارزانی فرمود و تسلی خاطر حزین نمود۔ (۲)

وامام غزالی گفتہ کہ ارباب قلوب مشاہدہ می کنند در یقظہ

ملائکہ و ارواح انبیاء را کذا فی اشعۃ المنعمات فی کتاب الروایہ۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ اہل معرفت ملائکہ اور ارواح

انبیاء کو بیداری کے عالم میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اشعۃ المنعمات

کے کتاب الروایہ میں یوں ہی مذکور ہے۔

اسی جگہ شیخ عبدالحق نے لکھا ہے

از شیخ ابوالسعود کہ مصافحہ می کردا حضرت را بعد از ہر نماز۔

شیخ ابوالسعود سے حکایت ہے کہ وہ ہر نماز کے بعد نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔



شیخ نے اسی جگہ غوث پاک کا یہ قصہ لکھا ہے

روزے غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ بر کرسی نشست بود و وعظ می فرمودہ قریب بدہ ہزار کس در پایہ وعظ وی حاضر و شیخ علی بن ہیتی در زیر پایے کرسی نشست ناگاہ شیخ علی ہیتی را خوابی برد پس شیخ عبدالقادر قوم را فرمودہ استوا پس ہمہ ساکت شدند تا آنکہ جزائش شنیدہ نمی شد پس فرمود آمد شیخ از کرسی و بایستاد با ادب پیش علی مذکور می نگریست و روے پس بیدار شیخ علی و گفت شیخ عبدالقادر بادے کہ دیدی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را در خواب گفت نعم فرمود ازیں جہت ادب و وزیدم با تو و ایستادم در پیش تو فرمودہ پچہ وضیت کرد ترا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گفت بسلامت من مجلس تو پس شیخ علی گفت آنچہ من در خواب دیدم شیخ عبدالقادر در بیداری دیدو روایت کردہ اند کہ ہفت کس از مردان راہ در راں روز از عالم رفعت رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ایک روز حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ کرسی پر جلوہ افروز تھے اور بتایا جاتا ہے کہ قریباً کوئی دس ہزار افراد ان کی محفل میں حاضر تھے نیز شیخ علی بن ہیتی بھی ان کی کرسی تلے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ان کی آنکھ لگ گئی۔ تو شیخ عبدالقادر نے قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا خاموش ہو جاؤ تو سب خاموش ہو گئے اور سانس کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اتنے میں فرمایا کہ آگئے۔ تو شیخ کرسی سے اٹھے اور بڑے ادب کے ساتھ علی کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ علی بیدار ہو گئے اور شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا؟ انھوں نے کہا ہاں۔ جب میں سر اپا ادب بن کر آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا تو انھوں نے فرمایا سرکار نے آپ کو کیا نصیحت کی؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ کی مجلس میں شرکت لازم پکڑ لوں۔ تو شیخ علی نے کہا جو چیز میں نے خواب میں دیکھا شیخ عبدالقادر نے اسے عالم بیداری میں دیکھا۔ اور روایتوں میں آتا ہے کہ اس روز کی محفل میں کوئی سات آدمی دنیا سے فانی ہو گئے۔

اس سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو روح پاک مصطفوی کا مجلس خیر میں آنا، دوسرے روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے حضرت غوث اعظم جیسے پیر و سنگیر کا کھڑے ہو جانا، ارباب فضل و اکرام کی تشریف آوری کے وقت یہ استحباب قیام کے واسطے سند ہوئی، تیسرے حضرت غوث پاک کی علوشان اور قوت ادراک کہ جس کو دوسرے آدمی خواب میں دیکھیں، آپ نے حالت بیداری میں دیکھا۔ قصہ مختصر یہ کہ روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر آتی جاتی رہتی ہے۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ تو خدا تعالیٰ کی حضوری میں مستغرق ہے اس کو دنیا کی طرف توجہ کب ہوتی ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب ”القریٰۃ الذائق“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

وبعضی از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ واستغراق آنہا بجهت کمال وسعت تدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد۔

اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے مخصوص بندے ہیں جو بنی نوع کے لیے رشد و ہدایت کا وسیلہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کو اس حالت میں بھی اس دنیا میں تصرف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ ان کا دوسرے اعمال میں استغراق اپنے کمال اور وسعت تدارک کے باعث اس جانب ان کی توجہ میں مانع نہیں ہوتا۔

جب اولیاء اللہ کا یہ حال ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تو اس سے بدرجہا بلند و برتر ہوگا۔ چنانچہ خاتم المحدثین زرقانی صفحہ ۳۶۵ ”مقصد عاشق“ میں لکھتے ہیں

ولا ریب أن حالہ صلی اللہ علیہ وسلم فی البرزخ افضل و اکمل من حال الملائکۃ هذا سیدنا عزرائیل علیہ السلام یقبض ألف مائۃ روح أو أزید فی وقت واحد و لا یشغلہ قبض عن قبض و هو مع ذلک مشغول بعبادۃ اللہ تعالیٰ مقبل علی التسیح و التقدیس فنبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی و یعبد ربہ و یشاہدہ و لا یزال فی حضرۃ اقترابہ ای دنوہ متلذذا بسماع خطابہ و کذا کان شأنہ و عادۃ فی الدنیا یفیض علی امتہ من سیحات الوحي الإلهی مما أفاضہ اللہ علیہ و لا یشغلہ هذا الشان و هو شان إفاضة الأنوار القدسیۃ علی امتہ عن شغلہ بالحضرۃ الإلهیۃ۔

شک و شبہہ سے بالاتر ہو کر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عالم برزخ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال فرشتوں کے حال سے کہیں بڑھ کر ہے۔ یہ دیکھیں کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام لاکھوں سے زائد لوگوں کی روئیں بیک وقت قبض کرتے ہیں اور ایک روح دوسری روح کے قبض کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتی اس مشغولیت کے باوجود وہ عبادت الہی اور اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے ہوئے ہیں تو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اس کا مشاہدہ فرماتے رہتے ہیں۔ برابر اس کے قرب میں رہتے ہیں اور خطاب الہی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور یہی دنیا میں بھی آپ کا حال تھا کہ وہ وحی الہی کے انوار امت پر بکھیرتے رہتے جیسے اللہ ان پر نوازش فرماتا اور امت کی فیض بخشی و خبر گیری ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغولی سے نہیں روکتی تھی۔

آپ کا قبر میں بھی وہی حال ہے جیسا دنیا میں تھا کہ امت پر آپ کا فیضان جاری رہتا تھا خدا سے ملے رہتے ہیں اور ادھر کی مشغولیت سے ادھر کی مشغولیت میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل

خواص اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشددا

تو ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و ادراک اور قوت استعداد ظاہر اور ادھر روح انبیاء علیہم السلام کی سرعت سیر معلوم کہ حضرت ابراہیم، معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات بیت المقدس سے ساتویں آسمان پر سات ہزار برس کا راستہ طے کر کے ادنیٰ فرصت میں پہنچ گئے (اور اس کی روایت ہم بیان کر چکے ہیں) پھر منکرین کو کیا اشکال و خلجان ہو رہا ہے کہ میلاد کی صرف چند محفلوں میں (جو چند شہر میں منعقد ہوتی ہیں) بسرعت سیر حاضر ہو جانے کی قدرت روح پیغمبر میں نہیں مانتے۔

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق ابراہیم خلیل اللہ سے اعلیٰ و افضل ہیں، پھر مفضول تو سات ہزار برس کی راہ ایک دم میں طے کرے اور فاضل و افضل چند مقامات کی سیر بھی نہ کر سکے بڑی ناقدردانی کی بات ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ کہ جو ایسا اعتقاد رکھے ان کو مشرک قرار دیں سبحان اللہ مشرک کے معنی بھی یہ حضرات خوب سمجھے۔

واضح ہو کہ نفس ناطقہ قدسیہ کا ایک آن میں بہت سے مکانوں میں ظاہر ہو جانا ہمارے عرفائے کاملین، حکمائے اشرافیین اور



محققین شرع متین کے نزدیک صحیح ہے۔ اسماعیل آفندی علامہ قسطلانی زرقانی، حلبي، محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین سبھی اس کے قائل ہیں۔

سیرت حلبي جلد اول میں ہے

فالأرواح تتجسد و تظهر في صور مختلفة من  
عالم المثال . (۱)

علامہ جلال الدین سیوطی نے فرمایا

تعدد الصور بالتخیل و التشکل ممکن کما  
يقع للجان .

ان دو عبارتوں کا مضمون حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی جلد ثانی میں ہے

ہر گاہ جنیان را بقدر قدرت یار اللہ سبحانہ ایں قدرت بود کہ متشکل  
اشکال گشتہ اعمال غریبہ بوقوع آرند ارواح کمل را اگر ایں  
قدرت عطا فرماید چہ محل تعجب است و چہ احتیاج بدن دیگر  
ازیں قبیلہ است انچہ از بعضی اولیاء اللہ نقل می کنند کہ در یک آن  
در امکانہ متعدده حاضری گردند و افعال مباینہ بوقوع می آرند ایں  
جائیز لطایف ایشان بتجدد باجساد مختلفہ و متشکل با اشکال متباینہ می  
شوند۔

اور ان کے ہاتھوں افعال مباینہ وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اسی  
طرح ان کی لطیف روئیں بھی مختلف اجسام و اشکال کے روپ  
دھار لیتی ہیں۔

مدارج النبوة میں ہے

ویدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از موت بمثال  
است چنانکہ در نوم مرئی می شود در یقظہ نیز می نماید و آن شخص  
شریف کہ در مدینہ در قبر آسودہ وحی است همان متمثل می  
گردد در یک آن متصور بصور متعدده عوام را در منام نماید  
و خواص را در یقظہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد  
ان کا دیدار مثال کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح وہ  
خواب میں نظر آتے ہیں یوں ہی بیداری میں بھی۔ اور وہ  
ہستی جو مدینہ منورہ کے اندر اپنی قبر میں آسودہ وحی ہے وہی  
متمثل ہو کر جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور ایک ہی لمحہ میں متعدد جگہوں  
پر عوام کے سامنے خواب میں اور خواص کے سامنے بیداری  
میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

مدارج النبوة کی اس عبارت سے بھی آن واحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوہر پاک کا متعدد شکلوں میں متشکل  
و تصور ہو کر ظاہر ہونا واضح گاف ہو گیا۔

تعجب ہے کہ مولف براہین قاطعہ نے صفحہ ۲۱۰ میں ”صور متعدده“ کا لفظ مدارج سے عبارت نقل کرنے میں حذف کر دیا کہ کہیں  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف روحانی کی قوت نہ ثابت ہو جائے۔ پھر طرفہ یہ کہ اس عبارت مذکورہ سے آپ نے سند پکڑی کہ وہ تو  
مثال ظاہر ہونے کو لکھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا اس میں کہیں نام و نشان بھی نہیں۔

افسوس عبارت کا مضمون بھی آپ نے نہ سمجھا یعنی محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ وہ بدن جو قبر مبارک میں ہے وہی متمثل ہو کر  
عوام کو خواب میں اور خواص کو بیداری میں نظر آتا ہے یہ نہیں کہ یہ جسم اقدس سے جدا الگ کوئی اور چیز نظر آتی ہے۔ اس موقع پر صحاح  
کی حدیث بھی یاد نہ آئی

مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي  
لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَتَمَثَّلَ بِهِ . (۱)

(۱) سنن ابن ماجہ: ۳۷۱/۱۱۱: حدیث: ۳۸۹۳، کنز العمال: ۳۸۱/۱۵: حدیث: ۳۱۲۷۱، مسند عبد بن حمید: ۱۶۷/۳: حدیث: ۱۰۳۸، جزء ابی النجم: ۳۱: حدیث: ۳۰  
مسند جامع: ۴۰۷/۹: حدیث: ۲۸۶۲

یوں بھی یہ حدیث ملتی ہے

مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِمَنْ يَتَمَثَّلُ بِهِ الشَّيْطَانُ لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ بِمَثَلِي . (مسند احمد: ۳۳۱/۷: حدیث: ۳۳۷۸، سنن دارمی: ۳۸۲/۶: حدیث: ۲۱۹۳، مسند جامع: ۱۵۵/۲۸: حدیث: ۹۲۵۱)

مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَتَمَثَّلَ فِي صُورَتِي . (سنن کبریٰ نسائی: ۳۸۲/۳: حدیث: ۷۶۲۹)

مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَتَمَثَّلَ بِهِ . (صحیح بخاری: ۳۵۰/۲۱: حدیث: ۶۲۷۹، شمائل ترمذی: ۳۶۱/۱: حدیث: ۲۰۶، دلائل النبوة  
تبیعی: ۸۹/۸: حدیث: ۲۹۷۲، مسند جامع: ۸۳/۳: حدیث: ۱۱۶۹، تحفۃ الاشراف: ۱۱۶/۳: حدیث: ۲۵۵، تخریج احادیث الاحیاء: ۴۳۷/۹: حدیث: ۴۳۷۷)

مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَتَمَثَّلَ بِهِ . (صحیح مسلم: ۳۶۰/۱۱: حدیث: ۳۲۰۶، سنن ابوداؤد: ۳۱۱/۱۳: حدیث: ۳۳۶۹، سنن  
ترمذی: ۲۳۶/۸: حدیث: ۲۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۷۱/۱۱: حدیث: ۳۸۹۱، مسند احمد: ۳۱۲/۱۳: حدیث: ۶۸۷۱، شمائل ترمذی: ۳۵۲/۱: حدیث: ۳۹۹، مستدرک:

۱۹/۷: حدیث: ۶۳۰۱، معجم کبیر طبرانی: ۱۸۳/۱۰: حدیث: ۱۲۲۳۳، مسند ابویعلیٰ موصلی: ۳۱۱/۷: حدیث: ۳۱۹۷، مسند شامی: ۲۶۱/۲: حدیث: ۶۷۷۷، مسند الحق بن راہویہ: ۲۲۹/۱: حدیث: ۲۱۹، مجمع الزوائد و معجم الفوائد: ۲۵۶/۳: حدیث: ۳۸۱/۱۵: حدیث: ۳۱۲۷۱، مسند جامع: ۸۳/۳: حدیث: ۱۱۶۹، تحفۃ الاشراف: ۳۳۳/۵: حدیث: ۲۲۳۳)

مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَتَمَثَّلَ عَلَيَّ صُورَتِي . (سنن ابن ماجہ: ۳۷۱/۱۱: حدیث: ۳۸۹۰، کنز العمال: ۳۸۲/۱۵: حدیث: ۳۱۲۷۱، مشکوٰۃ المصابیح: ۵۳۳/۲: حدیث: ۳۶۰۹)

مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى فَنِي أَرَى فِي كُلِّ صُورَةٍ . (روضة المحدثین: ۷۶/۷: حدیث: ۲۹۵۱)

مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَتَمَثَّلَ فِي صُورَتِي . (مسند بزار: ۴۶/۶: حدیث: ۱۸۳۲)

مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَتَمَثَّلَ بِهِ . (معجم کبیر طبرانی: ۳۹۲/۱۵: حدیث: ۱۷۷۷۷)







انبیائے کرام کی حاضری بعض علماء کے نزدیک ان کے جسموں کے ساتھ ہوئی تھی اور بعضوں کے نزدیک محض روح کے ساتھ۔ اور بعض اولیائے کرام غلبہ روحانیت کے سبب بند مکان سے دروازہ کھولے بغیر باہر نکل آتے ہیں۔ الحاصل جس طرح بھی ہو خواہ جسم و روح کے ساتھ یا مثال کے ساتھ خستہ حال امت کی طرف آپ کی روفی افروزی ثابت الاصل ہے۔

مولف براہین کا صفحہ ۲۰۸ پر یہ لکھنا کہ

مشاہدہ کے واسطے ارواح کا مشاہدہ کے گھر میں آنا ضرور نہیں قلب منور بعید سے دیکھتا ہے۔

اس موقع پر صحیح نہیں اس لیے کہ جب کسی نے کسی مقام خاص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روفی افروزی سے مشرف دیکھا تو وہاں جلوہ محمدی پایا ہے۔

### واقعہ تالاب شمش کی

اب دہلی میں ہوئے تالاب شمش کا ایک قصہ لکھتا ہوں جسے ”فوائد السالکین“ میں حضرت قطب الاقطاب قطب الدین بختیار کا کی قدس سرہ کے خلیفہ جناب شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر اجوہنی رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں کے حوالے سے نقل درقم فرمایا ہے

شمس از والی دہلی خواست کہ حوض بنا کند یک روز سوار شد با جمیع ارکان دولت زمین برائے راست کنائیدن حوضی دید چنانچہ رسید انجا کہ حوض است بایستاد کہ این زمین بہتر است چوں دید بازگشت در قصر آمد چوں آں مردے کہ از واصلان حق بود ہم دریں نیت درآں شب ہمبران مصلی قدری در خواب شد چنانچہ دید نزدیک چہو ترہ کہ درآں حوض است مردے بادو گیسو کشادہ و خوبصورت کہ صفت اون تو آں کرد برآپ و چند نفر یار برابر او ایستادہ ہمیں نظر مبارک ایشان بر من افتاد و پیش خود طلسمید و فرمود کہ بیا چہ نیت داری گفتیم نیت این دارم کہ این جا حوض بنا کنم ہم دریں گفتگوے کسے کہ نزدیک آں مرد استادہ بود مرا گفت اے شمس این رسول خداست عزوجل انچہ درخواست داری باز نماے تا آں مراد بدامن تو رساند چوں مراندیشہ این حوض بود ہمیں التماس کردم و در پائے مبارک رسول علیہ السلام اقدام بعدہ برخاستم دست بستہ استادہ شدم ہماں جا کہ چہو ترہ است اسپ رسول علیہ السلام دست بزدآب بیرون آمد رسول علیہ السلام فرمود کہ اے شمس ہمیں جا حوض راست بکنائی این چنینی آب بیرون خواہد آمد کہ در چچ

شہر و مقامی لذت آں آب نباشد ہم دریں گفتگوے بیدار شدم ہماں روز نگاہ سوار شدم چوں آں جا بیامدم کہ اسپ رسول علیہ السلام سم زدہ بود چہ پنیم کہ آب بیرون آمدہ است و آں جا قرار گرفتہ ہر کس کہ برابر شمس آمدہ بود قدرے ازاں آب خوردند سو کند بر زباں راندند کہ صد ہزار شیریں از ہر چہ جمع کنند و بخورند این چنینی شیریں نیابند کہ لذت آں آب دارد آں گاہ خواہ قطب الاسلام فرمود کہ شیرینی آں آب بہ برکت قدم مبارک رسول علیہ السلام بود۔

مبارک پر گر پڑا پھر کھڑے ہو کر دست بستہ درخواست کی۔ جس جگہ پر چہو ترہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے نے اپنے اگلے پاؤں کا سم لگایا تو پانی نکل آیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے شمس یہاں پر تالاب بنا لو۔ امید ہے کہ اس سے ایسا پانی نکلے گا جس کی لذت و چاشنی کسی اور شہر و مقام کے پانی میں نہیں پائی جاسکتی۔ گفتگو ہو رہی تھی کہ میں جاگ اٹھا۔ اسی صبح سوار ہو کر نکلا اور وہاں پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے نے سم لگایا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پانی نکل آیا ہے۔ شمس کچھ دیر وہیں کھڑا ہو کر یہ نظارہ دیکھتا رہا کہ جو شخص بھی اس پانی کا ذائقہ چکھ لیتا ہے کہے بغیر نہ رہتا تھا کہ اپنی زندگی میں ایسا شیریں ترین پانی پینے کا ہمیں کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ خواہ قطب الاسلام فرماتے ہیں کہ اس پانی کی اس مٹھاس کا راز انبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی برکت سے تھا۔

اس حکایت میں اس کا صاف ثبوت ہے کہ جس مقام پر آپ کے گھوڑے کا سم دیکھتا تھا وہاں صبح کو پانی خوش گوار پایا اگر قلب منور ہے فقط دور سے دیکھتا تھا اور مکان رویت سے اس کو علاقہ نہ تھا تو اس زمین میں پانی نکل آنے کی کیا وجہ ہوئی؟ اور یہ حکایت اولیائے ابراہیم لکھی ہوئی ہے۔ اس سے قطع نظر اہل دہلی یوں ہی متواتر سنتے چلے آئے کہ تالاب شمش کے بٹا کی یہی وجہ تھی۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ جب اولیائے ابراہیم اصحاب کشف و شہود نے روح یا روح کی مثال کو مجلس میں دیکھا تو اس مجمع اور مکان کا نور محمدی کے فیضان سے مشرف ہونا تسلیم کرنا چاہیے جیسا کہ مکہ معظمہ میں مذہب جنبل کے مفتی محمد بن یحییٰ علمائے اعلام اور مقتدایان اسلام سے نقل کرتے ہیں

عند ذکر ولادته صلی اللہ علیہ وسلم بحضور

روحانیتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

برزنجی کے رسالہ منظومہ نیز ”روح البیان“ کی چوتھی اور چھٹی جلد میں روح مبارک کے حاضر ہونے کی تصریح ہے۔ اور اس

مسئلہ کا رنگ و بو خود شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام میں موجود ہے۔ ”فیوض الحرمین“ کے اندر مدینہ طیبہ میں حاصل ہوئی اپنی دولت

مشاہدہ کے بارے میں بیان فرماتے ہیں

ورأيتہ علی حالة واحدة متوجہا إلی الخلق

لابسا لباس العظمتہ فإذا توجه إلیہ إنسان بجہد ہمتہ

ولا أریہ الإنسان العالی الہمة فقط بل کل ذی کبد

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حالت

پر ٹھہرا ہوا پایا کہ لباس عظمت پہنے آپ مخلوق کی طرف پورے

طور پر متوجہ ہیں۔ جب کبھی بھی کوئی انسان بلند ہمتی سے آپ







کے غسل وفات کی نوبت پہنچی تو صحابہ کہنے لگے ہم نہیں جانتے کہ جسم مبارک سے کپڑے اتار کر غسل دیں یا کپڑوں کے ساتھ ہی کسی کی یہ رائے ہوئی اور کسی کی وہ تب اللہ تعالیٰ نے سب پر نیند بھیج دی وہ سب سو گئے خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ گھر کے گوشہ میں ایک بولنے والا بولتا ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دو پھر وہ نیند سے اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا پہنے ہوئے غسل دیا۔ (۱)

اس حدیث میں لفظ قامو اکا ترجمہ زرقانی نے شرح مواہب میں یہ کیا ہے

انتبهوا من النوم۔ نیند سے بیدار ہوئے۔

اب دیکھیے کہ صحابہ نے بھی یہ عمل الہام منامی پر کیا ہے اور پھر صحابہ کرام کے بعد فقہاء محدثین نے بھی بہت سے الہامات پر عمل کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی "مکتوبات" میں اس کی بابت ایک سوال و جواب میں لکھتے ہیں

سوال: چوں کہ کتاب وسنت کامل گشت بعد از کمال

بد الہام چہ احتیاج بود و چہ نقصان ماندہ کہ بالہام کامل گردد۔

جواب: الہام مظہر کمالات خفیہ دین است نہ مثبت

کمالات زائدہ در دین چنانچہ اجتہاد مظہر احکام است الہام

مظہر دقائق و اسرار است کہ فہم اکثر مردم ازاں کوتاہ است

ہر چند در اجتہاد الہام فرق واضح است کہ آں مستند بخالق

راست جل سلطانہ پس در الہام یک قسم اصالت پیدا شد کہ

در اجتہاد نیست الہام شبیہ اعلام نبی است کہ ماخذ سنت است

چنانچہ بالا گذشت اگرچہ الہام ظنی ست و آں اعلام

قطعہ قطعہ۔ (جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے) گرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعہ۔

(۱) متن حدیث یوں ہے: لما أرادوا غسل النبي ﷺ قالوا: لا ندري أنجرد رسول الله ﷺ من ثيابه كما تجرد موتانا من ثيابنا و عليه ثيابه؟ فلما اختلفوا ألقى الله عليهم النوم حتى ما منهم رجل إلا و ذقنه في صدره ثم كلمهم مكلّم من ناحية البيت لا يدرون من هو؟ اغسلوا النبي ﷺ و عليه ثيابه فقاموا فغسلوه و عليه قميصه يصبون الماء فوق القميص و يدلكونه بالقميص. (مشکوٰۃ المصابیح: ۳۹۳/۳۹۴ حدیث: ۵۹۳۸)

مندرجہ ذیل کی کتابوں میں اس حدیث کا اتمام یوں ملتا ہے

و كانت عائشة رضي الله عنها تقول لو استقبلت من الأمر ما استديرت ما غسل رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا نساء هـ

(سنن داؤد: ۳۲۱/۸ حدیث: ۲۷۳۳ مسند احمد: ۲۶۰/۵۳ حدیث: ۲۵۱۰۲ دلائل النبوة: ۳۹۶/۳۹۷ مشقی ابن جبار: ۷۱/۲ حدیث: ۵۰۴)

یہ حدیث یوں بھی ملتی ہے اور مراد مصنف کے زیادہ قریب ہے

لما أرادوا غسل رسول الله ﷺ اختلفوا فيه فقالوا: والله ما ندري كيف تصنع أنجرد رسول الله ﷺ كما تجرد موتانا من ثيابنا و عليه ثيابه؟ فلما اختلفوا ألقى الله عليهم النوم حتى ما منهم رجل إلا و ذقنه في صدره نالما قالت:

ثم كلمهم من ناحية البيت لا يدرون من هو؟ فقال: اغسلوا النبي صلى الله عليه وسلم و عليه ثيابه. قالت: فثاروا إليه فغسلوا رسول الله ﷺ و هو في قميصه يفاض عليه الماء و السدر و يدلكونه بالقميص. و كانت تقول: لو استقبلت من الأمر ما

استديرت ما غسل رسول الله ﷺ إلا نساء هـ. (مسند جامع: ۳۷۱/۳۹۹ حدیث: ۱۶۳۳۳ مسند احمد بن حنبل: ۲۶۰/۵۳ حدیث: ۲۵۱۰۲)

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ "مدارج النبوة" میں لکھتے ہیں کہ اگر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات از قسم احکام سنے تو اس پر عمل نہ کرے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت میں شک ہے بلکہ یہ اس سبب ہے کہ خواب دیکھنے والے کا ضبط مفقود ہے۔ پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ احکام شرعیہ سے ہماری مراد وہ احکام ہیں جو دین کی قرارداد کے خلاف ہوں اور اگر وہ ایسے نہیں تو ان کے قبول کرنے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

اصل عبارت یوں ہے

و مراد احکام شرعیہ کہ مخالف قرارداد دین ست والا بعضی

علوم کہ نہ ازین قبیل باشند در قبول آں و عمل بدان خلافی نخواہد

بودہ بسیارے از محدثین تصحیح احادیث کہ مروی است از حضرت

وی نمودہ عرض کردہ کہ یا رسول اللہ فلاں ایں حدیث از حضرت

تو روایت کردہ است پس فرمود آں حضرت نعم اولاد در رویت کہ

در نقطہ است بعضی مشائخ نیز ہم چنین استفادہ علوم نمودہ اند۔

حدیث آپ سے مروی ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں یا نہیں۔ اور عالم بیداری میں جو رویت ہوتی ہے اس سے بھی بعض مشائخ نے استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح مفسر روح البیان نے بھی لکھا ہے کہ عالم رویا میں بہت سے علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث حاصل کی ہیں۔

جب کشف و منامات اولیا کی یہ حقیقت ظاہر ہوگئی تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ جب اہل مکاشفہ نے عمل میلاد سے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو خوش پایا، مجلس میں انوار الہی دیکھے، بعض عین مجلس میں زیارت سے مشرف بھی ہوئے اور بعضوں کو خواب میں فرمایا کہ

ہم بھی وہاں آتے ہیں۔ اب جب ہم اس کشف و منام کو شریعت (کی کوئی) پر پیش کرتے ہیں تو اس کو دین متین کی قرارداد کے

مخالف نہیں پاتے اس لیے کہ مکان مجلس یقیناً زمین کا کوئی ٹکڑا ہوگا تو اقطار الارض میں داخل ہوگا اور اقطار الارض میں آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے چلنے پھرنے کو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث و آثار سے ثابت کیا ہے لہذا اس مکاشفہ کا مضمون، مضمون حدیث کے

افراد و حصص میں سے ایک فرد اور حصہ ہوا، دین کے مقررہ احکام سے کسی حکم کا مخالف تو نہ ہوا، اس لیے مقبولین امت محمدیہ علی صاحبہا

الصلوٰۃ و التحیہ نے اس کو بسر و چشم قبول کیا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھ دیا کہ جب کوئی صاحب دل ذوق و شوق سے ہمت

لگاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی طرف نزول (۱) فرماتے ہیں۔

مسئلہ علم غیب مصطفیٰ

اعتراض: اگر کوئی یہ کہے کہ روح مبارک کو خبر ہو جانی، علم غیب ہے اور علم غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے

(۱) حاشیہ: مولف براہین کا یہ کہنا کہ یہ قصہ ملائکہ کا ہے سخت غلطی ہے اس لیے کہ یہاں "متوجہ الی الخلق" اور "کل ذی کبد" کے الفاظ ہیں نیز ذات مقدس رحمۃ

للعالمین ہے اور قبر مبارک کے زائر کے حالات اور نیت قلبی وغیرہ پر مطلع ہوتا تو علی العموم ہے، پھر اس جہد ہمت اور ذی کبد مشتاق کی قید کا کیا فائدہ۔ لہذا

مکاشفہ عام ہے۔ ہاں اگر یہ کہیں کہ یہ قصہ شاہ صاحب پر مدینہ میں مکشف ہوا تو بعید نہیں۔ ۱۲۰



سورہ نمل میں فرمایا

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ  
إِلَّا اللَّهُ. (۱)

نیز اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورہ اعراف میں حکم کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے کہہ دو  
لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَأَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ  
مَا مَسْنِي السُّوءُ. (۲)

جواب: اس کا یہ ہے کہ اگر آپ صاحبوں کو ان آیتوں پر ایمان ہے تو مبارک ہو بہت اچھی بات ہے لیکن چاہیے کہ دوسری  
آیتوں کو بھی سچی جانو۔ سورہ آل عمران میں ہے

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ  
يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ. (۳)

سورہ جن میں ہے

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنْ  
ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ. (۴)

ان چاروں آیتوں کو ملانے سے اہل سنت و جماعت کا مسئلہ اعتقادی کھل جاتا ہے یعنی اصل عالم الغیب اور علام الغیوب تو اللہ  
تعالیٰ ہے زمین و آسمان میں کوئی ایسا نہیں جو یقینی طور پر کسی بات کو بلا تعلیم و الہام الہی جان لے ہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے برگزیدہ  
رسولوں میں سے جس کو چاہے غیب کی خبریں بتا دیتا ہے تو جو شخص یوں کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ بھی غیب کی بات نہ  
جانتے تھے وہ اللہ کے کلام کا منکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

غیب کی خبروں کے لیے جس کو چاہے چھانٹ لیتا ہے۔

نیز حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی منکر ہوا کہ مشکوٰۃ کے ”باب المعجزات“ میں عمرو بن الخطاب انصاری سے روایت  
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو فجر کی نماز جماعت سے پڑھائی اور منبر پر چڑھے ہم کو نصیحت فرمائی یہاں تک کہ  
ظہر کا وقت آگیا آپ منبر سے اترے نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھے کہ ہم کو نصیحت فرماتے رہے کہ عصر کا وقت آگیا آپ اترے نماز پڑھی  
پھر منبر پر چڑھے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے ہم  
کو سب بتا دیا اب ہم میں زیادہ عالم وہ ہے جس کو اس دن کی زیادہ باتیں یاد ہیں۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے۔ (۵)

(۱) سورہ نمل: ۶۵/۲۷، (۲) سورہ اعراف: ۱۸۸/۷، (۳) سورہ آل عمران: ۱۷۹/۳، (۴) سورہ جن: ۲۶/۷، (۵)

(۵) مشکوٰۃ المصابیح: ۲۹۰/۳۳، حدیث: ۵۱۳۹، مستدرج: ۳۶۶/۳۶، حدیث: ۲۱۸۱۷، الآحاد والثنائی ابن ابی عاصم: ۸۸/۶، حدیث: ۱۹۳۳، معجم کبیر طبرانی: ۱۱/۱۱، حدیث: ۱۳۵۲۳، لآل النبوة: ۱۰۲۲، حدیث: ۸۶/۷، حدیث: ۲۵۷۳، مستدرج: ۱۰۳/۱۳، حدیث: ۶۶۹۶، صحیح ابن حبان: ۲۷۷/۲۷۷، حدیث: ۳۳۱، الامان ابن مندہ: ۱۲۱/۳، حدیث: ۱۰۲۲، الفقیہ والحنفیہ خطیب بغدادی: ۳۹/۳، حدیث: ۹۳۵، مستدرج: ۳۳۳/۳۳۳، حدیث: ۱۰۷۰۰، تحفۃ الاشراف: ۳۹۲/۹، حدیث: ۱۰۶۶۶، فتح الباری شرح بخاری ابن حجر: ۳۶۹/۳۶۹، حدیث: ۲۹۵۳، الدبیان علی مسلم: ۲۱۹/۶، حدیث: ۲۸۹۲، <<

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی غیب کی خبریں دی ہیں۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک ہونے والی کوئی چیز نہ چھوڑی جو ہم کو نہ بتائی ہو۔ (۱)  
ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ اس عالم سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ ہم کو ہر چیز بتا گئے اگر کوئی جانور بھی  
آسمان میں بازو ہلاتا ہے تو وہ بھی آپ ہم سے ذکر کر چکے ہیں۔ یہ امام احمد اور طبرانی نے روایت کی ہے۔ (۲)

ریاض الصالحین: ۱۹۹/۱، باب الخوارق والحلج، سبل الہدی والرشاد: ۱۳۹/۱۰، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ: ۳۳۰/۳، تہذیب الکمال: ۲۹۳/۲۰، البدایہ  
والنہایہ: ۸۱/۱، النہایہ فی الفتن والملاحم: ۶۱/۱، اشارات نبویہ الی الاحداث، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱۰۸/۱، افوقت کما خیر)  
متن حدیث یوں ہے

و عن عمرو بن الخطاب الانصاري قال صلى بنا رسول الله ﷺ يوما الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتى حضرت الظهر فنزل  
لفصلي ثم صعد المنبر فخطبنا حتى حضرت العصر ثم نزل لفصلي ثم صعد المنبر فخطبنا حتى غربت الشمس فاخبرنا بما  
كان وبما هو كائن فاعلمنا احفظنا.

(۱) متن حدیث یوں ہے: عن حذيفة بن اليمان قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فآخبرنا بما هو كائن إلى يوم قيام الساعة  
(الایمان لابن مندہ: ۱۱۹/۳، حدیث: ۱۰۲۰، مستدرج: ۲۷۶/۷، حدیث: ۲۳۳۷، السنن الواردة فی الفتن، دانی: ۳۱/۱، حدیث: ۱/۱۲، کنز العمال: ۱۲/۱۲،  
حدیث: ۳۵۲۸۳، مستدرج: ۳۲۷/۱۳، حدیث: ۳۵۹۹)

عن المغيرة بن شعبه أنه قال قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاما فآخبرنا بما يكون في أمته إلى يوم القيامة وعاه من  
وعاه ونسبه من نسبه. (مستدرج: ۷۰۳/۷، حدیث: ۱۷۵۱۳، مجمع الزوائد وفتح القوائد: ۱۲۳/۳، معجم کبیر طبرانی: ۱۵/۱۵، حدیث: ۳۷۵۰، الضعفاء  
الکبیر عقیلی: ۳۳۵/۵، حدیث: ۱۲۷۵، مستدرج: ۱۳۵/۳۶، حدیث: ۱۱۷۷۲)

عن أبي سعيد قال: قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاما فحدثنا بما هو كائن إلى يوم القيامة. (سبل الہدی والرشاد: ۱۳۹/۱۰)  
(۲) اس حدیث کا متن الفاظ کے ذرا سے فرق کے ساتھ مختلف کتابوں میں درج ہے

عن أبي ذر قال: لقد تركنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وما يقلب طائر جناحين في السماء إلا ذكر لنا منه علما. (سبل  
الہدی والرشاد: ۱۳۹/۱۰، روضة المحبتین: ۲۹۹/۱۲، حدیث: ۵۷۹۹)

لقد تركنا محمد صلى الله عليه وسلم وما يحرك طائر جناحيه في السماء إلا أذكرنا منه علما. (مستدرج: ۳۶۵/۳۳، حدیث: ۲۰۳۹۹،  
مجمع الزوائد وفتح القوائد: ۱۲۳/۳، مستدرج: ۳۶۷/۳۸، حدیث: ۱۲۳۲۱)

لقد تركنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وما يتقلب في السماء طائر إلا ذكرنا منه علما. (مستدرج: ۳۳۳/۳۳، حدیث: ۲۰۳۶۷،  
مستدرج: ۳۹۲/۱، حدیث: ۲۷۵۰، الرد للکبیر: ۹۰/۲، حدیث: ۵۱۳)

تركنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وما طائر يقلب جناحيه في الهواء إلا وهو يذكرنا منه علما. (معجم کبیر طبرانی: ۲۱۱/۲، حدیث: ۱۶۲۳،  
معجم الشيوخ صيدواي: ۱۹۱/۱، حدیث: ۹۳، کنز العمال: ۳۲۳/۱۲، حدیث: ۳۵۲۷۸)

قال أبو الدرداء لقد تركنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وما في السماء طير يطير بجناحيه إلا ذكرنا منه علما. (مستدرج: ۳۶۷/۱۰،  
موسلی: ۳۶۷/۱۰، حدیث: ۳۹۸۱، المطالب العالیہ عسقلانی: ۱۲۳/۱۱، حدیث: ۳۹۳۵، مجمع الزوائد وفتح القوائد: ۱۲۳/۱۱)



مزید آپ نے فرمایا کہ میں اپنے اگلے پچھلے سب امتیوں کو جانتا ہوں جیسے تم اپنے ایک دوست کو پہچانتے ہو اس سے کہیں زیادہ میں ہر آدمی کو پہچانتا ہوں۔ رواہ الطبرانی۔

قطع نظر اس سے کہ اعمال امت آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں

روى البزار بسند جيد عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قَالَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ وَمَمَاتِي خَيْرُكُمْ. تُعَرِّضُ عَلِيٌّ أَعْمَالَكُمْ فَمَا كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللَّهَ عَلَيْهِ وَمَا كَانَ مِنْ سَيِّئٍ اسْتَغْفَرْتُ اللَّهَ لَكُمْ. (۱)

بزار عمدہ سند کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں تو اچھے کاموں پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور برے کاموں پر تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی سورۃ بقرہ میں (و یكون الرسول عليكم شهيدا) کے تحت لکھتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطلع است بہ نور نبوت بررتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور نبوت سے ہر دین دار کے ہر متدین بدین خود کہ در کلام درجہ از دین من رسیدہ الی ان قال اس رتبہ پر مطلع ہیں کہ جس تک وہ پہنچا ہوا ہے یہاں تک در روایات آمدہ ہر نبی برابر اعمال اہل خود مطلع می سازند کہ فرمایا کہ ہر نبی اپنی امتوں کے اعمال سے واقف ہوتا ہے فلانی چنان می کند و فلانی چنان تاروز قیامت اداے شہادت کہ فلاں کیا کرتا ہے اور فلاں کیا؟ تاکہ بروز محشر اس کی قیامت دے سکیں۔

نیز علامہ اسماعیل آفندی قسطلانی اور زرقانی رحمۃ اللہ علیہم روایت کرتے ہیں

(۱) بغیۃ الخاری: ۲۸۸/۱: حدیث: ۱۳۱ المطالب العالیہ عسقلانی: ۹۳/۱: حدیث: ۳۹۲۵: مسند جارت: ۲۳/۳: حدیث: ۹۳۳: مجمع الزوائد و مع الفوائد: ۶۸/۳۔

یہ حدیث یوں بھی ملتی ہے

❊ حیاتی خیر لکم تحدثون و نحدث لکم و وفاتی خیر لکم تعرض علی أعمالکم ' فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ و رأیت من شر استغفرت اللہ لکم . (البحر الخار مسند بزار: ۳۳۱/۵: حدیث: ۱۷۰۳: کنز العمال: ۱۱/۴۰۷: حدیث: ۳۱۹۰۳)

❊ حیاتی خیر لکم تحدثون و یحدث لکم و وفاتی خیر لکم تعرض علی أعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ و ما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم . (بغیۃ الخاری: ۲۸۸/۱: حدیث: ۱۳۱ المطالب العالیہ عسقلانی: ۹۳/۱: حدیث: ۳۹۲۵: مسند جارت: ۲۳/۳: حدیث: ۹۳۳: مجمع الزوائد و مع الفوائد: ۶۸/۳)

❊ حیاتی خیر لکم تحدثون و یحدث لکم ' فإذا أنا مت کانت وفاتی خیر لکم ' تعرض علی أعمالکم ' فإن رأیت خیرا حمدت اللہ ' و إن رأیت غیر ذلک استغفرت اللہ لکم . (فضل الصلوۃ علی النبی اسماعیل بن الحسن: ۲۵/۱: حدیث: ۲۳)

❊ حیاتی خیر لکم و موتی خیر لکم ' أما حیاتی فاسن لکم السنن و أشرع لکم الشرائع ' و أما موتی فإن أعمالکم تعرض علی فما رأیت منها حسنا حمدت اللہ علیہ ' و ما رأیت منها سیئا استغفرت اللہ تعالیٰ لکم . (تخریج احادیث الاحیاء: ۲۸۷/۸)

عن سعید بن المسیب قال لیس من یوم إلا و تعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أعمال امته غدوة و عشية فیعرفهم بسمیامهم و أعمالهم فلذلک یشہد علیہم یوم القیامة .

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا کہ جس میں صبح و شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی امت کے اعمال نہ پیش کیے جاتے ہوں آپ اپنے امتیوں کو ان کی علامت و نشانی اور ان کے اعمال سے پہچان لیتے ہیں تبھی تو قیامت کے روز آپ امتیوں کی گواہی دیں گے۔

جب احادیث میں آچکا کہ ہر روز صبح و شام دوبار امت کے اعمال آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میلاد کی جملہ محفلوں کی بابت معلوم ہو جانا کیا بڑی بات ہے۔

مولف براہین گنگوہی کا یہ لکھنا ایک عجیب قانون ہے

تمام امت کا اعتقاد یہ ہے کہ جناب فخر عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور بتلادیا اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ علم ثابت کرنا شرک ہے۔ انتہی۔

اس تقریر پر تو ایک زمانہ مشرک ہو جائے گا۔ مثلاً کسی نے اپنے استاد کو اپنے ذہن میں بڑا عالم یا اپنے مرشد کو بڑا صاحب کشف سمجھ لیا حالانکہ حق تعالیٰ نے ان کو اس قدر علم اور کشف نہ دیا تھا تو مولف براہین کے نزدیک ذرہ بھر زیادہ سمجھنے سے وہ مشرک ٹھہرے گا۔ معاذ اللہ۔

پھر اس سے قطع نظر ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تو ہم اسی قدر ثابت کرتے ہیں جس قدر شرع میں ثابت ہے (اس سلسلہ کی نصوص اوپر گزر چکیں) اور روحانی حرکت بھی اسی قدر ثابت کرتے ہیں جو نصوص سے ثابت ہیں۔

مولف براہین صفحہ ۴۵ پر در مختار وغیرہ کے حوالے سے ایک مسئلہ لکھتے ہیں

اگر کوئی نکاح کرے حق تعالیٰ اور فخر عالم علیہ السلام کی شہادت کے ساتھ۔ تو فخر عالم کی نسبت علم غیب کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ انتہی۔

یہ مسئلہ بھی آپ نے صحیح نہیں لکھا۔ اس کی اصل تحقیق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور گواہ نہ ہوں صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کر کے نکاح کر لے تو وہ نکاح بالاتفاق ناجائز ہے اس لیے کہ یہاں گواہ دو ہونے چاہئیں کہ اگر نکاح میں جھگڑا ہو تو عدالت میں گواہی دے سکیں۔ نیز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ تو ہر نکاح میں شاہد ہوتا ہے پھر شریعت میں اس ذات پاک کے علاوہ اور دو گواہ مطلوب ہیں اور وہ یہاں نہیں لہذا وہ نکاح ہرگز نہ ہوا۔ اس پر اتفاق ہے لیکن بعض علماء نے اس کو کافر بھی کہہ دیا (جس کا ذکر مولف براہین نے کیا ہے) مگر یہ صحیح نہیں کیوں کہ در مختار میں اس کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے

قبیل یکفر .

قبیل کا لفظ تضعیف کے لیے آتا ہے اور فتاویٰ قاضی خان کی ”کتاب النکاح“ میں لکھا ہے

و بعضهم جعلوا ذلک کفرا .

لیکن ابھی بھی واضح نہیں ہوا کہ خود قاضی خان کی رائے اس کے موافق ہے یا نہیں تو یہ بات انھوں نے کلمات کفر میں کھول دی



وہاں انھوں نے یوں لکھا ہے

قالوا یكون کفرا۔

علماء نے فرمایا کہ اس کی تکفیر کی جائے گی۔

شرح معنیہ وغیرہ میں یہ اصطلاح صراحتہ لکھی ہے کہ لفظ قالوا ایسے موقع میں لکھا جاتا ہے جہاں اپنی رائے میں وہ امر مستحسن نہیں ہوتا۔

شرح معنیہ کے ”ذکر قنوت“ میں لکھا ہے کہ قاضی خاں کا لفظ قالوا لکھنا غیر مختار ہونے کی دلیل ہے۔ ان کی عبارت یوں ہے

و کلام قاضی خان یشیر الی عدم اختیارہ له ففی قوله قالوا إشارة الی عدم استحسانہ له۔

لہذا ان فتاویٰ سے معلوم ہو گیا کہ کافر کہنا ضعیف ہے۔ اب ہم عدم کفر پر واضح تردیل لاتے ہیں۔ فقیہ شامی نے درمختار کے قول مذکور پر (جس کی سند براہین میں پکڑی ہے) تحریر کیا ہے

قال فی التارخانیۃ و فی الحجۃ ذکر فی التارخانیۃ اور حجت میں کہا کہ ملقط میں مذکور ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک پر پیش کی جاتی ہیں۔

اب اس سے قویٰ دلیل سنو۔ ”خزانۃ الروایات“ میں مضمرات سے نقل کیا ہے

و الصحیح أنه لا یکفر لأن الأنبیاء علیہم السلام یعلمون الغیب و یعرض علیہم الأشياء فلا یمکن کفرا۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہ کی جائے گی کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام غیب کا علم رکھتے ہیں اور ان پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں تو کفر کیسا۔

ہم نے اس آخری روایت کو قویٰ اس لیے لکھا کہ اس میں لفظ ”صحیح“ موجود ہے جو الفاظ فتویٰ سے ہے۔ یعنی اس اختلاف علماء میں صحیح بات یہی ہے کہ وہ کافر نہیں ہوتا۔ تو درمختار تصنیف قاضی خان شامی، تارخانیۃ، فتاویٰ حجت، ملقط، خزانۃ الروایات اور صحیح مضمرات سے صاف ثابت ہو گیا کہ وہ کافر نہیں ہوتا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دنیا جہاں کی چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ اور فتح القدیر وغیرہ میں ہے کہ جب روایت فقہ وحدیث متفق ہو تو اس کو ہرگز نہ چھوڑا جائے۔ لہذا فتاویٰ کا یہ حکم دائمی، حکیم ترمذی، بزار، عبد اللہ بن مبارک، اور محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقولہ اعمال پیش کی جانے والی حدیث کے مطابق صحیح رہا۔

زرقاتی نے شرح مواہب میں لکھا ہے

تمام انبیاء اور ان کے والدین کو ہر جمعہ امت اور اولاد کے اعمال اجمالاً پیش کیے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب پر یہ شرف دیا گیا کہ آپ کو ہر روز دو بار تفصیلاً اور ہر روز جمعہ اجمالاً مطلع کیا جاتا ہے۔ انتہی۔

اب دیکھیے یہ عرض اعمال، علم کا بہترین وسیلہ ہے اور شرعی مسئلہ بھی ہے جس کو مفتیان دین لے چکے ہیں۔ اس بنیاد پر یہ جاننا کہ روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محفل کی خبر ہو جاتی ہے ہرگز شرک نہیں، تو جو کوئی محفل کرتا ہے زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ ایک دودن پہلے سے اس کی اطلاع ہو جاتی ہے اور اس کے سامان شروع ہو جاتے ہیں ورنہ اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ اگر شام کو محفل ہو تو صبح

سے شیرینی یا کھانے وغیرہ کا کچھ انتظام ہونے لگتا ہے اور اگر صبح کو محفل ہوتی ہے تو شام سے شروع ہو جاتا ہے اور لوگوں کو اطلاع شروع ہو جاتی ہے۔

اب سمجھنا چاہیے کہ جب ہر روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام دوسرے اعمال امت کی خبر دی جاتی ہے تو جس کے گھر میں شام کو محفل ہوگی اور اس نے جو کچھ صبح کو سامان کیا ہوگا یا کسی کو خبر دی ہوگی وہ عمل صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ چکا ہوگا کہ شام کو ہمارے فلاں امتی کے گھر محفل ہوگی اور اگر اس کے گھر صبح کو محفل ہونے والی ہے اور شام کو اس شخص نے اسباب فراہم کیا ہوگا یا کسی کے سامنے منہ سے نکالا ہوگا کہ میں صبح کو محفل کروں گا تو اس کی اتنی ہی خبر محفل منعقد ہونے سے پہلے پہنچ چکی ہوگی۔

علاوہ ازیں محفل میلاد شریف میں کثرت سے درود و سلام پڑھا جاتا ہے اور حدیث شریف کے مطابق فرشتے مجلس کا درود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے ہیں۔ یہ بھی ایک ذریعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس میں درود پڑھنے والوں کی نام بنام اطلاع ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ فرشتے درود پڑھنے والے کا نام لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو درود پہنچاتے ہیں۔ اور اہل محبت قصائد عشقیہ بھی پورے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مکاشفہ اور پرگز چکا ہے کہ جو کوئی ذوق وشوق سے متوجہ ہوتا ہے مدح اور درود و سلام پڑھتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف نزول فرماتے ہیں۔ اس مکاشفہ کی تائید حدیث سے بھی پائی جاتی ہے۔ ”دلائل الخیرات“ کے دیباچہ میں ایک حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جو لوگ آپ سے دور اور ناکاہوں سے اوجھل ہیں اور آپ کے مبارک زمانے کے بعد پیدا ہوں گے ان کے درود کا کیا حال ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا

اسمع صلاة اهل محبتي و اعرفهم و تعرض علي صلاة غيرهم عرضا۔ اپنے شیدائیوں کا درود و سلام میں خود سنتا ہوں اور انھیں پہچانتا بھی ہوں۔ جب کہ اوروں کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ مہدی فاسی نے شرح دلائل الخیرات میں اس کے معنی یوں لکھے ہیں

اسمع بلا واسطۃ صلاة اهل محبتي الذين يصلون علي محبة لي و شوقا و تعظيما و ظاهره سواء صلي عليه المحب له عند قبره او نائبا عنه و اعرفهم لتالف ارواحهم بروحه و تعارفها معها بالمحبة الرابطة و الأرواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف و ما تناكر منها اختلف و لتكرر صلاحهم عليه و اكثارهم لها من أجل المحبة المقتضية لذلك و تعرض علي صلاة غيرهم عرضا فهو إنما يسمعها بواسطۃ. انتہی ملخصاً۔

میں اپنے محبت کرنے والوں کا درود (جو کہ میری تعظیم وعقیدت اور شوق ومحبت میں پڑھتے ہیں) بغیر کسی واسطہ کے سن لیتا ہوں۔ اور حدیث کا ظاہر مطلق ہے خواہ وہ قریب سے درود بھیجیں یا دور سے۔ اور میں انھیں پہچانتا بھی ہوں کیونکہ روحوں میں محبت کے حوالے سے الفت باہم اور جان پہچان ہوتی ہے اور روحوں لشکر کی مانند ہوتی ہیں جن میں جان پہچان ہو جاتی ہے ان میں الفت بھی ہو جاتی ہے اور جن میں جان پہچان نہیں ہوتی ان میں الفت بھی نہیں ہوتی مزید اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اور میں ان اہل محبت کو درود کی کثرت کی وجہ سے پہچانتا ہوں جو وہ مجھ پر محبت وعقیدت کے باعث پڑھتے ہیں۔ اور دوسروں کا سلام چوں کہ فرشتے پہنچاتے ہیں تو اس کو بواسطہ سنتا ہوں۔



”مزرع الحیات شرح دلائل الخیرات“ میں ہے

و اعرفهم می شناسم اہل محبت را بسبب اتصال روحی و میں اہل محبت کو روحانی لگاؤ اور معنوی قرب کی وجہ سے  
قرب معنوی ایشاں باروح مقدس ع: قرب جانی چو بود پہنچان لیا کرتا ہوں۔ جان سے جب آدمی قریب ہوتا ہے تو بعد  
بعد مکانی سہل است۔ و تعرض صلاة غیرہم عرضا مکانی آسان ہو جاتا ہے۔ اور اہل محبت کے علاوہ اوروں  
یعنی فرشتگان درود غیر آں ہا را بر من عرض می کنند بواسطہ آں ہا کا درود فرشتے مجھ پر پیش کیا کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے  
می شنوم و شنیدن بلا واسطہ مخصوص بحبان و عاشقانے است کہ میں ان کا درود سنتا ہوں جب کہ عاشقوں اور اپنے شیدائیوں  
مذکور شدند۔ کا درود خود اپنے کان سے سنتا ہوں جیسا کہ مذکور ہوا۔

دلائل الخیرات کی حدیث کو دونوں شارحین نے مسلم رکھا تو معلوم ہوا کہ محبت بھی روحانی قرب کا سبب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ  
وسلم اپنے چاہنے والوں کا درود (دور سے) خود سن لیا کرتے ہیں جس طرح مزار شریف کے قریب کا درود سنتے ہیں یہ ظاہری دوری  
کوئی رکاوٹ نہیں بنتی۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مکافہ ظاہر کرتا ہے کہ درود خوانی کے علاوہ دوسری حالتوں میں بھی حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم اپنے خاص محبین کی امداد فرماتے ہیں۔ چنانچہ ”درشن“ کی بارہویں حدیث میں انھوں نے اپنا حال یوں لکھا ہے

لم اتعیش ليلة من الليالي فآلهم بعض أصحابنا ایک دن شب کو میں نے کھانا نہیں کھایا تو ہمارے ایک  
آن یھدی إلی إناء من لبن فشربتہ ثم نمت علی دوست کو الہام ہوا وہ دودھ کا ایک پیالہ لایا جسے پی کر میں  
الوضوء فرأیت روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم با وضو سو گیا، قسمت بیدار ہوئی اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ  
قادمتم إلی إني أنا الذي أرسلت اللبن و ألقیت وسلم کی روح مبارک کو دیکھا اس نے مجھ سے کہا کہ وہ دودھ  
الخاطر في قلب الرجل میں نے ہی بھیجا تھا اور اس آدمی کے دل میں دودھ لے جانے  
کی بات میں نے ہی ڈالی تھی۔

اور قاری قرآن والی وہ حکایت گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا قرآن سننے تشریف لائے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ آپ  
کو عرض اعمال کے ذریعہ بھی خبر ہوتی ہے اور اہل محبت کی خبر روحانی قرب کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے۔  
اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خبردار ہو جانے کا ایک تیسرا اور چوتھا طریقہ بھی ہے لیکن یہ دونوں دقیق ہیں عام فہم  
نہیں کہ علی العموم ذکر کیے جائیں۔ بہر کیف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اطلاع پانے کے چند طریقے ہیں اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے  
دیے ہوئے ہیں تو آپ کا علم غیب مستقل اور بالذات نہ ہوا کہ جس سے شرک لازم آئے بلکہ آپ جس طریقے سے امت کے  
حالات اور دنیا کی چیزوں پر مطلع ہوں گے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے ہوں گے۔ اس کا نام شرک ہرگز نہیں ہے۔ عقائد اور علم  
کلام کی کتابیں دیکھو۔

جب حدیث عرض اعمال وغیرہ متعدد واسطوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (احوال امت کا) علم ہو جانا ثابت ہو چکا، ساتھ ہی  
زمین میں روحوں کا چلنا پھرنا اور ان کی سرعت رفتار بھی احادیث سے معلوم ہو چکی۔ پھر مخلوق کی طرف آپ کی توجہ بھی سب کو معلوم  
ہے ساتھ ہی آیت مبارکہ: بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ میں امت کے لیے رحمت و شفقت کی دلیل موجود۔ اور جب امتی آپ

کے لیے مال خرچ کریں درود و سلام اور تعظیم و ادب کے ساتھ آپ کی مدح خوانی کریں تو اس کے جواب میں آپ کے توجہ و احسان  
فرمانے پر آیت کریمہ: هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ موجود۔ پھر معلوم نہیں فریق ثانی اہل اسلام میں بے جاشفاق  
و نفاق ڈال کر اچھے خاصے مسلمانوں کو مشرک کیوں بنارہے ہیں؟

ہاں اگر کوئی جاہل عقیدہ شریک رکھے۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذاتی اور مستقل علم غیب مانے یوں نہ جانے کہ اللہ  
تعالیٰ کا دیا ہوا ہے معاذ اللہ تو اس کے کفر میں کس کو کلام ہے وہ شخص تو بالافتقار مردود ہے۔

مولف براہین گنگوہی لکھتے ہیں

مجلس میلاد شریف میں اکثر ایسے ہی آدمی ہوتے ہیں۔

معلوم نہیں ان کو گھر بیٹھے کس طرح مجلس والوں کی غیبی خبر ہو گئی اور وہ بھی ان کے دلوں کی ہم نے اپنی عمر بھر میں اب تک اس  
عقیدہ کا آدمی نہیں دیکھا اور یہ عقیدہ تو معاذ اللہ بہت ہی برا شرک ہے۔

محفل میلاد شریف منہیات شرعیہ سے پاک ہونی چاہیے

ہم تو جملہ منہیات شرعیہ کو برا کہتے ہیں چاہیے کہ بانی محفل، مخلص، خوش عقیدت اور محبت والا ہو مال میں احتیاط کرے اپنی محنت  
کی تنخواہ یا تجارت کا کمایا ہو یا بیہ و میراث وغیرہ کا صحیح شرعی طریقہ سے پہنچا ہو مال کھانا و شیرینی اور عطر وغیرہ میں صرف کرے  
آرائش کے سامان، فرش و برتن وغیرہ میں خلاف شریعت کوئی کام نہ ہو۔ ایسی معتبر روایتیں ہوں جن کو ثقات محدثین نے ”باب  
المعجزات“ میں قبول کیا ہو۔ اشعار وہ ہوں جن کے پڑھنے پر مفتیان دین نے فتویٰ دیا ہو پھر ان امور کے بعد شان رسالت علیہ  
السلام کی تسلیم و آداب مد نظر ہو سامعین حاضرین مجلس کی زبان پر دم بدم درود و سلام کی کثرت ہو فضائل و معجزات اور قصائد ذوق  
و شوق و محبت سے پڑھیں پڑھوائیں اور سنیں سنوائیں۔

الحاصل جس قدر مجلس کی صفائی میں اور امور منہیہ سے بچنے میں جدوجہد کریں گے اتنی ہی حق تعالیٰ کی رضا مندی اور روح  
محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اپنی طرف پائیں گے اگر محفل مقبول ہوگی اور قبولیت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ شخص اپنے مقصد و مراد  
کو پہنچے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک ایک قسم کے خاص جلوہ روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مشرف ہو۔ اور یہ کچھ اسی محفل کے  
ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر عمل کا پھل اسی وقت ملے گا جب اس کی شرطیں بجالائے گا۔  
دیکھیں کہ نماز کے سلسلے میں حدیث وارد ہے۔

إن العبد إذا قام إلى الصلوة رفع الله تعالى جب ایک بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ  
الحجاب بینہ و بینہ و واجهہ بوجهہ الکریم۔ (۱) اپنے اور اس کے درمیان سے پردے اٹھا دیتا ہے اور اپنا روئے  
کریم اس کے سامنے کر دیتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب مسلمان وضو کرتا ہے تو شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے اور زمین کے کناروں تک بھاگ  
یوں بھی یہ حدیث ملتی ہے: إن العبد إذا قام إلى الصلوة فتحت له أبواب الجنان و كشفت له المحجب بینہ و بینہ و استقبلته الحور  
العین ما لم یتمشط أو یتنعع۔ (مجموع کبیر طبرانی: ۲۸۸/۷: حدیث: ۷۹۰۷: کنز العمال: ۲۹۸/۷: حدیث: ۱۸۹۶۷: مجمع الزوائد و معیاد الفوائد: ۲۳۲/۱)



جاتا ہے اس ڈر سے کہ یہ بندہ اپنے بادشاہ کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے جب وضو کر کے اللہ اکبر کہتا ہے تو ابلیس چھپ جاتا ہے اور اللہ جل شانہ اس بندے کے سامنے ہو جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ (۱)  
خلاصہ یہ کہ یہی نماز ہم غافل لوگ بھی پڑھتے ہیں اور ایک اولیاء اللہ کی نماز ہوتی ہے کہ ان کو نماز میں مشاہدہ ربانی حاصل ہو جاتا ہے اور ان کی نمازوں میں مقامات طے ہوتے ہیں تو اسی طرح محافل میلاد کی مقبولیت کے بھی درجات ہیں۔  
نہ انجیر شد نام ہر میوہ نہ مثل زبیدہ ست ہر بیوہ  
الحاصل مقبول تر آدمی وہ ہے جو زیادہ اخلاص و محبت سے محفل کرے۔

سوال: یہ قیام مروج تعظیم رونق افروزی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے یا کسی اور وجہ سے ہے؟

جواب: اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا محفل پر مطلع ہو جانا مجملہ اعمال امت سے ثابت ہے اور مشتاق نگاہوں کو اپنے خاص جلوہ روحانی سے مشرف فرمانا بھی ممکن۔ لیکن علی العموم ہر ایک محفل میں قیام اس غرض اور علت پر مبنی نہیں بلکہ اس کی اصل وجہ تعظیم شان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرحت و خوشی کا اظہار ہے۔ (۲)

دیکھیے عالم الامہ مقتدی الامہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی مجلس کے اکابر علماء مدح کا ایک شعر سن کر کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ سیرت حلبی میں مذکور ہے اور اس میں روح کے آنے کا کچھ تذکرہ بھی نہیں اس کی عبارت یوں ہے  
قام الإمام السبکی و جمیع من بالمجلس فحصل انس کبیر بذلک المجلس . (۳)  
اسی طرح اسماعیل افندی نے بھی تفسیر روح البیان میں نقل کیا ہے اور سیرت شامی میں ہے۔

(۱) متن حدیث یوں ہے

أن تعبد الله كأنك تراه۔ (صحیح بخاری: ۸۷۱۸ حدیث: ۲۸ صحیح مسلم: ۸۷۱۸ حدیث: ۹ سنن ابوداؤد: ۳۰۶۱۳ حدیث: ۳۰۷۵ سنن ترمذی: ۱۹۱۲۹ حدیث: ۲۵۲۵ سنن کبریٰ نسائی: ۵۲۸۷۶ سنن ابن ماجہ: ۲۷۱۱ حدیث: ۶۲ مشکوٰۃ المصابیح: ۱۸۱ حدیث: ۲۳۶ سنن کبریٰ بیہقی: ۲۰۳۱۰ بیہقی: ۲۰۳۱۱ الحدیث: ۲۱۱۱۱ سنن طبرانی: ۱۱۱۱۱ تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۱۷۵۳ حدیث: ۱۶۳۶۶ دلائل النبوة بیہقی: ۱۲۳۸۸ حدیث: ۳۰۰۰ صحیح ابن حبان: ۳۱۱۱۱ حدیث: ۱۵۹ صحیح ابن خزیمہ: ۲۰۳۸۸ حدیث: ۲۰۵۵ مسند ابن راہویہ: ۲۱۱۱۱ موار الطحان: ۲۵۱۱۱ الآداب بیہقی: ۱۲۷۳۳ حدیث: ۸۱۲۵ الاربعون آجری: ۶۱۱۱ حدیث: ۵۱۱۱ الاربعون نسوی: ۳۱۱۱ الحدیث: ۱۱۱۱۱ المسند ۳۱۱۱ حدیث: ۱۱۱۱۱ مسند یزید: ۲۸۸۹۹ حدیث: ۳۳۰۷۷ السنن عبد اللہ بن احمد: ۳۳۳۲۲ حدیث: ۸۰۹۹ القضاء والقدر بیہقی: ۱۳۳۳۳ تعظیم قدر الصلوٰۃ مروزی: ۳۳۳۱ حدیث: ۳۳۱۱ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ الکافی: ۱۰۵۸۳۳ حدیث: ۸۳۱۱ طبقات احمد شین: ۴۲۳۳۳ حدیث: ۱۳۳۳۳ مسند حارث: ۱۶۱۱۱ حدیث: ۹ مجمع الزوائد: ۱۶۱۱۱ کنز العمال: ۲۳۳۳۳ حدیث: ۵۵۵۵۵ نصب الرایہ: ۱۱۱۱۱ کتاب الزکوة: مسند الجالی: ۳۳۳۳۳ حدیث: ۱۲۶۲۶۲ تخريج احادیث الاحیاء: ۲۶۷۷۷ حدیث: ۲۲۶۷۷۔

(۲) حاشیہ: اس صورت میں جو لوگ مشرف زیارت ہوئے ان کے قیام کی دودھیں ہیں: ایک زیارت۔ دوسرے اظہار فرحت و سرور و تعظیم۔ اور باقی علی العموم سب کے حق میں قیام فقط وہی وجہ فرحت و سرور و تعظیم۔ اور ہر این قاطعہ کے صفحہ: ۲۰۸ پر بھی روح کی زیارت ہونے کی صورت میں قیام کو صحیح مان لیا ہے۔ اور صفحہ: ۲۰۹ پر لکھا ہے کہ تشریف آوری کے دوام پر انکار ہے نہ امکان وقوع احیانا پر (انجی کلامہ ملخصاً) لہذا وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اسی وقوع احیانا کی امید پر کھڑے ہوتے ہیں جیسے ایک شب قدر پانے کے لیے ساری عمر جاگتے ہیں۔ ۱۲۔ منہ

(۳) تفسیر روح البیان: ۳۱/۱۳۰

جرت عادة كثير من المحبين إذا سمعوا  
بذكر وضعه صلى الله عليه وسلم أن يقوموا  
تعظيماً له . (۱)

یہاں یہ نہیں لکھا کہ روح مبارک کو دیکھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔  
امام برزنجی نے ”عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر“ میں لکھا ہے

قد استحسن القيام عند ذكر ولادته الشريفة  
أئمة ذوو رواية و دراية .

یہ نہیں فرمایا

استحسن القيام عند روية روحه أو عند قدوم  
روحہ صلى الله عليه وسلم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک دیکھنے یا اس کے آنے کے وقت قیام مستحسن ہے۔  
عرب و عجم اور مشرق و مغرب میں تمام بلاد اسلامیہ کا اسی پر عمل ہے کہ روح پر فتوح کو دیکھے بغیر صرف ولادت شریف کا ذکر سن کر جملہ اہل محفل کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اعتراض: اگر کوئی یہ کہے کہ اگر یہ تشریف آوری روح کے سبب نہیں تو پھر تعظیم کس بات کی ہے؟

جواب: اس کا یہ ہے کہ قیام فقط تشریف آوری کی تعظیم ہی پر منحصر نہیں بلکہ شریعت میں چند مقام پر قیام پایا گیا ہے (۳)  
ایک: آنے والے کی تعظیم میں جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے وقت قیام فرماتی تھیں (کذا فی المشکوٰۃ) (۴)

دوسرا: وضو کا بچا ہوا پانی پینے کے لیے کھڑے ہونا۔

ترمذی نے روایت کیا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ وضو کر چکے تو بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیاسا ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مجھ کو پسند آیا کہ

(۱) سبل الہدی والرشاد: ۳۳۲/۱

(۲) حاشیہ: تعظيماً له: اس جگہ شامی کی عبارت میں یہ لفظ بھی ہے: هذا القيام بدعة لا اصل لها۔ تو اس اجمال کی تفصیل اور مانعین کے اعتراضات کا جواب پورے شرح وسط کے ساتھ عنقریب آنے والا ہے۔ ۱۲۔ منہ

(۳) ان لوگوں پر یہ اعتراض ہے کہ تم کو روح نظر نہیں آتی تو کیوں اُٹھتے ہو؟ جواب ان کی طرف سے یہ ہے کہ ہم اس موقع میں تقلیداً کھڑے ہوتے ہیں جہاں اہل مکافہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ہر محفل میں کیوں کھڑے ہوتے ہو؟ تو جواب دیتے ہیں کہ شب قدر یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتی پھر بھی جاگتے ہیں اور کئی راتوں کو جاگتے ہیں اگرچہ شب قدر تو درحقیقت سال میں ایک ہی رات ہوگی جب بھی ہو۔ تو اسی طرح یہ لوگ ہر محفل میں اس امید کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں کہ آخر قیام بھی تو قدم روح مبارک کے مطابق ہو جائے گا۔ اگر عمر بھر میں ایک دن بھی موافق آ پڑا غنیمت ہے۔

بس بود جاہ و احترام مرا ☆ یک علیک از صد سلام مرا ۱۲۔ منہ

(۴) متن حدیث: نو کسان اذا دخل عليها قامت إليه ..... (مشکوٰۃ المصابیح: ۱۳۶۳۳ حدیث: ۲۶۸۹۹ سنن ابوداؤد: ۳۳۳۳۳ حدیث: ۲۵۳۰۰ مستدرک حاکم: ۶۱/۱۱۱ حدیث: ۲۷۳۶۰ شعب الایمان بیہقی: ۳۳۵/۱۸ حدیث: ۸۶۳۶۶ صحیح ابن حبان: ۳۳۷۲۸ حدیث: ۷۷۷۷۷) (۷۷۷۷۷)







انہیں میں سے یہ ہے کہ احمد بن حنبل اور علی بن مدینی وغیرہ جملہ تعلیم حدیث میں کھڑے رہتے تھے (چنانچہ ہم یہ روایت سابقہ لکھ چکے ہیں)۔

انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ بہاء الدین ملک طاہر کا وزیر قصیدہ بردہ کو برہنہ پا اور برہنہ سر کھڑا ہو کر سنا کرتا تھا اور اس سے اس کے گھر میں دین و دنیا کی بہت سی خیرات و برکات حاصل ہوئیں۔

کشف الظنون میں در باب قصیدہ بردہ لکھا ہے

و لما بلغت صاحب بهاء الدين وزير الملك الظاهر استحسناها ونذر ان لا يسمعها الا حافيا واقفا مكشوف الرأس وكان يتبرك بها هو و اهل بيته و راوا من بركاتنا امورا عظيمة في دينهم و دنياهم (۱)

انہیں میں سے ہمارے شیخ الطریقہ امام الشریعہ خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے مرشد کے روضہ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا بھی ہے۔ شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر اپنے پیر قطب صاحب کے ملفوظات معروف بہ ”فوائد السالکین“ میں لکھتے ہیں

ایک بار خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ سلوک کے سلسلہ میں وعظ فرما رہے تھے جب دائی طرف نظر پڑتی کھڑے ہو جاتے تھے سو باریوں ہی کھڑے ہوئے لوگ حیرت میں تھے۔ جملہ ختم ہونے کے بعد ایک بے تکلف آدمی نے عرض کیا کہ (دورانی وعظ) آپ بار بار کھڑے کیوں ہو جاتے تھے۔ فرمایا جب میری نظر مرشد خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ پر پڑتی کھڑا ہو جاتا تھا اس لیے کہ پیر کی تعظیم زندگی و موت ہر حالت میں برابر واجب ہے بلکہ مرنے کے بعد اور زیادہ۔

انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی صاحب معرفت پر عشق الہی میں وجد صادق ظاہر ہو تو جملہ حاضرین کو کھڑے ہو جانا چاہیے۔ یہ مسئلہ حجۃ الاسلام امام غزالی نے ”احیاء العلوم“ میں ذکر فرمایا ہے۔

ان جملہ احادیث و آثار صحابہ اور مشائخ حدیث و طریقت کے فعل کی روشنی میں ایک انصاف پسند اور حق طلب آدمی پر خوب خوب واضح ہو جائے گا کہ بلاشبہ قیام تعظیمی صرف کسی کے آنے کی تعظیم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ اور امور کی تعظیم میں بھی قیام پایا گیا ہے۔ پھر کیا ضرور ہے کہ مرجع محفل میں روح مبارک کے آنے کے عقیدہ کے ساتھ ہی قیام کیا جائے بلکہ اس میں شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم پر نظر رکھی جائے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ حج میں فرمایا

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (۲)

پرہیزگاری سے ہے۔

مولوی اسماعیل صاحب نے اولیاء اللہ کی محبت کو اس آیت کی تفسیر اور شعائر اللہ کی تعظیم میں شامل کیا ہے۔ ”صراط مستقیم“ مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۴۳ میں ان کی عبارت یوں ہے

اگر نیک تامل کنی دریابی کہ محبت امثال ایں کرام خود شعار ایمان محبت و علامت تقوی اوست ذلک و مَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ۔ اتھی۔ ایمان کی نشانی اور اس کے تقویٰ کی علامت ہے۔ اور جو اللہ کی نشانیں کی تعظیم بجالائے تو سمجھیں کہ یہی دلوں کا تقویٰ ہے۔

جب اولیاء اللہ شعائر اللہ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو عظیم ترین شعائر سے ہوئے۔ چنانچہ ”حجۃ اللہ البالغہ“ مطبوعہ بریلی کے صفحہ ۷ میں شاہ ولی اللہ نے بھی آپ کو معظم شعائر اللہ میں شمار کیا ہے اور جب آپ معظم شعائر ہوئے تو گویا آپ کی ولادت اعظم شعائر اللہ کا ظہور ہے لہذا ہم کو چاہیے کہ اعظم شعائر اللہ کی عظمت دل میں پیدا کریں اور اس نعمت عظمیٰ کو سب سے عظیم جانیں جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۱)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوں فرما کر ان کے وجود باوجود کا ہمارے گردنوں پر احسان رکھا

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا (۲)

تو جس وقت آپ کے ان انوار و آثار کا تذکرہ تعظیم و آداب اور جاہ و جلال کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جو آپ کی ولادت باسعادت کے وقت عالم دنیا میں ظاہر ہوئے تو دل کے رگ دریشہ میں اس وقت کا جلوہ سما جاتا ہے آنکھوں کے سامنے آپ کی ولادت کے وقت فرشتوں اور حور عین کی آمد کا نقشہ کھینچ جاتا ہے دل عظمت شان رسالت سے بھر جاتا ہے اور دل میں غایت درجہ تعظیم پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اس عالم میں بعد آداب و تعظیم سب لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنی ہیئت جلوس کو قیام سے بدل دیتے ہیں۔ چنانچہ شرع شریف میں ظاہر کو باطن کا عنوان قرار دیا گیا ہے یعنی اگر دل میں توحید و رسالت کی تصدیق ہے تو اقرار باللسان اس کی تطبیق ہے۔ اسی طرح اگر دل میں اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی خواہش و حاجت ہے تو دعا میں دونوں ہاتھ بھیک مانگنے والوں کی طرح پھیلا دینا سنت ہے تاکہ ظاہر و باطن کا نقشہ یکساں ہو جائے۔ باریک بینوں کو شریعت سے اس کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔

انہیں میں سے زینت محفل کی بابت چند مثالیں ”دافع الاوہام“ میں مذکور ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دل میں جو عظمت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بھری ہوتی ہے اس کے اظہار کے لیے قیام کیا جاتا ہے تاکہ ظاہر و باطن دونوں ایک سے ہو جائیں اور جس طرح دل کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہے اسی طرح تعظیم و آداب کے ساتھ قیام کرنا اس عظمت کا ایک نقشہ و صورت ہے گرچہ اس وقت آنکھوں کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود مجلس میں حاضر نہ ہوں لیکن آپ کا ذکر ظہور تو موجود و ظاہر ہے اور ذکر ظہور کی تعظیم بعینہ آپ کی تعظیم ہے۔



مولوی اسماعیل صاحب ”صراط مستقیم“ مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں

از فروغ حب منعم است تعظیم شعائر او مثل تعظیم نام  
یعنی منعم کے شعائر کی تعظیم مثلاً اس کے نام و کلام اور اس کے لباس کی تعظیم کرنا دراصل اس کی محبت ہی کی ایک شاخ ہے۔

جب آپ کی تعظیم دل میں ہوئی تو آپ کے نام و بیان اور فکر کی تعظیم بھی ہوگئی تو یہ ذکر کی تعظیم بعینہ آپ کی تعظیم ہے اور آپ کی تعظیم خدا کی تعظیم۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۷۰ پر لکھا ہے

حتی صار تعظیمها عندهم تعظیما لله . (۱)

اس مضمون کی موافقت میں آیتیں بھی لکھ چکے ہیں

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ . (۲)

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ . (۳)

الحاصل یہ قیام نہ شرک ہے اور نہ بدعت ضلالت بلکہ جمہور علمائے امت کے اتفاق سے یہ مستحب و مستحسن ہے جس پر شرعاً دلیل بھی قائم ہیں۔

**فائدہ:** اب ہم مولف براہین گنگوہی کے نزدیک بھی مسلم ایک قاعدہ سے اس قیام کا ثبوت پیش کر رہے ہیں کہ ہم نے مجلس میلاد کے امور مروجہ کے لیے لکھا ہے کہ کسی امر مستحسن و مباح کا (جو پہلے نہ تھا) زیادہ کرنا جائز ہے۔ اس کی نظیر یہ لکھی کہ اگر کوئی تعظیم و آداب کی نیت سے التحیات میں اللھم صل علی سیدنا محمد پڑھے تو ”در مختار“ میں اس کو افضل لکھا گیا ہے حالانکہ اس درود میں لفظ سیدنا منقول نہیں۔

اس کا جواب مولف براہین صفحہ ۱۵۴ پر لکھتے ہیں

صیغہ درود شریف میں لفظ سیدنا کی زیادتی کو یہ نہ سمجھا کہ جہاں کہیں زیادتی یا تبدیلی کی اجازت صراحۃً یا دلالتاً موجود ہے وہاں انہی کہاں ہو سکتی ہے وہ تو خود ماوردیہ الشرع میں داخل ہے تو لفظ سیادت کے اضافے کی اجازت خود یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ میں موجود ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ کے معنی تعظیم کے ہیں۔ اور صلوا کے معنی عظموا لکھتے ہیں اور اگر دعا کے معنی میں ہو تب بھی اس کی تعظیم لازم ہے کیونکہ جس کے واسطے دعا کی جائے گی اس کی توقیر و تعظیم لازم آئے گی۔ تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہے سو ہر جگہ کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں سے فخر عالم کی تعظیم فرماتے ہیں تو جو لفظ و صیغہ کہ تعظیم کے معنی دے گا وہ خود مطلوب ہوگا جب کہ اس کی کوئی نہی وارد نہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ قیام زیادہ کرنے کی اجازت بھی شرع میں موجود ہے۔ تعظیم و توقیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واجب ہونے کے سلسلہ میں دلائل قیام کی ابتدائی بحث میں ہم لکھ چکے ہیں شرعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر مطلوب ہے تو یہ قیام بھی فرد تعظیمی ہو کر مطلوبہ افراد تعظیم میں شامل اور ماوردیہ الشرع میں داخل ہے۔ نیز یہ کہ ذکر ولادت شریف کے وقت درود و سلام بھی کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں تو جیسا لفظ صلوا بمعنی عظموا سے صیغہ تعظیم ایجاد کیا جو پہلے نہ تھا یوں ہی اس وقت درود و سلام پڑھنے کے لیے یہ ہیئت

تعظیمی یعنی قیام ایجاد کیا جو پہلے نہ تھا لہذا لفظ سیدنا کی طرح قیام بھی افضل ہوگا۔ اور اسی پر در مختار کا قول بھی قیاس کر لیں (جسے مولف براہین گنگوہی نے بھی بطور سند رکھا ہے) تو یہ قیام فریق ثانی کے بتائے ہوئے دلائل سے بھی صحیح اور ثابت الاصل ہے۔ اسی وجہ سے سید برزنجی وغیرہ مفتیان دین اس قیام کے استحسان پر برابر فتاوے دے رہے ہیں۔

## قیام کے سلسلے میں منکرین کے متفرق شبہات

**پہلا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام نہیں کرتے تھے جیسا کہ ترمذی میں ہے پھر اب قیام کس طرح جائز ہو؟

**جواب:** واقعی قیام نہیں کرتے تھے لیکن اس طرح کا قیام جیسا سلاطین عجم میں تھا کہ جب رعایا اپنے بادشاہ کو آتے دیکھتی کھڑی ہو جاتی اور جب تک وہ تخت پر بیٹھا رہتا اس وقت تک جملہ رعایا اس کے آگے پورے تواضع کے ساتھ کھڑی رہتی ایسا قیام حقیقتہً ممنوع شرعی ہے جب کہ وہ بادشاہ یا امیر حکم کرے اور اس قیام کو پسند کرے۔

لیکن محفل میلاد شریف میں یہ بات تو نہیں کہ اس محفل کے منبر یا چوکی یا تخت پر کوئی بادشاہ بیٹھا ہوا ہے اور سب لوگ اس کے آگے کھڑے ہیں یا یہ کہ وہ بادشاہ حکم کر رہا ہے کہ تم میرے آگے قیام کرو۔ یہاں تو یہ بات ہے کہ میلاد خواں منبر پر کھڑا ہو کر درود و سلام اور نعت و مدح کے اشعار پڑھ رہا ہے جو خود فعل صحابہ سے ثابت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَنَ مَنِيرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُومُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاحِرُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . (۱)

مجلس میلاد شریف میں بھی میلاد خواں منبر پر کھڑا ہو کر فخر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتا ہے اور جس وقت میلاد خواں کھڑا ہوتا ہے حاضرین بھی کھڑے ہو جاتے ہیں جس میں ایک دوسری حدیث کی تکمیل بھی ہو جاتی ہے جو مشکوٰۃ کے ”باب القیام“ کی تیسری فصل میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَجْلِسِ يُحَدِّثُنَا فَإِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا . (۲)

(۱) سنن ابوداؤد: ۶۶/۱۰ حدیث: ۲۷۷۳، مشکوٰۃ المصابیح: ۴۱۳/۳ حدیث: ۲۸۰۵، شمس الترمذی: ۲۸۲/۱ حدیث: ۲۷۷۳، مستدرک: ۱۰۸/۱۴ حدیث: ۶۰۹۹، تہذیب الآثار طبری: ۴۱۶/۲ حدیث: ۵۳۳، مسند ابویعلیٰ موصلی: ۸/۱۰ حدیث: ۶۶۲۳، معرفۃ الصحابہ: ۳۳۳/۶ حدیث: ۲۰۲۲، مسند الجالی: ۵۱/۳۳ حدیث: ۷۴۰۱، تحفۃ الاشراف: ۸/۱۳ حدیث: ۶۰۲۰، تخریج احادیث الاحیاء: ۱۵/۱۵ حدیث: ۲۱۷۱ اور محکم کتب طبرانی میں یوں ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یضع لحسان بن ثابت منبراً فی المسجد ینشد علیہ الأشعار . (۳۵۰۱) حدیث: ۳۵۰۱، مشکوٰۃ المصابیح: ۱۸/۳ حدیث: ۲۷۰۵، سنن ابوداؤد: ۳۹۳/۱۴ حدیث: ۲۱۳۵، شعب الایمان: ۱۸/۱۸ حدیث: ۸۲۳۶، الدخل الی السنن الکبریٰ: ۱۰۳/۲۲ حدیث: ۵۸۷۱، مسند ابن ابی شیبہ: ۳۹۹/۱ حدیث: ۲۷۷۳، کنز العمال: ۲۲۱/۷ حدیث: ۱۸۷۱۰، مسند الجالی: ۲۰۹/۲۲ حدیث: ۲۷۷۳، تحفۃ الاشراف: ۱۲/۱۲ حدیث: ۲۰۹۱۲، حدیث: ۱۲۸۰۱



اس سے ثابت ہوا کہ حاضرین مجلس کو قیام میں موافقت کرنی چاہیے۔ (۱)

تو اس قیام میں اور ترمذی کی منع قیام کی روایت (جسے مانعین بطور سند لاتے ہیں) میں بہت فرق ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ صحابہ کسی طرح کا قیام نہیں کرتے تھے تو یہ بالکل غلط ہے۔ ابھی گزرا کہ حضرت حسان فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کھڑے ہو کر کیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی گزرا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو صحابہ بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لاتیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے تھے اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر نبی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھڑی ہو جاتی تھیں۔ (۲) نیز صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ یہ اسامہ بن شریک سے بروایت صحیح، قسطلانی نے روایت کی ہے۔

نیز زرقانی شرح مواہب میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایام جنین میں حلیمہ سعدیہ کے آنے کی وجہ سے کھڑے ہوئے۔ اور سیرت حلبی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی باپ کے آنے کے وقت کھڑے ہوئے۔ نیز شاہ ولی اللہ نے مانعین قیام کا رد کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے) ”حجۃ اللہ الباقیہ“ دیکھیں۔

**اعتراض:** حضرت کا نام سن کر تو کھڑے ہو جائیں مگر اللہ تعالیٰ کے نام پر نہیں کھڑے ہوتے، گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے بھی فوقیت دے دی۔

**جواب:** یہ اعلیٰ درجہ کی کم فہمی ہے۔ دیکھیں ہم نمازوں میں بکمال ادب رو بہ قبلہ اللہ تعالیٰ کے واسطے قیام کرتے ہیں اور اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بحالت سجدہ خاک پر گر جاتے ہیں۔ ہر روز نماز فرض و نافل میں ساٹھ ستر سے زیادہ سجدے کرتے ہیں یہ کیسی بڑی تعظیم ہوئی کہ ماتھا زمین پر رگڑتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف اس قدر کہ ولادت شریف کے ذکر پر آپ کے ظہور عظیم کی وجہ سے تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب خیال کریں کہ رسول کی تعظیم خدا سے زیادہ کہاں ہوئی؟

**اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اذان و خطبہ میں بہت جگہ آتا ہے کہیں نہیں کھڑے ہوتے سوائے میلاد شریف کے اور اس میں بھی جب خاص ذکر ولادت شریف آتا ہے۔

**جواب:** ولادت شریف میں یہ مناسبت ہے کہ ولادت کے معنی یہ ہوئے کہ آپ عالم بطون سے عالم ظہور میں آئے اور آنے والے کی تعظیم کے لیے جمہور فقہاء و محدثین کے مذہب کے مطابق شرع میں قیام متحسن ہے۔ اور یہ خوب معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان والا بہت عظیم ہے۔

مہر دے وَ تَعَزَّزْ وَ تَوْقَرُ وَ تَنْفِرُ کی تفسیر میں لکھا ہے

(۱) اور اگر حضرت حسان ایسا کرتے کہ پہلے بیٹھ کر پڑھتے پھر کھڑے ہو کر تو حاضرین مجلس بھی بالضرور ان کی موافقت کے ساتھ کھڑے ہو جایا کرتے لیکن وہاں یہ ہوتا کہ بیٹھے ہوئے لوگوں کے درمیان حضرت حسان کھڑے ہو کر اول سے شروع کرتے تھے تو وہ حالت خلیب کی حالت سے مشابہ ہوتی تھی ایسی صورت میں حاضرین نہیں اٹھا کرتے، بخلاف اس صورت کے کہ بیٹھے میں شروع ہی سے شریک ہیں اور پھر اٹھتے تو حاضرین اس کے ساتھ موافقت کرتے تھے۔ یہ احیاء العلوم کے قیام مجلس سماع کی شکل ہے۔ ۱۲

(۲) متن حدیث: کانت اذا دخلت علیہ قام الیہا و کان اذا دخل علیہا قامت الیہ (مشکوۃ الصالح: ۱۳/۳ حدیث: ۲۶۸۹ سنن ابوداؤد: ۱۳/۳ حدیث: ۲۵۳۰ مستدرک حاکم: ۶۱/۱۱ حدیث: ۲۷۳۶ شعب الایمان: ۸۶۳۶ صحیح ابن حبان: ۲۸/۲۸ حدیث: ۷۹۷۹)

ای تبالغوا فی تعظیمہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں خوب مبالغہ سے کام لو اسی بنیاد پر تحنین امت نے بطور مبالغہ یہ تعظیم کیا کہ جو قیام بادشاہ و امیر کی عین تشریف آوری کے موقع پر تعظیماً کیا جاتا ہے وہ آپ کے ذکر قدم میںست لزوم میں کیا گیا۔ اس پر کوئی اعتراض شرعی نہیں پڑ سکتا سوا اس کے کہ ایجاد ہے تو طریقہ آداب کی ایجاد مستحب و مستحسن ہے۔ اس کا ذکر چند بار گزر چکا اور بدعت حسد کا وجود بھی شرع سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

**اعتراض:** قیام کرنے والوں کو اس بات کی تعظیم منظور ہوتی ہے کہ حضرت کے قدم کی تعظیم کی جائے تو وقت ولادت کی کیا خصوصیت تھی چاہیے تھا کہ جب ذکر سنتے کہ فلاں وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد یا مجلس میں تشریف لائے تھے یا حج یا جہاد سے پھر آئے تھے ہر قدم کا ذکر سن کر کھڑے ہو جایا کرتے۔

**جواب:** ان قدومات میں اور قدم وجودی یعنی ولادت شریف میں بڑا فرق ہے۔ یہ سب قدم جزئی ہیں مثلاً گھر سے جب مسجد یا مجلس تشریف لائے تو وہ دولت مخصوص اسی جماعت کے واسطے ہوئی دوسرے لوگوں کا اس میں کیا حصہ ہے کہ جن میں آپ رونق افروز نہ ہوئے برخلاف قدم وجودی کے کہ وہ قدم کلی ہے یعنی آپ کا عالم وجود میں آنا تمام جہان پر رحمت ہے جو کوئی اس وقت دنیا میں موجود ہے یا نہیں اور جو کوئی قیامت تک پیدا ہوتا چلا جائے گا اور جو چیز ثریا سے عرش تک ہے آپ کی ولادت سب کے لیے رحمت ہے

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۲) اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

تو اس قدم اور قدومات مذکورہ میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے اس اعلیٰ درجہ کے قدم میں قیام کرنا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں رائج ہوا جب اس قدم کلی کا ذکر آتا ہے اسی وقت قیام کرتے ہیں بخلاف اور قدومات کے کہ وہ جزئی ہیں۔

**اعتراض:** اگر یہ قیام ذکر ولادت شریف کے واسطے خاص ہوا کہ اس میں معنی قدم وجودی کے ہیں تو بہت وقتوں میں یہ ذکر احادیث وغیرہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں ہے: لقد جاءکم رسول اور حدیث میں ہے: ولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مختوناً اس وقت کیوں نہیں کھڑے ہوتے۔ علاوہ بریں بہت مرتبہ آپ کی ولادت کا مضمون کسی شعر یا فقرہ نثر میں چلتے پھرتے زبان پر آ جاتا ہے وہاں بھی کوئی نہیں کھڑا ہوتا۔

**جواب:** بنی آدم پر غفلت طاری ہے اللہ تعالیٰ کے نام پر کسی خاص موقع میں جب دل اللہ کی طرف راغب ہوتا ہے تو وہاں ذوق و شوق سے جل جلالہ، جل شانہ، عم نوالہ۔ باقی اکثر اوقات میں دل غافل اور بے خبر ہوتا ہے سیکڑوں باتوں میں اللہ تعالیٰ کا نام آ جاتا ہے تو جل جلالہ وغیرہ الفاظ تعظیم کچھ بھی زبان پر نہیں لاتے، بس یہی حال قیام کا بھی ہے بعض حالات میں نام رسول آتا ہے دل کو اس تعظیم خاص یعنی قیام سے غفلت ولا پرواہی ہوتی ہے برخلاف مجلس کے کہ یہاں ہر قسم کے آداب و تعظیم کے سامان موجود ہیں خواہی نہ خواہی ہر عامی کی آنکھیں بھی کھل جاتی ہیں اور تعظیم بجالاتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم قیام کو فرض یا واجب کہتے تب یہ اعتراض پڑتا کہ کسی موقع میں بھی ترک جائز نہ ہو جب فرض نہیں بلکہ

(۱) دوسری تفاسیر میں اسی مفہوم کی ایک دوسری عبارت ملتی ہے

ان تبالغوا فی تعظیمی۔ (بحر المدید: ۳۱۲/۶ تفسیر روح البیان: ۲۸۱/۲۰)

(۲) سورہ انبیاء: ۱۰۷



مستحب اور مستحسن ہے تو موقع محفل میں کہ (وہاں امور استحسان و آداب موجود و مہیا ہیں) قیام بھی کرتے ہیں تاکہ اکرام اپنے جملہ لوازم کے ساتھ تمام و کمال ہو اور جہاں تمام لوازم مروجہ منفی ہیں وہاں یہ بھی نہ ہوا تو کیا حرج ہے صرف درود شریف پڑھ دیا یہ بھی تعظیم کا فائدہ دے جاتا ہے۔ اور اوپر یہ لکھا جا چکا ہے کہ تعظیم مفروضہ کسی فرد میں بھی ادا ہو جاتی ہے اور عید میلاد کی تعظیم کو کثیر سامان اور متعدد افراد کے ساتھ ادا کرنا استحباب کے درجہ میں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ تلاوت قرآن شریف اور حدیث پڑھتے وقت جو یہ ذکر آئے وہاں کیوں نہیں کھڑے ہو جاتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر عمل کے کچھ خصائص ہوتے ہیں جو ہر جگہ نہیں کیے جاتے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں یہاں اس کی صرف ایک مثال لکھی جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب "قول جمیل" میں لکھتے ہیں

جب کوئی کسی زبردست سے ڈرتا ہو تو اس کے سامنے جاتے وقت پڑھے: کھبعض کھفیث، اور ہر حرف پر دانے ہاتھ کی انگلی بند کرتا جائے۔ پھر پڑھے: حمعسق حمیث، اور ہر حرف پر بائیں ہاتھ کی انگلی بند کرتا جائے پھر حاکم کے سامنے دونوں مٹھی کھول دے۔ انتہی۔

اب سمجھنا چاہیے کہ یہ مٹھی کا بند کرنا اور کھولنا اس عمل کا خاصہ ہے تو اب اگر کوئی کہنے لگے کہ یہ تو قرآن شریف کے حروف ہیں جب کوئی تلاوت کے دوران کھبعض اور حمعسق پڑھے تو وہاں بھی انگلیاں کھول اور بند کر لیا کرے۔ تو ہر عقل مند یہی کہے گا کہ اے بھائی وہ تو اس عمل کا خاصہ ہے جسے اسی عمل کے ساتھ خاص رکھنا چاہیے اور جب قرآن پڑھیں تو اس وقت قرآن کے آداب تلاوت ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ بس اسی طرح جب حدیث سیکھنے اور سکھانے یا وعظ و بیان وغیرہ کی غرض سے پڑھی جائے تو وہاں وہ آداب چاہئیں اور جب اذان وغیرہ میں آپ کا نام آئے تو وہاں جو تاثر ہو وہ ادا کریں اور جب یہ ذکر مسرت و شادمانی کے اس جلسہ شکر و سپاس میں آئے تو وہاں تعظیم و سرور کا یہ عمل قیام کے ساتھ کیا جاتا ہے اور میلاد شریف اخروی ثواب کو شامل ہونے کی وجہ سے خیر و برکت کا ایک بہترین عمل بھی ہے۔ چنانچہ ابو سعید بورانی، ابن جزری، سخاوی اور علی قاری وغیرہ نے اس عمل سے دین و دنیا کے منافع میں بے پایاں برکتوں کا حاصل ہونا لکھا ہے۔ نیز یہ عمل بہت سے اسلامی شہروں میں اہل اسلام کیا کرتے ہیں۔

یہ بھی ظاہر اور کسی سے مخفی نہیں کہ مشائخ عظام اور علمائے کرام نے اس عمل میں ذکر و تلاوت کے وقت بطور خاص قیام کیا ہے لہذا بطور خاص سے یہ عمل خاص اسی موقع کے لیے قیام کا خاصہ ٹھہرا تو یہ قیام تمام خارجی مواقع مثلاً تلاوت قرآن احادیث اور اذان وغیرہ میں جاری نہ کیا جائے گا جس طرح کھبعض میں بطور عمل انگلیاں کھولی اور بند کی جائیں گی مگر قرآن شریف پڑھتے وقت ایسا نہ کیا جائے گا اور اعمال کی خصوصیات کو فقہاء کی تخصیصات و تعینات مکر وہہ سے کوئی علاقہ نہیں۔

مولوی اسماعیل صاحب کی "صراط مستقیم" دیکھو کہ یک ضربی، دو ضربی، نہ ضربی اور جس نفس و خیالات وغیرہ کے کیا کچھ تعینات اذکار اس میں درج ہیں۔ اس سے ہٹ کر ہم کہتے ہیں کہ علمائے دین کا کسی چیز کو مستحسن قرار دینا بھی دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل و حجت ہے اور علمائے عرب و عجم نے صد ہا سال سے اس موقع خاص میں قیام کو مستحسن فرمایا ہے۔ لہذا دوسرے موقع میں قیام کا یہ معمول عام نہ کیا جائے گا جب تک ان مواقع پر بھی علمائے امت استحسان کا فتویٰ نہ صادر فرمائیں۔ کسی امر استحسانی کو خاص موقع استحسان میں معمول کرنا ثابت ہے نہ کہ علی العموم۔

دیکھو بیت اللہ سے رخصت ہوتے وقت (حجاج) اُلٹے پاؤں پھرتے ہیں جس کی دلیل علامہ زیلعی نے یہ لکھی کہ مقتضایہ ادب یہی ہے کہ دربار شاہی سے یوں ہی اُلٹے پاؤں پشت پھیرے بغیر واپس ہوا جاتا ہے (بدعت حسنة کے مباحث میں یہ مسئلہ فقہی روشنی میں ہم تشریح کے ساتھ لکھ چکے ہیں)۔

الحاصل حاجی لوگ جب اپنے دیس آنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس وقت وہاں سے اُلٹے پاؤں پھرتے ہیں اور جب شیخ وقت نماز پڑھ کر بیت اللہ سے نکلتے ہیں تو اس وقت اُلٹے پاؤں نہیں پھرتے حالانکہ "دربار شاہی سے یوں ہی پھرا جاتا ہے" والی علت پانچوں وقت میں موجود ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے خاص اسی وقت اُلٹے پاؤں پھرنے کو مستحسن کہا ہے تمام اوقات کی بابت نہیں۔ تو اب یوں ہی اس قیام کو بھی سمجھو کہ علماء کا استحسان خاص اسی موقع میں ہوا ہے۔

**اعتراض:** ولادت شریف ہونے کے وقت قیام ہونا چاہیے اب یہ ہر روز کون سی ولادت مکرر ہوتی ہے اور اس امر کی شرع میں کہیں نظیر نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے بلکہ شریعت میں یہ حرام ہے لہذا یہ قیام حرام ہوا۔

**جواب:** ذکر ولادت شریف تو کوئی فرضی امر نہیں یہ تذکرہ تو امر حسی اور موجود فی الخارج ہے زبانوں پر اس کے الفاظ جاری 'کانوں میں اس کی صورت طاری اور دلوں میں اس کا ذوق ساری ہے تو ایسی حالت میں محبت اور ذوق و شوق کے ساتھ تعظیماً کھڑے ہو جائیں تو ایسا شرعاً محبوب ہے کیونکہ یہ تو آیت کریمہ: وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ كَيْفَ يُعْمَلُ میں داخل ہے۔

اور یہ بات کہ واقعہ گزر جانے کے بعد اصل واقعہ کی طرح اس کا معاملہ کرنا شرع میں نہیں آیا تو یہ غلط ہے۔ صوم عاشورا کو دیکھو کہ کہاں فرعون کا ڈوبنا، موسیٰ علیہ السلام کا نجات پانا اور پھر اس کے شکرانے میں موسیٰ علیہ السلام کا روزہ رکھنا۔ اور کہاں یہ ہمارا زمانہ کہ اب تک وہ نور روز چلا جاتا ہے حالانکہ فرعون کے غرق ہونے اور موسیٰ کی نجات پانے کا واقعہ تو اسی دور میں ہوا تھا اب وہ اصل حقیقت موجود نہیں لیکن روزہ کا معاملہ وہی کرتے ہیں جو اصل واقعہ کے وقت کیا تھا۔

اس کی دوسری نظیر یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ تشریف لائے مدینہ میں بخاری بیماری تھی، مشرکوں نے کہا کہ ان لوگوں کو مدینہ کے بخار نے ست اور لاغر و زار کر دیا ہے ان سے تو طواف بھی نہ ہو سکے گا یہ کہا اور مقام حجر کی طرف سے مشرکین ان کا تماشا دیکھنے لگے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ ان مشرکوں کے سامنے طواف کے وقت رمل کرو انھوں نے رمل کیا یعنی جس طرح پہلوان لوگ لڑائی کے وقت کودتے ہوئے اور موٹنھوں کو ہلاتے ہوئے بہادرانہ چال چلتے ہیں اسی طرح صحابہ ان مشرکوں کے سامنے چلتے تھے (یہ دیکھ کر) کفار یوں بول اٹھے یہ تو ہرن کی طرح چوکرٹیاں بھرتے ہیں۔ یہ روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ (۱)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت رمل تو کفار کو دکھانے کے واسطے کیا گیا تھا لیکن پھر زمانے کے بعد جب حجۃ الوداع درپیش ہوا تو اس وقت بھی رمل کے طور پر وہی قوت رفتار دیکھنے میں آئی حالانکہ اس وقت وہاں قطعاً کوئی مشرک نہ تھا لیکن اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رفتار بخیر کو برقرار رکھا پھر آپ کے بعد خلفائے راشدین اور تابعین نے بھی قائم رکھا یہاں تک کہ اب تک کیا جاتا ہے۔

(۱) صحیح مسلم ۳۸۸/۶، حدیث ۲۲۲۰، سنن ابوداؤد ۲۳۲۵/۵، حدیث ۱۶۱۰، مسند احمد ۳۹۹/۱، حدیث ۲۵۰۷، سنن کبریٰ بیہقی ۸۲/۵، سنن کبریٰ نسائی ۳۰۵/۲



اب دیکھیے کہ اصل حقیقت ختم ہو جانے کے بعد بھی یہ معاملہ آج تک بالکل حقیقت کا سا کیا جاتا ہے اور قیامت تک یوں ہی جاری رہے گا، حالانکہ اب اصل علت موجود نہیں یعنی اب تو حرم شریف میں ایک بھی کافر نہیں جس کو اپنی طاقت جو اس مردی اور بہادری کی چال دکھائی جائے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ اس معنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں

ثم بقى الحكم بعد زوال السبب في زمن النبي عليه السلام و بعده (۱)

شیخ دہلوی نے شرح سفر السعادة میں لکھا ہے

معلوم شد کہ بعد از زوال علت نیز اس حکم باقی ست۔ علت زائل ہو جانے کے باوجود یہ حکم ابھی تک باقی ہے۔ تو حضرت سلامت! حقیقت ختم ہو جانے کے بعد بھی حقیقت کا سا معاملہ کرنے کی نظیریں شرع میں موجود ہیں اور جس چیز کی نظیر پائی جائے وہ مولوی اسماعیل صاحب کے قاعدے کے مطابق بدعت نہیں ہوتی۔

الحاصل! جب آپ قائل ہو چکے کہ اصل حقیقت یعنی وقوع ولادت شریف میں قیام ہونا چاہیے اور ہم کہتے ہیں کہ واقعی آپ اس امر میں حق پر ہیں۔ چنانچہ میلاد کی بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس وقت ملائکہ اور حوریں کھڑی ہوئی تھیں آدنی کا تو وہاں کوئی گزر رہی نہ تھا جس کا گزر تھا وہ حالت قیام میں تھا تو اب بھی جب ذکر آئے تو وہی قیام امت تعظیماً جاری ہے تو اصل شرعی کے مخالف ہرگز نہیں ہو سکتا۔

دو اصلیں اس تحقیق میں ابھی مقبول ہوئیں اور تمنا شاید ہے کہ جناب معترض صاحب صوفی بھی ہیں اور آپ کے یہاں تصور شیخ کا قاعدہ بھی چلا آتا ہے۔ آپ کے بزرگوار فرماتے ہیں

و الركن الأعظم ربط القلب بالشيخ علي وصف المحبة و التعظيم و ملاحظة صورته. انتهي.

اسی رسالہ میں دوسری جگہ فرماتے ہیں

فاحضر في خيالک صورة شيخک فانه يرجی ببرکتہ تبدل التفرقة بالجمعة.

شاہ ولی اللہ صاحب کے خلیفہ محمد عاشق پھلتی جن سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے (اپنے والد کی وفات کے بعد) سلوک کی تکمیل کی ہے اپنی سبیل الرشاد میں مرشد (یعنی شاہ ولی اللہ) کا تعلیم کیا ہوا طریقہ لکھتے ہیں

اگر وقت دوری شیخ کے استفادہ خواہد طریقہ آنت اگر کوئی اپنے شیخ سے دور رہ کر مستفیض ہونا چاہے تو اس کا کہ فارغ دل وضو ساختہ نماز گزار دوہا جانستہ صورت طریقہ یہ ہے کہ فارغ دل ہو کر وضو بنائے نماز پڑھے اور اسی شیخ کے ازوے فیض می جوید جمع ہمت و دفع خطرات ملاحظہ جگہ بیٹھ کر دل جمعی کے ساتھ اپنے شیخ کی صورت ذہن نشین نماید۔ الی آخرہ۔

امام ربانی مکتوبات کی جلد ثانی کے مکتوب سی ام (۳۰) میں کثرت تصور شیخ کے لیے لکھتے ہیں

ایں قسم دولت سعادت مند ادا را میسر است تا در جمیع یہ دولت بے بہا صرف سعادت مندوں ہی کو حاصل ہے احوال صاحب رابطہ را متوسط خود داند و در جمیع اوقات متوجہ او۔ یہاں تک کہ تمام حالات میں ضرورت مند اپنا ایک واسطہ سمجھ کر باشند۔ (۱)

مولانا مرحوم شیخ محمد محدث تھانوی (جن سے مولوی رشید احمد صاحب نے بھی کچھ حدیث پڑھی ہے) ”انوار محمدی“ میں لکھتے ہیں

باید کہ مرشد وے را (یعنی مرید را) بوقت پراگندگی خاطر پریشانی اور پراگندگی خاطر کے وقت ایک مرید کو اپنے وعدم جمعیت برائے ملاحظہ صورت خود بدیں معنی امر فرماید کہ مرشد کی صورت مد نظر رکھنا چاہیے۔ اسی معنی میں انھوں نے یہ صورت مراد و اوضاع مراد و اطوار مراد و اخلاق مراد و ریش و خال و حکم دیا کہ میری ظاہری صورت و سیرت اور اخلاق اطوار جیسے خد و لباس وغیرہ آں چنان بصورت خیالیہ خود منقوش خاطر کن کہ داڑھی خد و خال اور لباس وغیرہ کا تصور اپنے خیال میں جما کر در آن محو گردی۔ الخ۔

خلاصہ یہ کہ جیسے مرید طالب اپنے پیر کے سامنے باادب بیٹھتے ہیں ویسے ہی حالت دوری میں یہ تصور شیخ کر کے مودب بیٹھتے ہیں اور تعظیم مد نظر رکھتے ہیں۔

اس سے دو فائدے پیدا ہوئے۔

ایک یہ کہ جب تصور شیخ سے مرید کو فلاح و خیر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہادی سبل اور مرشد کل ہیں غلبہ محبت کے ساتھ ان کا تصور کیوں کر نہ نفع بخش ہوگا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جب تعظیم مرشد حالت تصور میں بھی ہے تو گویا حقیقت کا یہ معاملہ حقیقت کی عدم موجودگی میں کیا جاتا ہے لہذا معترض صاحب پر از روئے طریقت ہماری یہ حجت قائم ہوگئی اور صوم عاشورا اور حالت طواف میں رمل کے ساتھ چلنے کی دو جہتیں از روئے شریعت قائم ہوئیں۔ فالسلام علی من اتبع الهدی۔

اعتراض: کہتے ہیں (۲) کہ شامی جو مجوزین عمل مولد شریف میں شارکیے جاتے ہیں وہ خود قیام کو بدعت اور لا اصل لہا لکھتے ہیں تو یہ قیام بدعت سیئہ ضلالت ہوا۔ سیرت شامی میں ان کی عبارت یوں ہے

جرت عادة كثير من المحبين إذا سمعوا بذكر ولادت اور توصیف رسالت سنتے ہیں تو تعظیم نبوی میں تعظیماً لہ صلی اللہ علیہ وسلم و هذا القيام کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب کہ یہ قیام بدعت ہے شریعت میں جس کی کوئی اصل نہیں۔ بدعة لا اصل لها. (۳)

جواب: اس عبارت سے جو لوگ قیام کا ضلالت اور براہونا نکالتے ہیں کمال بوالہجی ہے اس لیے کہ اس کا بدعت ہونا تو مسلم ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اس کا رواج نہ تھا لیکن اس وقت رائج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ



ضلالت ہو کیوں کہ مجتہدین اور محدثین کے قول سے بدعت کا حسن اور سیدہ ہونا ثابت ہو چکا ہے (جسے نور اول کے لمحہ خامسہ میں ہم نقل کر چکے ہیں)۔

سیرت حلبی میں ہے

وقد قال ابن حجر الهيتمي: والحاصل أن البدعة الحسنة متفق على ندبها، وعمل المولد واجتماع الناس له كذلك أي بدعة حسنة. انتهى (۱) علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدعت حسنہ کا مستحب ہونا متفقہ ہے اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کرنا اور اس میں لوگوں کا اکٹھا ہونا بدعت کی اسی قسم حسنہ میں شامل ہے۔

ابن حجر اس رائج قیام کے جواز کے قائل ہیں چنانچہ جواز قیام کے سلسلے میں ان کے ”مولد کبیر“ کی عبارت عثمان حسن دمیاطی شافعی نے نقل فرمائی ہے۔ لہذا ہیئت مروجہ کے ساتھ یہ عمل مولد بالاتفاق بدعت حسنہ ٹھہرا اس لیے کہ لفظ ”کذا لک“ کا اشارہ جس طرح بدعت حسنہ کی طرف ہے یوں ہی ”متفق علی ندبها“ کی طرف بھی ہے (کمالاً تنقہ) تو قیام کے بدعت سیدہ ہونے کے سلسلے میں مانعین کا استدلال (جو وہ سیرت شامی سے کرتے تھے) اس تقریر کی روشنی میں ساقط ہو گیا۔ اور اگر لفظ ”لا اصل لها“ سے مانعین کو کچھ دھوکا ہے کہ انھوں نے جو لا اصل لھا لکھا ہے اس سے سیدہ ہونا ثابت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ جہاں لفظ لا اصل لھا آیا کرے وہاں بدعت سیدہ مکر وہ یا محرمہ مراد ہو کرے۔ اس پر دو دلیلیں پیش کرتا ہوں۔

”مجمع البحار“ مطبوعہ نول کشور جلد ثالث کے خاتمہ پر صفحہ ۵۱۲ میں ہے کہ صاحب مجمع نے اپنے شیخ سے مسئلہ پوچھا تھا کہ پھول یا خوشبو سونگھنے کے وقت درود پڑھنا کیسا ہے؟ تو اس کا جواب یہ لکھا ہے

أما الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم  
عند ذلك ونحوه فلا أصل لها ومع ذلك فلا  
كرهية في ذلك عندنا الخ۔  
ایسے موقعوں پر درود شریف پڑھنے کی کوئی اصل تو نہیں ملتی تاہم ایسا کرنے میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ لا اصل لھا سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ناجائز ہو جایا کرے۔ اور مولوی محمد الحق صاحب ”مسائل اربعین“ کے چودہویں مسئلہ یعنی نوشہ کو سلامی کے طور پر کچھ دینا اور دوہن کو منہ دکھائی کے طور پر کچھ دینا ردینا کیسا ہے؟ کے جواب میں فرماتے ہیں

در شریعت محمدی اصل این چیز بایانہ نمی شود مگر ظاہر حال  
ایں چیز ہا کہ دادن سلامی و رونمائی است مباح باشد۔ الی آخرہ۔  
گرچہ ان چیزوں کی شریعت محمدی میں کوئی اصل تو نہیں ملتی تاہم سلامی و رونمائی کے طور پر کچھ دینا مباح ہے۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے بدعت ہونے اور عہد رسالت میں اس کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کی حرمت و کراہت نہیں لازم آتی۔ تو سیرت شامی میں بدعت کو لا اصل لھا کہنے سے قیام کا ضلالت اور سیدہ ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اور جب مانعین کی دلیل ٹوٹ گئی تو اب ہم سیرت شامی کے وہ قرائن و دلائل پیش کر رہے ہیں جو قیام کے بدعت حسنہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے

جرت عادة كثير من المحبين.

اول تولفظ اجراء عادت کسی چیز کے مستند ہونے پر دلیل ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے باب الاحرام میں لکھا ہے

وبذلك جرت العادة الفاشية وهي من  
اس کے ساتھ یوں ہی عادت ظاہرہ جاری ہوئی اور یہ

عادت ظاہرہ دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے۔

تو عادت فاشیہ یعنی ظاہرہ اگر عہد صحابہ سے ہو تو کمال درجہ کی قوی حجت ہے اور اگر مابعد کی عادت ہو تو بھی ایک طرح کی

سند ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

مَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ  
جس چیز کو اہل اسلام بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی

بہتر ہوتی ہے۔

یہاں ”مسلمون“ سے صحابہ کی ذات مراد لینا درست نہیں اس لیے کہ نصوص میں لفظ کا اطلاق لیا جاتا ہے: العبرة لعموم

الألفاظ۔ (یعنی اعتبار عموم لفظ ہی کا ہوتا ہے) تو حدیث میں لفظ ”مسلمون“ آیا ہے اور مطلق لفظ میں فرد کامل مراد ہوتا ہے

تو (مطلب یہ ہوا کہ) جس دور کے کامل مسلمان یعنی علمائے کرام کسی بات کو اچھا جائیں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھی ہوگی۔

(۱) الغایہ شرح الہدایہ: ۱۹۶/۳۔ فصل فی جزاء الصید

(۲) مجمع اوسط طبرانی: ۲۲۳/۸۔ حدیث: ۳۷۵/۱۰۔ مستدرک حاکم: ۳۷۵/۱۰۔ حدیث: ۲۳۳۹۔ مسند احمد: ۳۵۳/۷۔ حدیث: ۳۳۱۸۔ ابوالیٰ ابن مردویہ: ۱۹۱/۱۸۔ حدیث: ۱۸۱

فصل الصحابہ احمد بن حنبل: ۲۶۲/۲۰۔ حدیث: ۵۱۷۔ مجمع ابن العربی: ۳۳۳/۲۰۔ حدیث: ۸۳۳۔ مجمع الزوائد ونبی الفوائد: ۱۰۷/۱۔ القاصد الحسن: ۱۹۶/۱

الدرر المنقوش: ۱۹۱/۱۰۔ کشف الخفاء: ۱۸۸/۲۰۔ حدیث: ۲۲۱۳۔ تذکرۃ الموضوعات: ۹۱/۱۔ نصب الرایہ: ۳۳۳/۱۰۔ اخذ اجرة الحمام والحمام۔ تفسیر آلوسی:

۳۹۳/۲۱۔ تفسیر رازی: ۱۸۰/۱۸۔ درمنثور: ۱۲۹/۳۳۔ الاحکام فی اصول القرآن: ۸۳/۱۔ باب فی الاجتماع۔ الحاکم فی اخبار الملائک: ۶۶/۱۰۔ تحفۃ الرسول بین

الاجتماع والابتداع: ۱۲۱/۱۰۔ شرح الطحاوی فی العقیدۃ السلفیہ: ۱۳۳/۳۔ شرح العقیدۃ الطحاویہ: ۵۳/۱۰۔ علل دارقطنی: ۶۶/۵۔ حدیث: ۷۱۱/۱۰۔ حاشیہ رد المحتار: ۱۱۰/۱۰

۲۳۰۔ تحفۃ الفقہاء: ۲۳۹/۱۰۔ المسبوط: ۲۷۹/۱۰۔ کتاب الوقت: ۲۷۹/۱۰۔ تبیین الحقائق: ۱۶۶/۱۰۔ کتاب الشریک: ۳۱۰/۱۵۔ باب الربا: ۳۱۰/۱۵۔ درغری: ۳۱۰/۱۵

۳۷۳۔ فصل لیس الرجل للحریر: الفتاویٰ البندیہ: ۲۲۸/۵۰۔ فی الاشریہ: الاحکام آمدی: ۲۱۹/۱۰۔ الاشباہ والنظائر: ۸۱/۱۰۔ فی شرح القواعد: تبصرة الاحکام فی

اصول الاقضية ومناجیح الاحکام: ۱۶۶/۳۰۔ در الاحکام فی شرح مجلۃ الاحکام: ۶۵/۱۰۔ سبل الہدی والرشاد: ۲۷۷/۱۰۔ زاد المعاد: ۷۰/۵۔ الریاض النضرۃ فی

مناقب العشرۃ: ۱۰۳/۱۰۔ تاریخ الخلفاء: ۲۵۱/۱۰۔ البدایہ والنہایہ: ۳۶۱/۱۰۔ مجمع الادباء: ۲۹۲/۱۰۔ نفس النواہم فیما قبل فی الولائم: ۱۰۱/۱۰۔ الفقہ والشریہ: ۲۵۱/۱۰

قلوب الامراء وقرۃ عیون الاخبار فی شرح جوامع الاخبار: ۵۹/۱۰

ذیل کی کتابوں میں ”المسلمون حسن“ کی بجائے ”المؤمنون حسن“ کا لفظ ملتا ہے

کنز العمال: ۲۲۱/۳۰۔ کنز العمال: ۲۸۵/۱۴۔ حدیث: ۸۵۰۳۔ معرفۃ السنن والآثار: ۷۳/۱۰۔ معرفۃ الصحاب: ۵۷/۱۰۔ حدیث: ۲۳۰/۱۰۔ کشف

الخفاء: ۱۸۸/۲۰۔ حدیث: ۲۲۱/۳۰۔ کنز العمال: ۲۸۵/۱۴۔ حدیث: ۸۵۰۳۔ معرفۃ السنن والآثار: ۷۳/۱۰۔ معرفۃ الصحاب: ۵۷/۱۰۔ حدیث: ۲۳۰/۱۰۔ کشف

بمعانی الاخبار کلاباذی: ۱۹۶/۱۰۔ حدیث: ۱۲۹/۱۰۔ بدائع الصنائع: ۲۳۵/۶۰۔ فصل فی شرائط رکن الیمین باللہ: الغایہ شرح الہدایہ: ۳۰۱/۱۰۔ باب الاذان: البحر

الرائق: ۳۲۵/۱۰۔ جعل الواقف غلۃ الوقت لفسد: مجمع الانہر: ۱۸۶/۱۰۔ باب الاجارۃ الفاسدۃ: فتاویٰ السبکی: ۳۳۲/۱۰۔ منزل السبکی علی فتاویٰ الہندیہ: ۱۰۱/۱۰۔ فتاویٰ الرملی: ۱۱/۱۰۔ شروط قبول الوصیہ: قوت القلوب: ۱۰۹/۱۰۔ کتاب محاسبۃ النفس ودرعۃ الوقت: بریقہ محمودیہ فی شرح طریقہ محمدیہ وشریعت نبویہ: ۷۵







توضو بالضرورہ مستحب اور مستحسن ٹھہرا۔ (۱)

**پانچواں قرینہ:** یہ کہ اگر محدث شامی کو قیام کا منع کرنا منظور ہوتا تو وہ اس قسم کے الفاظ لکھتے جو منکرین قیام نے لکھے ہیں جیسا کہ جون پوری صاحب فرماتے ہیں

ما يفعله العوام عند ذكر وضع خير الأنام عليه  
التحية والسلام ليس بشيء بل مكروه.  
دوسرے گجراتی صاحب لکھتے ہیں

قد أحدث بعض جهال المشائخ أموراً كثيرة  
لا نجد لها أصلاً ولا اسماً في كتاب ولا سنة منها  
القيام عند ذكر ولادته صلى الله عليه وسلم.  
تو اس فعل پر انکار کرنے والے یہ مانعین تو قیام کرنے والوں کو محبین رسول نہیں کہتے بلکہ شدت غیظ و غضب سے ان کو عوام اور جہال وغیرہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

الحاصل عبارت شامی کے ماقبل و مابعد کے قرائن اور سیاق و سباق سے قطع نظر اس ایک فقرہ کے یہ خاص خاص قرینے صریح دلالت کرتے ہیں کہ محدث شامی کی مراد یہ ہے کہ قیام کی اصل صدراول سے تو نہیں پائی گئی لیکن اہل اسلام سے محبین کی ایک بڑی جماعت تعظیماً قیام کرتی ہے تو یہ الفاظ تو درحقیقت اہل ایمان کو ترغیب دیتے ہیں کہ جس کے دل میں محبت ہو اور تعظیم رسول مد نظر ہو وہ قیام کرے۔ اس عبارت کا صحیح مطلب سمجھنے کے لیے ایک تو مادہ علمی درکار ہے اور دوسرے ہدایت الہی جو کہ قلب مومن میں القا ہوتی ہے۔ لیکن جہاں دونوں مفقود ہوں وہاں کیا کیجیے!

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ. (۲)  
اب دیکھیے اسی عبارت شامی کے لفظ لا أصل لہا کی بیدار دل محدثین کس طرح شرح کرتے ہیں۔ علامہ نور الدین حلبی نے شامی کی یہ عبارت لکھ کر اس کے آگے یہ لکھا ہے

أى لكن هي بدعة حسنة لأنه ليس كل  
بدعة مذمومة. (۳)  
مگر یہ بدعت حسنہ ہے کیوں کہ ہر بدعت مذموم ہی نہیں ہوتی۔

(۱) حاشیہ: سیرت شامی میں قیام کی جو یہوج بیان کردی کہ ”تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں“ تو اس سے ایک اصل شرعی پیدا ہوگئی۔ یعنی یہ بات شرع میں خود ثابت ہے کہ جو کوئی شعائر کی تعظیم کرے تو یہ تقویٰ دل پر دلیل ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عظیم شعائر اللہ سے ہیں اور یہ بھی شرعاً ثابت ہے کہ قیام تعظیم ہے۔ چنانچہ اس رسالہ ہی میں چند مواقع پر قیام تعظیسی کو شرعاً ثابت کیا گیا ہے۔ لہذا ایک اصل شرعی پیدا ہوگئی کہ اس قیام میں تعظیم رسول ہے اور تعظیم رسول امر محمود ہے۔ لیکن چوں کہ عہد صحابہ میں یہ خاص فرد تعظیم اس ہیئت کے ساتھ نہ پائی گئی تو اس کے پیش نظر شامی نے ”لا أصل لہا“ لکھ دیا۔ درجہ حضرت شامی رحمہ اللہ کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ اس قیام کے جواز و اجابت یا استحسان پر کوئی دلیل اور کوئی اصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کا ”ان یقولوا تعظیماً“ لکھ دینا خود تصریح ہے قیام کی دلیل اور اصل بیان کرنے پر۔ ۱۲۔ منہ

یہ عبارت سیرت حلبی مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۱۲ میں موجود ہے۔ اور علامہ حلبی نے اپنی اصطلاح دیباچہ میں لکھی ہے کہ جس جگہ سیرت الشمس کی عبارت لیتا ہوں شروع میں لفظ ای لانا ہوں تو اس جگہ لفظ ای کا آنا اس کی دلیل ہے کہ صاحب سیرت الشمس بھی اس قیام کو بدعت حسنہ فرماتے ہیں لہذا دونوں محدثوں یعنی حلبی اور صاحب سیرت الشمس کا اس پر اتفاق ثابت ہو گیا کہ سیرت شامی کے کلام سے جو قیام بدعت معلوم ہوتا تھا وہ سیر نہیں بلکہ بدعت حسنہ ہے۔

پھر حلبی نے لکھا کہ بدعت بالاتفاق جائز ہے۔ تو تقریر حلبی وغیرہ سے معلوم ہوا کہ یہ قیام جائز ہے۔ چنانچہ مولف براہین قاطعہ نے بھی صفحہ ۲۴۲ میں اس کو مان لیا ہے مگر یہ مغالطہ دیا کہ

وہ ذکر مطلق کے فرد کی وجہ سے قیام کرتے تھے اور اس قیام میں تقلید مطلق کا درجہ نہیں تھا اور نہ عوام کا اندیشہ تھا لہذا جائز جانتے تھے اب وہ امر نہیں رہا مکروہ ہو گیا۔ اتنی۔

میں کہتا ہوں: مولف کا یہ لکھنا کہ اس قیام میں تقلید مطلق کا درجہ تھا غلط ہے۔ اس لیے کہ خود سیرت حلبی میں یہ لفظ موجود ہے

إذا سمعوا بذكر وضعه صلى الله عليه  
وسلم. (۱)  
تو ان کا قیام اس قیام کے ساتھ مقید تھا۔ دوسری بات یہ کہ عوام کا کوئی اندیشہ نہ تھا یہ بھی صحیح نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک کسی وقت میں عوام لوگ صفحہ روزگار سے غائب نہیں ہوئے اور عوام کی طرف سے کبھی مطمئن اور بے اندیشہ نہیں ہوئے احادیث و آثار اور فتاویٰ پر نظر رکھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں اس بنیاد پر یہ بات بہت لچر ہے کہ حلبی کے وقت اندیشہ عوام نہ تھا۔ کیوں صاحب! کیوں اندیشہ نہ تھا؟ خود تمہارے جون پوری کی عبارت اس قیام کی بابت قریب ہی گزری

ما يفعله العوام. الخ.  
دوسرے حضرت گجراتی کی عبارت بھی اوپر گزر چکی

قد أحدث بعض جهال المشائخ. الخ.  
دیکھیے آپ کے پیشواؤں نے عوام اور مشائخ جہال کو قیام کرنے دیکھا لیکن یہ ان سے غلطی ہوئی کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ عوام اور جہال ہی نے یہ قیام ایجاد کیا ہے ان کو یہ خبر نہ ہوئی کہ بڑے بڑے علماء محبین رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ شیخ عبداللہ سراج رحمۃ اللہ علیہ مفتی عرب نے لکھا ہے

أما القيام إذا جاء ذكر ولادته عند قراءة  
المولد الشريف توارثه الأئمة الأعلام وأقره  
الحكام.  
میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے وقت جب ذکر ولادت المولد الشریف توارثہ الأئمة الأعلام و أقرہ الحکام۔

(۱) نفس مصدر: ۱۳۱: ۱  
(۲) حاشیہ: تو اس مفتی بلخ نے کیا عمدہ عبارت لکھی ہے اس لیے کہ اولی الامر متکم کی تفسیر بعض نے سلاطین کے ساتھ کی ہے اور بعض نے علمائے دین کے ساتھ: تو جب اس مفتی نے یہ ثابت کر دیا کہ بڑے بڑے علمائے دین اور ائمہ وقت طہتہ بعد طہتہ اس کو جائز رکھتے آئے ہیں اور بادشاہان اسلام نے اس قیام کو مقرب و قائم رکھا ہے تو حکم قیام دونوں فریق سے ثابت ہو گیا۔ اور ان دونوں فریق کی اطاعت قرآن کی رو سے ہم پر ضروری ہے لہذا اس قیام کا ہرگز انکار نہ کرنا چاہیے۔ ۱۲۔ منہ



شیخ عبدالرحمن سراج مفتی مکہ معظمہ زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً قیام کے ساتھ محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے سلسلے میں فرماتے ہیں  
و علماء العرب و المنصور و الشام و الروم و  
الاندلس کلہم راوہ حسنا من زمان السلف الی  
الآن الخ۔ وغیرہ کے علمائے کرام سلف صالحین کے عہد ہی سے جائز سمجھتے  
آ رہے ہیں۔

الحاصل! مولف براہین کا اس قیام کے بارے میں یہ لکھنا کہ علماء اس کو جائز جانتے تھے نہایت صحیح ہے۔ پھر یہ شاخ نکالی کہ  
اُس وقت اندیشہ عوام نہ تھا یا یہ کہ وہ قیام مقید نہ تھا بالکل غلط ہے۔

**اعتراض:** یہ لوگ اگر قیام کو مباح و مستحسن جانتے تو واجب کی طرح دائمی کیوں کرتے ہیں حالاں کہ امر مستحب بھی  
اصرار کرنے سے مکروہ ہو جاتا ہے۔

**جواب:** امور مستحبہ کا دوام علی العموم مکروہ نہیں بلکہ بعض مخصوص صورتوں میں بعض فقہاء تحریر فرماتے ہیں جسے ہمارے فوائے  
کلام سے سمجھ لو۔ اس مسئلہ قیام کی تحقیق یہ ہے کہ ہم اس کو مستحسناً سے سمجھتے ہیں، جمہور کا مذہب یہی ہے اور تمام اسلامی شہروں میں  
اسی پر عمل ہے۔ منکرین میں ایک فرقہ ایسا ہے جو اس قیام کو حرام کہتا ہے، بعض بدعت مطلقہ اور بعض شرک قرار دیتا ہے۔ تو اس  
صورت میں اگر مجوزین قیام بھی ترک کرنے لگیں تو سب کے دلوں میں یہ بات سما جائے کہ یہ قیام بلاشبہ ممنوع ہے کہ انھوں نے  
ترک کر دیا تو اس صورت میں حکم شرعی بدل جائے گا۔ اور ہم دلائل شرعیہ سے اس قیام کے اباحت و استحسان کو اس کتاب میں ثابت  
کر چکے ہیں تو جب ایک امر مباح و مستحسن کو لوگ، شرک و کفر اور حرام سمجھنے لگیں تو حدود الہیہ میں اس سے زیادہ تعدی اور کیا ہوگی، جس  
طرح ایک مستحب کو واجب سمجھنے میں شریعت کا تغیر ہے اسی طرح مباح کو حرام اور شرک قرار دینے میں بھی احکام الہیہ میں تغیر و تبدل  
ہے۔ تو اسی مصلحت کی بنیاد پر یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس قیام کو ترک نہ کیا کریں ہاں! اگر یہ قیام ایسا ہوتا کہ اس کے استحباب میں کسی  
کو کلام نہ ہوتا تو اس صورت میں اس کا دوام و اہتمام (بقول ان بعض فقہاء کے) نہ کیا جاتا کیوں کہ ایک ایسا امر جو سب کے نزدیک  
بالا اتفاق محمود ہو اور کوئی اس میں انکار نہ کرتا ہو بلکہ سب اس کو کمال اہتمام سے بجالاتے ہوں تو اس کی مداومت سے عوام کے دلوں  
میں وجوب و فرضیت کا شبہ البتہ پڑ سکتا ہے اور وہ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اس امر کا کوئی منکر نہیں اور کمال تاکید اور التزام و اہتمام  
کے ساتھ بالاتفاق کر رہے ہیں شاید یہ کام فرض یا واجب ہوگا تو صاحب مجمع البحار کا کلام جس کو بعض فضلاء سند میں لاتے ہیں  
در حقیقت وہ ایسے ہی متفقہ مندوب و مستحب کے حق میں ہے

المنذوب ینقلب مکروہا اذا خیف ان یرفع  
عن رتبته۔ مندوب اس وقت مکروہ سے بدل جاتا ہے جب اس کا  
خوف ہو کہ وہ اپنے مقام سے بلند ہو جائے۔

برخلاف اس قیام کے کہ اس میں لوگوں کو کیا گفتگوئیں ہیں بھلا جس چیز کے جواز و عدم جواز میں مباحثہ ہو رہا ہو اور مجوزین  
قیام قیام کے سلسلہ میں استحسان کے اقرار کے فتاوے جا بجا چھاپ چھاپ کر منتشر کر چکے ہوں کب عقل سلیم اس بات کو باور کرے  
گی کہ قیام کی فرضیت یا وجوب شرعی کا شبہ بھی کسی دل میں پیدا ہوگا۔ حاشا وکلا۔

**قلب الدلیل:** ہم کہتے ہیں کہ جس طرح مندوب کا مکروہ ہو جانا صاحب مجمع البحار سے نقل فرمایا ہے تو مجمع البحار میں یہ

بھی لکھا ہوا ہے کہ بعض احکام تبدیلی زمانہ کی وجہ سے بدل جاتے ہیں۔ اور مسجد کی زینت کو صاحب مجمع البحار نے ممنوع لکھا تھا لیکن  
جب لوگ اپنے مکانات عمدہ عمدہ بنانے لگے تو اب اگر مسجد کو زینت نہ دی جائے تو مسجد کی تحقیر لازم آئے گی۔  
مجمع البحار کی جلد دوم 'شرف' کے معنی کی تحقیق کے تحت، قبر پر تعمیر کے بارے میں لکھا کہ منع ہے پھر لکھا کہ علمائے سلف نے بعض  
مصلحت کی بنیاد پر اس کو جائز رکھا

وقد أباح السلف أن یبنی علی قبور المشائخ  
و العلماء المشاہیر لیزورهم الناس و یستریحون  
بالجلوس فیہ۔ (۱)  
مشائخ کرام اور مشہور و معروف علمی شخصیتوں کے مزار کی  
تعمیر کو سلف صالحین نے مباح قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی  
زیارت سے برکات حاصل کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام کریں۔

صاحب روح البیان نے شیخ عبدالغنی نائلی کے رسالہ "کشف النور عن اصحاب القبور" سے نقل کیا ہے  
إن البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع  
تسمى سنة فبناء القباب علی قبور العلماء و  
الأولیاء و الصلحاء أمر جائز إذا كان القصد  
بذلك التعظیم فی أعین العامة حتی لا یحتقروا  
صاحب هذا القبر۔ (۲)  
مقصود شرع کے مطابق بدعت حسنہ سنت کہلاتی ہے، تو علما  
ء و اولیا اور صالحین کی قبروں پر قبوں کی تعمیر جائز ہے جب کہ اس  
کا مقصود یہ ہو کہ لوگوں کی نگاہ میں اس کی قدروں تعظیم بڑھے اور  
لوگ اس صاحب قبر کو حقیر نہ سمجھیں۔

اسی طرح شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح سفر السعادة" میں لکھا ہے۔ اور روح البیان جلد ثانی میں احیاء العلوم کے حوالے  
سے نقل کیا ہے

أكثر معروفات هذه الأعصار منكرات في  
عصر الصحابة، إذ من عد المعروف في زماننا من  
فرش المساجد بالسط الرقية و قد كان يعد فرش  
البواري في المسجد بدعة كانوا لا يرون أن يكون  
بينهم وبين الأرض حائل۔ (۳)  
اکثر باتیں جو اس وقت عمدہ گئی جاتی ہیں وہ صحابہ کے  
وقت میں بری گئی جاتی تھیں۔ اب مساجد میں عمدہ فرش  
بچھانا اچھا جانا جاتا ہے جب کہ پہلے دور کے لوگ مسجد میں  
بور یوں کا بچھانا بھی پسند نہ کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ  
ہمارے اور زمین کے بیچ میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔ یہاں تک کہ  
فقہانے لکھا ہے کہ زمین پر بلا حائل نماز پڑھنا افضل ہے۔

"خزانة الروایات" میں ہے کہ رمضان میں ختم قرآن کے وقت جمع ہو کر دعائیں بدعت اور مکروہ ہے۔ لیکن ابوالقاسم  
صقار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر شہر کے آدمی یوں نہ کہنے لگتے کہ یہ عام دعا کو منع کرتا ہے تو میں ان کو منع کر دیتا  
هذا شیء لا یفتی بہ لأنه لا ینبغي أن یقال  
للعامة شیئا لم يفهموا۔  
یہ بات ایسی ہے کہ جس پر فتویٰ نہیں دینا چاہیے کیوں کہ  
عوام میں وہ بات نہ کہنا چاہیے جس کو وہ نہ سمجھ سکیں۔

(۱) مجمع البحار الانوار: ۳۰۳، مطبع دار الایمان مدینہ منورہ۔ ۱۴۱۵ھ۔ صدقہ حبیب الرحمن اعظمی منوی

(۲) تفسیر روح البیان: ۶/۵ (۳) نفس مصدر: ۵/۵



اسی طرح ”فتاویٰ سراجیہ“ میں بھی ہے۔

اب مختصر طور پر سنیں کہ اول تو اموات کی فاتحہ کے لیے تعین ایام اور اسی طرح قیام کے ساتھ امور مروجہ محفل میلاد علیہ السلام کو ہم دلیل سے ثابت کر چکے۔ اب بطور تنزل الزام کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ امور تمہارے بقول ’مکروہ‘ بھی ہوتے کہ قرون ثلاثہ میں نہیں پائے گئے تب بھی مجمع البحار اور دیگر تصریحات مذکورہ کی منشا کے مطابق اب زمانہ بدل جانے کی وجہ سے یہ جائز ہونے چاہئیں کیوں کہ اس پر آشوب زمانہ میں غیر مذاہب کے لوگ جا بجا اپنی اپنی کفریات کے اعلان کر رہے ہیں تو اب مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسی مجالس منعقد کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و معجزات عالم میں پھیلائیں پڑھیں پڑھائیں اور سنیں سنوائیں۔ اور اب چون کہ لوگوں کے اندر ہر بات میں تکلف و زینت (کی روایت) چل گئی ہے تو دین کے مواقع کو بے آراستہ رکھنا تحقیر کا باعث ہے۔ اور تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم بجالانے سے اہل ایمان کے دلوں میں عظمت و توقیر پیدا ہوتی ہے اور کفار کی نظر میں شوکت اسلام ظاہر ہوتی ہے۔

اور فاتحہ اموات میں یہ بات ہے کہ تعین ایام کی پابندی کے باوجود بھی میت کو ثواب پہنچ جاتا ہے مساکین کا پیٹ بھر جاتا ہے اور ان کو کھانا بھی تعین کے باوجود جائز ہے۔ چنانچہ براہین قاطعہ میں ان باتوں کو مان لیا ہے۔

اب باقی رہی ہماری تمہارے نزدیک اس کھلانے والے کے اوپر کراہت تعین تو یہ سمجھ کر اس سے قطع نظر کر لو کہ پابندی ایام کی یاد دہانی میں تو خیرات ہو بھی جاتی ہے جب یہ تقاضا اٹھ گیا تو پھر کون صدقہ کرتا ہے خیرات بند ہو جائے گی اس دور عسرت میں مساکین کثرت سے مارے مارے پھرتے ہیں کہیں سہارا نہیں پاتے ان کی حاجت بر آری پر نظر چاہیے اور ان باتوں کو منع کرنے سے جا بجا یہ کہنے میں آتا ہے کہ یہ لوگ اموات کی خیرات کو اور تعظیم و ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منع کرتے ہیں۔ اس بنیاد پر امام ابو القاسم صفار کے بقول (جو کہ علمائے حنفیہ کے ائمہ کبار میں گزر رہے ہیں) ہر گز فتویٰ نہ دینا چاہیے جس طرح کہ انھوں نے نہ دیا۔ یہ الزامی گفتگو ہوئی اور تحقیقی ثبوت وہ ہیں جو جا بجا اس کتاب میں تحریر کیے گئے ہیں۔

**اعتراض:** بانیان محفل میلاد شریف منکرین قیام پر اس طرح ملامت کرتے ہیں جیسے ترک و واجب پر۔

**جواب:** اس کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ قیام نہیں کرتے ان میں اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے عقائد وہابیہ نجدیہ کے سے ہوتے ہیں اور وہ قیام کو کفر اور شرک اعتقاد کرتے ہیں۔ تو اس میں ایک تو یہ بات ہوئی کہ اس شخص کے نزدیک قیام کرنے والے شرک اور کافر ٹھہرتے ہیں تو اگر کسی کو اس بات پر غصہ آجائے اور ہاتھ یا زبان سے کچھ سرزد ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کی ایک حرکت سے اس کے دوسرے گھناؤنے عقائد کا بھی خیال آجاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اس فریق کو دیکھتے ہیں کہ خوراک و پوشاک اور معاملات کی سیکڑوں باتوں میں یہ صحابہ کی مخالفت اور قرون ثلاثہ کے خلاف کرتے ہیں اور صرف قیام کرنے اور میلاد شریف کی محفل میں یہ گفتگو کرتے ہیں کہ قرون ثلاثہ میں یہ نہیں ہوئی اور اس پر باہم عناد و فساد پیدا کرتے ہیں اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائیوں کو ان مفسدوں پر غیظ آجاتا ہے۔ البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ اس شخص کے جملہ عقائد عمدہ ہیں اور قیام کرنے والوں کو بھی یہ برائیاں جانتا تو اس شخص کو ہرگز کوئی زجر و توبیخ نہیں کرے گا۔ ہاں! یہ تو کہیں گے کہ آداب محفل کا تقاضا یہ تھا کہ سب کے ساتھ آپ بھی قیام کرتے تو بہتر تھا۔

امام غزالی نے ”باب السماع“ میں لکھا ہے کہ یہ بات آداب حقوق صحبت کے آداب کے خلاف ہے کہ کھڑے ہونے میں موافقت نہ کرے۔

تو اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ قیام نہ کرنے والے پر غصہ آجانا اور سب سے ہوتا ہے اس وجہ سے نہیں کہ وہ اسے فرض و واجب جانتے ہیں۔ مفتیان دین اپنے فتاویٰ میں یہ تو بالافتاق تصریح فرما چکے ہیں کہ قیام فرض و واجب نہیں بلکہ مستحسن اور ادب کی بات ہے۔ غور سے دیکھیے تو بعض اوقات یہ تارک قیام نص قرآنی کا مخالف بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانْشُرُوا (۱)

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو! اللہ تمہیں جگہ دے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔

اب معلوم کرنا چاہیے کہ جب میلاد خواں نے پڑھا

اُٹھو ذکر میلاد حضرت ہے اب

یا اس طرح پڑھے

چاہیے آداب سے کرنا قیام

یابہ کہ ان کھڑے ہونے والوں نے اس آدمی کو اشارہ کیا کہ اُٹھ کھڑے ہو اور اس نے یہ کیا کہ کھڑا تو نہ ہوا اُٹھ کر باہر چلا گیا تو دیکھیے کہ اس وقت وہ حکم خداوندی کا مخالف ہو بیٹھا کیوں کہ اس آیت کے نزول کا منشا یہی تھا کہ لوگوں کو وہ بات تعلیم کیجیے کہ آپس میں محبت پیدا ہو اور بغض و عناد رخصت ہو۔ چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اسی آیت مذکورہ کے شروع میں لکھا ہے

اعلم انه تعالى لما نهى عباده المؤمنين عما يكون سببا للتباغض و التنافر، أمرهم الآن بما يصير سببا لزيادة المحبة و المودة (۲)

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ایسی چیز سے منع فرمایا جو نفرت و کدورت کا سبب ہو جائے۔ بلکہ ایسی چیز کا حکم دیا جو الفت و محبت میں اضافے کا باعث بن جائے۔

اب ارباب انصاف خیال فرمائیں کہ اگر وہ کھڑا ہو جاتا تو باہمی اتحاد و وداد کا سبب بن جاتا مگر کھڑا نہ ہو کر بغض و نفرت کا سبب بن گیا تو اس کا یہ فعل منشا خداوندی سے کس قدر دور و جا ٹھہرا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

### لمعہ سابعہ

**اعتراض:** محفل میلاد شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مخاطب حاضر کے اشعار پڑھے جاتے ہیں حالانکہ آپ نظر سے غائب ہیں اور یہ شرع میں جائز نہیں بلکہ کفر ہے۔

**جواب:** یہ بات تو معلوم ہے کہ عالم الغیب بالذات تو وہی ایک جل جلالہ کی ذات ہے۔ زمین و آسمان میں کوئی نہیں جو اللہ کے الہام و کشف کردہ پنے کے بغیر خود بخود یقینی طور پر امور غیبیہ کو جان لے نیز یہ بھی کہ کوئی ایسا نہیں جو عرش سے لے کر تحت الثریٰ



تک ہر مکان ہر زمان اور ہر آن میں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہو۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان لوگوں پر کون سی کتاب نازل ہوئی ہے جس میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ غائب کی نسبت حاضر کے الفاظ بولنے کفر ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں خاص جزئیہ پیش کرتے ہیں۔ قسطنطینی وزیر قانی وغیرہ محدثین لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں ہے

ومنها أن المصلي يخاطبه بقوله: السلام عليك أيها النبي، والصلوة صحيحة ولا يخاطب غيره.

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ نمازی عین نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتا ہے اور تشہد کی حالت میں حاضر کا لفظ بولتا ہے: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته یعنی اے نبی محترم! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت۔ اور ایسا خطاب کرنا نماز میں صحیح ہے جب کہ دوسرے کو نماز میں خطاب نہیں کیا جاسکتا اور اگر کرے تو نماز فاسد ہو جاتی۔ اٹھی۔

بعض آدمی یہ کہتے ہیں کہ یہ تو قصہ معراج کی نقل نکالتے ہیں حالانکہ اس میں حضرت کا خطاب مراد نہیں تو ان کا قول اس عبارت سے رد ہو گیا کیوں کہ اس میں مخاطبہ لفظ صریح موجود ہے۔ علاوہ ازیں شامی نے بھی رد کیا ہے

لا يقصد الإخبار والحكاية عما وقع في المعراج. وہ اپنی نماز میں معراج کے اندر ہوئے واقعہ کی حکایت کرنے اور خبر دینے کا قصد و ارادہ نہ کرے۔ (۱)

در مختار میں بھی رد کیا ہے

ويقصد بالفاظ التشهد الإنشاء كأنه يسلم على نبيه. الفاظ تشہد میں یہ ارادہ کرے کہ اب میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج رہا ہوں۔ (۲)

فقيه ابواليث سمرقندی نے ”تنبيه“ میں ”السلام عليك أيها النبي“ کی شرح اس طرح کی ہے

يا محمد! عليك السلام.

صاحب احیاء العلوم ”تفصیل ما ينبغي ان يحضر في القلب“ کے بیان میں لکھتے ہیں

واحضر في قلبك النبي صلى الله عليه وسلم وشخصه الكريم وقل السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کو اپنے دل میں حاضر جان کر یوں عرض کر: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته۔

امام شعرانی کی ”میزان الشریعۃ الکبریٰ“ میں ہے کہ التحیات میں نمازی کو درود و سلام کا حکم شارع نے اس وجہ سے کیا تاکہ غفلت برتنے والوں کو آگاہ کر دے کہ جس پروردگار کے سامنے تم بیٹھے ہو اس دربار میں تمہارے نبی بھی موجود ہیں

فإنه لا يفارق حضرة الله تعالى أبداً فيخاطبونه بالسلام مشافهة. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درگاہ الہی سے کبھی جدا نہیں ہوتے اس لیے نمازی آپ کو درود و سلام سے خطاب کرتے ہیں۔

(۱) حاشیہ یعنی نمازی اپنی نماز میں یہ ارادہ نہ کرے کہ میں خبر دیتا ہوں یا حکایت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو شب معراج میں اس طرح فرمایا تھا: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کی طرف سے نقل کا ارادہ کرے گا تو وہ سلام نمازی کا نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کا سلام ہوگا یہ محض نقل ہو گیا۔ اور فقط ایک سلام ہی میں کیا ہے التحیات رسول ﷺ کی طرف سے ہو جائے گی اور اشدھان لا اله الا الله فرشتوں کی طرف سے ہو جائے گا تو یہ تو صرف نقل ہو جائے گی اور نمازی انحال محض نہیں ہوگا۔ ۱۲۱

(۲) حاشیہ: مولف کہتا ہے کہ یہ بالکل ہی حق ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تو شب معراج میں فرمایا تھا: اور اب تو نمازی اپنی زبان سے کہتا ہے: السلام عليك۔ لہذا اب تو یہ سلام اسی کا ہے۔ ۱۲۲

**مسئلہ:** قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا شریف میں لکھا ہے کہ عمرو بن دینار نے (جو کبار تابعین اور فقہائے مکہ سے ہیں) کہا کہ جب تم گھروں میں داخل ہو اور وہاں کوئی نہ ہو تو ”السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته“ کہا کرو۔ (۱)

لاحسن جزاوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں

لأن روحه حاضر في بيوت أهل الإسلام. کیوں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں موجود ہوتی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب نے بھی علی قاری کی شرح شفا سے روح مبارک کے گھروں میں موجود ہونے کا یہ مضمون اسی طرح نقل کیا ہے۔ اصل حقیقت کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ مولف کی ناقص عقل میں آتا ہے لکھتا ہوں چونکہ آپ ﷺ کی روح مبارک اب الارواح ہے۔ اور حدیث میں ہے

المؤمنون من فيض نوري. (۲) اہل ایمان کی تخلیق میرے نورانی فیضان سے ہوئی ہے۔ یہ روح البیان اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ کے کلام میں موجود ہے۔ نیز محدث دہلوی وغیرہ کے کلام میں یہ

بھی ہے کہ آپ کی روح اُس عالم میں مربی ارواح تھی۔

قرآن شریف کی سورۃ احزاب میں ہے

النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم. (۳) یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔

یعنی ایمان والوں کو نبی سے اپنی جان سے زیادہ لگاؤ ہے۔ اور اس آیت میں لفظ أنفسهم کے بعد یہ قراءت بھی آتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنین کے باپ ہیں۔

وهو أب لهم. علامہ بیضاوی اور صاحب روح البیان اس مقام پر لکھتے ہیں کہ جب آپ مؤمنین کے مربی اور باپ ٹھہرے تو اسی واسطے یہ ٹھہر گیا ایمان والے آپس میں بھائی ہیں۔

المؤمنون إخوة. (۴)

نیز یہ بھی کہ امت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں اور امت کے درود بھی آپ ﷺ کو نام بنام پہنچتے ہیں یہ سب اس پر جوہ دلیل ہیں کہ آپ ﷺ کو اہل اسلام کے گھروں سے تعلق اور گہرا ربط ہے نیز یہ بھی کہ اہل اسلام کے گھروں میں نماز بھی جاری ہے، بچے، عورتیں اور کبھی مرد بھی (جو مسجد نہ گئے تو) گھر ہی میں پڑھ لیتے ہیں غرض کہ تمام مرد و عورت التحیات میں السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته پڑھتے ہیں تو اہل اسلام کے گھروں سے برابر آپ ﷺ کو سلام پہنچتا ہے۔ اس بنیاد پر آپ ﷺ کی روح کو اہل اسلام کے گھروں سے تعلق ہے، تو روحوں کی تخلیق اول سے لے کر اس وقت تک برابر آپ ﷺ کا تعلق ثابت ہے اور روح مبارک گرچہ ملا اعلیٰ میں ہے لیکن اس کا اشراق ادھر بھی ہے اور اس کا تعلق عالم خاک سے بھی ہے مثلاً قبر شریف میں بدن کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ اس تعلق و ربط سے بدن مبارک زندہ اور حساس و دراک ہے، نیز آپ ﷺ کو اطراف زمین میں پھرنے اور امت

(۲) روح البیان: ۱۴۷/۳، ۳۵۰/۸

(۱) الشفاء بتعريف حقوق المصطفى: ۶۷/۲

(۳) تفسیر بیضاوی: ۵/۵، تفسیر روح البیان: ۱۰/۱۰۹۷

(۴) سورۃ احزاب: ۶۳/۳



کے اعمال پر نظر کرنے کی اجازت دی گئی جیسا کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

یوں ہی حسن جزاوی اور علی قاری رحمہما اللہ کی تحریر بھی سمجھنی چاہیے کہ آپ کی روح کو اہل اسلام کے گھروں سے ربط و تعلق ہے۔ اس مقام پر یہ مسئلہ ”السلام علیک ایہا النبی“ کے ذکر کی وجہ سے لکھ دیا گیا ہے۔

الحاصل! تشہد کے سلام میں نقل و حکایت مراد رکھنا اور اپنی طرف سے سلام نہ بھیجنا نہایت غیر درست ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ ایک نمازی اس سلام میں یہ ارادہ کرے کہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہوں کہ اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام ہو۔ ورنہ کم نصیب اس حکم الہی کی تعمیل سے محروم رہے گا جو قرآن میں لفظ ”سَلِّمُوا“<sup>(۱)</sup> آیا ہے کیونکہ سلام اس سے خود مطلوب تھا مگر اس نے خود نہ کیا بلکہ معراج کی حکایت سمجھ لی۔

**امرعجیب:** بعض دشمنان خطاب یہاں تک غلو کر گئے کہ کہتے ہیں نماز میں ”السلام علیک ایہا النبی“ نہ پڑھنا چاہیے کہ صحابہ نے چھوڑ دیا تھا۔ اس عاجز نے ایک مستقل رسالہ بنام ”قول النبی فی تحقیق السلام علیک ایہا النبی“ لکھا ہے جس میں اس قول کی دھجی اڑا کر رکھ دی گئی ہے۔ یہاں طول کی گنجائش نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ تشہد یعنی التحیات کی روایت عبد اللہ بن عباسؓ عمر بن الخطابؓ ابن عمرؓ جابر بن عبد اللہؓ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے اور سب میں لفظ خطاب موجود ہے۔ تو عبد اللہ بن مسعود کی یہ بات کہ وفات کے بعد السلام علیک کا خطاب ترک ہو گیا کسی نے روایت نہیں کی سوائے ابن حجرہ کے۔ اور تشہد کی یہ روایت ان سے چند راویوں یعنی شفیق علقمہؓ اسود ابوالاحوصؓ ابوعبیدہ اور عبد اللہ بن حجرہ نے کی ہے۔ اور ابن حجرہ سے آگے دوراوی ہیں ایک اعلمشؓ دوسرے سیف بن سلیمانؓ تو اعلمش کی روایت میں وہ فقرہ نہیں سیف بن سلیمان کی روایت میں ہے اور وہ اگرچہ ثقہ تھا لیکن اس پر بدعت قدر (یعنی قدریہ فرقے سے ہونے) کی تہمت ہے تو جب کہ جملہ صحابہ سے طبقہ بعد طبقہ اس وقت تک وہی تعلیم خطاب ہوتی چلی آئی حتیٰ کہ ابن مسعود سے بھی سوائے اس روایت کے جو بخاری میں سیف بن سلیمان سے مروی ہے۔ تو اس روایت پر عمل نہ کیا جائے گا اور کیونکر عمل کیا جائے حالانکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہم کو صحیح طور سے بھی تعلیم خطاب پہنچی ہے۔

ہم مذہب حنفی رکھتے ہیں اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اسی طرح بصیغہ خطاب تعلیم ہوئی پھر ہم کو اسی طرح ان سے پہنچی ہمارے امام اعظم کے استاد ایسی فرماتے ہیں کہ میرا ہاتھ پکڑا احمد نے اور مجھ کو تشہد سکھایا۔ حماد نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑا ابراہیم نے اور مجھ کو تشہد سکھایا ابراہیم نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑا علقمہ نے اور مجھ کو تشہد سکھایا۔ علقمہ نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑا عبد اللہ بن مسعود نے اور مجھ کو تشہد سکھایا اور عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مجھ کو تشہد سکھایا جس طرح کی قرآن کی سورت سکھائی تھی۔ پھر آپ کا وہ سکھایا ہوا تشہد کتب حنفیہ فتاویٰ و شروح و متون میں موجود ہے جس میں لفظ خطاب کی تعلیم ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مذاہب یعنی حنبلی، مالکی اور شافعی کی کتابیں بھی دیکھی گئیں تو ان میں بھی یہی خطاب کی تعلیم موجود ہے۔

(۱) حاشیہ مسلم و بخاری کی احادیث کی شرح میں امام نووی اور صاحب مجمع البحار نے لکھا ہے کہ بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا: صلوا علیہ وسلموا۔ جب آپ نے درود تعلیم فرمایا اور سلام کو یہ فرمایا کہ سلام کا طریقہ تم پہلے جان چکے ہو یعنی تم التحیات میں پڑھا کرتے ہو۔ السلام علیک ایہا النبی اور حمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور بعض صحابہ نے درود اس طرح پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درود پڑھنا بتائیے کس طرح پڑھیں؟ ۱۲۰۱

اللہ رے عنادا! دیکھیں کہ تمام صحابہ کی روایتیں اور خود عبد اللہ بن مسعود کی روایتیں بجز ایک روایت چاروں ائمہ مجتہدین کے فتاویٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات مطلقہ یعنی حیات و وفات اور زمانی و مکانی قرب و بعد کی کسی قید کے بغیر علی العموم یہ فرمانا **فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ**، اِلٰی آخرہ۔ (۱)

نیز

**فَإِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ**، اِلٰی آخرہ۔ (۲)

**فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ**۔ (۳)

ان سب روایتوں میں خطاب موجود ہے حتیٰ کہ مولوی اتحق صاحب کی ”مائتہ مسائل“ کے چوبیسویں سوال میں بھی اقرار موجود ہے در التحیات خطاب برائے رسانیدن سلام وارد شدہ۔ التحیات کے اندر سلام پہنچانے کے لیے خطاب آیا ہوا ہے۔

پھر ان سب احادیث و آثار و فتاویٰ اور شرقاً و غرباً، جنوباً و شمالاً اجماع امت محمدیہ نیز اپنے مقتدا و پیشوا مولوی اتحق صاحب کا قول چھوڑ کر ایک غیر معمول روایت پیش کرنا کیسی بے انصافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے۔

الحاصل! امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و التحیۃ کا اجماع اس بات پر ہے کہ چھوٹے بڑے عورت مرد سبھی السلام علیک ایہا النبی پڑھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر سے غائب ہیں پھر بھی نماز میں خطاب آپ کو حاضر سے ہو رہا ہے۔

**اعتراض:** بعض کہتے ہیں یہ امر تعبدی ہے اسی طرح منقول ہوا ہے۔ **جواب:** امر تعبدی ہونے سے کام نہیں چلتا اس لیے کہ خطاب جائز رکھنے کی روایت تو موجود ہے۔ اب بتاؤ کہ غائب کو خطاب کا لفظ بولنے کی حرمت اور کراہت پر کون سی آیت یا حدیث ہے؟ پیش کرو۔

عقلی گروہی ہوئی باتوں کو الگ کرنا اور یہ سمجھنا کہ جب عبادت میں (کسی کو) شریک کرنے کا حکم نہیں پھر خاص اسی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب شریک کیا گیا تو باہر منع ہونے کی کیا دلیل! اب ہم سے جواز کی سندیں سنو۔

شاہ ولی اللہ صاحب اور افحیہ پڑھنے کے واسطے ”انتباہ“ میں لکھتے ہیں فریضہ نماز پابند اگلا درود چوں سلام دہد یا اور افحیہ خواندن مشغول صبح نماز فجر کا سلام پھیرنے کے بعد اور افحیہ پڑھنے میں لگ شو کہ از برکات انفاں ہزار و چہار صد ولی کامل شدہ است۔ الخ۔ جائے جو چودہ سواولیا کے فیوض و برکات کا گنجینہ ہے۔

(۱) صحیح بخاری ۳۳۰۳ حدیث: ۷۸۸ سنن کبریٰ بیہقی ۱۴۸/۲ معرفۃ السنن والآثار ۹۹/۳ حدیث: ۹۲۳ معرفۃ الصحابہ ۴۱/۱۲ حدیث: ۳۰۰۳ الاوسط ابن منذر ۳۹۶/۳ حدیث: ۱۳۶۹ سنن صغیر بیہقی ۳۸۰/۱ حدیث: ۳۳۹ مشد شاشی ۴۰۶/۲ حدیث: ۲۶۲ جز الف و یار للقطبی ۱۹۸/۱ حدیث: ۱۹۷

(۲) صحیح بخاری ۳۹۹/۱۹ حدیث: ۵۸۵۳ صحیح مسلم ۳۶۸/۲ حدیث: ۶۰۹ مشد احمد ۴۵۹/۸ حدیث: ۳۷۲۴ سنن کبریٰ نسائی ۴۷۸/۱ حدیث: ۱۲۰۲ مستخرج ابوعوانہ ۳۵۹/۳ حدیث: ۱۶۰۶ مسند ابویعلیٰ موصلی ۳۹۶/۱۰ حدیث: ۵۰۱۰ کنز العمال ۴۷۸/۷ حدیث: ۱۹۸۶۵ المسند الجامع ۳۸۲/۲ حدیث: ۹۰۳۳ نصب الراية ۳۹۳/۲ باب حقه الصلوۃ فتح القدیر ۱۰۷/۲ باب حقه الصلوۃ

(۳) صحیح بخاری ۳۳۱/۱۹ حدیث: ۵۷۲۴ سنن ابوداؤد ۱۵۵/۳ حدیث: ۸۲۵ مشکوٰۃ المصابیح ۱۹۸/۱ حدیث: ۹۰۹ مشد احمد ۴۷۴/۷ حدیث: ۳۳۳۹ سنن کبریٰ بیہقی ۱۵۳/۲ سنن کبریٰ نسائی ۴۸۵/۱ حدیث: ۱۲۲۱ معجم کبیر طبرانی ۳۵۶/۸ حدیث: ۹۷۵۷ مستخرج ابوعوانہ ۳۵۶/۳ حدیث: ۱۶۰۳ صحیح ابن خزیمہ ۴۸۸/۳ حدیث: ۶۸۱ مشد شاشی ۳۹۰/۱ حدیث: ۴۱۴ مشد ابن ابی شیبہ ۲۵۰/۱ حدیث: ۲۴۰



حالانکہ اس اور افحیہ میں (جس کا دل چاہے شمار کر لے) سترہ بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ میں ندا ہے۔

الصلوة والسلام عليك يا رسول الله، يا حبيب الله، يا خليل الله، إلى آخره.

اس کے علاوہ خود مولوی اسحاق صاحب ”مائتہ مسائل“ میں لکھتے ہیں

اگر کسے یا رسول اللہؐ بگوید برائے رسانیدن درود یا سلام درود و سلام پہنچانے کے لیے ”یا رسول اللہؐ“ کہنا جائز اور

جائزاست۔ انتہی۔ درست ہے۔

دیکھیے! یہ علماء نماز کے باہر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرنا جائز لکھتے ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب تو خود امر کرتے ہیں لیکن ابھی تک مانعین کو گنجائش ہے وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خطاب تو درود و سلام کے ساتھ ہے اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔

اس لیے اب ہم ایسی نظیریں پیش کرتے ہیں جس میں درود و سلام کے پہنچنے کی نیت سے خطاب نہیں بلکہ کشف حاجت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وسیلہ پکڑنا ہے۔

ابن ماجہ قزوینی ”باب صلوة الحاجۃ“ میں عثمان بن حنیف انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اندھا آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ میری آنکھوں کے لیے دعا کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے اسی طرح رہنے دے یہ تجھ کو اچھا ہے اور اگر دعا کرنا چاہے تو دعا کروں۔ اس نے کہا دعا فرما دیجیے۔ آپ نے حکم دیا اچھی طرح وضو کر دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا پڑھو

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ

تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِقُضَى اللّٰهِمْ فَشَفِّعْهُ فِيَّ (١)

اس مقام پر شارح مواہب زرقانی نے لکھا ہے کہ اس دعا میں پہلا سوال اللہ تعالیٰ سے ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا اذن بخشے تو حاجت مند نے کہا یا اللہ میں تجھ سے اپنی حاجت مانگتا ہوں اور نبی رحمت حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑ کے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جب اللہ سے شفاعت مانگ چکا تو اپنی حاجت کے سلسلہ میں آپ کا وسیلہ پکڑ کر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوا اور یوں شفاعت طلب کی یا محمد! میں متوجہ ہوں تاکہ میری یہ حاجت روا کی جائے۔ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت اور آپ کے وسیلہ سے اس حاجت کو روا کر دے۔ جب حاجت مند حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کر چکا تو اب پھر دوبارہ اللہ کی طرف پلٹ کر درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ! حضور کی شفاعت میری حاجت کے سلسلے میں قبول فرمایا۔

الحاصل! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حل مشکل میں اپنی شفاعت طلبی اور یا محمد کا خطاب تعلیم فرمایا ہے۔

اس مقام پر ایک تماشا ہوا ہے یعنی اس خطاب اور مذاکرات کے لیے ایک بڑے مشہور عالم نے اس حدیث کے اسناد میں

(i) سنن ترمذی: ۱۱/۲۹۷ حدیث: ۳۵۰۲، سنن ابن ماجہ: ۲۹۶/۳ حدیث: ۱۳۷۵، مشکوٰۃ المصابیح: ۶۱/۲ حدیث: ۲۳۹۵، مسند احمد: ۱۰۹/۳۵۱ حدیث: ۱۶۶۰۳، سنن

کبریٰ نسائی ۱۶۹/۶: حدیث ۴۹۵۰ مستدرک حاکم ۴۰۲/۳: حدیث ۱۱۲۸ اذلال الخوارج سیبوی: ۳۵۴/۶: حدیث ۲۳۱۵ صحیح ابن خزیمہ ۳۳۶/۴: حدیث ۱۱۵۲

مسند عبد بن حميد: ٢٣١/١ حديث: ٢٨٢، مغرقة الصحابة: ٨٠/١٣٨ حديث: ٣٣٩٣، من عمل اليوم والميلة: ٢١/١ الدعوات الكبير: ٢٢١/١ حديث: ١٩٣،

الصحابه ابن قانع: ١٥/١ حديث: ١٢٠٩ كنز العمال: ١٨١/٢ حديث: ٣٦٢٠ مسند الجائع: ٢٩/١٢٦٩ حديث: ٩٦٢٨ روضة الخرشين: ١٠/٢٩٤١ حديث: ٢٤٢٢

اعتراض کیا اور لکھ دیا کہ اس کے اسناد میں عثمان بن خالد بن عمر ایک راوی آتا ہے جس کو ”تقریب“ میں متروک الحدیث لکھا ہے۔ اس عاجز نے ابن ماجہ اور ترمذی میں یہ حدیث نکال کر اس کے اسناد نکالے تو ان دونوں محدثوں کے اسناد میں عثمان بن عمر نکلا اور ”تقریب“ میں اس کو متروک الحدیث نہیں بلکہ عثمان بن خالد بن عمر کو بیشک متروک الحدیث لکھا ہے اور یہ کوئی اور آدمی ہے۔ والحمد لله علیٰ ذالک۔

یہ حدیث تو محدثوں کی پرتالی ہوئی ہے یہ کس طرح ضعیف اور غیر معتبر ہو سکتی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح لکھا ہے نیز بیہقی نے اس کو صحیح کہا ہے کذا فی شرح المواہب اور حاکم نے کہا کہ یہ روایت، یحییٰ بن کی شرط کے موافق صحیح ہے (۱)۔ یہ بھی شرح مواہب زرقانی میں ہے اور تین ابن ماجہ نے لکھا۔ قال ابواسحق هذا حدیث صحیح (۲)۔

تو گویا اس حدیث کو آٹھ ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے (جیسا کہ حصین اور زرقانی میں ہے)، بیہقی، طبرانی، ابونعیم اور بخاری نے اپنی تاریخ میں (جیسا کہ شرح مواہب زرقانی میں ہے)۔

بھلا ایسی حدیث میں زبان زوری کر کے اگر کوئی مغالطہ دینے لگے تو کب ہو سکتا ہے!۔ خلاصہ یہ کہ جب اس اندھے نے نماز پڑھ کر دعا مانگی تو بخاری، ابونعیم اور بیہقی کی روایت میں ہے

وہ اندھا اٹھ کھڑا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

طبرانی نے روایت کی

كَانَ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضَرٌّ. (۳)

اس کی آنکھیں ایسی روشن ہو گئیں کہ گویا اس میں کبھی کچھ

خلل ہی نہ ہوا تھا۔

واضح ہو کہ یہ دعا اور یہ نماز اور یہ خطاب یعنی یا محمد کہنا آپ کے مبارک زمانہ میں خاص آپ کی تعلیم سے ہوا۔ اور شرح ابن ماجہ نیز ”حذب القلوب“ میں ہے کہ یہ عمل عہد صحابہ میں بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا گیا ہے۔

طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی ہے کہ ایک آدمی کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حاجت تھی کہ بارہا جاتا لیکن حضرت عثمان اس کی طرف التفات نہ فرماتے تھے۔ اس آدمی نے عثمان بن حنیف انصاری صحابی سے شکایت کی تو عثمان بن حنیف نے کہا وضو کر کے آؤ، دو رکعتیں پڑھ پھر یہ دعا مانگ

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنا

مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيُّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ طالب امداد ہوں۔ یا محمد! میں نے اپنی اس حاجت کے پوری

ہو جانے کے سلسلے میں آپ کے وسیلے سے رب کی بارگاہ میں استغاثہ

کیا ہے تو اے اللہ! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

(۱) مستدرک حاکم: ۲۰۲/۳ حدیث: ۱۱۴۸

(۲) سنن ابن ماجہ: ۲۹۶/۳ حدیث: ۱۳۷۵

(۳) دلائل النبوة: ۶: ۳۵۴ اور معجم کبیر طبرانی ۷: ۴۱۲ حدیث ۸۲۳۲- کے الفاظ یوں ہیں: كَانَهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضَرٌّ قَطُّ۔

(۴) حسن حسین امام جزری: ۱۵۱ سنن ابن ماجہ: ۲۹۶/۳۰، حدیث: ۱۳۷۵، مجمع صغیر طبرانی: ۱۰۶/۲، دلائل النبوة: ۶/۳۵۲، حدیث: ۲۳۱۷، مغررۃ الصحابہ: ۱/۱۳۰

۸۱ حدیث: ۲۳۹۵، مجمع الزوائد: ۲/۲۷۹، الترغیب والترہیب: ۱۰۵، حدیث: ۴۱۵۔ کتاب النوافل



پھر یہ دعا پڑھ کر اپنی حاجت عرض کر دے، غرض کہ وہ آدمی عثمان بن حنیف کی تعلیم کے موافق گیا، وضو نماز اور دعا (جس طرح انھوں نے بتائی تھی) پڑھی۔ اب اذان کے بعد وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے در و دولت پر حاضر ہوا اس وقت دربان نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا، حضرت عثمان نے اس کو اپنی مسند خاص پر اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کیا حاجت ہے؟ اس نے بیان کیا اور آپ نے اس کی حاجت پوری کر دی اور یہ فرمایا کہ اب سے جو کچھ مشکل یا حاجت پیش آیا کرے مجھ سے آکر بیان کیا کرو۔ وہ آدمی بہت خوش حال ہو کر حضرت عثمان کے پاس سے نکلا اور عثمان بن حنیف کے پاس شکر یہ ادا کرنے گیا اور کہا جزاک اللہ خیر! حضرت عثمان میری طرف نظر بھی نہ فرماتے تھے، لیکن شاید تم نے ان سے میری کچھ سفارش کی ہے۔ عثمان بن حنیف صحابی نے جواب دیا قسم اللہ تعالیٰ کی! میں نے حضرت عثمان سے کچھ نہیں کہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا، ایک اندھا آیا، اس نے فریاد کی یا رسول اللہ! میری آنکھ جاتی رہی، آپ نے فرمایا صبر کرو، وہ بولا کوئی میرا ہاتھ پکڑ کر لے جانے والا نہیں، مجھ پر بڑی مصیبت ہے۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ نماز اور یہ دعا تعلیم کی تھی، پھر وہی ابن ماجہ والا قصہ جو ہم اوپر بیان کر چکے، عثمان بن حنیف نے بیان کیا۔

الحاصل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی عہد صحابہ میں اس خطاب یعنی یا محمد کہنے پر عمل ہوا اور اس وقت سے اب تک یہ نماز تعلیم ہوتی چلی آتی ہے۔ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ ”حسن حصین“ میں فرماتے ہیں

من كانت له ضرورة. إلى آخره. (۱)

جس کسی کو کوئی ضرورت، حاجت یا مشکل آپڑے یہ نماز حاجت اور یہ دعا پڑے۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں بھی اس کی تعلیم ملتی ہے۔ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح کبیر منیہ میں جو نوافل تعلیم کی ہیں ان میں دو صلوٰۃ الحاجۃ لکھے ہیں ایک کو بیان کر کے لکھا کہ یہ ضعیف ہے اور دوسری یہ نماز لکھی جو عثمان بن حنیف کی روایت سے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ حلبی نے اس کو لکھ کر بیان کیا کہ یہ حسن اور صحیح ہے۔

الحاصل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، صحابہ کی تلقین، محدثین کی تعلیم اور فقہاء کے افتا و تصحیح سے اب تک یا محمد کا یہ خطاب جاری ہے۔ اس کے علاوہ اشعار وغیرہ میں خطاب کے اور بھی صیغے ہم نقل کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ نے آپ کی وفات کے بعد غم کے بہت سے اشعار پڑھے ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ (۲)

ألا يا رسول الله كنت رجاءنا و كنت بنا برا ولم तक جافيا

فلو أن رب الناس أبقى نبينا سعدنا ولكن أمره كان ماضيا

یا رسول اللہ! آپ ہی ہماری امیدوں کی آماجگاہ تھے، آپ ہم پر مہربان تھے اور آپ ہمارے ساتھ ختی کرنے والے نہ تھے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی رکھتا تو ہم خوش ہوتے مگر حکم الہی تو ہو چکا تھا۔

حضرت حسان صحابی نے آپ کی وفات کے غم میں یہ پڑھا

(۱) حسن حصین امام جزری: ۱۵۱۔ مطبع مجبائی، دہلی

(۲) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۱/۱۶۱ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ: ۳۳۳/۳ طبقات ابن سعد: ۳۲۵/۲۔ ذکر من رثی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

كنت السواد لناظري \* فعمي عليك الناظر

من شاء بعدك فليمت \* فعليك كنت أحاذر

آپ میری آنکھ کی پتلی تھے اب اندھے ہو گئے آپ کے پیچھے دیکھنے والے۔ اب آپ کے بعد جو مرنا چاہے مر جائے مجھ کو تو صرف آپ کا ڈر تھا۔

اسی طرح آپ کی وفات کے بعد اور بھی صحابہ کے اشعار پائے گئے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خطاب ہے۔ اور قاضی عیاض نے ”شفا“ کے ”باب لزوم محبت“ میں روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت عبد اللہ بن عمر کا پاؤں سو گیا یعنی سنسنے لگا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔ کسی نے کہا کسی آدمی کو یاد کرو جو تم کو بہت پیارا ہو۔ تب وہ چلا کر پکارا اٹھے

يا مُحَمَّداه !

تو اسی وقت ان کا پاؤں درست ہو گیا اور اس میں قوت آگئی۔ انتہی۔ (۱)

یہ عبد اللہ بن عمر ایک جلیل القدر صحابی اور اتباع سنت میں نہایت سخت تھے۔ دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت میں حاضر کے لفظ کے ساتھ یا محمدہ خطاب کر رہے ہیں۔

فتوح الشام کے صفحہ ۲۹۸ میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ ابن جراح نے ایک ہزار سوار دے کر کعب بن ضمیرہ کو قنسرین سے حلب کے ارادہ سے روانہ کیا، اور کعب بن ضمیرہ کی لڑائی یوقنا سے پڑی جس کے پانچ ہزار سپاہ تھے۔ یہ لڑائی ہوئی رہی تھی کہ یوقنا کے پانچ ہزار سپاہ اور بھی دوسری طرف سے مسلمانوں پر آپڑے غرض کہ دس ہزار کا مقابلہ ٹھہر گیا، اس وقت مسلمان جاں بازیاں دکھا رہے تھے اور کعب بن ضمیرہ نہایت بے آرام اور بے چین ان کے گرد آواز دیتے تھے اور پکارتے تھے

يا محمد يا محمد يا نصر الله انزل

مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے تھے

معاشر المسلمین اثبتوا انما هي ساعة و يأتي النصر و أنتم الأعلون . (۲)

حالت غیبت میں خطاب کی یہ ایک اور بھی نظیر ہے۔ اور یہ کعب بن ضمیرہ بھی صحابہ میں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر بھی انھوں نے جہاد کیے تھے۔ غرض کہ صحابہ کے وقت سے غیبت کے باوجود یہ خطاب اور ندائے رسول اللہ جاری رہا ہے۔

علامہ شرف الدین بصری رحمۃ اللہ علیہ متوفی (۶۹۴ھ) جو مقبولین روزگار سے تھے ان کا قصیدہ بردہ مشائخ کے اوراد میں داخل نہایت بابرکت اور مقبول ہے۔ بہاء الدین وزیر کا حال ہم نقل کر چکے ہیں کہ وہ کمال تعظیم سے برہنہ سر برہنہ پا کھڑا ہو کر اس قصیدہ مقبولہ کو سنا کرتا تھا۔ حلبی وزیر قاتانی اور قسطلانی سبھی قصیدہ بردہ کے مداح ہیں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس قصیدہ کو پڑھا اور اس کی اسناد حاصل کی۔ ”انتباہ“ میں لکھتے ہیں

و أما قصيدة البردة فأخبرنا بها أبو طاهر

عن الشيخ أحمد النحلي عن محمد بن العلاء

الشفاء جریف حقوق المصطفى: ۲۳۳/۲ عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی: ۳۱۹/۱

(۲) فتوح الشام: ۱۹۸/۱۔ باب فتح مدینہ حلب وقلعہا



الباهلی (الی أن قال) عن ناظمها شرف الدین محمد ابن سعید بن محمد ابن سعید بن حماد البوصیری رحمۃ اللہ حماد بوصیری رحمۃ اللہ علیہ سے عطا ہوئی۔  
علیہ انتھی۔

الحاصل اس مقبول قصیدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر کے ساتھ جا بجا خطاب ہے۔ ان میں دو مقام تو ایسے ہیں جہاں خاص ندر بطور فریاد اور دادخواہی کے موجود ہے۔

یا اکرم الخلق مالی من الودیہ

سواک عند حلول الحادث العمم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرتے ہیں کہ اے برگزیدہ خلائق! بلائے عام اترنے کے وقت میرا اپنا ایسا کوئی نہیں جس کی میں پناہ پکڑوں۔

دوسرا شعر یہ ہے۔

ولن يضيق رسول الله جاهک بي

إذا الكريم تجلی باسم منتقم

اس میں عربی قاعدہ کے مطابق 'رسول اللہ' مناد کی اور لفظ ندا محمد زوف ہے۔  
یا رسول اللہ آپ کی شان کچھ کم نہ ہوگی ہماری شفاعت کرنے سے جس وقت اللہ تعالیٰ صفت انتقام کے ساتھ ظہور فرمائے گا۔

اسی معنی کے قریب شیخ شرف الدین مصلح الدین معروف بہ سعدی شیرازی (متوفی ۶۹۱) جو دو صلیبن طریقت اور کالین شریعت سے تھے۔ حضرت خضر سے ملاقات کی ساتوں ولایت پھرنے بارہا پیدل حج کیا۔ اور یہ عالم فاضل ولی کامل حاضر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں شعر لکھتے ہیں۔

چہ کم گردد اے صدر فرخندہ پے

کہ باشند مشتے گدایان خیل

چہ وصفت کند سعدی ناتمام

خداوند قدوس کی بارگاہ بلند میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے اس میں سے اے میرے سردار کیا کچھ کم ہو جائے گی (کچھ نہ ہوگی) اگر تھوڑے سے آپ کے بھکاری آپ کے طفیل میں آپ کے مہمان خانہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ آپ کی تعریف و توصیف یہ سعدی بے ہنر کیا کر سکتا ہے بس آپ پر بے شمار درود و سلام نازل ہوں اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

مولانا احمد تھانیسری (جو کہ امیر تیمور کے عہد میں بڑے مشہور فاضل و کامل تھے) صاحب ہدایہ کے نبیرہ شیخ الاسلام سے ایک موقع پر ان کی گفتگو ہوئی۔ امیر تیمور نے جب دیکھا کہ یہ تو شیخ الاسلام کو دبا دیں گے تو ان کی اظہارِ عظمت کے لیے یہ کہا کہ یہ صاحب

ہدایہ کے نبیرہ ہیں۔ مولانا نہ ڈرے اور اس پر یہ کہا کہ ان کے دادا نے "ہدایہ" میں چند محل پر خطا کھائی ہے تو اگر انہوں نے اس وقت ایک خطا کھائی تو کیا ڈرے۔

غرض کہ یہ بڑے عالم و فاضل اور عارف کامل تھے۔ قلندہ کالپی میں ان کا مزار ہے بہت لوگ زیارت کو آتے ہیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس سے دو تین شعر لکھتا ہوں۔

یا حیاتی و یا روحی و یا جسدی

آتی الیک بقطع الید من قبل

اے میرے حاصل زیت سامان تسکین روح آرام جان باعث قلب حزین پست پناہ میں آپ کی بارگاہ میں صحرا نوردی کرتے ہوئے حاضر ہوں۔ آپ کی نصرت و امداد کے بغیر مجھے یارے صبر نہیں۔

دیکھیے کہ اس میں بھی حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہندوستان سے خطاب ہو رہا ہے۔

مولانا نظامی (متوفی ۱۲۰۳ھ) علوم معقول و منقول میں فاضل کامل تارک الدنیا عارف صاحب دل سلاطین روزگار ان سے برکت چاہتے وہ کسی کے در پر نہ جاتے تھے۔ غرض کہ یہ جامع شریعت و طریقت بھی اشعار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت حاضر سے خطاب کر رہے ہیں۔

من از کم ترین استان خاک تو

نظامی کہ در گنجہ شد پایے بند

مباد از سلام تو نا بہر مند

"گنجہ" ایران کا ایک شہر ہے۔ وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خطاب ہو رہا ہے۔

مولانا عبدالرحمن ابن احمد جامی متوفی (۸۹۸ھ) جن کا فضل و کمال کسی سے مخفی نہیں۔ شرح ملا شرح فصوص الحکم شرح نقایہ اور

شرح لمعات وغیرہ ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں خطاب کرتے ہیں۔

ز مہجوری بر آمد جان عالم

تو آخر رحمۃ للعالمینی

جہاں کی دنیا کی جان نکل گئی اے اللہ کے نبی رحم فرمائیے اے اللہ کے نبی رحم فرمائیے۔ آپ تو رحمت کل جہاں

ہیں محروموں اور عذاب ہجر کا نئے والوں سے آپ غافل ہو کر کیوں بیٹھیں گے۔

ملک خراسان میں جام ایک شہر کا نام ہے جو جامی رحمۃ اللہ علیہ کا وطن ہے۔ وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطاب

غیبت میں ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ اہل کشف کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے مبارک مناجات کے وقت ان کے سامنے تھا اس لیے کہ ان کا یہ شعر بھی انہیں اشعار کے ساتھ ہے۔

شب اندوہ مارا روز گرداں

تو ابر رحمتے آں بہ کہ گاہے

مصیبت کی رات کو دن کے اجالے میں بدل دیں اور مجھے کامرانی سے ہم کنار فرمائیں۔ بلاشبہ آپ رحمت الہی کا بادل



ہیں تو یہی بہتر ہے کہ کبھی کبھی خشک لیوں کے حال زار پر بھی ایک نگاہ کرم فرمادیا کریں۔

مولانا عبدالحق محدث دہلوی صوفی صافی مشرب، محدث فقیہ، حنفی مشرب، جن کی فارسی و عربی میں ایک سو تیس کتابیں ہیں۔ ان کی تاریخ ولادت ”شیخ اولیا“ (۹۵۸ھ) اور تاریخ وفات ”فخر العالم“ (۱۰۵۳ھ) ہے۔ اخبار الاخبار کے اخیر میں مطبوع اپنے قصیدہ میں لکھتے ہیں۔

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما ✽ بلطف خود سر و ساماں جمع بے سرو پا کن  
محبت آل و اصحاب تو ام کار من حیراں ✽ بلطف خویش ہم امروز ہم در روز فردا کن  
یا رسول اللہ جس صورت سے بھی ہو کرم فرمائیے اور اپنی مہربانی سے اس گروہ بے ساماں کے اسباب فرام فرمائیے۔ میں  
آپ کا اور آپ کے اصحاب کرام کا شیدائی ہوں اور پھر بھی میرے کام پورے نہ ہوں تو ہم پر آج اور کل بھی مسلسل اپنی  
عنایت کے شامیانے تانے رکھیں۔

حضرت شاہ ابوالعالی صاحب فرماتے ہیں۔

گر نبودی یا رسول اللہ ذات پاک تو ✽ پیچ پیغمبر نبودی دولت پیغمبری  
یا رسول اللہ اگر آپ کی ذات گرامی نہ ہوتی تو شاید کوئی پیغمبر شرف پیغمبری سے سرفراز نہ ہوتا۔  
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ”قصیدہ الطیب الغم“ میں فرماتے ہیں۔

وصلی علیک اللہ یا خیر خلقہ ✽ و یا خیر مأمول و یا خیر و اہب  
و یا من یرجی لکشف زریۃ ✽ و من جودہ قد فاق جو سحاب  
آپ نے اس قصیدہ کے اول میں لکھا ہے کہ جب مجھ پر صعوبت و مصیبت ہجوم کرتی ہیں اور کسی مددگار کی جستجو ہوتی ہے تو محمد  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہیں پاتا۔ پھر اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب بیان کیے۔ اور ان  
دو شعروں میں یہ خطاب کیا کہ اللہ آپ پر رحمتوں کے پھول برسائے۔ اے مخلوق میں سب سے اچھے اے عمدہ امید گاہ اے بہترین  
بخشش کرنے والے اے وہ جس سے مصائب دور کرنے کی التجا کی جاتی ہے اور جس کی بخشش بادل کی بخشش سے فوقیت لے گئی۔

اس دور اخیر میں بھی اہل سنت و جماعت کے جو علماء و صلحا ہیں وہ سب خطاب حاضر ”یا رسول اللہ“ کہنا جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ  
قدوة السالکین، اسوۃ العارفين، محی السنۃ، ما حی البدعہ حضرت مرشدی و مولائی المشہر بالالسنۃ والاخواہ باسمہ المقدس شاہ امداد اللہ الحافظ  
الحاج المہاجر نفعنا اللہ بفضلہ الوافر الحق کا تر فرماتے ہیں۔

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یا رسول اللہ ✽ مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ  
کرو روے منور سے مری آنکھوں کو نورانی ✽ مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسول اللہ  
اگرچہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں ✽ بس اب چاہو ہنسناؤ یا رلاؤ یا رسول اللہ  
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر ✽ مری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ  
اگرچہ ہوں نہ قابل واں کے پر امید ہے تم سے ✽ کہ پھر مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یا رسول اللہ

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں ✽ بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ  
پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو ✽ بس اب قید دو عالم سے چھڑاؤ یا رسول اللہ  
جس وقت حضور حج کر کے ہندوستان تشریف لائے تھے تب اشتیاق میں یہ قصیدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک مصرع کا یہ مضمون  
بالکل صاف ہے ع:

کہ پھر مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یا رسول اللہ  
غرض کہ اس قصیدہ میں جو یہ ندائے یا رسول اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگنا ہے یہ سب ملک ہندوستان  
سے خطاب و استمداد کیا گیا ہے اور مقبول بھی ہوا۔ چنانچہ پھر حضرت ممدوح ہندوستان سے ملک عرب میں بلوائے گئے اور زیارت  
مدینہ سے مشرف ہوئے۔ ان کی تعریف محتاج بیان نہیں۔  
مختصر یہ کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی (جن کو ہمارے وقت کے سب منکرین بھی بالاتفاق معتد علیہ اور مسلم الثبوت مانتے  
ہیں) وہ حضرت کی توصیف میں لکھتے ہیں۔

بحق مقتداے عشق بازاں ✽ رئیس و پیشواے جاں گدازاں  
امام راست بازاں شیخ عالم ✽ ولی خاص صدیق معظم  
شہ والا گہر امداد اللہ ✽ کہ بہر عالم ست امداد اللہ  
یہ اشعار شجرہ منظلہ صابریہ میں ہیں جو قصائد قاسمی کے آخر اوراق (مطبوعین الاخبار مراد آباد) میں مطبوع ہوئے ہیں۔ معلوم  
ہونا چاہیے کہ ”صدیق“ کے معنی شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں یہ لکھے ہیں  
صدیق آنست کہ قوت نظریہ او مثل قوت نظریہ انبیاء علیہم  
السلام کامل باشد الخ۔ قوت نظریہ کی مانند کامل ہوتی ہے۔

تو مولوی محمد قاسم صاحب کا حضرت کو صدیق معظم فرمانا ان بعض ناانصافوں کی تردید کے لیے حجت کافی ہے جنہوں نے حضرت  
کی نسبت یہ کہہ دیا کہ معاذ اللہ آپ علم شریعت سے ناواقف ہیں۔ اور ہم ان کے مرید ہیں لیکن پیر سے افضل ہیں۔ یہ نہ سمجھے کہ جس کی  
قوت نظریہ ایسی بڑھی ہوئی ہوگی وہ تو احکام شریعت کے حقائق سے ایسے واقف ہوں گے کہ تم ان کے عشر شیر کو بھی نہ پہنچو گے۔  
خیر! آدم برسر مطلب۔ جناب مرشدی و مولائی نے ”یا رسول اللہ“ کا خطاب جائز رکھا خود اس پر عمل کیا، نیز مولوی محمد قاسم  
صاحب کے کلام میں ہم ثابت کرتے ہیں کہ انھوں نے خطاب و ندائے یا رسول اللہ کو جائز رکھا ہے۔ چنانچہ قصائد قاسمی (مطبوعہ  
مراد آباد) کے صفحہ ۷ پر ان کے اشعار یوں ہیں۔

ترے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرہ طاعت ✽ گناہ قاسم برگشتہ بخت بد اطوار  
اور صفحہ ۸ میں ہے۔

اگر جواب دیا بے کسوں کو تو نے بھی ✽ تو کوئی اتنا نہیں جو کرے کچھ استفہار  
کز وڑوں جرم کے آگے یہ نام کا اسلام ✽ کرے گا یا نبی اللہ کیا یہ میری پکار



بہت دنوں سے تمنا ہے کیجیے عرض حال ❁ اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار  
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا ❁ نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار  
یہ دیکھیے کہ خطاب و ندا کرنا اور مدد مانگنا سب کچھ ان اشعار میں موجود ہے۔ اللہ ہدایت کرے منکرین کو کہ بے جا شور و شغب  
سے باز آئیں۔

مولف براہین کا یہ لکھنا کہ

ان صاحبوں کا خطاب و ندا کرنا غلبہ شوق و محبت سے تھا وہ جائز ہے اور دوسرے آدمی جو خطاب کرتے ہیں وہ اس طرح  
نہیں بلکہ وہ حضرت کا علم مستقل ذاتی سمجھ کر کہتے ہیں یہ شرک ہے۔

نہایت درجہ بے اصل اور دعویٰ بے دلیل ہے۔ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ کسی کا یہ عقیدہ نہیں جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے علم  
کو ذاتی اور مستقل سمجھے بلکہ سب یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کو جو کچھ علم و قدرت ہے سب اللہ کے دینے سے ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اسی  
کے ارادہ اور اذن سے ہوتا ہے۔ اب ہم خطاب و ندا کی توجیہات بیان کریں۔

واضح ہو کہ بعض محبین درجہ عشق کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں جیسے حضرت ابوالحسن شاذلی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کہ ان سے رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ایک لمحہ بھی فوت نہ ہوتا اب اگر ایسے لوگ خطاب کریں تو ان کے نزدیک تو وہ خود حاضر و ناظر ہیں  
حاضر کے معنی موجود اور ناظر کے معنی دیکھنے والا۔ جب موجود ہوئے تو دیکھنے والے بھی ہوئے۔ تو ایسی شخصیتوں کے حق میں تو رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کچھ محل کلام ہی نہیں۔ باقی رہے دوسری طرح کے آدمی کہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری  
حاصل نہیں تو ان کے حق میں بھی یہ خطاب کرنا درست ہے۔

قطب ربانی امام شعرانی ”میزان الشریعہ“ میں لکھتے ہیں کہ محمد بن زین ایک مداح رسول تھے اکثر حالت بیداری میں رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے تھے۔ ایک بار ایک آدمی نے اپنے واسطے ان سے ایک حاکم کی سفارش چاہی یہ گئے اور حاکم  
نے ان کو اپنی مسند پر بٹھایا اس دن سے دیکھنا منقطع ہو گیا۔ اس مقام خاص پر میزان کی عبارت یوں ہے

فلم یزل یطلب من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
وسلم الرویۃ حتی قرء له شعراً فترأی له من بعید  
فقال تطلب رویتی مع جلوسک علی بساط  
الظلمۃ فلم یبلغنا أنه راہ ذلک حتی مات .

پھر وہ مداح رسول ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
سوال کرتا رہا کہ اپنا دیدار مبارک کرا دیجیے یہاں تک کہ ایک دفعہ  
اس نے شعر پڑھا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کچھ دور  
سے دکھائی دیے اور فرمایا تو دیدار کا سوال کرتا ہے اور بیٹھتا ہے  
ظالموں کے فرش پر۔ پھر ہم کو اس کے مرنے تک ایسی کوئی خبر نہیں  
ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کو کبھی نظر آئے۔ اٹھی۔

اب دیکھیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن زین مداح کی نظر سے غائب تھے اور نظر نہ آتے تھے اس کے باوجود وہ اسی غیبت  
کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کرتا تھا کہ صورت مبارک دکھا دیجیے۔

تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ ایسے لوگ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہیں آتے اگر وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

دیدار کی درخواست کریں اور غلبہ شوق میں خطابیہ و ندائیہ قسم کے اشعار پڑھیں تو صحیح اور جائز ہے۔ جیسے حضرت مرشدی و مولائی نے  
جدائی اور درو اشتیاق کے عالم میں ہندوستان میں پڑھے تھے۔

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یا رسول اللہ

مجھے دیدار تم اپنا کراؤ یا رسول اللہ

اگر کوئی نیم ملاحظہ ایمان اس کو شرک بتا دے اور یہ کہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب جانتے ہو تو کہہ دو کہ اصل  
عالم الغیب بالذات اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غیب کی خبر دیتا ہے تو ان کو بھی خبر ہو جاتی ہے۔

سورہ بقرہ کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز کا کلام یاد رکھو کہ حضرت مطلع ہیں اپنے ہر امتی کے حال سے کیوں کہ ان کو  
سب امتیوں کی خبر دی جاتی ہے۔ اور سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ امت کے احوال صبح و شام آپ کے سامنے پیش کیے  
جاتے ہیں۔ (۱)

تبصرہ: حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ روم ہرقل کو جو نامہ مبارک لکھا تھا بروایت بخاری اس  
کے الفاظ یہ تھے

أَمَّا بَعْدُ فَيَا نَبِيَّ اذْغُوكَ بِدَعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمَ  
تَسْلِمًا . (۲)

اس میں بادشاہ روم کو حاضر کا خطاب ہے حالاں کہ آپ ملک عرب تھے اور وہ روم میں۔ اور وہ اصحاب کشف سے نہ تھا کہ  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب وہاں سے معلوم کر لیتا لیکن چونکہ بات یہ تھی کہ قاصد اس خط کو لے جا کر اس کے ہاتھ میں دے دے  
گا جب یہ خط اس کی نظر کے سامنے سے گزرے گا تو خطاب صحیح ہو جائے گا۔

اسی طرح اب تک رسم جاری ہے کہ ہم خطوط میں مکتوب الیہ کو الفاظ خطاب لکھ دیتے ہیں کہ فلاں چیز بھیج دو اور تاکید جانو فقط  
اسی اعتماد پر کہ جب قاصد یہ خط ان کو دے دے گا تو ہمارا خطاب حاضر لکھنا صحیح ہو جائے گا۔ جب قاصدوں کی چٹھی رسائی کے  
اعتماد پر حالت غیبت میں یہ خطاب جائز ہوا تو مضمون حدیث کے اعتماد پر کہ ہمارے اعمال و اقوال ہر روز دو بار صبح و شام آپ صلی  
اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں کیوں کہ خطاب جائز نہ ہوگا۔

جب ہمارے اقوال مخفی نہ رہے بلکہ آپ تک پہنچائے گئے تو اگر چہ آپ کو ہم سے بعد مکانی ہو لیکن آپ حاضر کی طرح ہیں لہذا

(۱) لیس من یوم إلا تعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أمۃ غدوۃ و عشیۃ فیعرفہم بسمیامہم و أعمالہم فلذلک یشہد علیہم  
(تفسیر قرطبی: ۱۹۸/۵، تفسیر حق: ۳۷۳/۲)

(۲) صحیح بخاری: ۸/۱، حدیث: ۶، صحیح مسلم: ۲۳۵/۹، حدیث: ۳۳۲۲، مشکوٰۃ المصابیح: ۳۹۲/۲، حدیث: ۳۹۲۶، مسند احمد: ۲۸۴/۵، حدیث: ۲۲۵۲، سنن کبریٰ  
نبوی: ۵۸/۹، مصنف عبدالرزاق: ۳۳۶/۵، سنن کبریٰ نسائی: ۳۱۱/۶، معجم کبیر طبرانی: ۱۷۲، دلائل النبوة: ۳۹۷/۳، حدیث: ۱۷۱، مستخرج ابوعوانہ: ۲۵۲/۱۳،

حدیث: ۵۴۰/۹، صحیح ابن حبان: ۱۲۲/۲۷، حدیث: ۶۶۶۳، مسند شامیین: ۱۹/۹، حدیث: ۳۰۶۰، مشکل الآثار: ۶/۵، حدیث: ۱۷۸۶، کنز العمال: ۸۴  
حدیث: ۳۸۴، حدیث: ۱۱۰۳۵، نصب الراية: ۲۶۵/۱۳، مسند الجامع: ۲۶۱/۷، حدیث: ۵۲۱۲



حاضر کا خطاب کرنا جائز ہے۔ (۱)

اگر کوئی ضعیف الایمان آدمی اس تقریر پر بھی راضی نہ ہو تو ایک تیسری توجیہ اور بھی ہے یعنی جس کو کسی کا عشق ہوتا ہے اس کا نقشہ آنکھوں میں پھر اکر تا ہے تو اس اعتبار سے حاضر کا خطاب کر دیتے ہیں۔ عرب کے اشعار میں یہ بات کثرت سے ہے۔ انہی میں سے دو شعر ”جذب القلوب“ سے نقل کرتا ہوں۔

علی ساکن البطن العقیق سلام ❖ وإن أسهر نسي بالفراق وناموا

حظرتم علی النوم و هو محلل ❖ وحلستم التعذیب و هو حرام

بطن عقیق پر بسنے والوں کو سلام ہو جو مجھے ہجر کے عذاب میں مبتلا کر کے خود چین سے سو رہے ہیں۔ تم نے مجھ پر سونا حرام

کر دیا حالانکہ سونا تو حقیقتہً ایک حلال چیز ہے۔ اور تم نے میرے لیے عذاب کو رد کر دیا حالانکہ یہ تو حرام ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی بیوی زلیخا کا حال جو مولوی جامی صاحب نے لکھا ہے وہ سب کو یاد ہوگا کہ شروع عشق میں جب تک نکاح نہ ہوا تھا کس کس طرح تصورات میں باتیں کیا کرتی تھیں۔ ان میں سے دو شعر اس جگہ لکھتا ہوں۔

خیال یار پیش دیدہ بنشاند ❖ ہم از دیدہ ہم از لب گوہر افشاند

کہ از پاکیزہ گوہر از چکائی ❖ کہ از تو دارم این گوہر فشانی

دل بروے و نام خود نہ گفتی ❖ نشانی از مقام خود نہ گفتی

خیال یار کو نگاہوں میں بسا لینے سے آنکھیں اور ہونٹ بہرہ و جواہر ٹپکاتے ہیں۔ کہ آپ کی طرف سے یہ موتیاں لٹانی

مجھے نصیب ہوئی ہیں۔ میں نے اپنا دل تو ان پر وارد کیا لیکن اس نے ابھی تک نہ تو اپنا نام بتایا اور نہ اپنے مقام کی کوئی

نشانی دکھائی۔

زلیخا عالم غیبیہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے خطاب کر رہی ہیں جو نہ شرک ہے نہ کفر۔

اور خود حضرت یوسف علیہ السلام راستہ میں اپنے باپ کو پکار کر فریاد کرتے تھے جب بھائیوں کی خشونت و درشت خوئی اور

آزار و دست درازی دیکھتے تھے جب وہ ان کو کنوئیں یعنی چاہ میں ڈالنے کو چلے تھے۔ حضرت جامی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

گجے در خوں گہ در خاک می خفت ❖ ز اندوہ دل صد چاک می گفت

کجائی اے پدر آخر کجائی ❖ ز حال من چنین غافل چرائی

بیا مگر مرا تا در چہ عالم ❖ بدست این حسوداں پائمالم

(۱) حاشیہ: مولف براہین قاطعہ نے صفحہ ۲۳ میں تینوں طرح کا خطاب مان لیا ہے خواہ دل کے ساتھ ہو یا اعتماد پر کہ اعمال امت آپ پر پیش ہوتے ہیں تو یہ ہمارا

خطاب بھی پیش ہو جائے گا اگرچہ بغیر درد کے ہو۔ تیسرے یہ کہ غلبہ عشق و محبت میں پکارتا ہے اور یہ نداء بھی جائز ہے۔ الاصل (جس طرح انوار ساطعہ میں

”یا رسول اللہ“ کا ثبوت دیا گیا ہے وہ سب مان لیا۔ پھر مولف کا یہ لکھنا کہ ہم شیخ اس لیے کرتے ہیں کہ عوام عالم آپ کو مستقل اور بالذات عالم الغیب جانتے

ہیں تو خطاب کرنے میں اس عقیدہ کی تاکید ہوتی ہے۔ یہ بالکل ہی غلط ہے اس لیے کہ سب آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم خدا کا دیا ہوا جانتے ہیں نہ کہ

مستقل وبالذات۔ اور جب شرع شریف میں اجزائے خطاب التیجات میں ایہام پر نظر نہ فرمائی گئی تو شعر اور قصیدہ میں ایہام کا وہم کیوں ڈالتے ہیں۔ ۱۲۰

کبھی میں خاک اور کبھی خون میں نہایا ہوا ہوتا ہوں۔ اور میرے دل صد چاک کے غم و اندوہ پکار پکار کر کہتے ہیں کہ اے

میرے پدر بزرگوار آخر آپ کہاں ہیں؟ میرے حال سے اتنی غفلت کیوں برت رہے ہیں؟ آئیں ذرا دیکھیں کہ

میری کیا حالت بنی ہوئی ہے؟ اور ان حاسدوں کے ہاتھوں کیا برا حال ہوا ہے۔

پھر اسی طرح سمجھ لو کہ جو اشعار شوقیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بطور خطاب حاضر کیے ہیں وہ اس لیے ہیں کہ

چونکہ آپ کا تصور دل میں بندھا ہوا ہے غلبہ اشتیاق میں حاضرانہ خطاب حضور فی الذہن کے باعث کرتے ہیں لیکن جن لوگوں کو ایسا

تصور اور ایسا خیال میسر نہیں ان کی سمجھ میں یہ آنے والا بھی نہیں کہ

کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ . (۱)

اے جھٹلایا جس کے علم پر قایم نہ پایا۔

یقیناً کلام الہی سچا ہے۔

چوتھی توجیہ: خطاب کی ایک چوتھی توجیہ بھی ہم بتادیں۔

قرآن شریف میں آیا ہے

ہاے افسوس ان بندوں پر!

یَحْسِرَةُ عَلَى الْعِبَادِ . (۲)

یہاں لفظ یاحسرت حرف نداء ہے جس سے مخاطب حاضر کو پکارا جاتا ہے یہ لفظ یاحسرت پر داخل ہو رہا ہے اور حسرت ایک ایسی بے

ادراک شعور چیز ہے کہ اس کو قیامت تک کبھی خبر نہ ہوگی کہ مجھ کو کوئی پکارتا ہے۔ اس جگہ امام رازی کا کلام یہ ہے

المقصود ان ذلک وقت الحسرة .. فإن النداء مجاز و المراد الإخبار . (۳)

غرض کہ تمام مفسرین اس مقام میں لکھتے ہیں کہ یہ نداء کلام عرب میں شائع ہے اور اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ حسرت کا وقت

ہے یعنی یہ نہیں کہ حسرت کو پکارتے اور بلاتے ہیں تو یہاں پر نداء مجازاً ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوئی کہ کہیں نداء مجازاً ہوتی ہے اور

اس سے خبر دینا مقصود ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح اس جگہ بھی سمجھ لو جب کوئی کہتا ہے۔

تمہارے نام پہ قربان یا رسول اللہ

فدا ہے تم پہ مری جان یا رسول اللہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہے اس کی مراد جملہ خبریہ ہے گو اس نے لفظ نداء یہ بولا ہے کیا ضرور کہ

یوں کہو کہ یہ شخص تو خدا کی طرح حاضر ناظر جان کر پکارتا ہے۔ البتہ تم خود شرک اور کفر کے معنی یہ کہہ کر لوگوں کے ذہن میں جماتے

ہو کہ لفظ یا حاضر کے لیے ہوتا ہے اور اس سے صرف حاضر کو خطاب کیا جاتا ہے حالانکہ یہ قاعدہ غلط ہے۔ (۴)

غائب کو خطاب اور ندا کرنے کی مثال صحابہ کے کلام میں موجود ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عثمان کی خلافت کے وقت میں ایک رات

(۱) سورہ یونس ۳۹/۱۰

(۲) سورہ یونس ۳۶/۳۶

(۳) تفسیر الرازی ۳۶/۱۳

(۴) حاشیہ: اور یہ لوگ کس طرح اپنی نماز کو بھولے ہوتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں سے غائب ہیں پھر آپ کی یہ نسبت پڑھتے ہیں: السلام علیک

ایہا النبی! تو اگر نظر سے غائب کو خطاب جائز نہ ہوتا تو نماز میں یہ خطاب کیوں درج ہوتا اور یہ بات نحوی رسالوں میں ثابت کی گئی ہے کہ السلام علیک ایہا

النبی پڑھتے وقت خاص خطاب ہی مراد ہوتا ہے۔ ۱۲۰



حضرت علی جب مسجد کی طرف آئے تو دیکھا کہ مسجد میں چراغ کثرت سے روشن ہیں تو حضرت عمر کو دعا دی۔ دعا کے الفاظ سیرت حلبی جلد دوم صفحہ ۲۳۵ میں یوں ہیں

نَوْرُتْ مَسَاجِدَنَا نَوْرُ اللّٰهِ قَبْرِكَ يَا اَبْنِ الْخَطَّابِ (۱)

اے عمر ابن خطاب جس طرح آپ نے ہماری مسجدوں کو منور کیا یوں ہی اللہ آپ کی قبر مبارک کو روشن فرمائے۔

دیکھیے یہاں حضرت عمر کو ان کی وفات کے بعد حضرت علی خطاب فرما رہے ہیں اور یہاں حضرت عمر کو پکار کر اپنی طرف متوجہ کرنا یا بلانا (جو کہ ناکافانہ ہوتا ہے) مقصود نہیں مقصود ان کو دعا دینا ہے کہ اللہ عمر کی قبر روشن کرے۔ چنانچہ روایت بالمعنی کرنے والے بعض راویوں نے معنی مقصود کو دعا کے قالب میں ڈھال کر روایت کر دیا ہے

نور اللہ قبر عمر کما نور مساجدنا۔ اللہ عمر کی قبر کو منور فرمائے جیسے کہ انھوں نے ہماری مسجدوں کو منور کیا ہے۔

اب فقہ کا ایک مسئلہ لکھتا ہوں۔

در مختار اور قسطنطینی وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ جس وقت اذان میں موذن کہے

الصلوة خیر من النوم نماز سونے سے بہتر ہے۔

تو سننے والوں کو چاہیے کہ اس کا جواب یوں دیں

صدقہ و برکت۔

تو نے سچ اور بھلا کہا۔ (۲)

فقہ شامی لکھتے ہیں کہ یہ جواب حدیث میں آیا ہے۔ اب واضح ہو کہ یہ جواب دینا کتب فقہ میں اس بات کے ساتھ ہرگز مقید نہیں کہ موذن کے پاس آکر جواب دیں بلکہ دور ہی سے پڑھ لیا کریں۔ تو اسی واسطے یہ دستور ہے کہ جس وقت صبح صادق کو موذن اذان کہتا ہے اس وقت اکثر آدمی اپنے اپنے مکانات و منزل میں ہوتے ہیں نہ ان کو موذن وہاں سے نظر آتا ہے کہ وہ تو نظر سے غائب ہے اور نہ خود موذن ان کے جواب اور ان کے خطاب کو سن سکتا ہے لیکن اس حالت غیبت میں بھی جہاں موذن نے الصلوٰۃ خیر من النوم کہا سب مسئلہ داں آدمی جواب دیتے ہیں: صدقہ و برکت یعنی تو نے سچ اور حق کہا۔ یہ غائب کو حاضر کا خطاب ہوتا ہے۔ تو چاہیے کہ ان فقہائے آخر الزماں کے نزدیک یہ سب جواب دینے والے کافر ہوں حالانکہ وہ مستحق ثواب ہوتے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے خطاب کیا لیکن ان کی مراد یہ ہے کہ موذن نے سچ بات کہی ہے۔ تو اسی طرح جو شخص کہتا ہے

ماسواے تو یا رسول اللہ شد براے تو یا رسول اللہ

تو اگرچہ یہاں خطاب کیا ہے لیکن مراد یہی ہے کہ ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے یعنی ان کے سبب پیدا کیا ہے۔

اور جو کوئی فقط یہ لفظ کہے ”یا رسول اللہ“ تو اس کی بہ نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ ”شرح ملا“ اور ”غایۃ التحقیق“ وغیرہ میں ہے کہ لفظ یا بمعنی ادعو ہے اور ادعو کے معنی ہیں میں پکارتا ہوں۔ تو جس نے یا رسول اللہ کہا تو اس کے معنی عربی قاعدہ سے یہ ہوئے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتا ہوں یعنی ان کو یاد کرتا ہوں اور ان کا نام لیتا ہوں۔ اب کہو اس میں کیا شرک و کفر ہو گیا! یہ لفظ یا کی نسبت کلام عرب میں یہ ضابطہ بھی متفقہ ہے

ینادی بها القریب و البعید۔ لفظ یا سے نزدیک اور دور ہر طرح پکارا جاتا ہے۔

الحاصل! ہم خطاب کو چند توجیہات سے ثابت کر چکے۔ نیز عہد رسالت سے لے کر اس وقت تک الفاظ خطاب اور صیغہ حاضر کے ساتھ نماز وغیرہ نماز و دعا وغیرہ دعا اور نظم و نثر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرنے کا ثبوت کامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مقبولین اولیا علماء اور صلحا سے دے چکے ہیں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ حالت غیبت کے باوجود خطاب کرنے والے یہ سب مقبولین معاذ اللہ ان منکرین کے نزدیک کافر ہیں یا خود ان کی تکفیر انہی کی طرف پلٹ جاتی ہے۔ ہمارے سچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

وَمَنْ دَعَى رَجُلًا بِالْكَفْرِ، أَوْ قَالَ عَذُوَ اللّٰهِ وَ لَيْسَ كَذَلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ. متفق علیہ (۱)

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ جو شخص کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہے اور وہ ایسا نہ ہو تو وہ کفر و لعنت کا کلمہ خود اسی کہنے والے پر الٹ آئے گا۔

اب چاہیے کہ مانعین اپنے ایمان کی خیر منائیں اور کبھی گستاخانہ الفاظ بے باکانہ زبان پر نہ لائیں۔ اور ابھی تازہ ان ایام میں حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا سے ”یا رسول اللہ“ کے جواز کا فتویٰ آیا ہے۔ بطور تلخیص اس کا مضمون نقل ہوتا ہے۔

(۱) صحیح مسلم: ۱۹۷/۱ حدیث: ۹۳، مشکوٰۃ المصابیح: ۳۲۳/۳ حدیث: ۳۸۱۷، مسند احمد: ۳۵۸/۳۳ حدیث: ۲۰۲۹۲، الابانۃ الکبریٰ ابن بطہ: ۵۹/۳ حدیث: ۱۰۳۵، الترغیب والترہیب: ۲۰۹/۲ حدیث: ۱۹۸۵، کنز العمال: ۱۹۱/۲ حدیث: ۱۵۳۰۳، المسند الجامع: ۳۰۵/۲۲ حدیث: ۱۲۲۳۵، الابیان لابن مندہ: ۲/۱۹۳ حدیث: ۶۰۱

اسی مفہوم کی دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں

لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا اودت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک۔ (صحیح بخاری: ۶۱۸/۳۷ حدیث: ۵۵۸۵، مسند احمد: ۵۶۲/۳۳ حدیث: ۲۰۵۹۰، شعب الایمان: ۱۷۸/۱۳ حدیث: ۶۳۸۸، مستخرج ابی یوسف: ۴۷/۱ حدیث: ۴۲۴، مشکوٰۃ المصابیح: ۳۵۸/۲۳ حدیث: ۲۳، الآداب التعلیمی: ۱۵۱/۱ حدیث: ۱۲۳، الآداب المفرد بخاری: ۱۵۰/۲ حدیث: ۲۴۶، الابیان لابن مندہ: ۱۹۲/۲ حدیث: ۶۰۱، مسند بزار: ۲۹۳/۹ حدیث: ۳۳۳۵، السنۃ ابوبکر بن خلاد: ۱۳۶/۳ حدیث: ۱۵۷۳، مسابغ الاخلاق خرائطی: ۱۵/۱ حدیث: ۶۲، مجمع الزوائد: ۳۹۹/۳، المسند الجامع: ۳۰۵/۲۲ حدیث: ۱۲۲۳۵، مستخرج احادیث الاحیاء: ۳۵۲/۶ حدیث: ۲۸۷۷)



## تحریر مفتی مدینہ

ما قولکم یا علماء الملة السمحة البيضاء ومفاتي الشريعة الغراء في النداء بقول  
يا رسول الله هل هو يجوز أم لا وهل يكفر قائله أم لا؟

## الجواب:

الحمد لله تعالى أسأل الله المولى الكريم ذا الطول والتوفيق والإعانة في الفعل  
والقول نعم يجوز النداء برسول الله صلى الله عليه وسلم والتوسل والاستغاثة في  
مهام الأمور فنعم الوسيلة هو إلى ربنا في مدة حياته في الدنيا وبعد موته في مدة  
البرزخ وبعد البعث في عرصات القيامة ولا نعتقد تأثيراً ولا خلقاً ولا نفعاً ولا ضراً  
ولا إيجاداً ولا عدماً إلا لله وحده لا شريك ولا يقول بكفر المتوسل به إلى ربه  
على هذا الوجه إلا من انطوت على فساد العقيدة طوية ولا فرق بين أن يعبر بلفظ  
الإستغاثة أو التوسل والتشفع والتوجه وإن كلا منها واقع في كل حال قبل خلقه و  
في مدة حياته في الدنيا وبعد موته في البرزخ وفي القيامة قال في المواهب: أما  
التوسل به صلى الله عليه وسلم بعد موته في البرزخ فهو أكثر من أن يحصى الخ. و  
بالجملة فالمسئلة واضحة جلية قد أفردت بالتأليف فلا حاجة إلى الإطالة فإن من  
نور الله بصيرته يكتفي بأقل من هذا ومن طمس الله بصيرته فلا يغني عنه الآيات و  
النذر ولم يزل السلف والخلف يتوسلون بسيد الوجود ويستغيثون به وقد شدت  
طائفة عن السواد الأعظم منهم من يجعله محرماً ومنهم من يجعله كفراً وإشراكاً و  
كل ذلك باطل والله در الشيخ محمد بن عبد الوهاب حين قام بالدعوة: يا ابن عبد الوهاب سلام  
على من اتبع الهدى إني أنصحك لله تعالى أن تكف لسانك عن المسلمين فإن  
سمعت من شخص أنه يعتقد تأثير ذلك المستغاث به من دون الله فاعرفه الصواب  
واذكر له الأدلة على أنه لا تأثير لغير الله تعالى فإن أبي فكهرة حينئذ بخصوصه ولا  
سبيل لك إلى تكفير السواد الأعظم من المسلمين وأنت شاذ عن السواد الأعظم  
فنسبة الكفر إلى من شذ عن السواد الأعظم أقرب لأنه اتبع غير سبيل المؤمنين وقال  
تعالى: ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله

ما تولي ونصله جهنم وساءت مصيراً، وإنما يأكل الذئب القاصية والله سبحانه و  
تعالى ولي الهداية وبه العصمة والحماية.

نمقه الفقير إلى عفوره القدير

عثمان بن عبد السلام داغستاني

المدينة المنورة الحنفية

اے علمائے ملت اور مفتیان شریعت! اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا کہنا ہے جو ”یا رسول اللہ“ پکارے کیا  
ایسا کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا کہنے والے کی تکفیر ہوگی یا نہیں؟

الجواب: ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور اپنے قول و فعل میں اسی سے مدد چاہتا ہوں۔ ہاں ”یا رسول  
اللہ“ پکارتا جائز ہے۔ اور مشکل گھڑی میں توسل اور فریاد رسی بھی جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ظاہری حیات  
میں ہمارے لیے اللہ تک پہنچنے کے کیسے بہترین وسیلہ تھے اور عالم برزخ (میں بھی وہ ہمارے وسیلہ ہیں) اور عرصہ محشر میں  
بھی (وہ ہمارے وسیلہ ہوں گے)۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خلق و تاثیر، نفع و ضرر اور وجود و عدم سب کچھ اللہ وحدہ لا شریک ہی  
کی ذات سے ہوتا ہے تو اس عقیدہ کی بنیاد پر رب تک پہنچنے کے لیے وسیلہ پکڑنے والوں کو کافروہی شخص کہہ سکتا ہے جس  
کے دل میں فاسد عقیدہ رچا ہوا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لفظ استغاثہ یا توسل یا شفاعت طلبی یا توجہ کے  
الفاظ بولنے میں کچھ فرق نہیں کیوں کہ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے آپ کی مدت حیات عالم برزخ  
اور میدان محشر میں واقع ہیں۔ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد آپ  
سے وسیلہ پکڑنا اس قدر واقع ہوا ہے کہ شمار نہیں کیا جاسکتا۔ خلاصہ یہ کہ یہ مسئلہ بالکل صاف اور بے غبار ہے۔ اس موضوع  
پر میں نے مستقل کتاب لکھی ہے لہذا طول دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس کی آنکھیں نور الہی سے روشن ہوں گی اس  
کے لیے اس سے کم بھی کفایت کرے گا اور جس کی آنکھ اللہ نے بے نور کر دی اس کو آیات اور واضح دلیلیں بھی ناکافی  
ہیں۔ سلف و خلف ہمیشہ سے سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑتے اور آپ سے فریاد رسی کرتے رہے ہیں۔ لیکن  
سواد اعظم سے اب کچھ گروہ بچھڑ گئے ہیں ان میں کوئی اس کو حرام کرتا ہے اور کوئی کفر و شرک کہتا ہے جب کہ یہ سب  
جھوٹ ہے۔ اللہ بھلا کرے شیخ محمد بن سلیمان کردی کا انھوں نے اپنے رسالہ میں محمد بن عبد الوہاب کو خطاب کر کے  
کیا خوب فرمایا ہے کہ اے ابن عبد الوہاب سلام علی من اتبع الهدی۔ میں تجھ کو خدا واسطے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی زبان  
مسلمانوں سے بند کر لے اگر تو کسی کو یہ کہتے سنے کہ وہ تاثیر کے سلسلے میں اللہ کے سوا اعتقاد رکھتا ہے تو دلائل کی روشنی  
میں تو اس کو صحیح راہ کی تعلیم کر کہ غیر اللہ میں تاثیر نہیں جب وہ نہ مانے تو اس وقت خاص اس کی تکفیر کر یہ نہیں کہ مسلمانوں  
کے سوا اعظم کو تو کافر کہنے لگے۔ اور تو خود سوا اعظم سے بچھڑا ہوا ہے۔ تو سوا اعظم سے بچھڑے ہوئے کی طرف کفر کی  
نسبت کرنا صحیح ہے اس لیے کہ اس نے وہ راہ لی جو اہل ایمان کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اور جو رسول ینکلاف کرے  
بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے



دورخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔ اور بھیڑ یا اسی بکری کو کھاتا ہے جو گلہ سے دور جا کر کھڑی ہوتی ہے۔ اللہ پاک فی ہدایت کا مالک ہے اور اسی سے عصمت و حمایت ہے۔

نمقه الفقير إلى عفو ربه القدير

عثمان بن عبد السلام داعستانی

المدينة المنورة الحنفی

## عبارت مفتیان مکہ معظمہ

قول القائل يا رسول الله بطريق الاستغاثة جائز كما في المواهب اللدنية وغيرهما. و الله

سبحانه أعلم.

تاکل کا امداد طلبی کے طور پر ”یا رسول اللہ“ کہنا جائز ہے۔ مواہب لدنیہ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

أمر برقمه:

خادم الشريعة و المنهاج عبد الرحمن بن عبد الله سراج

مفتي مكة المكرمة. كان الله لهما.

عبد الرحمن سراج

یہ مکہ معظمہ میں حنفی مفتی ہیں

۳۲۹ حامدا ومصليا و مسلما أصاب من أجاب.

محمد رحمت اللہ

یہ حضرت استاذنا و مولانا شیخ العلماء محمد رحمت اللہ دامت فیضہم وہ ہیں جن کا شہرہ تمام ہندوستان ملک حجاز اور روم وغیرہ میں ہے۔ اور حضرت سلطان روم اب تک دوبار ان کو باعزاز تمام بلا چکے ہیں۔ اور آپ کا اصل وطن ملک ہندوستان ہے۔

۳۳۰ حامدا ومصليا و مسلما لله در من أجاب. و الله سبحانه و تعالى أعلم بالصواب.

محمد عبد الحق

یہ عالم محدث اور بابرکت صوفی ہیں۔

۳۳۱ ما حرره مفتي الأحناف هو عين الصواب و الموافق للحق بلا شك و اريثاب. و الله سبحانه و تعالى أعلم.

مفتیان احناف نے جو فتویٰ تحریر فرمایا ہے وہ بالکل ہی درست اور بلا شک و شبہ حق کے موافق ہے۔

خادم الشريعة ببلدة الله المحمية

ابوبکر جی سیونی

یہ مالکی مفتی ہیں۔

۳۳۲ قول الشخص يا رسول الله متضمن لندائه و التوسل به صلى الله عليه وسلم أما النداء فلا

شك في جوازه إذا كان على وجه التعظيم يا نبي الله و أما التوسل به فهو أيضا جائز بل

مطلوب روي الطبراني و البيهقي أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان رضي الله تعالى

عنه في زمن خلافته في حاجته فكان لا يلتف إليه و لا ينظر إليه في حاجته فشكى ذلك

لعثمان بن حنيف رضي الله عنه فقال أنت الميضا فتوضأ ثم انت المسجد فصل ثم قل

اللهم اني أسئلك و أتوجه إليك نبينا محمد نبي الرحمة يا محمد اني أتوجه بك إلى

ربك (الحديث) فهذا توسل و نداء بعد وفاته صلى الله عليه وسلم و في هذا القدر كفاية

لمن هداه الله تعالى و الله سبحانه و تعالى أعلم (۱)

”یا رسول اللہ“ کہنا آپ سے توسل اور ندا کو شامل ہے۔ ندا کے جواز میں تو کوئی شبہ ہی نہیں اگر تعظیم کے طور پر یا نبی اللہ

کہے۔ اور آپ سے توسل بھی جائز بلکہ مطلوب ہے۔ طبرانی و بیہقی کی روایت میں ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن

عثمان کے پاس ان کے ایام خلافت میں بار بار اپنی حاجت لے کر جایا کرتا مگر آپ اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرماتے اور نہ

اس کی حاجت ہی روا کرتے۔ بالآخر اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا وضو کرو

اور مسجد جا کر نماز پڑھو پھر کہو اے اللہ میں اپنے رحمت والے نبی کے ذریعہ تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ

ہوتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے توسل سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوں۔ تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی وفات کے بعد آپ سے توسل اور ندا کی مثال ہے۔ اور ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے اتنا ہی بہت ہے۔

وکیل مفتی الشافعية بمكة المحمية

محمد سعيد بن محمد بايصل عفي عنه

محمد سعید باصیل

(۱) حاشیہ: یہ وہی روایت ہے جسے ہم طبرانی کی مجم کبیر کے حوالے سے مفصل بیان کر آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب و ندا آپ کی وفات حسرت آیات

کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عمل میں آیا ہے۔ مفتی شافعی بھی اس روایت کے مطابق ”یا رسول اللہ“ کے جواز کا حکم دے رہے ہیں۔ ۱۲۔ منہ



﴿٦٦﴾ أما قول يارسول الله فهو من باب التوسل به صلى الله عليه وسلم إلى الله وهو أنفع الوسائل عند الله تعالى والله سبحانه وتعالى أعلم  
یعنی ”یا رسول اللہ“ کہنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرنے ہی کی ایک قسم ہے اور اللہ کے تئیں یہ سب سے نفع بخش وسیلہ ہے۔

أمر برقمه :

الحقير خلف بن إبراهيم  
خادم افتاء الحنابلة بمكة المشرفة  
راجي غفرالرحيم  
خلف بن ابراهيم

﴿٦٧﴾ ما أجاب به مفتاتي الإسلام فوجدتها في غاية الصواب الموافق لمذهب هداة الأنام لا يخالفها إلا من طمس الله بصره و بصيرته فيجب على المسلمين اتباع ما قالوه .  
مفتیان کرام کے صادر کیے ہوئے یہ فتاویٰ میں نے نہایت ہی درست اور مذہب حق کے موافق پائے اس کی مخالفت کی امید صرف اسی سے کی جاسکتی ہے جس کی بصارت و بصیرت دونوں اللہ نے زائل کر دی ہو۔ لہذا اہل اسلام پر ان مفتیان کرام کی اتباع ضروری ہے۔

کتبہ راجی رضاء الخیر  
عبد القادر بن محمد علي خوكبير  
المدرس و الإمام بالمسجد الحرام

## لمعة ثامنة اعتراضات متفرقة

### اعتراض اول

میلا دشریف پڑھتے ہیں بڑی زیب و زینت کرتے ہیں پر تکلف فرش بچھاتے ہیں چوکی اور مسند لگاتے ہیں۔

### جواب

بانی محفل کے اپنے گھر میں چاندنی اور جو کچھ اس کو بہم پہنچے قالین وغیرہ بچھا کر زیب و زینت کرنا مفتیان دین کے فتاویٰ کی روشنی میں جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی جلد خامس ”الباب العشرون فی الزینة“ میں لکھا ہے  
يجوز للإنسان أن يسط في بيته ما شاء من الثياب المتخلصة من الصوف و القطن و الكتان المصبوغة و غيرها و المنقشة و غيرها .  
در مختار کے ”مسائل شتی“ آخر کتاب میں ہے  
و أباح الله الزينة بقوله تعالى: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ. الآية .  
اللہ تعالیٰ نے زیب و زینت کو اپنے اس قول سے مباح فرما دیا ہے تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی۔

چوکی خوشبو اور لوبان وغیرہ کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ و جمال اور معجزات وغیرہ کا بیان کرنا اصطلاح محدثین میں حدیث رسول اللہ ہے۔ جیسا کہ اوپر تحقیق ہو چکی۔ اور حدیث کے لیے امور مذکورہ کے استعمال کو محدثین بالاتفاق مستحب لکھتے ہیں و يستحب الغسل و التطيب لقراءة حديثه و روايته و استماعه و أن يقرأ على مكان مرتفع عال .  
حدیث شریف پڑھنے اور سننے کے لیے غسل کرنا اور خوشبو کا استعمال مستحب ہے نیز یہ کہ حدیث مبارک کسی بلند و بالا مقام پر پڑھی جائے۔

امام مالک غسل کر کے نفیس کپڑے پہن کر چوکی پر بیٹھتے اور جب تک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے برابر خوشبو کی دھونی سلگتی رہتی تھی۔

علامہ زرقانی لکھتے ہیں

ولا يزال يخبر بالعود حتى يفرغ من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم إجلالا له فإنه كان يحب الرائحة الطيبة فيجعل مجلس حديثه كمجلسه حي صلى الله عليه وسلم .  
جب تک حدیث رسول اللہ کا درس ہوتا برابر عود سلگتی رہتی اور ایسا اس لیے ہوتا تھا تا کہ عظمت و جلال ظاہر ہو کیوں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمدہ خوشبو پسند فرماتے تھے اسی وجہ سے آپ کی مجلس حدیث بھی ویسی ہی خوشبودار کرتے تھے جیسی ظاہری زندگی میں آپ کی مجلس خوشبودار اور پاکیزہ ہوتی تھی۔



زرقانی نے لکھا کہ امام مالک جو کچھ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعظیم کرتے تھے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ سب سعید بن مسیب تابعی کے عمل کے موافق کرتے تھے۔ بھلا جن امور کی اسناد تابعین اور تبع تابعین سے ملتی ہو اس پر طعن کرنا کیسی کج فہمی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے۔ اور ان امور کا ثبوت ایک دوسری حدیث سے اوپر بھی گزر چکا ہے۔

### اعتراض ثانی

قصائد و اشعار بہت خوش الحانی سے بنا کر پڑھتے ہیں۔

**جواب**

یہ ہے کہ آواز کو مزین کرنا شرع میں مطلوب ہے۔

زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ . (۱)

اپنی خوش آوازی سے قرآن کو زینت دو۔

[illegible]

اس حدیث کو امام احمد ابو داؤد ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے نیز دارمی میں ہے

فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا. (١)

حسن و جمال بڑھ جاتا ہے۔

خود اس فرق کے مسلم الثبوت عالم ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد ثالث میں فرماتے ہیں

دوسرا امیلا دخوانی کے سلسلہ میں مندرج تھا کہ نفس قرآن اور نعت و منقبت کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہاں قرآن کی تحریف اور اس کے حروف کی تبدیلی حرام ہے۔ نغمہ اور آواز کے اتار چڑھاؤ کی رعایت کا خوش آوازی اور تالی کے ساتھ التزام شعر میں بھی غیر مباح ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خوش آوازی سے میلا دہڑھنا جائز ہے۔ ہاں تالی بجانا اور راگنی کے قواعد کی رعایت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ ان کا قول ہے۔

علامہ قسطلانی "مواہب لدنیہ" میں لکھتے ہیں

و الحق ان السماع اذا وقع بصوت حسن  
بشعر متضمن للصفات العلية أو النعوت النبوية  
المحمدية عريا عن الآلات المحرمة. و آثار كامن  
المحية الشريفة العلية. كان من الحسن في غاية و  
لثام تزكية النفس نهاية. إلى آخره. (۲)

نیز مولوی اسماعیل صاحب ”صراطِ مستقیم“ کے اندر (حبِ عشقی کے بیان میں) لکھتے ہیں

از جملہ مویات آل استماع الحان خوش واصوات دلکش و  
قصص شوق آمیز و اشعار عشق انگیز ست۔ انتہی۔  
خوش الحانی، دلکش آوازی، شوق آمیز قصے اور عشق انگیز  
اشعار اُس استماع کے جملہ مویات میں سے ہیں۔

اب مولوی اسماعیل صاحب کے دادا پیر شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ملاحظہ فرمائیں کہ وہ سماع کو درست فرماتے

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۳۹۹/۱ حدیث: ۲۰۸۰ مستدرک: ۵/۲۱۷ حدیث: ۲۰۸۳ شعب الایمان: ۵/۱۵۷ حدیث: ۲۰۷۳ سنن دارمی: ۱۰/۳۱۰ حدیث: ۳۵۶۵  
کنز العمال: ۶۰۵/۱ حدیث: ۲۷۶۶ التلخیص الحبر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ۶/۳۳۶ حدیث: ۲۶۵۰ حافی: السندی علی ابن ماجہ: ۱۳۵/۳ حدیث: ۱۳۲۳ فیض التدریس: ۵۱۲/۳ المغنی: ۳/۵۰۵ فصل القراءة بالاحسان - فوائد تمام: ۲/۳۸۹ حدیث: ۹۸۹ مختصر قیام اللیل محمد بن نصر مروزی: ۱۹۳/۱ حدیث: ۱۵۰  
طبقات احمد ثین: ۱۱۰/۳ حدیث: ۱۰۹۶ معجم ابن الاعرابی: ۵۰/۳ حدیث: ۱۵۳۳ القاصد الحسن: ۱۲/۱۲ المسند الجامع: ۶/۳۱۰ حدیث: ۱۷۷۷  
(۲) مواہب اللدنیہ: ۵۰۳/۳ - مرکز البیئنت برکات رضا گجرات



ہیں۔ وسیلۃ النجاة یعنی شاہ بخارا سے مسئلہ دس سوالات کے جواب میں فرماتے ہیں

جواب سوال ثامن آن کہ قال السرخسي في البدیع  
و السماع في أوقات السرور تاكيدا للسرور مباح إن  
كان ذلك السرور مباحا كالغناء في أيام العید وفي  
العرس وفي وقت مجيء الغائب و وقت الوليمة و  
العقيقة و عند الولادة و الختانة و ختم القرآن .  
آٹھویں سوال کا جواب یہ ہے کہ امام سرخسی نے بدیع  
میں فرمایا خوشی کے وقت میں خوشیاں دو بالا کرنے کے لیے  
گانا سننا درست ہے بشرطیکہ کہ وہ خوشی بھی درست ہو۔ جیسے  
کہ عید و شادی کے دنوں میں پردیس سے آئے ہوئے کی  
خوشی میں ولیمہ و عقیقہ کے وقت اور ولادت و ختنہ اور ختم  
قرآن کے وقت۔

یاد رکھیں کہ خود رسول اللہ ﷺ خوش آوازی کو پسند فرماتے تھے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری کی قراءت  
سنی تو فرمایا

لَقَدْ أَوْتِيَتْ هَذَا مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ  
دَاوُدَ . (۱)  
بلاشبہ اسے آل داؤد کی بانسریوں میں سے کوئی بانسری  
عطا ہوئی ہے۔ یعنی حضرت داؤد جو کہ کمال خوش آواز تھے ان کی  
آوازیں میں سے ابو موسیٰ کو آواز ملی ہے۔

جب یہ خبر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے عرض کی

يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكَ تَسْمَعُ لَحَيْرَتُهُ  
لَكَ تَحْيِيرًا . (۲)  
اے اللہ کے رسول اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ میری قراءت  
سماعت فرما رہے ہیں تو میں خوب ہی بنا کر پڑھتا۔

غرض کہ اچھی آواز اور خوش الحان ہر سلیم الطبع کو پسند ہے مگر جو لوگ بلید الطبع اور غنڈ مزاج ہیں وہ اس کی قدر کیا جانیں!۔  
علامہ قسطلانی نے مواہب میں لکھا ہے

(۱) سنن ابن ماجہ: ۲۳۹۳/۳ حدیث: ۱۳۳۱/۱ سنن کبریٰ بیہقی: ۱۲/۳ مصنف عبد الرزاق: ۲۸۵/۲ حدیث: ۴۱۷۸/۱ سنن کبریٰ نسائی: ۳۳۹/۱ حدیث: ۱۰۹۳  
اخبار کف کاکی: ۳۰۴۳/۳ حدیث: ۱۶۷۰/۱ مستدرک: ۱۲/۱۸ حدیث: ۷۸۶۵/۱ معجم کبیر طبرانی: ۱۳۹/۶ حدیث: ۶۱۹۳/۱ شعب الایمان: ۱۶۳/۵ حدیث: ۲۰۸۱  
سنن داری: ۳۷۸/۳ حدیث: ۱۵۳۱/۱ مستخرج ابوان: ۱۶۹/۸ حدیث: ۳۱۵۶/۱ صحیح ابن حبان: ۲۲۰/۲۹ حدیث: ۷۳۱۸/۱ مستدرک ابن  
حبیب: ۱۰۲۳/۳ حدیث: ۱۲۸۰/۱ مشکلی الآثار: ۱۶۳/۳ حدیث: ۹۸۱/۱

صحیحین وغیرہ میں یوں آیا ہے اور بعض کتابوں میں اوتیت کی جگہ اعطیت بھی مذکور ہے  
لَقَدْ أَوْتِيَتْ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ . (صحیح بخاری: ۴۷۰۱/۱۵ صحیح مسلم: ۲۰۸/۳ حدیث: ۱۳۳۲/۱ سنن ترمذی: ۳۵۲/۱۲ حدیث: ۳۷۹۰/۱  
مشکوۃ: ۳۵۲/۳ حدیث: ۶۱۹۳/۱ مستدرک: ۱۲۳/۲۹ حدیث: ۲۲۹۶۸/۱)

ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے

إِنَّهُ يَقْرَأُ عَلَى مِزْمَارٍ مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ . (مستدرک ابی یعلیٰ موطا: ۱۲۳/۹ حدیث: ۳۹۸۶/۱)

(۲) سنن کبریٰ بیہقی: ۱۲/۳ شعب الایمان: ۱۲۸/۶ حدیث: ۲۳۹۸/۱ معرفۃ السنن والآثار: ۳۰/۱۶ حدیث: ۶۱۶۳/۱ تفسیر قرطبی: ۱۱/۱۱ مجمع الزوائد: ۲۳۹/۳  
الطالب العالیہ: ۱۵۰/۱۰ حدیث: ۳۵۷۷/۱ روضۃ المحدثین: ۲۶۵/۱۲ حدیث: ۵۷۶۵/۱

و هذا الجمل مع بلادة يتأثر بالحداء تأثيرا  
يمد عنقه و يصغى سمعه إلى الحادي فمن لم  
يحرکه فهو فاسد المزاج بعيد العلاج .

یہ اونٹ بے شعور اور کند طبیعت ہونے کے باوجود حدی  
خوانوں کے گانوں سے متاثر ہو کر اپنی گردنیں بڑھاتے ہیں  
اور گانے والوں کی طرف اپنا کان لگا دیتے ہیں تو پھر اگر کوئی  
ایسا ہو کہ گانے سے اس کا دل ذرا بھی نہ پہلے تو سمجھ لو کہ اس  
کا مزاج بگڑا ہوا ہے اور اس کا علاج بہت مشکل ہے۔

اسی معنی میں سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اشتر بشعر عرب در حالت است و طرب  
گر ذوق نیست ترا کج طبع جانوری

جب مکرین سے کسی طرح خوش آوازی رد نہیں ہو سکتی تو کہتے ہیں کہ بے ریش لڑکوں سے قصائد و مدح پڑھواتے ہیں۔ اور  
براہین قاطعہ صفحہ ۹ میں لکھا ہے  
دیکھو در مختار میں امر صبیح کی امامت کو مکروہ لکھا ہے تو مجلس میں مدح خوانی کب درست ہوگی؟۔ انتہی۔

### جواب

ہزاروں محافل میلاد ایسی ہوتی ہیں کہ جنہیں جوان علماء و صلحا اور قراء و حفاظ پڑھتے ہیں اور لڑکوں کے پڑھنے کی نوبت بھی نہیں  
آتی۔ مکرین ان سب کو چھوڑ کر ایسی محفل کو زبان پر لائے کہ جس میں بعض لڑکوں کی مدح خوانی بھی ہوئی تو پہلے تو یہ بات خود قابل  
استدلال نہیں یعنی کسی مجلس میں لڑکوں کے پڑھنے سے علی العموم جملہ مجالس میلاد پر طعن نہیں کیا جاسکتا اس سے قطع نظر ہم کہتے ہیں کہ  
مانعین کے پاس کوئی سند ایسی نہیں جس میں صراحت یہ مذکور ہو کہ بالغ یا نابالغ لڑکوں کا نعت پڑھنا ناجائز ہے ناچار قیاس کی ضرورت  
محسوس ہوئی تو امر کی امامت کا مسئلہ پیش کر دیا تو اب اس کی حقیقت سنیں۔

ابوالکارم شرح نقایہ نیز دیگر کتب فقہ میں ہے کہ لڑکا جب تک پورا بالغ نہ ہو جائے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم یہ ہے  
ففي النفل صح عند محمد رحمه الله و لم  
يصح عند أبي يوسف رحمه الله .  
امام محمد کے نزدیک نابالغ کے پیچھے نوافل ہو جاتی ہیں اور  
امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں ہوتیں۔

کافی میں ہے

قال مشايخ بلخ جاز الإقتداء بالصبي في  
التراويح و السنن المطلقة و النوافل .  
خلاصہ میں ہے

بلخ کے بڑے بڑے علماء نے فرمایا کہ نابالغ لڑکے کے  
پیچھے نماز تراویح اور مطلق سنتوں اور نفلوں کا پڑھنا جائز ہے۔

خراسان کے مشائخ کرام نے نابالغ کے پیچھے نماز تراویح  
کو جائز رکھا ہے اور اسی پر ہمارا بھی عمل ہے۔ جب کہ امام شافعی  
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے پیچھے فرض تک جائز ہے۔

جوزها في التراويح مشايخ خراسان و به  
نأخذ و عن الشافعي و رحمه الله انها يجوز في  
الفرائض أيضا .



جو علماء ناجائز کہتے ہیں (اور یہی صحیح ہے) تو ان کی دلیل یہ نہیں کہ نابالغوں کو جہر کے ساتھ پڑھنا اور اس کا سننا مفسد صلوٰۃ ہے بلکہ بالاتفاق یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ نابالغ پر نماز فرض نہیں اور اس کے پیچھے پڑھنے والے بالغوں پر فرض ہے لہذا فرض اپنی قوت اور شان کے سبب غیر فرض ضعیف پر بنا نہیں ہو سکتا۔ جب منع کی دلیل یہ ہے تو نابالغوں کی نعت خوانی اس پر قیاس نہیں کی جاسکتی کیوں کہ یہ ایک دوسری چیز ہے تو چاہیے کہ وہ بالاتفاق جائز ہو یہ حال تو نابالغ کا تھا۔ اور جب لڑکا بالغ ہو گیا پھر تو اس میں کسی کا کچھ اختلاف نہیں بلکہ اس کے پیچھے فرض و نفل بالاتفاق جائز ہیں اس لیے کہ بالغ پر احکام فرض ہو جاتے ہیں تو اب فرض پر فرض کی بنا صحیح ہے۔

تہستانی شرح نقایہ میں ہے

و یقتدی ببالغ غیر ملتہج۔

بالغ بے ریش کی اقتدا کی جاسکتی ہے۔

در مختار میں جو کراہت ثابت کی ہے تو شارح در مختار شامی نے کھول دیا ہے

الظاهر أنها تنزيهية (۱)

مکروہ تنزیہی کے بارے میں صدر الشریعہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے

و أما المكروه كراهة تنزيه فإلى الحل أقرب

جو چیز مکروہ تنزیہی ہوتی ہے وہ متفقہ طور پر حلال ہونے

سے قریب تر ہوتی ہے۔

اتفاقاً (۲)

فاضل حلی نے لکھا

و أما عند محمد فهو ما كان تركه أولى مع

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی وہ ہے جس

کا چھوڑ دینا بہتر ہو مگر ہاں اس کا کرنا منع نہیں ہوتا۔

عدم المنع عن الفعل

فتح القدیر وغیرہ میں بھی مکروہ تنزیہی کو خلاف اولیٰ قرار دیا ہے۔ بھلا جب یہ بات مانعین کے نزدیک اس درجہ کی کراہیت میں تھی کہ اگر کی جائے تو گناہ بھی نہیں بلکہ حلت کی طرف اقرب ہے جیسا کہ صدر الشریعہ اور حلی سے معلوم ہوا تو ایسی صورت میں انھوں نے باہمی جنگ وجدال اور مخاصمت و نزاع کیوں پیدا کیا جو کہ بالاتفاق حرام ہے۔ اور یہ اختلاف بھی باقی ہے کہ وہ امر دکی امامت کی کراہت تنزیہی کس وجہ سے ہے۔

بعض علماء نے لکھا کہ وہ اس وجہ سے مکروہ ہے کہ ایسی عمر والے اکثر مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں اور لوگ ان کی امامت سے نفرت کیا کرتے ہیں۔ بعض نے اس کی کراہت کی وجہ یہ بیان کی کہ امر د کے آگے کھڑے ہونے سے اندیشہ ہے کہ شاید لوگوں کو شہوت پیدا ہو جائے۔ یہ دونوں تعلیل فقہ شامی نے بحث امامت میں لکھی ہے۔

شق اول کے موافق نعت خوانی کے منع کا قیاس بالکل جائز اور ظاہر ہے کہ اگر امر د کی آواز کراہت کا باعث ہوتی تو جہری نمازیں مکروہ ہوتیں اور سری قراءت کی نمازیں مکروہ نہ ہوتیں مگر ایسا ہے نہیں بلکہ علی العموم جہری و سری ہر نماز مکروہ ہے تو یہ کراہت آواز کے باعث نہ ہوئی۔ لہذا اس تقریر سے ان کی آواز ضابطہ منع میں داخل نہیں ہے پھر ان کی مدح خوانی کیوں منع ہو۔

اب باقی رہی دوسری شق کہ یہ کراہت مقتدیوں کو شہوت کا احتمال پیدا ہوجانے کی وجہ سے ہے تو اس صورت میں قیاس علی

(۲) در مختار: ۶۵۲/۵

(۱) رد المحتار: ۲۵۵/۳ باب الامامة

الامامت کی ہم ممانعت کرتے ہیں اس لیے کہ مجلس کا امام ہم اس کو قرا دیتے ہیں جو میلاد خواں ہوتا ہے اور منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھتا ہے تو جس طرح ایک امام اپنی قوم پر مقدم ہے اسی طرح وہ میلاد خواں مجلس پر مقدم اور عالی مقام پر بیٹھا ہے۔ اور حلقہ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ مقتدیوں سے مشابہت رکھتے ہیں تو حلقہ مجلس میں اگر کسی بالغ یا نابالغ لڑکے نے نعت پڑھی تو اس کی نظیر یہ ہے کہ جب مسجد میں مرد و عورت لڑکے اور منٹ سب نماز کے لیے جمع ہو جائیں تو شرع میں ان کا حکم یہ ہے

و یصف الرجال ثم الصبيان ثم الخنثاء ثم

امام پہلے مردوں ان کے پیچھے بچوں ان کے پیچھے منٹوں

النساء (۱)

دیکھیے منٹ عورت اور لڑکوں کو شرع میں مسجد سے نکال دیئے کا حکم نہیں دیا گیا ہاں اگر کوئی ان کو امام بنانا تو منع کا حکم دیا جاتا ہے۔ جب بات یہ ٹھہری کہ امام تو وہی ہے جو قابل امامت ہے۔ باقی مسجد کے اندر صرف اقتدا میں جو لوگ اپنے طور پر تسبیح و تحمید اور تشہید وغیرہ پڑھ رہے ہیں وہ سب حکم جواز میں داخل ہیں خواہ عورتیں ہوں خواہ بالغ و نابالغ لڑکے۔ اسی طرح محفل میلاد کے حلقے میں جس طرح تمام آدمیوں کی زبان پر درود و شریف وغیرہ کے کلمات جاری ہیں تو ان میں سے کسی امر د بالغ (یا نابالغ) نے نعت شریف بھی پڑھ دی تو جائز ہے اس کو امامت پر قیاس کرنا ہم تسلیم نہیں کرتے۔ ہاں مقتدیوں کی حالت اقتدا پر قیاس کرنا (جیسا کہ ابھی بیان کیا) ہم مانتے ہیں اور یہ بالاتفاق جائز ہے۔

## دیکھنے کے مسائل

اب ہم مسئلہ نظر بھی لکھتے ہیں۔

واضح ہو کہ امر د کا شہوت سے دیکھنا مکروہ اور بلا شہوت دیکھنا درست ہے۔ یہ بھی در مختار میں مذکور ہے جس سے مولف براہین

نے سند پکڑی ہے۔ عبارت یوں ہے

فإنه يحرم النظر إلى وجه الأُمرد و إذا شك

شہوت کا شہدہ ہو تو کسی امر د بے ریش لڑکے کو دیکھنا حرام

فی الشهوة أما بدونها فمباح و لو جمیلاً

ہے اور اگر شہوت کا خطرہ نہ ہو تو درست ہے گرچہ وہ خوب صورت

ہی کیوں نہ ہو۔

اسی در مختار کے مسائل نظر میں لکھا ہے

(و ينظر الرجل من الرجل) و من غلام بلغ حد

ایک مرد دوسرے مرد کا بدن شہوت کی حد تک پہنچے ہوئے

الشهوة و لو أُمرد صبيح الوجه (۲)

لڑکے کو دیکھ سکتا ہے گرچہ وہ بے ریش اور بالیا کا حسین ہو۔

شارح در مختار فقیہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ستر عورت کے بیان میں لکھا ہے

و أجمعوا على جوازہ بغیر قصد اللذة و

الناظر مع ذلك آمن الفتنة (۳)

علمائے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ بلا قصد شہوت امر د

کو دیکھنا جائز ہے مگر ہاں دیکھنے والا فتنہ سے محفوظ بھی ہو۔

(۲) در مختار: ۶۸۱/۵

(۱) رد المحتار: ۶۱۵/۱ باب الامامة

(۳) رد المحتار: ۲۶۸/۳ مطلب فی ستر العورة



اس سے معلوم ہوا کہ بلا شہوت دیکھنا بالاجماع جائز ہے۔ نیز شامی نے مسائل نظر میں لکھا

و أما الخلوة و النظر إليه لا عن شهوة  
فلا بأس به و لهذا لم يؤمر بالنقاب . (۱)

امرد کو خالی مکان میں لے کر بیٹھنا اور بلا شہوت اس کی صورت دیکھتے رہنے میں کوئی حرج نہیں اور یہی وجہ ہے کہ

امرد کو پردے کا حکم نہیں ہے۔

بھلا جب امرد کے ساتھ خلوت جائز ہوئی تو مجمع عام میں بیٹھنا کیوں جائز نہ ہوگا!۔ اپنے شیخ الشیوخ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے پیران پیر شیخ الدین ابوالخیر بن جزری رحمۃ اللہ علیہ کو بھول گئے وہ فرماتے ہیں

میں ۸۵ھ (1383ء) میں بادشاہ مصر کی محفل میلاد شریف میں شریک ہوا۔ مجھے خوشی ہوئی اس میں پچیس حلقے تو صرف نو آموز قاری لڑکوں کے موجود تھے۔

ابن جزری کا یہ قصہ ملا علی قاری نے ”مورد الروی“ اور ابوسعید بورانی نے ”میلاد فارسی“ میں لکھا ہے (جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل گزر چکی) ہاں! یہ بات ثابت ہے کہ متقی اور محتاط لوگوں نے امردوں پر نظر کرنے سے احتیاط فرمائی ہے۔ چنانچہ فقیہ شامی کی تحریر کے مطابق ہمارے پیشوا جناب امام اعظم عطر اللہ تربتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو کسی ستون کے پیچھے یا اپنے پس پشت بٹھا کر درس دیا کرتے تھے کیوں کہ آپ نہایت خور و اور حسین تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ امرد خو برو کے ساتھ ہم کلامی کرنا اور اس کی آواز کا سننا تو منع نہیں مگر صورت دیکھنے میں احتیاط اولیٰ ہے۔ تو محفل میلاد شریف کے کسی گوشہ میں اگر کوئی امرد بھی حاضر ہوا اور کچھ پڑھے تو منع نہیں ہاں محتاط آدمی اپنی نظر کو بچائے رکھیں تو ابھی بات ہے۔

طرفہ ماجرایہ ہے کہ حضرات مانعین (جو امردوں کی بابت امر بالمعروف فرما رہے ہیں) اپنے مکتبوں اور مدرسوں میں خو برو اور حسین امرد لڑکوں کو بھی سبق دیتے ہیں تو وہاں کسی کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ نہیں یاد آتا کہ شاگرد کو آنکھوں سے جدا کر کے کسی ستون کی آڑ میں یا پس پشت بٹھا کر سبق پڑھائیں۔

کیوں صاحب! آپ تو تعلیم شریعت کے منصب پر بیٹھ کر اس حالت میں بھی اس تقویٰ کو یاد نہ فرمائیں اور محفل میلاد میں اگر کسی لڑکے نے نعت شریف پڑھ دی تو اس کی ناک میں دم کر دیں کیا انصاف اسی کا نام ہے۔ اللہ اللہ

اتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ . (۲)

کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ مانعین جو اندیشہ شہوت صرف لڑکوں کی نسبت ثابت کرتے ہیں وہ ڈاڑھی والوں اور بد شکل کالے کلونوں میں بھی موجود ہے۔ فقیہ شامی ”فرض ستر عورت“ کے بیان میں لکھتے ہیں

و هذا شامل لمن نبت عذاره بل بعض الفسقة  
يفضله على الأمر خالی العذار . (۳)

(۱) رد المحتار ۲۶۰/۳۔ مطلب فی ستر العورة (۲) سورہ بقرہ ۳۳/۲ (۳) رد المحتار ۲۶۰/۳۔ مطلب فی ستر العورة

آیا ہو بلکہ بعض فاسق تو ڈاڑھی والوں کو ایسے لڑکوں سے بہتر سمجھتے ہیں جن کے گال بالکل صاف ہوں۔ تو اس تقریر سے ڈاڑھی والوں کا دیکھنا بھی منع ٹھہرا۔

پھر دوسرے کے بعد لکھا

و المراد من كونه صبيحا أن يكون جميلا  
بحسب طبع الناظر و لو كان أسود لأن الحسن  
يختلف باختلاف الطبائع . (۱)

اس کے خوب رو ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ دیکھنے والے کے جی کو بھلا لگتا ہو چاہے حقیقت میں وہ کالا بد صورت ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ حسن کا پسند آنا طبیعتوں پر موقوف ہوتا ہے کسی کو کچھ پسند آیا کسی کو کچھ نہ۔ اس تقریر سے کالے بد شکل کا دیکھنا بھی حرام رہا۔

جب بعض مغلوب الشہوة ایسے بھی ہوئے کہ ان کو مستی کے دھن میں نہ ڈاڑھی کا خیال نہ رنگ و بے رنگ کا امتیاز تو معلوم نہیں ایسے بہائم سیرت لوگوں کے اندیشہ سے میلاد دو وعظ و نکاح کی مجلس مدارس اور دستار بندی کے جلسے وغیرہ کے مجمع کو (جو امرد وغیرہ امرد کے اختلاط سے غالباً خالی نہیں ہوتے) کہاں کہاں تک مکروہات و محرمات میں شمار کیا جائے گا۔ الامان الامان۔

فقہاء و مفتیان دین نے یہ نہیں لکھا کہ امرد مساجد میں نہ آئیں مجالس نکاح میں نہ جائیں اور فرائض و سنن و نوافل مثلاً تراویح و استسقاء و کسوف وغیرہ میں شریک نہ ہوں کہ شہوت پرستیوں کی ان پر نظر پڑے گی بلکہ صرف یہ لکھا کہ ان کا امام ہونا مکروہ ہے۔ لہذا ہم بھی ان کی امامت کو مکروہ قرار دے کر لکھتے ہیں کہ ان کا میلاد شریف کی مجلسوں میں شریک ہونا منع نہیں (اس سلسلے میں فقہی روایات نقل ہو چکی ہیں اور حضرت جزری رحمۃ اللہ علیہ کا ایسی مجلس میں شریک ہونا بیان ہو چکا ہے)۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو جوان مرد و عورت اور تمام لڑکے خوش ہو کر جابجا پکارتے پھرتے تھے

جاء محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم  
الله أكبر جاء محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم  
روایت اکلیل میں براء سے کی ہے۔

اور اسی حالت میں بنو نجار سے چند لڑکیاں نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں اور دف بجا بجا کر یہ شعر پڑھتی تھیں۔  
نَحْنُ جَوَارِي مِنْ بَنِي النَّجَّارِ ☆ يَا حَبِذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَبَّارِ (۲)  
ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کیا خوب پڑوسی ہیں۔

(۱) نفس مصدر ۲۶۰/۳۔ مطلب فی ستر العورة

(۲) سنن ابن ماجہ: ۱۴/۶۱ حدیث: ۱۸۸۹ دلائل النبوة بیہقی: ۳۶۷/۲ حدیث: ۵۵۵ مسند ابویعلیٰ موصلی: ۳۶۹/۷ حدیث: ۳۳۱۵ مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۳۳۸ مسند جامع: ۳۸/۵ حدیث: ۱۵۲۱ تحفۃ الاشراف: ۱۲۷/۳ حدیث: ۵۱۱۔



یہ روایت محدث بیہقی اور ان کے استاد حاکم نے انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلیوں اور راہوں میں امر و غیر امر کا مجمع دیکھنا، لڑکیوں کا یہ شعر پڑھنا سننا اور پھر آپ کا منع نہ فرمانا صریح دلیل جواز ہے۔ وہاں قدم مبارک کی خوشی میں یہ باتیں وقوع میں آئیں اور یہاں یعنی مجلس میلاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کی ولادت کی خوشی میں ہو رہی ہیں۔

### اعتراض ثالث

اسلامی و جوابی مثل مجالس شیعہ کے معین کرتے ہیں۔

### جواب

راقم کو مجالس شیعہ میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا کہ وہاں کے حال تفصیلاً معلوم ہوں تاہم محافل میلاد شریف کے شامل ہونے میں بعض مواقع پر ایسا دیکھا گیا کہ میلاد خواں نے جب کوئی روایت ختم کی تو بعض حاضرین نے نظماً یا نثراً درود و سلام پڑھا، پھر میلاد خواں نے دوسری روایت پڑھی پھر ان لوگوں نے درود و سلام یا منقبت پڑھی اگر اسلامی جوابی اسی کا نام ہے تو یہ بات عرب میں اور خاص حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً و تعظیماً میں کثرت سے رائج ہے اور اہل حرمین جس قدر شیعہ سے نفرت کرتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں تو یہ ہرگز سمجھ میں نہیں آتا کہ جن سے عداوت اور مذہبی بے زاری ہو ان سے کوئی امر لے کر اپنی عبادات میں داخل کر لیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب نے یہ بات حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے استنباط کی ہے۔

صحیحین میں انس سے روایت ہے کہ مہاجرین و انصار صحابہ خندق کھودتے، مٹی نکالتے اور زبان سے یہ پڑھتے جاتے تھے:

نَحْنُ الْيَدَيْنِ بَابِعُوا مُحَمَّدًا ☆ عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَدًا (۱)

ہم ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر اس اقرار کے ساتھ بیعت کر لی کہ تاحیات جہاد کرتے رہیں گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں پڑھتے تھے:

اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ ☆ فَاعْفِرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ (۲)

(۱) صحیح بخاری: ۱۱۹۱۰ حدیث: ۲۷۴۱ صحیح مسلم: ۳۰۱۹ حدیث: ۳۲۷۰ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۹۱۳ حدیث: ۲۷۹۳ مستدرک: ۲۲۸/۱۲ حدیث: ۲۲۳۱ درالمنثور: ۲/۱۳۱ حدیث: ۵۵۸۵ مستدرک: ۲۳۶/۳ حدیث: ۱۲۸۰ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۰۱۸ حدیث: ۳۰۸۰ صحیح ابن حبان: ۱۰۹/۲۳ حدیث: ۵۸۸۳ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۲۷۷ حدیث: ۲۸۰۹ کنز العمال: ۲۵۶/۱۰ حدیث: ۳۰۱۰۳

بعض حدیثوں میں علی الاسلام ما بقینا أبداً، بعض میں علی الجہاد ما حیینا أبداً، اور بعض میں علی القتال ما بقینا أبداً کے الفاظ بھی آئے ہیں

(۲) صحیح بخاری: ۱۵۳/۱۲ حدیث: ۳۵۱۱ صحیح مسلم: ۲۹۸ حدیث: ۳۳۶۷ سنن ترمذی: ۳۵۳ حدیث: ۳۷۹۱ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۹۱۳ حدیث: ۲۷۹۳ مستدرک: ۲۲۸/۲۶ حدیث: ۲۷۸۱ سنن کبریٰ بیہقی: ۳۹/۹ مصنف عبد الرزاق: ۶۲/۱۱ حدیث: ۱۹۹۱۴ سنن کبریٰ نسائی: ۸۵/۵ حدیث: ۸۳۱۶ الاحاد والثنائی ابن ابی عاصم: ۲۱۷/۵ حدیث: ۱۵۹۷ معجم کبیر طبرانی: ۳۵۰/۵ حدیث: ۵۷۳۲ دلائل النبوة بیہقی: ۳۸۹/۳ حدیث: ۲۹۸ شعب الایمان: ۳۱/۲۱ حدیث: ۳۹۵۲ کنز العمال: ۱۰۰۷/۱۰ حدیث: ۳۵۶۱۰ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۲۷۷ حدیث: ۳۳۷۱۳ مستدرک: ۲۲۸/۱۳ حدیث: ۵۵۷۵ مستدرک: ۲۲۸/۱۳

بعض حدیثوں میں فارحہ الانصار و المهاجرة، بعض میں فاصح الانصار و المهاجرة، اور بعض میں فاکرم الانصار و المهاجرة کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ کذا فی مشکوٰۃ فی باب البیان و الشعر

یعنی اے اللہ! عیش و آرام کی زندگی تو وہ آخرت ہی کی زندگی ہے تو ان انصار و مہاجرین کی مغفرت فرما دے۔

لہذا یہ بات قابل طعن نہیں ہاں! اگر موسیقی کے قوانین کی پابندی اور اہل فسق کے طریقہ پرنفہ خوانی کریں تو یہ دوسری بات ہے۔ اہل اسلام اپنی مجالس میں فاسقوں کے طریقے کیوں پیدا کریں اور اسی طرح اگر کوئی محض اپنی آواز کا حسن ظاہر کرنے کے لیے پڑھے اور دل میں اخلاص ہرگز نہ ہو تو یہ بھی ممنوع ہے۔ جیسے بعض خوش الحان قاری محض دکھاوے کے لیے مجمع میں قرآن پڑھنے لگتے ہیں بس اس نیت سے پڑھنا منع ہے امور خیر میں اخلاص ضروری ہے

وَمَا أَمْرُو إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (۱)

اور لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں نہ اسی پر عقیدہ لاتے۔

لہذا اہل ایمان کو چاہیے کہ اخلاص مد نظر رکھیں نیز اپنی خوش الحانی کو فاسقوں کے قواعد موسیقی کا پابند نہ کریں، کیا فقہار جمہم اللہ نے ان کے لیے جو جائز فرما دیا وہ تھوڑا ہے، مجمع البحار میں ہے

بتحسين صوته و تحزينه. فسر الشافعي بتحسين القراءة و ترفيقها.

خوش آوازی کے ساتھ سنوار کر اور پردرد لہجہ میں پڑھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر یوں کی کہ نرم آواز بنا کر اچھی طرح پڑھے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

وإنما اختلاف تلك الطريق بمد المقصور و

قصر الممدود و الوقف في أثناء الكلمات و القطع

و الوصل في بعضها، و هذا التصرف جائز في

الشعر و لا يجوز في القرآن (۲)

خوش الحانی سے پڑھنے میں مختلف طریقے پیدا ہوتے ہیں کہ جہاں حروف مدہ نہ تھے وہاں کھینچ کر بڑھا دیا اور جہاں تھے وہاں گھٹا دیا، کلمات کے بیچ میں دم توڑ دیا، ایک کلمہ دوسرے کلمہ سے کہیں کاٹ دیا اور کہیں ملا دیا تو ایسا تصرف شعر میں جائز ہے مگر قرآن میں جائز نہیں۔

یہ احیاء العلوم کے ”باب السماع“ میں ہے۔

الحاصل انصاف یہ چاہیے کہ جو کوئی بات علمائے حقانی کے کلام سے جہاں تک ثابت ہو اس میں مانعین اعتراض نہ لائیں اور قائلین قدم آگے نہ بڑھائیں

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ (۳)

اے کتاب والو! اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ پر نہ کہو مگر حق۔

### اعتراض رابع

محفل میں روشنی کرتے ہیں جو بدعت سیئہ اور حرام ہے۔

(۱) سورۃ بقرہ: ۱۷۸

(۲) احیاء علوم الدین: ۱۳۶/۲ باب الوجد

(۳) سورۃ نساء: ۱۷۱



## جواب

مجمع البحار کے خاتمہ میں روشنی کی کراہت کے سلسلہ میں یہ نقل کیا ہے کہ

سب سے پہلے روشنی قوم برا مکہ سے نکلے ہے جو آتش پرست تھے لیکن جب وہ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے مسجدوں میں روشنی کر کے مسلمانوں کے ساتھ چراغوں کی طرف سجدے کیے اور ان کا مقصد آگ کو پوچنا تھا۔ اچھی۔

میں کہتا ہوں جن علماء نے روشنی پر بدعت سیدہ ہونے کا حکم دیا ہے غالباً اسی روایت پر مبنی ہوگا حالانکہ یہ روایت دو وجہ سے مخدوش ہے۔ اول یہ کہ علمائے کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ہی سے روشنی کا ہونا ثابت کرتے چلے آ رہے ہیں اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر اس وقت اہل اسلام میں قدلیس لٹکانے کا رواج موجود مشہور ہے۔ تو بھلا جس کا وجود عہد نبوت سے اب تک موجود ہو اس کے بارے میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ایجاد ”قوم برا مکہ“ کے زمانے سے ہوئی۔ یہ مانا کہ انھوں نے بھی روشنی کی ہوگی لیکن انھیں موجود اول نہیں قرار دیا جاسکتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے فقہائے کرام تصریحاً لکھ رہے ہیں

الصحيح انه لا يكره ان يصلي و بين يديه

شمع او سراج لانه لم يعبدهما احد و المجوس

يعبدون الجمر لا النار الموقدة . (۱)

جب مسئلہ یہ ٹھہرا کہ اصل چراغ، شمع اور قدیل کی کوئی آتش پرست بھی عبادت نہیں کرتا تو یہ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ قوم برا مکہ نے چراغوں کو اپنا معبود و معبود بنا رکھا تھا لہذا جو علماء اس دلیل کی روشنی میں ”روشنی“ کو مکروہ و بدعت کہہ رہے تھے تو ان کی یہ دلیل بھی ناتمام رہی۔

اب جواز کے دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔ یہ بات غور کرنے کی ہے کہ چراغوں میں زینت ہے یا نہیں۔ آیت کریمہ: زَيْنَا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ چراغوں کا روشن کرنا موجب زینت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس زینت کی حرمت میں بندوں کے لیے کوئی نص شرعی وارد ہے یا نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ روشنی کی زینت پر کوئی نہی وارد نہیں ورنہ صحابہ کرام بھلا کیوں کرتے؟ اور یہ بات اصول تفسیر میں متفقہ ہے کہ جس زینت کی نہی ثابت نہیں وہ مباح ہے اور اس آیت میں داخل ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ . (۲) تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کیلئے نکالی۔

اتنا اشارہ تو قرآن سے ملا۔ اب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنیں

سیرت حلبی جلد ثانی میں ہے کہ پہلے ایسا ہوا کرتا تھا کہ جب عشا کا وقت آتا تو بھجوری لکڑیاں جلا کر اُجالا کر لیا جاتا

تھا جب تمیم داری مدینہ میں آئے قنادیل رسیاں اور روغن زیتون ساتھ لائے اور مسجد نبوی کے ستونوں سے قنادیل

لٹکانے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعادی کہ تو نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تجھ کو روشنی بخشے۔

بعض کتابوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمیم داری یہ قنادیل ملک شام سے لائے تھے اور اپنے غلام کو حکم دیا تو اس نے

جمہرات کو یہاں سے وہاں تک ستونوں میں رسی تان کر اس میں قدلیس لٹکادیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو پوچھا کہ یہ روشنی کس نے کی ہے؟ حاضرین بولے تمیم داری نے۔ آپ نے ان سے فرمایا

نور الاسلام کو روشن و منور کر دیا۔

حضرت غوث الثقلین نے ”غنیۃ الطالبین“ میں ایک روایت لکھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم روشنی کی طرف رغبت ڈلا رہے ہیں روي عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال من علق في بيت من بيوت الله قنديلا لم تنزل الملائكة يستغفر له و يصلي عليه و هم سبعون ألف ملك حتى يطفى ذلك القنديل . (۱)

اب آثار صحابہ سے ثبوت لیجیے۔

سیرت حلبی جلد ثانی میں ہے کہ مسجدوں میں قندیلوں کا لٹکانا مستحب ہے یہ کام سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ لوگوں کو نماز تراویح کے لیے جمع کیا اور بہت سی قدلیس لٹکادیں حضرت علی رضی اللہ عنہ جب وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ مسجد روشنی سے جگمگا رہی ہے تو آپ نے دعا فرمائی کہ اے عمر بن خطاب تو نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تیری قبر روشن فرمائے۔

فقہ ابوالالیث سمرقندی نے ”تنبیہ الغافلین“ اور حضرت غوث الثقلین نے ”غنیۃ الطالبین“ میں لکھا ہے کہ جس طرح حضرت علی نے دعادی تھی اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے بھی دعادی۔ اب دیکھیے کہ خلفائے راشدین کا یہ فعل اور پھر اس پر خوش ہو کر دعادینا کس قدر اس فعل کی پسندیدگی ظاہر کر رہا ہے۔

روایت سابقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تمیم داری نے قنادیل روشن کیے اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تو ان دونوں میں علامہ حلبی نے تطبیق یوں دی ہے کہ اولیت حقیقی تو عہد رسالت میں کیے تمیم داری رضی اللہ عنہ کے اس فعل ہی کو حاصل ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کو جو اول قرار دیا گیا تو وہ دراصل اولیت اضافی ہے یعنی کثرت سے قدلیس روشن کرنا پہلے آپ سے واقع ہوا کیوں کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ کی قدلیس گو متعدد تھیں مگر زیادہ نہ تھیں۔

اب عہد خلفائے عباسیہ کی سند لیجیے۔ علامہ حلبی نے ایک عالم کے حوالے سے نقل فرمایا ہے وہ عالم کہتے ہیں کہ مجھے مامون بادشاہ نے حکم دیا کہ آئین مملکت میں یہ حکم لکھ دو کہ مسجدوں میں کثرت سے روشنی کیا کریں لیکن مجھے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیسے لکھوں۔ تو مجھے خواب میں بشارت ہوئی کہ یوں لکھو کہ مسجد میں کثرت سے روشنی کی جائے اس لیے کہ تجھ گز اروں کا اس میں دل لگتا ہے اور مسجدیں چوں کہ خانہ خدا ہیں تو خانہ خدا سے اندھیرے کی دہشت و وحشت دور ہوگی۔ جب میں نے یہ بشارت دیکھی تو ہوشیار ہو گیا اور میں نے یہ حکم لکھ دیا۔



مولف ”تذکرۃ الاولیاء“ حضرت خواجہ فرید الدین (۱) عطا رحمۃ اللہ علیہ احمد خضرویہ قدس سرہ کے احوال میں لکھتے ہیں

وقتے درویشی مہمان احمد رحمۃ اللہ علیہ آمد احمد (۲) ہفتاد و پنج برافروخت درویش گفت مرا ایں بیچ خوش نمی آید کہ تکلف باقصوف نسبت ندارد احمد گفت برو ہر چہ نہ از بہر خدا برافروختہ ام بکش آن شب آں درویش تا بامداد آب و خاک براں شمع ہا میزد یک شمع باز نتوانست نشاند۔

جب دوسرا دن ہوا ستر (۷۰) نصاریٰ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اس کا حال اس طرح لکھا ہے  
آں شب احمد بخواب دید کہ حق تعالیٰ گفت اے احمد از برائے ما ہفتاد و پنج درگرفتی ما از برائے تو ہفتاد و پنج نور ایمان بر افروختیم۔

غرض کہ چند مقامات پر اولیائے مقبولین مثلاً شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کاملین سے خالصاً اللہ تعالیٰ روشنی کرنے کا ثبوت امام غزالی اور علامہ عبدالرحمن صفوری وغیرہ کی روایت سے نقل ہوا ہے۔ طوالت کے خوف سے ان کی نقلیں نہیں پیش کی جا رہی ہیں۔

اب مومنین کا روزانہ معمول سنئے کہ وہ مسجدوں میں ہمیشہ سے روشنی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ فتاویٰ قاضی خان (جلد اول) میں ہے  
رجل بنی مسجداً وجعلہ للہ تعالیٰ فہو حق الناس بمرومتہ و عمارتہ و بسط البواری الحصر و القنادیل۔  
جس کسی نے خالصاً لوجہ اللہ الکریم مسجد بنائی تو دوسروں کی بہ نسبت اسے زیادہ حق پہنچتا ہے کہ اس کی مرمت اس کو بسائے اور یا وچٹائی وغیرہ فرش بچھانے اور قدیلیں روشن کرنے کا اہتمام کرے۔

پھر (جلد ثالث) میں لکھا

و يجوز الإنفاق علی قنادیل المسجد من وقف المسجد ذکرہ الناطقی۔  
مسجد میں روشنی کرنے کے لیے مسجد کے فنڈ سے پیسے لگانا جائز ہے۔ ناطقی نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

حضرت غوث الثقلین ”غنیۃ الطالبین“ میں دعائے ختم قرآن کی بابت ماہ رمضان کی فضیلت میں لکھتے ہیں

(۱) حاشیہ: حضرت خواجہ فرید الدین کی وہ عالی مرتبہ ذات ہے کہ مولانا جلال الدین رومی جن کی صحبت سے مستفیض ہوئے ہیں اور ان کی تصانیف کو کچھ کراسر اقصوف حاصل کیے ہیں۔ مولانا روم ان کی تصنیف اپنے پاس رکھتے اور ہمیشہ انہی کے تصوفانہ اسلوب و طرز پر کلام فرماتے۔ مولانا جامی نے یہ بات نجات الانس میں لکھی ہے۔ ۱۲۔ منہ

(۲) حاشیہ: احمد خضرویہ بڑے مقبولین خدا میں تھے۔ ان کے ایک ہزار مرید ایسے تھے جو ہوا میں اڑتے تھے اور پانی پر اس طرح بے تکلف چلتے تھے جس طرح کوئی زمین پر چلتا ہو۔ ۱۲۔ منہ

شہر فیہ المساجد تعمرو المصابیح تزہر۔ رمضان شریف وہ مہینہ ہے جس میں مسجدیں خوب آباد ہوتی ہیں اور چراغ روشنیاں بکھیر رہے ہوتے ہیں۔

یوں ہی غنیۃ الطالبین کے چند مقامات پر مصابیح اور قنادیل کا لفظ آیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شمع و چراغ کا رواج و معمول اہل اسلام میں زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے اب ہم کہتے ہیں کہ جس طرح زیادہ روشنی کرنا مسجد سے تاریکی کی وحشت دور کرتا ہے (جیسا کہ کلام حلّی کی نقل گزری) اسی طرح اللہ و رسول کے ذکر جمیل کے موقع پر بھی روشنی سے تیرگی کی وحشت دور ہوتی ہے۔ اور جس طرح زیادہ روشنی سے نمازیوں کا دل لگتا ہے اسی طرح اس مجلس پاک میں بھی دل لگتا ہے کیوں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا بیان ہوتا ہے۔ تو صحیح یہی ہے کہ چراغاں کرنا ممنوع نہیں ہے۔ اور جن علماء نے منع کیا ہے تو شاید ان تک وہ حدیث و آثار نہیں پہنچے جو صراحۃً جواز پر دلالت کر رہے ہیں ناچار انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ آتش پرست قوم ”براکمہ“ کا فعل ہے اور اس پر بدعت و کراہت کا حکم لگا دیا۔ یا یوں کہیے کہ درحقیقت تمام علماء کا قول ایک ہی ہے جو منع کرنے والے ہیں وہ حد سے زیادہ کو منع کرتے ہیں اور جو جائز کہنے والے ہیں وہ ضرورت زینت کی حد تک جائز کہتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ روشنی کے تین درجے ہیں

ایک بقدر حاجت لازم و ضروری جو صرف اتنے سے حاصل ہے کہ جیسے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ابتداءً امر میں کھجور کی لکڑیاں جلادیا کرتے تھے جس سے مسجد کا فرش مقام سجدہ اور نمازی ایک دوسرے کو نظر آ جاتے تھے۔  
دوسرا: زینت کے لیے جیسے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کثرت سے قدیلیں روشن کرنے کی وجہ سے پوری مسجد جگمگا اٹھی۔

”غنیۃ الطالبین“ میں ہے

إن علیاً رضی اللہ عنہ اجتاز بالمساجد وھی تزہر بالقنادیل۔  
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسجد کا مشاہدہ فرمایا تو وہ روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔

نقیۃ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ کی ”حنبیۃ الغافلین“ میں ہے

رأی القنادیل تزہر فی المساجد۔

ایسے چراغ نظر آئے جس سے مسجد پر رونق تھی۔  
اسی طرح حلّی وغیرہ میں ہے۔ غرض کہ کل روایتوں میں لفظ تزہر صیغہ مضارع استعمال ہوا ہے جو زہور سے مشتق ہے۔ اور زہور کے معنی صراح میں یہ لکھے ہیں  
زہور روشن شدن آتش و بالا گرفتن آں۔

اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل بلاشبہ حاجت و ضرورت سے زیادہ تھا لیکن ساتھ یہ بھی کہ ضرورت زینت کی مقدار سے زیادہ نہ تھا۔

تیسرا یہ کہ مکان کی زینت و آرائش تو متعدد قدیلوں سے ہو چکی تھی لیکن کسی بواہوس نے فضول خرچی کر کے محض فخر و نمود وغیرہ کی نیت سے حد سے زیادہ روشنی کر دی تو اگر مانعین کی اس سے یہی آخری صورت مراد ہے تو پھر کچھ اختلاف باقی نہ رہا۔



فتاویٰ فقہیہ وغیرہ اگلی کتابوں میں منع کے الفاظ اسی صورت کے لیے لکھے گئے ہیں۔ کسی نے لکھا  
کثرة الوقید زیادة علی الحاجة .

کسی نے لکھا

إسراج البسج الکثیرہ .

تو اس زیادتی کو کہ ضرورت زینت سے بھی زائد ہوا اگر منع کیا جائے تو یہ کوئی برامانے کی بات نہیں ہے۔ ہاں ہمارے معاصرین جو ایک چراغ سے زیادہ دوسرا چراغ روشن کرنے کو بدعت و ضلالت اور اسراف و حرام کہتے ہیں تو یہ بڑی شوخی کی بات ہے۔ ان کو چاہیے کہ حضرت تمیم داری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا ادب ملحوظ رکھیں کہ پہلے پہل یہ کام انھوں ہی نے کیا اور زینت کے لیے حاجت ضروریہ کی مقدار سے زیادہ روشنی کی۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ جاتے ہوں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی روضہ کے ارد گرد جھاڑ فائوس اور قدیل اتنے وافر مقدار میں (کہ یہاں کسی کو میسر بھی نہیں) روشن دیکھتے ہوں گے تو معلوم نہیں یہ لوگ اپنی آنکھیں روشنی سے موند لیتے ہوں گے اور اس سے جل بھن کر زیارت ہی ترک کر دیتے ہوں گے اگر ترک کر دیتے ہیں تو ہم کو کچھ شکایت نہیں وہاں محروم رہے یہاں بھی محروم رہے۔ لیکن اگر وہاں اسی روشنی میں جا کر زیارت کی تو جس طرح روضہ اقدس کی زیارت مستحب ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور مدائح و مناقب کا سننا بھی مستحب ہے تو یہاں بھی روشنی میں آکر سنیں ظاہری روشنی سے ظاہر کی آنکھ اور ذکر نورانی سے باطن کی آنکھ روشن کریں۔ وہ روضہ پر انوار جس ذات اقدس کا مدفن ہے یہ محفل نورانی بھی انھیں کی شرح صفات کا موطن ہے۔

آخر میں یہ گزارش ہے کہ اگر ان حضرات کا دل روشنی کے سبب مکدر ہوتا ہے تو روشنی والی محفلوں میں نہ آئیں بہت سی محفلیں ایسی ہوتی ہیں جن میں ایک دو چراغ پر اکتفا ہوتا ہے انہی میں آئیں اگر ایک دو چراغ بھی ناگوار ہو تو کتنی ہی محفلیں دن میں بجتی ہیں جہاں ایک چراغ بھی نہیں ہوتا وہاں تشریف لائیں بھلا کہیں تو اپنا قول سچا کر دکھائیں۔

اعتراض خامس

بانیان محفل میلاد نے مطلق کو مقید کر دیا اور یہ بدعت ہے۔

جواب

ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ محفل میلاد شریف میں کسی کو مقید نہیں کیا یعنی میلاد و معجزات کی روایتوں کا پڑھنا جس طرح ربیع الاول میں ہوتا ہے اسی طرح دوسرے مہینوں میں بھی پڑھ لیتے ہیں پھر مطلق مقید کہاں ہوا؟ جس طرح ذکر ولادت شریف کے وقت قیام کرتے ہیں اسی طرح اور بھی چند مقامات میں قیام کرتے ہیں (چنانچہ وہ مقامات تحقیق قیام کے سلسلہ میں کچھ بیان ہوئے ہیں) تو قیام بھی مقید نہ ہوا کہ قیام خاص میلاد شریف ہی میں ہو اور اس کے علاوہ اور کسی زمان و مکان میں نہ ہو۔ اسی طرح شیرینی تقسیم کرنا یا کھانا کھانا دین و دنیا کی اور بھی بہت ساری تقریبات میں ہوتا ہے جیسے ختم قرآن تراویح، مجلس بسم اللہ اور عقد نکاح وغیرہ میں۔ میز یا چوکی اور فرشوں کا بچھانا و عظم میں بھی ہوتا ہے اور مجلس نکاح وغیرہ میں بھی۔ اور قصیدہ و منقبت جس طرح محفل میلاد

میں پڑھے جاتے ہیں یوں ہی بعض دوسری مجلسوں میں بھی پڑھے جاتے ہیں اور بعض لوگ تنہا بھی شوقیہ پڑھتے رہتے ہیں۔ اب یہ صاحب فرمائیں کہ ہم نے کون سے مطلق شرعی کو اس طرح مقید کر دیا کہ اب اس مطلق کو کسی وقت بلا قید ناجائز سمجھتے ہوں۔

باقی رہی یہ بات کہ مجلس میلاد شریف میں اجتماع امور مذکورہ اس نقطہ نظر سے کرنا کہ جس قدر تعظیم و محبت کا اظہار اور مستحبات شرعیہ کی کثرت ہوگی اسی قدر خیر و برکت میں اضافہ ہوگا تو یہ بات ہے، تعقید مطلق اس کا نام نہیں یہ بات ہر سلیم الطبع انسان بدل و جاں قبول کرے گا۔ یہ لوگ خوب الٹ پلٹ کر رہے ہیں کہ مغالطہ دے کر کس طرح اس محفل کا بدعت سیئہ ہونا ثابت کر دیں مگر ایسا ہوا نہیں۔

حجی بات یہ ہے کہ جملہ محققین علمائے دین کے نزدیک یہ محفل مستحسن ہے کیوں کہ جو علماء بدعت کی تقسیم مانتے ہیں وہ کہتے ہیں البدعة ما لم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدعت وہ چیز ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ رہی ہو۔

پھر اس کی دو قسم کرتے ہیں ایک حسنہ دوسری سیئہ۔ تو ان کے نزدیک محفل میلاد شریف بدعت حسنہ میں داخل ہے اور مستحب ہے۔ اور جو علماء تقسیم بدعت کے قائل نہیں وہ بدعت کی تعریف یہ کرتے ہیں ما أحدث علی خلاف الحق المتلقى عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بتائی ہوئی شریعت کے خلاف ایجاد کی جائے۔

## محفل میلاد شریف بالاتفاق درست ہے

ان علماء کے نزدیک محفل میلاد شریف خود سنت میں داخل ہے کیونکہ یہ گرچہ محدث ہے لیکن محدث علی خلاف الحق نہیں ہے کہ قرآن حدیث یا اجماع کے کسی حکم میں تغیر و تبدیلی کر دیتا ہو تو اصل حال یہ ہے کہ محفل میلاد شریف ہر دو گروہ کے محققین کے نزدیک مستحسن ہے۔ باقی بعض علماء جو انکار کر رہے ہیں تو وہ دراصل اس باریک نکتے تک پہنچ ہی نہ سکے اور اسی غلط فہمی میں یہ منکرین آگئے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ہدایت فرمائے۔ اللہم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه .

اعتراض سادس

جب مولد شریف پڑھتے ہیں منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور قرآن شریف ہمیشہ نیچے بیٹھے پڑھتے ہیں۔ میلاد نامے کا درجہ قرآن سے بھی زیادہ کر دیا۔

جواب

یہ بات ہرگز نہیں بلکہ منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھنا اس سبب سے ہے تاکہ میلاد خواں اہل مجمع کو اور اہل مجمع میلاد خواں کو نظر آئیں نیز اوپر بیٹھنے سے آواز بلند ہو کر ہر طرف پھیلتی ہے اور نیچے بیٹھے سے آواز کی قدر دب جاتی ہے۔ اور واعظوں کا بھی کچھ یہی حال ہے کہ وہ شعر و قصہ اور حکایات وغیرہ کو سب سے اوپر کی بلند جگہ پر بیٹھ کر کہتے ہیں اور خالص قرآن شریف کو نیچے پڑھتے



ہیں پس منبر پر بیٹھ کر پڑھنا دراصل مجمع عام کا تقاضا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب کوئی میلادنامہ تنہائی میں شوقیہ پڑھتا ہے تو کسی منبر و چوکی کا اہتمام نہیں کرتا۔

## اعتراض سابع

قرآن پڑھتے وقت نہ فرش بچھائیں اور نہ کچھ اور سامان کریں اور مولد شریف میں کیا کیا سامان کیا جاتا ہے۔

## جواب

عیدین کی نماز کے لیے (جو فرض نہیں) نہانا، عمدہ کپڑے پہننا، خوشبو لگانا اور طرح طرح کے تکلفات ہوتے ہیں اور پنج وقتہ نماز (جو فرض قطعی ہے) اس کے لیے استنجاء و وضو کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کیا جاتا۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ سال بھر میں دوبار اور یہ ایک دن میں پانچ بار۔ تو پنج گانہ نماز میں عید کی طرح سامان کرنے میں حرج ہے اور حرج کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اٹھا دیا ہے

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (۱) اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔

تو یہی سمجھ لو کہ قرآن شریف کا پڑھنا روزمرہ ہے اور میلاد شریف کا پڑھنا سال میں ایک دو بار یعنی کبھی کبھی ہوا کرتا ہے اور جو بات کبھی کبھی کرنے میں ہوسکا کرتی ہے وہ روزمرہ میں نہیں ہو سکتی۔ دوسری بات یہ کہ عید کی نماز میں نماز کی نیت سے وہ سامان نہیں کیے جاتے بلکہ خوشی کے دن میں خوشی کا مظاہرہ کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہاں میلادنامہ پڑھنے کے لیے یہ سامان نہیں ہوتا بلکہ (یہ سب) حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی خوشی میں کیا جاتا ہے۔ اگر صرف میلادنامہ پڑھنے کے لیے وہ سامان ہوتا پھر یہ اعتراض ہوتا کہ قرآن پڑھنے کے لیے وہ سامان کیوں نہیں کیا۔

## اعتراض ثامن

میلاد شریف میں بے اصل و موضوع روایتیں اور ناجائز اشعار پڑھے جاتے ہیں۔

## جواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا، دانی حلیہ کا دودھ پلانا، چالیسویں سال نبوت کا اعلان کرنا، معجزات کا رونما ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سید المرسلین ہونا یہی کچھ میلاد شریف میں پڑھا جاتا ہے اور یہ سب صحیح ہے۔ اگر شاید بایں فضائل میں کوئی مطعون فیہ یا موضوع حدیث بھی بیان ہوگی یا کسی کم سمجھ نے کوئی شعر خلاف شرع پڑھ دیا تو انصاف کی بات یہ ہے کہ خاص ان لوگوں کو منع کرنا چاہیے کہ ایسی روایات نہ پڑھیں نہ یہ کہ علی العموم میلاد شریف کی ساری محفلوں ہی کو حرام کہنے لگیں۔ ہم نے بہت سنا ہے کہ آج کل اکثر واعظین، موضوع روایتیں بیان کر جاتے ہیں اور ان کو تمیز بھی نہیں ہوتی، تو کیا بعض واعظوں کی حالت سے جملہ مجالس وعظ عمومی طور پر حرام ٹھہر جائیں گی؟

## اعتراض ناسع

خلاف شریعت ریشمی اور زریں لباس پہن کر محفل میلاد شریف میں آتے ہیں اور بعض ڈاڑھی منڈے بھی آتے ہیں اور بعض

موقع میں عورت اور مرد جمع (۱) ہوتے ہیں۔

## جواب

مجالس نکاح وغیرہ نیز عیدین کی نماز پڑھنے عید گاہ میں اسی طرز سے لباس فاخرہ کے ساتھ اور ڈاڑھی منڈے بھی جاتے ہیں تو چاہیے کہ ان کے شریک ہو جانے سے مجالس نکاح اور عید گاہ وغیرہ کے مجمعے بھی محرمات شرعیہ ہو جائیں اور کوئی دیندار وہاں نہ جایا کرے۔ حالانکہ بات ایسی تو ہے نہیں بلکہ جہاں خاص کوئی شرعی قباحت نظر آئے تو اس کو منع کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کی وجہ سے اصل جزئی کو منع کر دیں۔

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”حسن المقصد“ میں تاج الدین فاکہانی کے اعتراض کا یہی جواب دیا ہے جو اس نے اپنے رسالہ ”مورد“ میں لکھا تھا کہ مولد شریف میں امرؤ اور ناپنے گانے والی عورتیں ہوتی ہیں نیز مرد اور عورت باہم جمع ہوتے ہیں۔

اس کے جواب میں سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یوں ہے

إن التحريم فيه إنما جاء من قبل هذه الأشياء المحرمة التي ضمت إليه لا من حيث الاجتماع لإظهار شعار المولد بل لو وقع مثل هذه الأمور في الاجتماع لصلوة الجمعة مثلاً لكانت قبيحة شنيعة ولا يلزم من ذلك ذم أصل الاجتماع لصلوة الجمعة كما هو واضح وقد رأينا بعض هذه الأمور يقع في ليال من رمضان عند اجتماع الناس لصلوة التراويح فهل يتصور ذم الاجتماع لصلوة التراويح لأجل هذه الأمور التي قرنت بها؟ كلا بل نقول أصل الاجتماع لصلوة التراويح سنة وقربة وما ضم إليها من هذه الأمور قبيح و شنيع وكذلك نقول أصل الاجتماع لإظهار شعار المولد مندوب وقربة وما ضم إليه من هذه الأمور مذموم ممنوع. (۲)

## اعتراض عاشور

جب کسی کے گھر محفل میلاد شریف رات کو ہوتی ہے اور سامعین جو زیادہ رات گئے فارغ ہو کر سوتے ہیں تو صبح کو شاید اگر کسی

(۱) حاشیہ: یعنی ہم نے جو اکثر مقامات پر میلاد شریف دیکھا ہے تو جس طرف عورتیں ہوتی ہیں اس طرف قات یا پردہ وغیرہ ضرور ہوتا ہے تو اس میں ہرگز شرعاً کوئی عیب نہیں۔ مرد ایک جگہ جمع ہوتے اور عورتیں ایک جگہ پردہ میں ہوتی ہیں لیکن چون کہ منکرین ایک جگہ جمع ہونا لکھتے ہیں تو شاید کہیں ہوا ہوا اس کو ہم بھی منع کریں گے یعنی یہ کہیں گے کہ اس ہیئت خاص کے ساتھ اجتماع منع ہے۔ ۱۲۔ منہ



کی نماز میں دیر ہوگئی یا سو آدمیوں میں ایک کی نماز قضا ہوگئی تو اس بات کو میلا دشریف کی مذمت کے لیے دلیل عام ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ اگر برائی کی یہی دلیل ہے تو محفل عقد نکاح کے اہتمام میں اگر آدمیوں کی نماز کچھ آگے پیچھے ہو جائے اور اکثر ہو جاتی ہے نیز رمضان میں سحری کھانے کو اٹھتے ہیں اور بعضوں کی نماز صبح قضا ہو جاتی ہے تو اس دلیل سے چاہیے کہ سحری بھی علی العموم حرام ہو جائے۔

ہر چند یہ وہابیات قسم کے اعتراضات ہماری نگہ التفات کے لائق نہ تھے لیکن چونکہ ہم نے دیکھا کہ بعض صاحب علم بھی یہ باتیں اپنی زبان پر لاتے ہیں اور کچھ نادان ان کو کمال درجہ کے نجس ساطعہ اور براہین قاطعہ سمجھتے ہیں اس لیے ان کے جواب میں یہ چند الفاظ لکھ دیے گئے۔ نیز عطر و لوبان پھولوں وغیرہ کا ذکر زیب و زینت محفل کا بیان اور چوکی یا منبر پر بیٹھ کر پڑھنے کی اصلیت ان تمام باتوں کی تحقیق ایک مختصر اور منظوم رسالہ بنام ”دافع الاوہام فی محفل خیر الانام“ میں بھی کی گئی ہے لیکن اس کا طرز اور ہے۔ ع۔

ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است

طالبان حق کو چاہیے کہ وہ رسالہ بھی اپنے پاس رکھیں۔ اس کتاب ”انوار ساطعہ“ میں طول کلام نہ صرف فتویٰ انکاری کے سبب واقع ہوا بلکہ منکرین کے چند رسالوں کے مغالطوں اور شبہوں کی تردید بھی مد نظر تھی۔

جو شخص اس کتاب اور ”دافع الاوہام“ کو جملہ قیود اور شقوق کے ساتھ بغور ملاحظہ کر کے ذہن میں خوب جمالے؛ تو خداوند کریم سے امید ہے کہ وہ (پھر کبھی) دھوکا اور مغالطہ نہ کھائے گا۔ اور منکرین کے تمام فساد رسالوں کی ان میں صراحت یا اشارۃ تردید پائے گا۔ اس بنیاد پر ضروری سمجھا گیا کہ سمند خامہ کی لگام کو طول تقریر کی وادی میں دوڑانے سے اختصار کی جانب موڑ دیا جائے اور جن علمائے ربانی اور عرفائے حقانی نے میلا دشریف کو جائز رکھا ہے ان کا ذکر کر دیا جائے۔

## مجوزین میلا دشریف و محدثین کے اسمائے گرامی

### لمعۃ تاسعہ

اس کے اندر ان محدثین و فقہا کا نام ذکر کیا جا رہا ہے جنہوں نے میلا دشریف کے عمل کو مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے۔

﴿ ۱ ﴾ شیخ عمر بن محمد الملا الموصلی (من الصالحین المشہورین)۔

﴿ ۲ ﴾ علامہ ابو الخطاب ابن دحیہ اندلسی۔

یہ دحیہ کلی صحابی کی اولاد میں سے تھے (ذکرہ الزرقانی)۔ نیز سلطان ابوسعید مظفر کی محفل میں بہت سے علماء وصلحایا کرتے تھے ان کے اسمائے گرامی کہاں تک شمار کیے جائیں۔ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے۔

وحضر عنده فیہ العلماء والصلحاء من غیر تکبر منہم۔

﴿ ۳ ﴾ علامہ ابو الطیب السبکی زبیل قوص، من اجلۃ العلماء المالکیہ (ذکرہ الزرقانی)۔

﴿ ۴ ﴾ امام ابو محمد عبد الرحمن بن اسماعیل استاد امام نووی معروف بہ ”ابوشامہ“۔

﴿ ۵ ﴾ علامہ ابو الفرج بن جوزی محدث و فقیہ حنبلی۔

﴿ ۶ ﴾ امام علامہ سیف الدین حمیری دمشقی حنفی محدث معروف بہ ”ابن طغربک“۔

﴿ ۷ ﴾ امام القراۃ والمحدثین حافظ شمس الدین ابن جزری۔

﴿ ۸ ﴾ حافظ عمام الدین ابن کثیر۔

﴿ ۹ ﴾ علامہ ابوالحسن احمد بن عبد اللہ البکری۔

﴿ ۱۰ ﴾ علامہ ابوالقاسم محمد بن عثمان لولوی دمشقی۔

﴿ ۱۱ ﴾ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی۔

﴿ ۱۲ ﴾ علامہ سلیمان برسوی امام جامع سلطان۔

کشف الظنون میں لکھا ہے کہ مجالس و محافل اور ملک روم کے مجامع میں انہی کا تالیف کردہ مولد شریف پڑھا جاتا ہے۔

﴿ ۱۳ ﴾ ابن اشیح آقا شمس الدین (ذکرہ صاحب کشف الظنون)۔

﴿ ۱۴ ﴾ المولیٰ حسن البحری۔

﴿ ۱۵ ﴾ اشیح محمد بن حمزہ العربی الواعظ۔

﴿ ۱۶ ﴾ اشیح شمس الدین احمد بن محمد السیواسی۔

﴿ ۱۷ ﴾ علامہ حافظ ابوالخیر سخاوی۔

﴿ ۱۸ ﴾ سید عقیف الدین البشیر ازی۔



﴿ ۱۹ ﴾ ابو بکر الدقلی۔

﴿ ۲۰ ﴾ برہان محمدناصحی۔

﴿ ۲۱ ﴾ برہان ابوالصفا۔ ان کے مولد شریف کا نام ہے ”فتح اللہ حسبی و کفی فی مولد المصطفیٰ“۔

﴿ ۲۲ ﴾ الشمس الدمیاطی معروف بہ ”ابن السباطی“۔

﴿ ۲۳ ﴾ برہان بن یوسف الفاوش۔ ان کا مولد شریف چار سو اشعار سے زیادہ پر مشتمل ہے۔

﴿ ۲۴ ﴾ حافظ زین الدین عراقی۔

﴿ ۲۵ ﴾ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی شیرازی (صاحب قاموس) ان کے مولد شریف کا نام ہے ”النفحات

العنبرية فی مولد خیر البرية“۔

﴿ ۲۶ ﴾ امام محقق ولی الدین ابوزرعہ العراقی۔

﴿ ۲۷ ﴾ ابو عبد اللہ محمد بن النعمان۔

﴿ ۲۸ ﴾ جمال الدین النجفی الہمدانی۔

﴿ ۲۹ ﴾ یوسف الحجاز۔

﴿ ۳۰ ﴾ یوسف بن علی بن زراق الشامی الاصل المصری المولد۔

﴿ ۳۱ ﴾ ابو بکر الحجاز۔

﴿ ۳۲ ﴾ منصور بشار۔

﴿ ۳۳ ﴾ ابو موسیٰ ترہونی (وقیل زرہونی)۔

﴿ ۳۴ ﴾ شیخ عبدالرحمن بن عبدالملک معروف ب”المخلص“۔

﴿ ۳۵ ﴾ ناصر الدین المبارک مشہور ب”ابن الطیار“۔ (۱)

﴿ ۳۶ ﴾ امام علامہ ظہیر الدین ابن جعفر السینی۔

﴿ ۳۷ ﴾ فاضل عبداللہ بن شمر، الدین الانصاری۔

﴿ ۳۸ ﴾ شیخ الامام صدر الدین موہوب الجزیری الشافعی۔

﴿ ۳۹ ﴾ علامہ ابن حجر عسقلانی۔

﴿ ۴۰ ﴾ شیخ جلال الدین سیوطی، مجدد المائتہ تاسعہ۔

﴿ ۴۱ ﴾ محمد بن علی الدمشقی (مصنف سیرت شامی)۔

﴿ ۴۲ ﴾ شیخ شہاب الدین قسطلانی (صاحب مواہب لدنیہ و شارح صحیح بخاری)۔

(۱) حاشیہ: ابن طیار نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ جب کوئی اس رات میں خرچ کرے اور آدمیوں کو جمع کر کے کچھ کھائے اور ان کو سنوائے تو ان کا سننا جائز ہے۔ اور سننے والے یعنی میلاد خواں کو میلاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں لباس عطا کرنے تو یہ سب درست ہے اگر کرنے والے کی نیت نیک ہو۔ سیرت شامی ۱۲۔ منہ

﴿ ۴۳ ﴾ نور الدین علی حلبی شافعی (مصنف سیرت حلبیہ)۔

﴿ ۴۴ ﴾ علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی (شارح مواہب و دیگر کتب احادیث)۔

﴿ ۴۵ ﴾ علی بن سلطان محمد ہروی معروف ”ملا علی قاری“۔

انہوں نے اپنے مولد شریف ”مورد الروی“ میں میلاد شریف کا یہ عمل ”مصر شام روم اندلس مغرب بلاد ہندوستان اور مکہ و مدینہ زادہما اللہ شرفا جملہ اسلامی ممالک سے ثابت کیا ہے۔ تو درحقیقت یہ ایک کتاب گویا قالیم سبعہ کا ثبوت ہے۔ نیز علی قاری نے اس میں لکھا کہ اس محفل کی عظمت یہ ہے کہ علماء و مشائخ میں سے کوئی اس میں شامل ہونے سے انکار نہیں کرتا۔

﴿ ۴۶ ﴾ عبدالرحمن صفوری شافعی (صاحب نزہۃ المجالس)۔

﴿ ۴۷ ﴾ نور الدین ابوسعید بورانی۔

انہوں نے بھی تمام ملکوں سے میلاد شریف کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اور بادشاہ مصر کے احوال میں لکھا ہے

سائبانے ساختہ بود کہ دوازده ہزار کس در سایہ آدمی اس نے ایک بے حد خوبصورت سائبان بنا رکھا تھا کہ نشستہ در غایت آراستگی از جہت آں کہ دریں شب و روز آں را جس کے سائے تلے بارہ ہزار لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ اور اس شب و روز میں لوگ خوب خوب نوازے جاتے تھے۔

﴿ ۴۸ ﴾ سید امام جعفر برزنجی۔

ان کا مولد شریف منشور مقفی اور فصیح و بلیغ عبارت کے لیے مشہور ہے، دیا رب عرب میں کثرت سے پڑھا جاتا ہے۔

﴿ ۴۹ ﴾ سید زین العابدین برزنجی۔

ان کا مولد شریف منظوم دیا رب عرب شریف میں رائج ہے۔

﴿ ۵۰ ﴾ شیخ احمد بن علامہ ابوالقاسم بخاری۔

ان کا نسب محمد بن اسماعیل بخاری تک پہنچتا ہے۔

﴿ ۵۱ ﴾ شیخ اسماعیل حقی افندی (مفسر و واعظ اور مصنف تفسیر روح البیان)۔

﴿ ۵۲ ﴾ احمد بن قشاشی مدنی۔

﴿ ۵۳ ﴾ محمد بن غرب مدنی۔

﴿ ۵۴ ﴾ شیخ عبدالملک کردی۔

﴿ ۵۵ ﴾ فاضل ابراہیم باجوری۔

﴿ ۵۶ ﴾ امیر محمد استاد ابراہیم باجوری۔

﴿ ۵۷ ﴾ شیخ سقاط استاد الاستاد باجوری۔

﴿ ۵۸ ﴾ شیخ عبدالباقی پدر و استاد علامہ زرقانی۔



﴿۵۹﴾ شیخ محمد ربلی۔

﴿۶۰﴾ علامہ احمد بن حجر۔ مؤلف ”تحفة الأخیار بمولد المختار“۔

﴿۶۱﴾ حافظ ابن رجب حنبلی۔

﴿۶۲﴾ ابو زکریا یحییٰ ابن عائد حافظ کبیر اندلسی۔

﴿۶۳﴾ سعید بن مسعود گازرونی۔

انھوں نے بھی بہت سے ملکوں کے علماء اور صوفیہ سے مولد شریف ہونا ثابت کیا ہے۔

﴿۶۴﴾ مولانا زین العابدین محمود نقشبندی۔

﴿۶۵﴾ علامہ شہاب الدین احمد الخفاجی (شارح شفا) وغیرہ۔

عمل مولد کے جواز میں ان کا بھی ایک رسالہ ہے۔

﴿۶۶﴾ حضرت مولانا جمال الدین میرک۔

﴿۶۷﴾ علامہ محمد رفاعی مدنی (الساکن فی زقاق البدور)۔

﴿۶۸﴾ قاضی ابن خلکان شافعی۔ (۱۲۸۲ھ)

﴿۶۹﴾ مولانا معین الدین الواعظ الہروی معروف بہ ”ملا مسکین“۔

انھوں نے ”معارج النبوة“ اسی لیے تصنیف فرمائی کہ میلاد شریف کی محفلوں میں پڑھا کریں۔ اسے کتاب کے دیباچہ میں بیان کیا ہے۔

﴿۷۰﴾ علامہ ابوالفتح ابن جماع رحمۃ اللہ علیہ۔

ملا علی قاری نے ان کا حال یوں لکھا ہے کہ وہ مولد شریف میں کھانا کھاتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اگر میرے قدرت و اختیار میں ہوتا تو میں ربیع الاول میں مہینہ بھر مولد شریف کیا کرتا۔

﴿۷۱﴾ شیخ محمد بن طاہر محدث۔ مصنف ”مجمع البحار“۔

﴿۷۲﴾ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

﴿۷۳﴾ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

انھوں نے ”فیوض الحرمین“ کے اندر محفل میلاد شریف میں اپنا شریک ہونا اور اس میں انوار کا دیکھنا بیان کیا ہے۔ ان کے کلام سے یہ ظاہر ہے کہ جس جگہ ایسی مجلسیں ہوتی ہیں وہاں فرشتے انوار رحمت لایا کرتے ہیں جیسا کہ انھوں نے فرمایا

فتأملت تلك الأنوار فوجدتها من قبل الملائكة الموكلين بأمثال هذه المشاهد وبأمثال

هذه المجالس و رأيت يخالط أنوار الملائكة

ایسے مقامات میں اور ایسی مجلسوں میں حاضر ہوا کریں نیز میں نے

یہ بھی دیکھا کہ انوار رحمت اور انوار ملائکہ باہم خلط ملط ہو رہے تھے۔

أنوار الرحمة.

واضح ہو کہ ہم شروع رسالہ میں لکھ آئے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ جملہ مفتیان فتاویٰ انکاری کے مستند و مقتدا اور منہ بنتھی الیہ اسنادہم و اعتمادہم ہیں۔ تو فاتحہ طعام بھی ہم نے ان سے ثابت کر دی اور اب بحث میلاد شریف کا اثبات بھی ہم نے انھیں کے نام پر ختم کر دیا اور خاص ان کی زبان سے اس مجلس میلاد کا محل نزول ملائکہ اور مورد رحمت ہونا بھی ثابت کر دیا۔ کفی بہ حجة۔

## علمائے عرب کے نقل مواہیر

حضرت مولانا احمد سعید فقیہ محدث دہلوی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ مولوی محبوب علی جعفری کے جواب میں لکھے اپنے رسالہ کے اندر ”قیام“ کے سلسلے میں علمائے عرب کے مفتیان مذاہب اربعہ کا فتویٰ نقل فرماتے ہیں اس کے علاوہ ”غایۃ المرام“ (مطبوعہ کلاں کوٹھی) میں بھی علمائے عرب کا وہ فتویٰ منقول ہے جسے طوالت سے بچتے ہوئے بطور تلخیص لکھتا ہوں۔

﴿۱﴾ قد اجتمعت الأمة المحمدية من أهل السنة و الجماعة على استحسان القيام و هي بدعة مستحبة لما فيه من إظهار الفرح و السرور و التعظيم.

قاله بقمه و أمر برقمه :

عثمان حسن الدمياطي الشافعي

المقيم بالمسجد الحرام

﴿۲﴾ نعم استحسن كثيرون .

كتبه :

عبد الله بن محمد الميرغني الحنفي

مفتي مكة المكرمة

﴿۳﴾ القيام عند ذكر ولادة سيد الأولين و الآخرين صلى الله عليه و آله وسلم استحسنه كثير من العلماء .

كتبه :

حسين بن إبراهيم

مفتي المالكية بمكة المحمية



﴿١٢﴾ نعم القيام عند ذكر ولادته صلى الله عليه وآله وسلم استحسنة العلماء وهو حسن.

الفقير لربه :

محمد بن أبي بكر الرئيس

مفتي الشافعية بمكة المكرمة

﴿١٣﴾ نعم يجب القيام عند ذكر ولادته صلى الله عليه وآله وسلم لما استحسنة العلماء الأعلام وقداة الدين والإسلام.

كتبه الفقير إلى الله تعالى :

محمد بن يحيى

مفتي الحنابلة في مكة المكرمة

﴿١٤﴾ أما القيام إذا جاء ذكر ولادته عند قراءة المولد الشريف توارثه الأئمة الأعلام وأقره الأئمة الحكام من غير تكبر منكر ورداد. والله ولي التوفيق والهادي إلى سواء الطريق.

حرره خادم الشريعة والمنهاج :

عبد الله بن المرحوم عبد الرحمن سراج

المفسر والمحدث بمسجد الحرام

واضح ہو کہ یہ عبد اللہ سراج بڑے اکمل رجال میں تھے۔ اس عاجز نے مولانا احمد علی محدث سہارن پوری مرحوم سے بہت کچھ ان کی تعریف سنی ہے۔ اور حضرت مولانا احمد سعید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں

مولانا عبد اللہ سراج حنفی مفسر و محدث حرم شریف یکتا ہے مولانا عبد اللہ سراج حنفی مفسر و محدث حرم شریف اپنے عہد خویش بود و اس رئیس فرقہ محدث بزائوے ادب و دروس او وقت کی بے نظیر شخصیت تھے۔ نوید فراتے کے رئیس نے بھی نہ شان می نشست و اعتراف بجامعیت مولانا موصوفی نمود۔ صرف ان کے درس میں زائوے تلمذ طے کیا بلکہ ان کی جامعیت کا اعتراف بھی کیا ہے۔

الحاصل ایسے نادر روزگار علامہ کا قیام جائز رکھنا کہ (جس کی جامعیت و کاملیت کا ہر موافق و مخالف کو اقرار ہو) واقعی سند کامل ہے۔ پھر دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ اس قیام کا اپنے سے پہلے بڑے بڑے علماء اور ائمہ اعلام سے متوارث و جاری ہونا تحریر فرماتے ہیں (جیسا کہ ابھی ان کی عبارت منقول ہوئی)۔

عرب کے سید امام برزنجی رحمۃ اللہ علیہ ”عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر“ میں فرماتے ہیں

وقد استحسنت القيام عند ذكر مولده ائمة روایت و درایت نے ولادت مبارکہ کے ذکر کے الشریف ائمة ذور و رواية و دراية . وقت قیام کو مستحسن کہا ہے۔

افسوس ہے کہ اس وقت سے لے کر اب تک کتنی صدیاں گزر چکیں۔ اور بجز صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ سچا ہے کہ ہر صدی میں بدعت کو اکھاڑنے اور سنت کو قائم کرنے کے لیے ایک مجدد پیدا ہوا کرے گا۔ کیا سبب کہ بلا متبرکہ ہندوستان میں تو جب سے بہتیرے مجدد ہو گئے اور وہاں یعنی مکہ میں ایک بھی مجدد نہ ہوا جو اس بدعت اور ضلالت کا وہاں سے استیصال کرتا! لہذا معلوم ہوا کہ یہ قیام ہرگز ضلالت نہیں بلکہ بلا شک و شبہ جائز اور مستحسن ہے۔ خیر البلاد میں سیکڑوں برس سے علماء اس کو مستحسن کہتے رہے اور عبد اللہ سراج مفتی مکہ معظمہ نے لکھا کہ کسی نے اس پر رد اور انکار بھی نہیں کیا ہے۔

مولوی قطب الدین صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مسئلہ پر مکہ اور مدینہ کے علماء متفق ہوں وہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ ”مظاہر الحق“ (مطبوعہ میرٹھ) کے صفحہ ۸ پر بدعتیوں کے بیان میں لکھتے ہیں

سنیوں کا مذہب سچا ہے، مکہ مدینہ کہ دین وہیں سے پیدا ہوا وہاں کے لوگ بھی سنی ہیں اگر ان کا مذہب یعنی بدعتیوں اور شیعوں کا اچھا ہوتا تو وہ یعنی مکہ مدینہ والے پہلے اس مذہب میں ہوتے۔ انتہی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر قیام میلاد شریف کا انکار اچھا ہوتا تو اول علماء عرب انکار کرتے کیوں کہ پختہ اہل سنت و جماعت وہی ہیں۔

اب ہم بطور اختصار علمائے عرب کا دوسرا فتویٰ نقل کرتے ہیں، جس کو ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) میں مولوی عبد الرحیم صاحب دہلوی کرا کر لائے تھے اور ”روضۃ النعیم“ کے آخر میں چھاپا تھا۔

سوال کی عبارت یوں ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں (مفتیان کرام) اس سلسلے میں کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرنا ذکر ولادت کے وقت بطور خاص قیام کرنا، دن کو معین کرنا، مکان کی آرائش کرنا، خوشبوؤں کا استعمال کرنا، قرآن کی کوئی سورہ پڑھنا اور مسلمانوں کو کھانا کھلانا کیا یہ سب چیزیں جائز ہیں اور کیا اس کا کرنے والا ثواب بھی پائے گا یا نہیں۔

بطور تلخیص علمائے مکہ معظمہ کے جواب

اعلم ان عمل المولد كما جاء في حديث ابن مسعود قال: ما راہ المسلمون حسنا فهو عند الله حسن و المراد من المسلمين الذين كملوا الإسلام

جواب: یعنی عمل میلاد کے سلسلے میں یہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت ابن مسعود کی حدیث میں آیا ہے کہ جسے مسلمان بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے۔ اور مسلمانوں سے



کالعلماء العالمین و علماء العرب و المصر و الشام و الروم و الأندلس کلهم راوہ حسنا من زمان السلف إلى الآن فصار الإجماع و الأمر الذي ثبت بالإجماع فهو حق ليس بضلال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا یجتمع امتی علی ضلالة، فعلى حاکم الشرع تعزیر منکره و الله أعلم.

کامل الاسلام مسلمان مراد ہیں جیسے باعمل علمائے کرام۔ اور عرب و مصر، شام و روم اور اندلس کے علماء سلف صالحین کے زمانے سے لے کر آج تک میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتر سمجھتے آئے ہیں تو گویا کہ اس عمل مبارک پر اجماع ہو گیا اور جو چیز اجماع سے ثابت ہو جائے وہ حق ہوتی ہے ضلالت نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کبھی بھی کسی گمراہی پر اکٹھا نہیں ہو سکتی۔ لہذا حاکم شرع کو چاہیے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انکاریوں کو سزا دے۔ واللہ اعلم۔

عبدالرحمن سراج (۱)	احمد دحلان	حسن	عبدالرحمن جمال	حسن طیب	محمد شرقی
مفتی حنفی	مفتی شافعی	مفتی حنبلی	حنفی	حنفی	مفتی مالکی
سلیمان عینی	عبدالقادر خوکیر	ابراہیم الفتن	محمد جبار اللہ	احمد الداعستانی	عبدالقادر شمس
عبدالرحمن افندی	احمد ابوالخیر	عبدالقادر تھنی	محمد سعید	عبدال مطلب	احمد کمال
محمد سعید الادیب	علی جودہ	سید عبداللہ کوشک	حسین عرب	ابراہیم نوموسی	احمد امین
شیخ فردوس	عبدالرحمن عجمی	عبداللہ مشاط	عبداللہ قماش	محمد باصیل	محمد سیوتی
علی ریتی	محمد صالح زواری	محمد حبیب اللہ	احمد انحر اوی	عبداللہ زواری	سلیمان عقبہ
عمر سید شطی	عبدالحمید الداعستانی	مصطفیٰ عقیفی	منصور	منشاوی	محمد راضی

### بطور تلخیص علمائے مدینہ منورہ کے جواب

اعلم ان ما یصنع من الولائم فی المولد الشریف و قراءتہ بحضور المسلمین و إنفاق المیراث و القیام عند ذکر ولادة الرسول الامین و رش ماء الورد و إیقاد البخور و تزین المکان و قراءة شیء من القرآن و الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم منورہ فرماتے ہیں، معلوم ہونا چاہیے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا، اہل اسلام کے مجمع میں اسے پڑھنا، پاک چیزوں کا خرچ کرنا، ذکر ولادت نبوی کے وقت قیام کرنا، گلاب جل چھڑ کرنا، لوبان وغیرہ جلانا، مکان کی آرائش کرنا، قرآن کے

(۱) عبدالرحمن سراج، مفتی عبداللہ سراج کے بیٹے ہیں جن کی علیت کا بڑا شہرہ تھا۔ ۱۲۰ھ

اللہ علیہ وسلم و إظهار الفرح و السرور فلا شبهة فی انه بدعة حسنة مستحبة و فضيلة شريفة مستحسنة فلا ینکرها إلا مبتدع لا استماع لقوله بل علی حاکم الإسلام أن یعززه. واللہ أعلم و صلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ وسلم.

کسی حصہ کی تلاوت کرنا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور مسرت و خوشی کا مظاہرہ کرنا بلاشبہ بدعت حسنة و مستحبة ہے اور فضل و شرف کا کام ہے۔ ان کا انکار کوئی بدعتی ہی کر سکتا ہے جس کی بات نہ تو سنی جائے بلکہ حاکم اسلام کا یہ فرض بنتا ہے کہ اس پر سزا مسلط کرے۔ واللہ اعلم۔

محمد امین	جعفر حسینی البرزنجی	عبدالجبار	جمال الدین سید	ابراہیم بن خیار	یوسف سید
السید محمد علی	السید عبداللہ بن سید احمد	محمد بن احمد رفاعی	عمر ابن علی	علی حریری	مصطفیٰ سید
احمد سراج	حسن ادیب	ابوالبرکات	عبدالقادر مشاط	سید سالم	احمد الحبشی
محمد نور سلیمانی	عبدالرحیم البرعی	محمد عثمان کردی	قاسم	عبدالعزیز ہاشمی	یوسف روی
حسن	مبارک ابن سعید	حامد	محمد ہاشم ابن حسن	عبداللہ ابن علی	عبدالرحمن صفوی

### بطور تلخیص علمائے جدہ کے جواب

اعلم ان ذکر مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بهذه الصورة المجموعية المذكورة بدعة حسنة مستحبة شرعا لا ینکرها إلا من فی قلبه شعبة من شعب النفاق و کیف یسوغ له ذلك مع قوله تعالیٰ 'وَمَنْ یُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوٰی الْقُلُوبِ' واللہ أعلم.

سوال میں جو صورتیں بیان کی گئی ہیں ان مجموعی صورتوں کے مطابق ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کرنا شرعاً بدعت حسنة و مستحبة ہے۔ اس کا انکار وہی کر سکتا ہے کہ جس کے دل میں نفاق کا کوئی حصہ ہوگا، اور پھر ایسا ممکن کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

علی بن احمد	عباس ابن	احمد	محمد	احمد
باصبرین	جعفر بن صدیق	قحاح	سلیمان	حبلس
محمد صالح	عثمان	احمد	محمد	عبدالرحیم
		بن عجلان	صدقة	بن محمد زبیدی



## علمائے حدیدہ کے جواب

قراءة المولد الشريف مع الأشياء  
المدكورة جائز بل مستحبة يشاب فاعلمها فقد  
ألف في ذلك العلماء وحثوا على فعله وقالوا لا  
ينكرها إلا مبتدع فعلي حاكم الشريعة أن يعززه .

سوال میں مذکورہ چیزوں کے ساتھ میلاد شریف پڑھنا نہ  
صرف جائز بلکہ مستحب بھی ہے جس کا کرنے والا ثواب پائے گا  
۔ علمائے کرام نے اس سلسلہ میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور  
اس عمل خیر پر ابھارا ہے ۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کا انکاری  
کوئی بدعتی ہی ہو سکتا ہے تو ایک حاکم اسلام کا فرض ہے کہ اس کی  
ٹھیک سے خبر لے۔

الفقیر الی اللہ یحییٰ ابن مکرّم	علی شامی	علی بن عبداللہ	محمد بن سالم عایش	محمد بن ابراہیم حشیری	علی طحان
محمد بن عبداللہ	محمد بن داؤد بن عبدالرحمن	علی بن ابراہیم الزبیدی	علی بن محمد حباب	احمد بن محمد ابن الخلیل	عبدالرحمن بن علی حضرمی

ان تازہ دنوں میں علمائے عرب کی تحریریں راقم السطور کے پاس آئی ہیں ۔ مفتیان مذاہب اربعہ کی عبارتیں بطور تلخیص نقل  
کرتا ہوں

سوال: ما قولکم (دام فضلکم) رحمکم اللہ  
تعالیٰ) فی عمل المولد النبوی و القیام فیہ هل هما  
جائزان أم لا . بینوا توجروا .

سوال: میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس میں قیام  
جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب: الحمد لمن هو به حقیق و منه استمد العون و التوفیق ' نعم هما جائزان و علیہ عمل  
المسلمین فی عامة بلاد الإسلام و الاستدلال علی الجواز مبسوط فی کتب الأئمة الأعلام و لا عبرة  
بمنع المانعین من الجهلة اللیام . و اللہ أعلم .

امر برقمہ :

خادم الشريعة راجي اللطف الخفي

محمد صالح بن المرحوم صديق الكمال الحنفي

مفتي مكة المكرمة حالا كان الله لهما

## محمد صالح

جواب: مسلمانوں کا تمام اسلامی شہروں میں اس پر عمل ہے اور اس سلسلے کے دلائل تفصیلی طور پر اجلہ علماء کی کتابوں  
میں بکھرے ہوئے ہیں ۔ جو جاہل بد بخت اسے منع کریں ان کا کوئی اعتبار نہیں ۔ (مفتی حنفی مکہ)

عمل المولد استحسنه جمهور السلف و الخلف و قال العلامة الشهاب الخفاجي محشي  
البيضاوي في رسالته في عمل المولد : أنه بدعة حسنة .

امر برقمہ :

خادم الشريعة و المنهاج

عبد الرحمن بن عبد الله سراج الحنفي

عبدالرحمن سراج

جواب: جماہیر سلف و خلف نے اس عمل کو اچھا سمجھا ہے اور تفسیر بیضاوی کے حاشیہ نگار علامہ شہاب الدین خفاجی نے  
اپنے میلادنامہ میں اسے بدعت حسنہ قرار دیا ہے ۔ (مفتی حنفی)

ما حوره مفتي الأحناف هو عين الصواب . واللہ سبحانہ أعلم .

خادم الشريعة ببلدة الله المحمية

أبو بكر حجي بسيوني

مفتي المالكية

أبو بكر حجي بسيوني

جواب: حنفی مفتیوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ تحریری حکم فرمایا ہے وہ بالکل ہی درست ہے ۔ (مفتی مالکی)

ما أجاب به مولانا هو المذهب الذي لا ينكره أحد .

كتبه راجي العفو من واهب العطية

محمد بن المرحوم الشيخ حسين

مفتي المالكية ببلدة الله المحمية

محمد بن الشيخ حسين

جواب: مولانا نے جو جواب تحریر فرمایا ہے وہی عین مذہب ہے اور اس سلسلہ میں کسی کو کوئی انکار نہیں ہے ۔ (مفتی  
مالکی)



﴿٥٥﴾ اللهم هداية للصواب في كتاب قصة المولد للعلامة الشهاب ابن الحجر ان عمل المولد بدعة لكنها حسنة لما اشتملت عليه من الإحسان و قراءة القرآن و إكثار الذكر و إظهار السرور و الفرح به صلى الله عليه وسلم و المحبة له و إغاضته أهل الزيغ و العناد من الزنادقة و الملحدين و الكفرة و المشركين و لم يزل أهل الأقطار في سائر المدن و الأمصار يحتفلون بعمل المولد في شهره (الخ) و أما القيام في المولد ففيل أنه مندوب شرعا و قيل أنه بدعة حسنة .

أمر برقمه المرتجى من ربه كمال النيل

محمد سعيد بن محمد بابصیل

مفتي الشافعية بمكة المحمية

محمد سعيد بابصیل

جواب: یہ ایک اچھا عمل ہے کیوں کہ یہ احسان اور قراءت قرآن پر مشتمل ہے نیز اس میں ذکر پر ابھارنا، خوشیاں منانا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرحت و محبت کا اظہار کرنا ساتھ ہی کفار و طغین کو جلانا بھی پایا جاتا ہے اور وہ دیکھ کر رشک کرتے ہیں۔ اہل اسلام نے ہر دور اور ہر شہر میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحفیں سجاتی ہیں۔ رہی بات قیام کی تو بعض نے اسے شرعاً مستحب اور بعض نے بدعت حسنہ قرار دیا ہے۔ (مفتی شافعی)

﴿٥٦﴾ نعم عمل المولد جائز لإجماع المسلمين عليه و القيام عند ذكر مولده صلى الله عليه وسلم فهو أدب حسن و لا يخالف مشروعاً و يؤخذ من فعل الإمام أحمد الجواز و ذلك أنه ذكر عنده إبراهيم بن طهمان و كان متكئاً فاستوى جالساً و قال لا ينبغي أن يذكر الصالحون فتكفي قال ابن عقيل فأخذت من هذا حسن الأدب فيما يفعله الناس عند ذكر إمام العصر من النهوض لسماع توبيعاته قال في الفروع و معلوم ان مسئلتنا أولى فمن تركه مع قيام الناس على اختلاف طبقاتهم فقد سلك مسلك الجفا و ربما يحصل عليه من الدم و التوبيخ ما لا خير فيه استخفاف بالجناب الأعظم صلى الله عليه وسلم و ذكر ابن الجوزي أن ترك القيام كان في الأول ثم صار ترك القيام كالهوان بالشخص فاستحب لمن يصلح له القيام . والله سبحانه أعلم .

أمر برقمه الحقيقير :

خلف بن إبراهيم

خادم افتاء الحنابلة بمكة المشرفة حالا

راجی غفوار الرحیم

خلف بن ابراہیم

جواب: محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس میں قیام کرنا مسلمانوں کے اجماع سے جائز ہے۔ ادب کی بات بھی یہی ہے اور یہ کوئی شرع کے مخالف بھی نہیں۔ اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے اس فعل سے بھی اس کے جواز کا پتا چلتا ہے کہ آپ تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کسی نے آپ کے سامنے ابراہیم بن طہمان کا تذکرہ چھیڑ دیا تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ٹیک لگا کر صالحین کا ذکر سننا ادب کے خلاف ہے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ جو لوگ اس زمانے میں امام عصر کے تذکرے کے وقت ان کے فرمان کو سننے کے لیے (تغظیماً) کھڑے ہوتے ہیں تو اس سلسلہ میں مذکورہ واقعہ سے مجھے حسن ادب کی تعلیم مل گئی۔ انھوں نے ”فروع“ میں کہا کہ یہ بھی ایک یقینی بات ہے کہ یہ مسئلہ دائرہ اس کا اس سے کہیں زیادہ حق دار ہے۔ پس مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے قیام کرنے کے باوجود جو قیام نہ کرے تو سمجھ لو وہ پورا گوار اور اُجڑ ہے۔ اور بسا اوقات اس سے اس حرکت پر وہ مذمت و توبیخ نصیب ہوگی جس میں کچھ بھی بھلائی نہیں کیونکہ اس میں بارگاہ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی توہین ہے۔ ابن جوزی نے کہا کہ پہلے زمانے میں قیام کا کوئی رواج نہ تھا۔ پھر ترک قیام آدمی کی تذلیل و تحقیر کے درجے میں ہو گیا۔ تو اب مستحق قیام کے لیے قیام مستحب ہے۔

﴿٥٧﴾ قد أجمع عليه العلماء الأعلام من المذاهب الأربعة فلا يجوز خرق الإجماع و من

انفرد برده فكلأه باطل مردود عليه . و الله سبحانه تعالى أعلم .

أمر برقمه الراجي من الله التوفيق

عبدہ عباس بن جعفر بن صدیق

المدرس والخطيب للحرم المكي الشريف

عباس بن جعفر

جواب: چونکہ اس عمل پر مذاہب اربعہ کے اجلہ ائمہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے لہذا اب یہ اجماع توڑنا جائز نہیں۔ اور جو کوئی اس سے انکار کرے اپنی انفرادیت قائم کرنا چاہے تو اس کا کلام باطل ہوگا اور اس کے منہ پر مار دیا جائے گا۔

﴿٥٨﴾ نظرت في هذه الأسئلة و ما أجاب به مفتاتي الإسلام و علماء الأنام فوجدتها في غاية

الصواب لا يخالفها إلا من طمس الله بصره و بصيرته .

کتبہ راجی رضاء الخبیر :

عبد القادر بن محمد خو کبیر

المدرس و الإمام بالمسجد الحرام



عبدالقادر بن محمد علی

جواب: میں نے ان سوالات اور اس سلسلے میں تحریر شدہ مفتیان دین متین کے جوابات ملاحظہ کیے اور انھیں عین درست پایا جس سے انکار کی صرف وہی سوچ سکتا ہے جس کی بصیرت و بصارت دونوں جواب دے گئی ہوں۔

[۹]

ما أجاب به مفتاتي الإسلام ببلد الحرام هو الحق الذي يعول عليه و يجب المرجع و

المصير إليه.

کتبہ العبد الراجی رحمۃ ربہ المنان :

محمد رحمت اللہ بن خلیل الرحمن . عفا اللہ عنہما .

محمد رحمۃ اللہ

یہ حضرت استاذنا مولانا محمد رحمت اللہ مہاجر کی ہیں جن کا ذکر جواز "یا رسول اللہ" کے فتویٰ میں اوپر گزر چکا ہے۔

جواب: یعنی اللہ کے مقدس حرم کے مفتیان اسلام نے اس سلسلہ میں جو فتوے صادر فرمائے ہیں یقیناً وہ حق و درست ہیں۔

[۱۰]

ما کتب فی هذا القوطاس صحيح لا ريب فيه . و الله سبحانه اعلم .

حررہ :

محمد عبد الحق عفی عنہ

محمد عبد الحق

یہ صاحب ہندوستان سے ہجرت کر کے اب عرب میں مقیم ہیں۔ عالم عادل، صوفی اور قلب سلیم کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم میں برکت دے۔

جواب: یعنی اس کاغذ پر (مفتیان کرام کے جو فتاوے) تحریر ہیں وہ بلاشبہ حق و درست ہیں۔

واضح ہو کہ حرمین شریفین زادما اللہ شرفا کے قدیم و جدید یہ فتاوے ہم نے اس لیے نقل کیے ہیں کہ بعض علمائے سنت نے اجماع حرمین کو حجت مانا ہے حتیٰ کہ امام بخاری نے یہ قرار دیا ہے کہ جس پر حرمین طہیین مکہ و مدینہ کا اجماع ہو جائے وہ حجت ہے۔

ما اجمع علیه الحرمان مكة و المدينة . (۱)

شارح بخاری لکھتے ہیں

و عبارة البخاري مشعرة بان اتفاق اهل

الحرمين كليهما اجماع . (۲)

(۱) صحیح بخاری ۳۰۱۲۴۔ باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۲) فتح الباری لابن حجر ۳۸۰۲۰۔ ماذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جن لوگوں نے وہاں کے اجماع کو دلیل قطعی کے درجہ میں نہیں رکھا ہے تو اتنا ضرور کیا ہے کہ ترجیح مذہب مخالف کے لیے اس کو معتدل علیہ اور مفتی بہ ٹھہرایا ہے۔ مثلاً سورۃ فاتحہ میں مالک یوم الدین اور مالک یوم الدین دو قراءتیں ہیں اور ہر چند دونوں کے صحیح ہونے کے باوجود علامہ بیضاوی نے مالک یوم الدین کی قراءت کو ترجیح دی ہے اور یہ لکھا ہے

وهو المختار لأنه قراءة أهل الحرمين . (۱)

ہدایہ میں ہے

و المستحب في الجلوس بين الترويختين

ترویخ تین کے درمیان ترویج کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے

مقدار الترويحة و كذا بين الخامسة وبين الترويحة

یوں ہی خامسہ اور وتر کے درمیان بھی۔ اہل حرمین کی عادت

چوں کہ ایسی ہی ہے۔

لعادة أهل الحرمين . (۲)

فتاویٰ قاضی خان کی (کتاب الخطر والاباحۃ) میں ہے

اپنے مال سے مسجد کے درود یوار کی آرائش و زیبائش

لا بأس بأن ينقش المسجد بماء الذهب و

الفضة من ماله فإن الكعبة مزخرفة بماء الذهب و

الفضة مستورة بألوان الديباج و الحرير .

بھی چاندی و سونے کے پانی سے آراستہ اور ریشم و دیبا کے

رنگوں سے ڈھانپا گیا ہے۔

اور جمعہ کے روز پہلے پہر قبروں کی زیارت کو جو بعض لوگ منع کرتے ہیں تو فقہا فعل حرمین کی وجہ سے اس کا رد کرتے

ہیں۔ چنانچہ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں

وروز جمعہ فاضل ترست از روز دیگر خصوصاً در اول روز

جمعہ و ہمیں ست در حرمین شریفین و آں چہ مشہور شدہ است از منع

کی بہ نسبت زیادہ فضیلت ہے۔ اور حرمین شریفین میں یوں ہی

زیارت روز جمعہ اصلی صحیح ندارد۔ انتہی۔

راج ہے۔ اور وہ جو مشہور ہے کہ جمعہ کے دن زیارت قبور جائز

نہیں تو اس کی کوئی اصل نہیں۔

یہ چند نظریں بطور تلخیص لکھ دی گئی ہیں اس کے علاوہ اور بھی نظائر موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مفتیان دین نے

علمائے حرمین کے رواج دیے ہوئے اعمال پر اعتقاد کیا ہے لیکن وائے بر حال مخالفین کہ وہ اس طرح بے توقیری سے حرمین کا نام لیتے

ہیں کہ اہل ایمان کے دل کانپ جاتے ہیں۔

لطیفہ

ایک مقام پر دو عالموں میں گفتگو ہوئی ایک میلا دشریف کے قائل تھے اور دوسرے منکر۔

انکاری نے کہا کہ قصبہ دیوبند استفتا بھیجو پھر دیکھو وہ مولود کو کیا لکھتے ہیں۔

(۱) تفسیر البیضاوی ۶/۱۱ (۲) الغایۃ شرح الہدایۃ ۲۳۷/۲۳ فصل فی قیام شہر رمضان



اقراری نے کہا کہ دیوبند کوئی دارالاسلام تو ہے نہیں یوں کہیے کہ آئیں حرمین شریفین زلف اللہ شرفاً و تعظیماً کو استغنا بھیجیں۔

یعنی اس لیے کہ وہ دین و ایمان کا گھر ہے۔ حدیث پاک میں ہے

دین مکہ مدینہ میں ایسے سمت آئے گا جیسے سانپ اپنے بل میں سمٹ آتا ہے۔ (۱)

یعنی جیسے سانپ اپنے بل سے نکل کر ہر طرف گھوم پھر کر پھر اپنی بل ہی میں قرار پاتا ہے اور سانپ بل میں گھس کر ایسی قوت سے چبٹ جاتا ہے کہ اس کا نکالنا مشکل ہو جاتا ہے اسی طرح پہلے پہل دین مکہ مدینہ سے نکلا پھر آخر زمانہ میں بھی اگر دین کہیں نہ ہو تو یہاں ضرور ہوگا اور یہاں سے دین کو نکالا بھی نہ جاسکے گا۔

مشکوٰۃ کے ”باب ذکر الیمین والشام“ میں ہے

الإِيمَانُ فِي أَهْلِ الْحِجَازِ. رواه مسلم. (۲)

ملک حجاز مکہ مدینہ کو شامل ہے۔

غرض کہ فتویٰ اگر لکھو اور اس ملک کے علماء سے لکھو اور جس کی شہادت اور تعریف احادیث میں آئی ہے دیوبند کی شہادت کون سی حدیث میں آئی ہے!

انکاری صاحب بولے مکہ میں تو چور آدمی ہیں رستہ لوتے ہیں۔

اقراری نے جواب دیا رہنری اور مال لوٹنا یہ سب اطراف کے رہنے والے بدو لوگ کرتے ہیں خاص مکہ کے آدمی نہیں کرتے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وقت سے ہے۔

قرآن شریف میں ہے

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيَتَخَفَتِ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ. (۳)

(۱) صحیح بخاری: ۳۱۶۶ حدیث: ۱۷۴۳ صحیح مسلم: ۳۵۲۱ حدیث: ۲۱۰ سنن ترمذی: ۲۱۹۹ حدیث: ۲۵۵۳ سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۹ حدیث: ۲۱۰۲ مشکوٰۃ

المصابیح: ۳۵۱۱ حدیث: ۱۶۰ مسند احمد: ۵۱۱۶ حدیث: ۵۱۰ دلائل النبوة: ۲۸۹۲ حدیث: ۷۷۵ متخرج ابو عوانہ: ۲۳۶۱ حدیث: ۲۲۰ صحیح ابن حبان:

۳۵۵۱۵ حدیث: ۳۷۹۷ معرفۃ الصحابة: ۲۳۷۱۴ حدیث: ۲۵۰۳ موارد الظمان: ۲۵۵۱۱ امثال الحدیث: ۳۰۹۱ حدیث: ۲۵۶۱ الایمان ابن

مندہ: ۶۲۳۰ حدیث: ۲۳۳۰ فضائل المدینہ: ۱۸۱۱ حدیث: ۲۰ مسند سعد بن ابی وقاص: ۸۸۱۱ حدیث: ۷۸۰ معجم الصحابة ابن قانع: ۲۹۱۳ حدیث: ۱۰۷۹

مجمع الرواد وشیخ القوائد: ۲۳۲۲ کنز العمال: ۲۳۸۱۱ حدیث: ۱۱۹۰ مسند الجامع: ۱۱۸۳۵ حدیث: ۱۳۸۸۰ تحفۃ الاشراف: ۱۸۱۱۰ حدیث: ۱۰۷۷۸

متن حدیث یوں ہے: ان الایمان لیأرؤ إلى المدینة کما تارؤ الحیة إلى جحرها.

بہتری کتب میں یہ حدیث یوں بھی ملتی ہے: ان الدین لیأرؤ إلى الحجاز کما تارؤ الحیة إلى جحرها.

(۲) صحیح مسلم: ۱۷۸۱۱ حدیث: ۸۰ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۶۷۳ حدیث: ۶۲۶۱ مسند احمد: ۷۲۹۹ حدیث: ۱۳۰۶۸ متخرج ابو عوانہ: ۱۷۷۱۱ حدیث: ۱۳۳

مسند ابویعلیٰ موصلی: ۳۷۷۷ حدیث: ۱۸۳۹ الایمان لابن مندہ: ۳۳۲۲ حدیث: ۳۵۰ فضائل الصحابة احمد بن حنبل: ۹۲۲۳ حدیث: ۱۵۵۹ تحفۃ

الاشراف: ۸۳۲۳ حدیث: ۲۸۳۹

(۳) سورۃ یحٰیٰ: ۶۷/۲۹

تو یہ مار پیٹ اور اچک لینے کی باتیں زمانہ قدیم ہی سے وہاں بدو خارجی کر رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں لیکن کفر و شرک سے پاک ہیں۔ وہاں کے بدوے گنوار آدمی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کریں تو کریں ورنہ کفر و شرک تو اس ارض مقدس کے آس پاس کہیں نہیں ہوتا اور دیوبند میں تو کفر و شرک بھرا ہوا ہے۔ جا بجا سیتلا پوجی جاتی ہے، مندر اور شوالے بنے ہوئے ہیں سکھ بن رہے ہیں پھر دیوبند اچھا ہوا یا حرمین شریفین۔

انکاری صاحب کی طرف سے جواب ہوا کہ ہم دیوبند کے عامی جاہل مسلمان اور قوم ہندو کے مشرکوں سے سند نہیں پکڑتے، ہم تو وہاں کے علمائے اہل اسلام کی سند پکڑتے ہیں۔

اقراری نے کہا بس ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ ہم حرمین شریفین کے علمائے دین اور مفتیان شرع متین کی سند پکڑتے ہیں اور وہ سب بالاتفاق محفل میلاد شریف کو درست فرماتے ہیں پھر تم ناحق بدوؤں اور جنگلی لیبروں کا کیوں ذکر کرتے ہو؟ پہلے بھی حرمین کے خواص علماء کا حکم اور فتویٰ لیا جاتا تھا اور (علیٰ ہذا القیاس) اب بھی۔ لہذا علمائے خیر البالد کی سند منگاؤ لیکن انکاری کو خوب معلوم تھا کہ اگر وہاں استغنا بھیجا تو وہاں کے بھی علماء محفل میلاد کے انتخاب کا حکم لکھ دیں گے اس لیے اس نے انکار کر دیا کہ ہم حرمین کو نہیں ماننے (معاذ اللہ) ہم تو دیوبند کو مانتے ہیں۔

اقراری نے جواب دیا: آپ کو دیوبند مبارک ہو اس پر ایمان رکھیے۔ ہم کو حرمین شریفین مبارک ہوں اور ہمارا ایمان ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ گفتگو اسی پر ختم ہو گئی۔

اب دیکھیں کہ ان لوگوں کی یہ حالت ہو گئی کہ دیوبند کے آگے حرمین شریفین کو حقیر جاننے لگے اہل حرم کی حقارت، تحقیر حرم کی نوبت کو پہنچاتی ہے۔ قضیہ مشہور ہے شرف المکان بالمکین۔ (یعنی مکان کی زینت رہنے والے سے ہوتی ہے)

ہاے وہ حرم پاک کہ ہم پانچوں وقت نمازوں میں اپنا منہ اس کی طرف کریں

قَوْلٌ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. (۱)

ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔

سوتے وقت بھی قبلہ کی طرف منہ کر کے سونا ہے۔ اور مرنے کے بعد قبر میں دفناتے وقت بھی یہی حکم دیا ہے

اس کا رخ قبلہ کی طرف کیا جائے۔

یوجہ إلى القبلة.

اور وہاں کے باشندے تو وہ ہیں جن کی بابت صحیفہ آدم علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں مکہ کا خداوند ہوں وہاں کے

رہنے والے میرے ہم سایہ ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے

جو کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ بیت اللہ کے ہمسایہ کی تعظیم کرے۔

نیز یہ بھی روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو مکہ پر امیر کیا تو یہ فرمایا تو جانتا ہے تجھ کو کس پر مقرر کیا ہے؟ تو اہل اللہ پر مقرر کیا گیا ہے۔ وہ اہل اللہ کون ہیں؟ یہی مکہ معظمہ کے رہنے والے۔ تو ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا۔

کلام اللہ میں والیان کعب کی نسبت ارشاد ہے

(۱) سورۃ بقرہ: ۱۲۴/۲



إِنْ أَوْلِيَاءُ هَؤُلَاءِ الْمُتَقُونَ (۱)

اس کے اولیا تو پرہیزگار ہی ہیں۔

تو کعبہ کے مسلمان اولیا کو اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے تعبیر فرماتا ہے۔

افسوس یہ لوگ اس حرم پاک اور اس کے رہنے والوں کو (جو اہل اللہ ہمسایہ خدا اور پرہیزگار ہیں) کن کن حقیر لفظوں سے یاد کرتے ہیں (العظمۃ للہ) حق سبحانہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔

یہ لوگ اپنے بزرگوں کا کلام بھی بھول گئے۔ ”تحفۃ العرب والجم“ میں مولوی قطب الدین خاں صاحب لکھتے ہیں

عرب کے علماء پر جو بعض احمق لوگ طعن کرتے ہیں بڑی خطا پر ہیں اس لیے کہ وہ خیر البقاع کے رہنے والے ہیں۔ اتنی شاہ ولی اللہ صاحب ”فیوض الحرمین“ میں لکھتے ہیں

خبردار خیر دار اہل مدینہ سے دل میں ہرگز کدورت نہ رکھنا ورنہ فیضان انوار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہو گے۔ ہذا کلامہ ملخصاً۔

آدم برسر مطلب ہاں! اے محمد یو! دیندارانِ حرمین کا اقتدار اور مفتیانِ حرم کا شرف و اعتبار دل میں جما کر ذرا دیکھو تو سہی کہ وہ کن دل ربا الفاظ و معانی سے مدعا ثابت فرما رہے ہیں اور یہ نہیں لکھتے کہ صرف اہل حرم ہی اس عمل محترم کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ اپنے ساتھ ساتھ یہ شہوت بھی فراہم کر رہے ہیں کہ عرب و عجم، مصر و شام اور اندلس کے علماء بھی اس کو مستحسن فرماتے ہیں۔ میلاد کو جائز سمجھنے والوں کے اسمائے گرامی شمار کرتے وقت ہم بتا چکے ہیں کہ سعید بن مسعود کا زرونی، ملا علی قاری اور نور الدین ابوسعید بورانی نے تمام ملکوں کے علمائے کرام سے محفل میلاد کے مستحسن ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا ہے لہذا یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صرف اہل حرمین ہی اس عمل کا حکم کرنے والے اور اس کے جواز کا قول کرنے والے ہیں بلکہ حرمین کے فتاویٰ تو اہل حرمین سے پہلے نقل کر دیے ہیں۔ اب لیجیے حرمین کے علاوہ اور چند مقامات کے فتاویٰ بھی ملاحظہ کیجیے۔

## فتاویٰ بغداد شریف

بغداد شریف دوزخوں سے نہایت بابرکت ہے ایک تو یہ کہ وہاں حضرت امام اعظم کا مزار مبارک ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں حضرت غوث اعظم کا روضہ اقدس ہے۔ علاوہ ازیں وہاں مقبولین خدا کی تعداد حد و شمار سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شہر علماء و صالحین کی آماجگاہ ہے اور وہاں کے فضلاء و محدثین اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ دیکھیے کہ وہاں کے مفتیان عالی جاہ اور محققین ثرف نگاہ کیا فرماتے ہیں چوں کہ لفظ بہ لفظ عبارت نقل کرنا طوالت کا باعث ہے اس لیے ان کے خاص خاص چیدہ جملے مختصر نقل کرتا ہوں۔

مولانا سید محمد سعید آفندی دوری ادام اللہ برکاتہ

یہ حضرت غوث الثقلین کے دربار معلیٰ میں خطیب ہیں بروز جمعہ وہاں خطبہ دیا کرتے ہیں انھوں نے اثبات مولود و قیام میں چار ورق کا رسالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

حمدا لمن من علینا بإظهار أنوار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم. أما بعد! فقراءة المولد الشریف له أصل أخرجه حجة الإسلام الشيخ أبو الفضل ابن حجر العسقلانی. إلى آخره. وقد ذكر ابن تیمیہ فی کتاب ”اقتضاء الصراط المستقیم“ ان ثواب قراءة المولد المبارك غیر یسیر لما فی ذلك من حجة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وقد بسط الکلام فیہ وفي سائر البدع المقبولة و غیرها، وقال السيوطي، ظهر لي تخريجہ علي أصل آخر. إلى آخره. و رأيت الإمام ابن الجزري قال في عرف التعريف فما حال المسلم الموحد من أمة النبي صلی اللہ علیہ وسلم يبذل ما تصل إليه قدرة في محبته صلی اللہ علیہ وسلم لعمرى إنما يكون جزاءه من الله الكريم أن يدخله بفضلہ جنات النعيم، وقال الحافظ ناصر الدين الدمشقي مثله في كتابه ”في مولد الهادي“ وقال الكمال الأدفري الطالع حكى لنا صاحبنا العدل ناصر الدين محمد بن العماد ان أبا الطيب محمد بن إبراهيم السبتي المالكي نزل قوص أحد العلماء العاملين كان يجوز بالمكتب في اليوم الذي ولد فيه النبي صلی اللہ علیہ وسلم فيقول يا فقيه هذا يوم السرور اصرف الصبيان فيصرفنا فهذا منه دليل على تقريره وعدم إنكاره وهذا الرجل كان فقيها مالکيا متقنا في العلوم متورعا أخذ عنه أبو حيان وغيره ومات سنة خمس وتسعين وست مائة والقيام حين تذكر ولادته صلی اللہ علیہ وسلم بقصد التعظيم والفرح والسرور بقدم سيد الأولين والآخرين وجدته من العلماء الأعلام وقد أفتى جماعة باستحبابه عند ذكر ولادته صلی اللہ علیہ وسلم وفي مولد المدابغي رحمة الله عليه جرت العادة بقيام الناس إذا انتهى المداح إلى ذكر مولده صلی اللہ علیہ وسلم وهي بدعة مستحسنة مستحبة انتهى. و تعظيمه واجب على كل مسلم ولا شك أن هذا القيام من باب التعظيم، قال المؤلف والذي أرسله رحمة للعالمين لو استطعت القيام على رأسي لفعلت أبتغي بذلك الزلفى عند الله. عز وجل.

ترجمہ: حمد و شکر اس کی جس نے انوار محمدی ظاہر کر کے ہم پر احسان فرمایا۔ میلاد شریف کا پڑھنا درست ہے اور اس کی اصل حجۃ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی نے بیان فرمائی ہے۔ الی آخرہ۔

ابن تیمیہ نے ”اقتضاء الصراط المستقیم“ میں لکھا ہے کہ میلاد شریف پڑھنے کے اجر کو کچھ کم نہ سمجھنا چاہیے اس لیے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کا برملا اظہار ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے تفصیل سے بحث کی ہے نیز بدعت حسنہ وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ مجھ پر میلاد شریف کی ایک اور اصل آشکار ہوئی ہے۔ الی آخرہ۔

علامہ ابن جزری فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اس موحد کا کیا حال ہوگا جو آپ کے میلاد



شریف پر خوشیاں مناتا ہے اور آپ کی محبت میں اپنی بساط کے مطابق خرچ کرتا ہے مجھے اپنی عمر کی قسم اللہ کی طرف سے اس کی جزا یہی ہے کہ وہ اپنے فضل فراواں سے اسے جنت النعیم میں داخل فرمائے۔

حافظ ناصر الدین دمشقی نے بھی اپنی کتاب ”مولد الہادی“ میں یوں ہی تحریر فرمایا ہے۔

کمال ادنیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے ایک منصف دوست نے کہا کہ ابو الطیب سہمی ماکلی ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو مکتب جاتے اور فرماتے کہ اے فقیہ! آج خوشی کا دن ہے بچوں کو چھٹی کر دو۔ یہ ابو الطیب پر ہیزار اور بڑے پختہ عالم تھے ابو حیان وغیرہ کا ملین ان کے شاگرد ہوئے ہیں۔ ۶۹۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

رہا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت موقع پر کھڑے ہونے کا مسئلہ تو بڑے بڑے علمائے کرام نے اس کے انتخاب کا فتویٰ دیا ہے۔ اور مولد مدافعی میں ہے کہ میلا دخواں جب اپنے اختتام کو پہنچتا ہے تو اس وقت لوگوں کا قیام کرنا اور اٹھ چلا آرہا ہے اور یہ بدعت مستحکم ہے اور تعظیم رسول تو ہر مسلمان پر واجب ہے۔

یعنی مولف کتاب فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو قدرت و طاقت ہوتی تو قربت الہی پانے کے لیے ذکر ولادت کے وقت میں پاؤں نہیں بلکہ سر کے بل کھڑا ہوتا۔

اس تحریر مذکور کی تصریح جناب مولانا عبد السلام فرماتے ہیں جو حضرت غوث الثقلین قدس سرہ کے مدرسہ کے مدرس اول اور حضرت نقیب صاحب سجادہ کے استاد ہیں بغداد میں شیخ العلماء کے لقب سے جانے جاتے ہیں ان کی عبارت یوں ہے۔

اطلعت علی هذه العجالة فرأيتها صحيحة غير أن من شك فيها فهو مخذول.

حرره مدرس الحضرة القادرية

عبد السلام

عبد السلام

یہ رسالہ عجلہ میری نظر سے گزرا مجھے یہ پورے طور پر صحیح و درست نظر آیا۔ اب اس میں شک کرنا کسی ذلیل و خوار ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

اور اس فتوے کی تصدیق میں جناب مولانا بہاء الحق صاحب رقم فرماتے ہیں جو سلطان روم کی طرف سے حضرت امام اعظم کے مدرسہ میں مدرس اول ہیں۔

تأملت في هذه الرسالة فوجدتها مبنية على الإيمان و الحب بخاتم الرسالة فطوبى لمن أعطى هذه النعمة الفائقة.

حرره مدرس مدرسة الإمام الأعظم قدس سره عبده

بهاء الحق القرشي

و يُحَقِّقُ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ

میں نے اس رسالہ کو بڑی ژرف نگاہی سے دیکھا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس رسالہ کی بنیاد ایمان اور جان ایمان صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت پر اٹھائی گئی ہے۔ تو بڑا خوش بخت ہے وہ جس کے حصہ میں یہ سعادت آئی۔

بغداد کے مفتی سابق مرحوم (جن کی تفسیر روح المعانی آٹھ جلدوں میں مصر سے چھپی ہے) ان کے خلیفہ رشید سید محمد شکر (جو اپنے باپ مرحوم کی طرح عالم بے نظیر ہیں) تحریر فرماتے ہیں۔

لقد تشرفت بمطالعة هذه الرسالة فرأيتها مشتملة على نصوص العلماء الأجل مشاهدة

لمولفها بأنه حاذق الفضل كله

الفقيه إلى الله تعالى

الوسي راحة السيد محمود شكري

السيد محمود شكري

اس رسالے کے مطالعہ کا مجھے شرف حاصل ہوا میں نے اسے اجلہ علماء کے استشادات سے مزین پایا اس کا مولف اقبال مند ہے اس کے ذریعہ اس نے فضل و کمال کے میدان مار لیے۔

بغداد کے مفتی وقت سخت بیمار تھے تو ان کے فرزند مولانا جمیل صدیقی نے فتویٰ ہذا کی یوں تصدیق فرمائی۔

قد نظرت إلى هذه الرسالة الجليلة فرأيتها بإحقاق الحق كفيلاً.

وكيل المدرس في المدرسة السليمانية رهاوى راحة

جميل صدقي

جميل صدقي

یہ جلیل القدر رسالہ مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو میں نے اسے احقاق حق کا کفیل پایا۔

مفتی بغداد کی نگرانی میں کام کرنے والے جو تمام شرعی احکام میں فتویٰ دیتے ہیں تحریر فرماتے ہیں۔

إن هذه الرسالة لحرية بقبول لا يشك فيها إلا مطرود و مخذول.

حسني الوهاب

یہ رسالہ شرف قبولیت پانے کی اپنے اندر صلاحیت رکھتا ہے ایسے رسالہ کے اندر شک و شبہ کوئی راندہ و خوار ہی کر سکتا ہے۔

مدرسہ حضرت غوث الثقلین کے دوسرے مدرس جن سے فی الحال آج کل شہزادے درس لیتے ہیں۔



قد قلت إذا لقيت هذه النقول صحيحة حرية بالقبول يا مهملاً أهملت حق الرسول  
تعامياً أو مرضاً في العقول .

المدرس الثاني في حضرة القطب الكيلاني راوی راحة

عبد اللطيف

عبد اللطيف

اس رسالے کے مضامین پڑھ کر جب اسے قبولیت کا سزاوار پایا تو میں نے کہا "اے غفلت کیش، کیا تو اندھے  
پن یا کسی شقاوت قلبی کی وجہ سے رسول اللہ کے حق سے ست پڑ گیا ہے؟

جامع حسن پاشا کے مدرس علی افندی ترک رقم فرماتے ہیں :

وجدها مشتملة على نقول صحيحة لا يرتاب فيها إلا معاند أو مكابر مخذول .

حرره مدرس حسن پاشا علی

علی

میں نے اس رسالے کو صحیح و درست عبارتوں پر مشتمل پایا۔ اب اس میں شک کے کیڑے نکالنا کسی جھگڑاؤ نفس  
دشمن اور خوار و رسوا شخص ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۴ھ (1886ء) کا بغداد شریف کا محررہ یہ فتویٰ یہاں تبرکاً نقل کیا گیا جسے زیادہ تحقیق درکار ہوا۔  
عمل مولد شریف کے مستحسن ہونے پر شرقاً و غرباً اجماع جمہور امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم معلوم کرے۔ وہ فتویٰ مطبوعہ بہم پہنچائے جس  
میں تمام علمائے مصر و شام وغیرہ کی مہریں ہیں۔

## علمائے ہندوستان کی مہریں

اب ہندوستان کے ان علمائے کرام کی مہریں نقل کی جا رہی ہیں جو اپنے وقت کے فرد کامل تھے ان میں  
علمائے فرنگی محل کے فتاویٰ بھی ہیں جو محمد مصطفیٰ خاں صاحب کے مطبع مصطفائی میں چھپے تھے جس کو ان کے مضامین بالتحقیق دیکھنے  
ہوں کتاب مذکور بہم پہنچا کر دیکھیے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خاص ربیع الاول کے ساتھ میلاد شریف کا تعین کوئی فرض و واجب تو نہیں  
ہاں البتہ بہت سے علماء و محدثین نے اس کو مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے۔ اور یہ کہنا کہ جو چیز قرون ثلاثہ میں نہ ہوئی وہ بدعت سیئہ ہے  
صحیح نہیں۔ اور پھر جب آیت کریمہ: وَتُعَزُّوهُ وَتُوقِّرُوهُ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ثابت ہوگئی تو محفل میلاد  
میں ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہونا (جو کہ تعظیم رسالت ہی کا ایک فرد ہے) وہ بھی بخوبی ثابت ہو گیا۔ یہ بدعت سیئہ  
ہرگز نہیں ہے۔

(۱) حررہ ابوالبرکات رکن الدین محمد المدعو بتراب علی عفی عنہ

(۲) محمد سعد اللہ عفی عنہ۔

(۳) محمد لطف اللہ عفا اللہ عنہ وحماء۔

(۴) ابوالاحیاء محمد المدعو بالنعیم۔

(۵) ابوالحسن محمد صالح۔

(۶) محمد عبد الوحید۔

(۷) ابوالبقا محمد عبد الحکیم ۱۲۳۰ھ۔

(۸) حفیظ اللہ ۱۲۳۲ھ۔

(۹) نعیم اللہ ۱۲۳۷ھ۔

(۱۰) علی محمد ۱۲۶۲ھ۔

(۱۱) محمد عبد الحکیم ۱۲۶۲ھ۔

انہی میں دہلی و بریلی اور رام پور افغانان کے علماء کے فتاویٰ بھی ہیں۔ واضح ہو کہ محفل میلاد شریف اور قیام کے جواز  
میں "غایۃ المرام" نامی ایک کتاب (مطبع علوی) سے ایک ہزار دو صد و ہفتاد و یک (۱۲۷۱ھ) میں چھپی تھی جس میں دہلی و بریلی اور  
رام پور وغیرہ چند مقامات کے مستند علماء کے فتوے جمع کر کے شائع کیے تھے۔

چونکہ سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ دہلی بھی محفل میلاد شریف کے استہباب کا عقیدہ رکھتے تھے اور ایک رئیس مسلمان اسلام کی  
شوکت و احتشام کا سبب ہوتا ہے تو رئیس المسلمین اور رزین المسلمین سمجھ کر ان کی مہر بھی علمائے دہلی کی مہروں کے ساتھ کرائی گئی تھی۔  
شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے مولوی مخصوص اللہ صاحب مرحوم بھی اس وقت زندہ تھے تو امتحان محفل میلاد شریف پر ان کی  
مہر بھی لی گئی۔ جسے ہر عالم و فاضل کی تحریر بالتحقیق حرقاً و فاداً یعنی منظور ہوا سے اصل کتاب منگوا کر ملاحظہ کرنا چاہیے۔ ایک سو بائیس  
(۱۲۲) صفحات کی اس کتاب میں محفل میلاد شریف کو اس کے جملہ مروجہ تعینات مثلاً قیام اور تقسیم فاتحہ وغیرہ کے ساتھ جائز بلکہ  
مستحب لکھا ہے۔ اس کے متفرق صفحات سے کل (۶۷) اہل علم و فضل کی مہریں اور دستخط یکجا کر کے نقل کرتا ہوں اور ہر عالم کا نام ایک  
چوکور شکل میں مندرج کر رہا ہوں۔



حکیم احسن اللہ خاں وزیر (۱)	قاضی احمد الدین خاں	قاضی محمد علی خاں صاحب	حضرت شاہ احمد سعید مجددی	حضرت احمد سعید صاحب	خلف حضرت احمد سعید صاحب
محمد عزیز الدین	سید تفضل حسین	رضوی (۲) سید یعقوب علی	محمد رضا علی خاں	مولوی مخصوص اللہ (۳)	احمد حسین
میر محمود علی	غلام حسین	محمد عبد الواحد	محمد لطیف علی خاں	در شہر علم محمد علی	جلال الدین محمد کمال
طالب المولیٰ مذکر	مولانا فرید الدین (۴)	فخر العلماء محمد عبد الجامع خاں	عبید اللہ ولد محمد رفیع اللہ	ان اللہ جمیل محب الجمال	واللہ یوید وینصر من یشاء
عبد الکرم	محمد یعقوب علی	کرم نبی	یا حافظ	محمد عبد العلی	علی حسین
محمد لطف اللہ	نور النبی	محمد عبد اللہ	علی الدین	آل نبی	مقصود علی
حسین حافظ شریف	شہد از ظہور حسن علم عدل را شہرت	سبط محمد گل باغ جاوید	نظام الدین احمد	محمد علی خادم العلماء	وزیر علی
مولانا محبوب علی شاہ علی خلف سید	آمدہ تاج محمد سر عالم علی	محمد سلامت اللہ	فضل رسول فاضل بدایونی	سید بشیر علی امروہوی	مولوی دادار بخش
حسن الزماں	محمد فضل حق	رفیع اللہ	وحید الدین	محمد فضل اللہ	فضل حسن
محمد عبد الحق	محمد حیات	محمد خلیل الرحمن	ولد مولوی سید احمد محمد حیات	کریم اللہ صاحب	عمدۃ العلماء شرع متین مفتی مولوی محمد شرف الدین (۵)

(۱) حاشیہ: عبارت ان کی یہ ہے: واعظین محلہ وہابیہ بالیقین قدم الزائرۃ سنت ہرون تھاوندو ادوا اعتزال و خروج فرض داوندو لغم ماقبل واعظ شہر کہ مردم تلاش می خواہی وقول رائیہ آئین ست کہ او آدم نیست و جہد اللہ کہ بنوز در مذہب حق چنین علماء مستند کہ باحقاق حق سے پروا نہ دے مفتی صاحب صدرا الصدور دہلی مدرس اول مدرسہ دہلی جو عالم فاضل تھے اور حکیم کے لفظ سے دہلی میں مشہور و معروف تھے

(۲) یہ اور مولانا محمد رضا علی خاں صاحب مقبولین بریلی میں سے ہیں

(۳) مولوی مخصوص اللہ صاحب 'مولوی رفیع اللہ صاحب کے بیٹے ہیں اور یہ شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم دہلوی کے

(۴) واعظ جامع مسجد دہلی۔ یہ عالم بڑے منطقی تھے

(۵) مفتی شرف الدین صاحب نواب والی رام پور کی عدالت کے عظیم الشان مفتی اور ایک مشہور و معروف فاضل تھے

قدیمی قلمی نسخے سے علماء اکرام کی مواہیر کا عکس

۲۳۴

<p>حکیم حسن الصفی صاحب وزیر مفتی صاحب صدر الصدور درویشی بہ مدرس اول مدرسہ دہلی بہ عالم فاضل کہ حفظ کتب حدیثی معروف بودہ</p>			
			
<p>مفتی احمد الدین فاضل تاجی محمد علی صاحب مدرسہ شاہ محمدی و قلعہ شہزاد سید بیگ خانہ عزیز احمد سید حسنا</p>			
			
<p>فاضل جامع علوم مولوی مولانا محمد علی صاحب مدرسہ جامع مسجد کریم احمد صاحب مدرسہ جامع مسجد</p>			
			
محمد عزیز الدین	تغیث حسین	رضو علی	محمد رضا علی خان
میر محمد علی	غلام حسین	محمد عبد الواحد	محمد لطیف علی خان
طالب المولیٰ	محمد علی و علامہ شریعہ	محمد یقوب علی	یا حافظ
عبد الکریم	عبد اللہ و علامہ شریعہ	محمد یقوب علی	محمد بنی
محمد لطف اللہ	محمد رفیع اللہ	محمد عبد اللہ	علی الدین
حسین	شہزاد نور حسن	سبط محمد	نظام الدین احمد
حافظ شریف	علم و عدل و شریعت	علی بابا وادی	خادم العلماء

صاحب قلوب  
عاشق شوق الیوس  
والی با صوبہ کی  
خداوت کے  
مفتی غلام حسن  
نور محمد صاحب

۱۶  
۱۳



اہل سنت و جماعت خیال فرمائیں کہ اخیر کے ان دونوں فتوؤں میں ہندوستان کے کیسے کیسے جلیل القدر علماء محفل میلاد شریف کے استحسان پر مہر فرما رہے ہیں۔ مثلاً مفتی سعد اللہ صاحب، مولانا تراب علی، مولانا سید محمد مدرس اعلیٰ، فضل حق، مولانا محمد حیات، مولانا حیدر علی مصنف ”تنبی الکلام“، مولانا سلامت اللہ صاحب، مفتی صدر الدین خاں صاحب، مفتی شرع متین مفتی شرف الدین صاحب (وغیرہ)۔

ہم نے اس وقت کے علمائے ہندوستان سے مہر نہیں کرائیں صرف علمائے سلف کی نقل مواہیر پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اب ذرا غور فرمائیں کہ اس لمحہ تاسعہ میں ہم نے جن علمائے عالیین اور فضلاء کا لیٹن کے نام ذکر کیے ہیں وہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے جملہ ملکوں کے تمامی علماء و فقہاء کے نام نہیں، اگر ان سب کو جمع کر دیا جائے تو اللہ اکبر ایک دفتر تیار ہو جائے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

اگر آں جملہ را سعدی الملائکند مگر دفترے دیگر انشا کند

یہ تو صرف چند مقامات کے چند علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن یہ بھی کیا کچھ کم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا جم غفیر اور ایک بڑی جماعت ہے۔ تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اہل سنت کی اتباع لازم ہے۔ آپ فرماتے ہیں

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَدَّ شَدَّ فِي النَّارِ (۱)

اس کی تحقیق محدثین کے حوالے سے پہلے گزر چکی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بڑی جماعت کی پیروی کرو کیوں کہ اس سے بچھڑنے والا آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ یعنی جب علماء میں اختلاف رونما ہو تو جس طرف اکثر مسلمین ہوں ان پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ تو حدیث ہے اب فقہ کا مسئلہ نہیں۔ علامہ شامی نے ”شرح در مختار“ جلد دوم باب صدقۃ الفطر میں تصریح کی ہے

فَبِانِ الْمَانِعِينَ جَمْعَ يَسِيرٍ وَ الْمَجُوزِينَ جَمْعَ غَفِيرٍ وَ الْاعْتِمَادَ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْجَمْعُ الْكَثِيرُ (۲)

جائز کہنے والا گروہ خاص بڑا ہے اور اعتماد داسی پر کیا جاتا ہے جس پر بڑا گروہ ہوا کرتا ہے۔

نیز ”رسم المفتی“ کی جلد اول میں لکھا ہے

فَإِنْ اختلفوا يؤخذ بقول الأكثرين .

اگر علماء میں اختلاف پڑ جائے تو اکثریت کا قول لیا جائے گا۔

مولوی قاسم صاحب نانوتوی بھی اس دلیل کو حق جانتے ہیں چنانچہ ”مصابح التراويح“ (مطبوعہ مطبع ضیائی) کے صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں اتفاق اکابر و تسلیم اوشان یا جم غفیر از و شاں نیز دلیل است۔ الی آخرہ۔

مولوی اسماعیل صاحب بھی ”تذکیر الاخوان“ کی (فصل سات) میں کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۳۸۱/۱ حدیث: ۱۷۳۰ مستدرک: ۳۷۸/۱ حدیث: ۳۵۸۱ سنن الواردۃ فی الفتن للذہبی: ۳۴۰/۱ حدیث: ۳۷۰ الفقیہ والحنفہ خطیب

بغدادی: ۳۶۶/۱ حدیث: ۳۱۳ المقاصد الحسنة: ۹۶/۱ کشف الخفاء: ۳۳۳/۱ کنز العمال: ۲۰۶/۱ حدیث: ۱۰۳۰

(۲) رد المحتار: ۳۰۴/۲ باب صدقۃ الفطر

پھر اور کوئی مولوی مشائخ جو اپنی عقل کو دخل دے کر کوئی بات نکالے تو اس کا کیا ٹھکانہ مگر ہاں اگر اکثر دین دار مفتی پر ہی زگار اسی مسئلہ کو قبول کریں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے۔

اب دیکھیے اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ کسی مولوی مشائخ کی نکالی ہوئی بات کو اگرچہ سارا جہاں متفق ہو کر نہ مانے مگر اکثر دین دار مفتی اس کو مان لیں تو وہ بھی حق اور معتبر ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں مولوی اسماعیل صاحب، نیز مولوی قاسم صاحب فقہاء محدثین کے تابع ہیں کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں اکثر علمائے دین کا متفق ہونا ایک جانب میں دلیل حقیقت ہے یہ مسئلہ خاص ان کی زبان سے ہم نے سنوا دیا۔ اب اگر استحسان میلاد شریف کے اس موقع پر ان کے پیروکار اس دلیل سے باہر ہونے لگیں تو ہم ان لوگوں پر جابر ہو کر موکل نہیں ہوئے کہ ان کے دل و زبان کو امر حق کی طرف جبراً پھیر دیں خود سرکار خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نسبت یہ ارشاد ہے

لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُضْطَرٍ (۱)

تم کچھ ان پر کڑوا (ضامن) نہیں۔ یعنی اگر وہ حق پر نہیں تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر کچھ ذمہ نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ (۲)

بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کر دو۔

ہمارا ذمہ آئینہ حق دکھادینا تھا اور وہ ہم نے پورا کر دیا اور یہ جو مفتی اور دین دار کی قید مولوی اسماعیل صاحب نے لگائی ہے تو ان پر ہی زگاروں مثلاً امام ابو شامہ، ابوالخیر سخاوی، ابن جزری اور امام سیوطی و قسطلانی وغیرہ کے حوالے سے محفل میلاد شریف کا جواز ہم نے ثابت کر دیا ان بزرگوں کی تفصیل لمحہ تاسعہ میں ہم لکھ آئے ہیں۔ اور جو شخص شاہ ولی اللہ صاحب کے سلاسل طریقت اور اسانید علم حدیث سے واقف ہوگا اس سے یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ان مجوزین میلاد میں وہ علماء بھی بہت ہیں جو شاہ ولی اللہ صاحب کے مشائخ حدیث اور شیوخ طریقت کے پیشوا ہیں۔ تو یہ بات ہم نے تحقیق کی انتہا کو پہنچادی کہ میلاد شریف کرنا ایک جم غفیر سے ثابت ہے اور فقہ و حدیث اور ان کے مستند علماء سے یہ مضمون بھی ہم ثابت کر چکے کہ جو چیز جم غفیر سے ثابت ہو وہ معتبر، ماخوذ بہ، معتد علیہ اور لازم الاتباع ہے اور یہ دونوں مقدمے صحت کے پایہ ثبوت کو پہنچ چکے لہذا اب یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ میلاد شریف کرنا معتبر، ماخوذ بہ، معتد علیہ اور لازم الاتباع ہے۔

فَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهَدْيَ



## مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات

یا اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تو سمیع و علیم ہے تمام باتوں کو سنتا اور دلوں کے بھید جانتا ہے۔ میں نے یہ کتاب صرف اسی لیے لکھی کہ طرفین سے افراط و تفریط دور ہو اور ہر فریق اپنے غلو و تعصب سے نفور ہو۔ اگر اہل ایمان کی تکفیر و تفسیق کی وجہ سے حضرات مانعین پر کچھ تنبیہات ہیں تو طرف ثانی کو بھی اصلاح نیت اور تصحیح اعمال کے لیے واضح ہدایات ہیں۔ میں نے اپنے جملہ مسائل و دلائل کی بنیاد دنیا میں مہ کامل کی مانند مشہور علمائے مقبولین کے دلائل و اقوال پر رکھی ہے ان کی کتابیں ان ملکوں میں جا بجا موجود ہیں اور ہر ایک مسئلہ میں میں سلف صالحین کی تصانیف سے حوالہ پیش کر چکا ہوں تو میرا قول درحقیقت انہیں مقبولین کا قول ہے۔

اے اللہ ان مقبولین کے توسل سے یہ کتاب مقبول فرما اور اس کو فریقین کے لیے ”فصل الخطاب“ (فیصلہ کن) بنا۔

اے اللہ اس کتاب کی ہر دلیل، مظہر حق اور شک میں گھرے ہوؤں کے لیے ”دفع اوہام“ ہو اور یہ کتاب اپنے براہین حقانی سے برگشتہ دلوں کو تسکین بخشنے۔

یا اللہ میرے جملہ رسائل میری مغفرت کے وسائل بن جائیں اور یہ ”انوار ساطعہ“ میری اندھیری قبر کا چراغ اور میری قبر ”بہار جنت“ کا باغ ہو جائے۔ قارئین انوار ساطعہ میری اس دعا پر آمین کہنا نہ بھولیں۔

آمین یا رب العالمین، و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و

أصحابہ أجمعین برحمتک یا أرحم الراحمین

## نور چہارم

اس میں وقت کے نامی گرامی محقق فضلا اور بعض مشفق احباب کی تقریظات شامل ہیں۔

علی گڑھ

صورة ما قرظہ و رصعہ الإمام الصلہام المقدام رئیس الفضلاء عریف العلماء الذی ذاع صیت فضله فی بلاد الإسلام عجمًا و عربًا و شاع شرقًا و غربًا المشتهر بالألسنة و الأفواه مولانا محمد لطف اللہ مد اللہ ظلالة و أبقاه.

الحمد لله الذی تخضع له النواصي و یطمع رحمته کل مطیع و عاصی و الصلوة و السلام علی من بعث داعیا إلى الدانی و القاصی و علی آلہ و صحبه الذین زجرُوا الناس عن سلوک طریق الضلال و ارتکاب المعاصی و بعد فیقول المیتھل إلى اللہ محمد لطف اللہ حشره اللہ تحت لواء نبیہ النبیہ یوم یفر المرء من أخیه و أمه و أبیه قد تشرفت بمطالعة هذه الرسالة الشریفة و الصحيفة اللطيفة فرجدها بحرا یخرج منه اللؤلؤ و المرجان و جنته فیها فاکهة و نخل و رمان و شمسا أنوارها ساطعة و مرجافیه تحقیق الأنیق رائعة کیف لا و مولفها من هو فريد عصره و وحید دهره الذی علمه وسیع و شأنه رفیع أعنی مولانا محمد عبد السمیع حرس ذاته و أسعد أوقاته و مضمونها ذکر ولادة سید الأولین و الآخرین أفضل الأنبیاء و المرسلین حبیب رب العالمین علیہ من التسلیمات أفضلها و من التحیات أکملها و هذا ذکر لا یخفی علو شأنه و رفعة مکانه تحیط رحمة ربنا الأعلى بمکان یتشرف الناس فیہ بهذا الذکر الشریف و تحف الملانکة مجلسا یتجدون فیہ بهذا البیان المنیف و أما طریق الفاتحة التی هی من الرسالة لانه فیلس فی استحسانها ارتیاب إذ هی لإیصال الثواب إلى الأموات الذین یتوقعونه من الأقرباء و الأحباب و أما ما أحدثه السفهاء فیها من الأمور المنهية فلا یحکم بجوازه أحد من العلماء المتبعین الشریعة السنية لله در مؤلف الرسالة فإنه قد اختار ما هو مختار و أثرها ما هو الماثور عن الجهابذة الأبحار هذا و الحمد لمن منه الإبتداء و الیه الإنتهاء و السلام الأتمان علی من أول المخلوقات ذره و رحمة للعالمین ظهوره.

## تقریظ جناب مولانا محمد لطف اللہ صاحب دام فیضہ

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کو زیبا ہیں جس کے سامنے وجود نیاز لٹائے جاتے ہیں اور اس کی رحمتوں کی آس لگی ہوتی ہے۔ درود و سلام ہوان پر جو ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو جادہ ہدایت پر گامزن کرنے تشریف لائے اور ان کے آل و اصحاب پر



جنہوں نے لوگوں کو فتنہ ضلالت میں گرنے سے نجات عطا کی۔

حمود نعت کے بعد بندہ عاجز محمد لطف اللہ عرض پرداز ہے اللہ محشر کے کڑے دن میں لو اے حبیب لبیب تلے کھڑا ہونا نصیب فرمائے مجھے یہ رسالہ دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ رسالہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ایک سمندر ہے جس سے موتی و مونگے چھلکے پڑتے ہیں۔ ایک باغ ہے جس میں میوے اور چھہارے اور انارلدے ہوئے ہیں۔ ایک سورج ہے جس کی کرنیں پھوٹی پڑتی ہیں۔ ایک چراگاہ ہے جس میں تحقیق نفیس کے پھڑے دندنا تے پھر رہے ہیں۔ اور پھر ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اس رسالہ کا مولف نادر روزگار اور بیگانہ زمانہ ہے جس کی وسعت علمی مسلم اور جس کا منارہ فضل و کمال کافی بلند ہے یعنی مولانا محمد عبدالسمیع (اللہ ان کا نگہبان ہو اور ان کے وقت میں برکتیں اتارے) اس رسالہ کا مضمون سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے اثبات پر مشتمل ہے۔ اور پھر رفعت شان رسالت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ اس میلاد کی برکت کا عالم یہ ہے کہ جس جگہ اس ذکر مبارک کے لیے لوگ اکٹھا ہوتے ہیں وہاں اللہ کی رحمتوں کے برکے برستے ہیں اور فرشتے پوری محفل اپنے نورانی پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور فاتحہ کا جو طریقہ کتاب کے اندر بیان کیا گیا ہے تو اس کے مستحسن ہونے میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ یہ مردوں کے ایصالِ ثواب کے لیے ہوتا ہے جو ہمہ وقت اپنے دوست آشناؤں سے اس کی آس لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ہاں! کچھ نا سمجھ لوگوں نے اس میں جو کچھ خلاف شرع بات پیدا کر دی ہے تو یقیناً کسی بھی عالم شریعت نے ان کے جواز کی بات نہیں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ صاحب رسالہ کا بھلا کرے کہ انھوں نے مختار و متفق مسائل جن کران کو مستند علمائے کرام کے قوی دلائل سے مزین کیا۔ ہر قسم کی تعریفیں پروردگار کو زیبا ہیں اور درود و سلام کے تحفے رحمت سراپا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذر ہیں۔

سہارن پور

صورة ما نمقه و ہذبہ مولانا المخدوم المطاع امام الفضلاء بلا نزع الغشمشم الأعظم و الغطمطم الأفخم المالك لأزمة حقائق المعاني و البديع و البیان سباق الغایات فی مضمار كشف المعضلات یوم الرهان مقدم الجہابذة استاذ الأستاذة الذی زال وجوده الزمن الحاج المولوی فیض الحسن (خصه الله تعالى بجزائل منحاته و جلائل المنن).

لقد وردت علی رسالۃ کریمۃ مشتملۃ علی أنوار و لمعات فامعت، فیہا إمعانا بلیغا فوجدتها کافیۃ وافیۃ دالۃ علی حسن الإجابة و جودة الإصابة وسعة النظر فی الكتب حیث تمسک فیہا أقوال العلماء الأعلام و تحریرات عمائد الإسلام و ألزم المنکرین بما قال به مرشدوہم و آمن به معتقدوہم و الله إنہا قرۃ لعیون المخلصین و سخبۃ لأعیان المنکرین و الحق فی هذه المسئلۃ أنه لا بأس به و إن تمسک بما

قیل ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن و ينسب هذا القول إلى عبد الله ابن مسعود رضي الله عنه فهو مندوب مستحب و من جاء مجلسه فله أن يقوم إن قاموا و إلا فلا و هكذا يقول المولوی أحمد علی المحدث المرحوم تبعاً لأستاذہ مولانا محمد إسحاق المغفور و ما قیل أنه بدعة فهو بدعة حسنة و قد ذكرت فی اثبات البدعة الحسنة و تخصیص کل بدعة ضلالة بحثاً طویلاً فی شرحی للمشکوۃ.

کتبہ فیض السہارن فوری

## تقریظ الحاج مولوی فیض الحسن صاحب سہارن پوری

ترجمہ: انوار و لمعات پر مشتمل ایک رسالہ میری نظر سے گزرا جسے میں نے دلائل و براہین کی روشنی میں اپنے موضوع پر بھرپور پایا۔ مولف نے جواب کا جو انداز اپنایا ہے اور جن سچائیوں کو بے نقاب کیا ہے اس سے ان کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے استشادات میں صرف مستند اور معتبر علمائے کرام اور عمائدین اسلام ہی کی تحریروں کو پیش کیا ہے۔ خدا کی قسم یہ رسالہ اہل اخلاص کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور چشمان منکرین کے لیے روڑا ہے۔ اور اس مسئلہ کے حوالے سے حق بات یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر حضرت عبد اللہ بن مسعود کی طرف منسوب اس قول "ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن" کو دیکھا جائے تو پھر یہ مستحب اور مستحسن ہے۔ اور جو کسی کی محفل میں تشریف لائے تو حق یہ بنتا ہے کہ اس کی تعظیم کے لیے قیام کیا جائے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو کوئی بات بھی نہیں۔ مولوی احمد علی محدث مرحوم اپنے استاد مولانا الحق کی پیروی میں یوں ہی بیان کیا کرتے تھے۔ اور اسے جو بدعت کہا جاتا ہے تو اس سے بدعت حسہ مراد ہے۔ اثبات بدعت حسہ وغیرہ کے سلسلے میں میں نے اپنی شرح مشکوۃ میں کافی لمبی بحثیں کی ہیں۔ (طالب تحقیق وہاں رجوع کرے)

کتبہ فیض السہارن پوری

## قصور ضلع لاہور

صورة ما رسمه الصوفي الميثب النافي الأصولي المناظر المستدل بقواطع الآيات و سواطع السنن المحقق المدقق المجادل بالتي هي أحسن الفاضل الكبير مولانا أبو محمد عبد الرحمن غلام دستگیر سلمه القوي القدير.

## تقریظ حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری

مسمیاً حامداً مصلياً فقیر کے ایک دینی کرم فرما دوست سے "انوار ساطعہ فی بیان المولود و الفاتحہ" پر تقریظ



لکھنے کی تحریک ہوئی اور فقیر امرتسر میں مقیم ایک آریا پنڈت کے رسالہ ”تکذیب براہین احمدیہ“ کے بہتانات و ہدیانات کا جواب لکھ رہا ہے۔ طبیعت کا پورا لگاؤ جھکاؤ ابھی اسی طرف ہے اس لیے سر دست اتنا ہی لکھ سکتا ہوں کہ فقیر نے عربی اخبار ”شفاء الصدور“ مطبوعہ ۵ دسمبر ۱۸۸۵ء میں اس رسالہ کی تعریف و توصیف کے حوالے سے جناب مولانا فیض الحسن صاحب مرحوم و مغفور سہارن پوری کی عبارت دیکھی ہے اور میرے گمان میں مولانا موصوف مرحوم اکابر علمائے ہندوستان سے تھے اور بڑے بڑے بزرگوار صوفیہ کبار کے فیض سے فیضیاب بھی۔ تو ان کی تعریف سے اس رسالہ کا موصوف ہو جانا کافی ہے پھر اس فقیر بے بضاعت کی توصیف کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ فقیر خود محفل مولد شریف کرتا ہے اور ارواح اموات کے ایصال ثواب کو لغزشوں کے مٹانے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا بے زمان سے اختلاف کو رفع فرمائے۔

آمین یا رب العالمین، صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و عمرتہ اجمعین  
فقیر غلام دستگیر قصوری کان اللہ

واضح ہونا چاہیے کہ یہ مولوی غلام دستگیر قصوری صاحب وہ ہیں جن کی تعریف میں خود مولف براہین قاطعہ نے ریاست بہاول پور میں اپنے قیام کے دوران یہ عبارت لکھی تھی۔

حامی دین متین قانع اساس المبتدعة والضاہلین مولانا مولوی محمد ابو عبد الرحمن غلام دستگیر قصوری ادام اللہ فیوضہ الی یوم الدین

چنانچہ یہ عبارت ضمیمہ رسالہ ”تصريح بحاث فرید کوٹ“ کے صفحہ ۵ پر موجود ہے

کمال نا انصافی یہ ہے کہ مولف براہین قاطعہ نے مضامین انوار ساطعہ سے منہ پھیر اور اس کے تسلیم کیے ہوئے عالم ربانی نے جن کو وہ خود حامی دین لکھتا ہے ”انوار ساطعہ“ کو ترغاب قرار دیا قبول کیا کہ اس کے مسائل کا طرفدار ہو کر مولف براہین قاطعہ مذکور کو اس کے حمایتیان علمائے دیوبند وغیرہ کے ساتھ ۱۳۰۶ھ (1888ء) ریاست بہاول پور میں شکست فاش دی جو تمام اخبارات میں چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔

### ریاست رام پور معروف ازاں افغاناں

صورة ما رقمه البحر القمقام و النحر الهمهام تاج المحدثین سراج المتفقیین

الأديب المصقع المتكلم الكنبه العارف المحدث المفتي الفقيه جامع الشريعة والطريقة

مجمع البحرين مولانا محمد ارشاد حسين صانه الله عن كل شين

الحمد لله سبحانه و تعالیٰ حق حمده، و الصلوة و السلام الأتمان علی رسله و عبده، و علی الآل و الأصحاب الهداة إلی مناهج رشده، و بعد فإني قد طالعت هذه العجالة النافعة و العلالة الرائعة التي بفرح منها روائح مسك إخلاص النبوة، و يطوح بها دابته الطغام الغاصبين من الرتبة المحمدية، فالفيتها

مملوءة من الفوائد الخريدة الشريفة، و العوائد الفريدة العريضة، مؤسسة براهينها على الحق الصراح، مؤيدة مضامينها بالصدق القراح، لم يأل مؤلفه العلام جهدا في إصابة الحق المبين، و إبانة غوائل غواية المنكرين، بها كشفتهم الكواشف، و كسفت وجوههم الكواسف، و ضاقت عليهم الحيل، و عبت بهم العلل، و لعمرى لا وجه لإصرارهم على النكير إلا لداء العضال الذي عمهم فأعمى أبصارهم، فأضاعوا في طمس أشعة الرحمة و إشاعة مآثر معدن الرسالة أعمارهم، و لم يأتوا بشيء يتعلق به الفهم السليم، و يتلى به المقتلاق الفهيم، و لا يأتون به و لو جاؤا به من حسبه و يستهم و يكون بعضهم لبعضهم ظهيرا، و لا يجدون لأنفسهم و لو ألقوا شرارهم في تشديد النكير من الله سبحانه معوانا و نصيرا، ألم يعلموا أن النكير لهذا الأمر البين رشده يؤل إلى إساءة الأدب، و الخوض فيه يهلك و يخرب، فلله در مؤلفها النقاد، حيث أطاب و أجاد، و أتى بالحق الصريح، و ميز الباطل من الصحيح، جزاه الله سبحانه عن طالبي الحق المبين و الله سبحانه الموفق و المعين.

و أنا العبد الراقم المحتاج إلى رب الناشئين

محمد ارشاد حسين عفي عنه و عن أسلافه في الدارين

### تقریظ مولانا محمد ارشاد حسین رام پوری دام ارشادہ

ترجمہ: جملہ حمد و ثناء اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہیں جو صحیح معنوں میں سزاوار حمد ہے۔ درود و سلام کے کامل ترین تحفے اس کے مقرب بندے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل و اصحاب پر بھی جو رہنمائے رشد و ہدایت ہیں۔ حمد و صلاۃ کے بعد۔ میں نے اس کتاب نافع اور تعجب خیز رسالہ کو غفلت میں دیکھا جس میں مشک اخلاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبوئیں مہکتی ہیں اور اس سے ان کمینوں کی نسل ہلاکت کے گھاٹ اتری ہے جو اپنی آنکھیں رتبہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بند کیے لیتے ہیں۔ میں نے اس بہار کو ایسے فوائد سے بھر پور پایا جو لوگوں کی فہم سے چھپے ہوئے اور ذہن سے نکلے ہوئے ہیں اور ایسے منافع سے مالا مال پایا جو خوبی میں یکتا و محکم ہیں۔ اس کی دلیلوں کی بنیاد صریح حق پر ہے اور اس کے مضامین بالکل سچے ہیں۔ مولف علام نے امر حق کی پہنچانے میں اور گمراہی منکرین کے فساد کھول دینے میں کچھ کسر باقی نہ چھوڑی اس کتاب سے ان کے عیب کھل گئے، وہ رسوا ہو گئے، ان کے احوال بگڑ گئے، ان کے سب حیلے حوالے بے سود ہو کر رہ گئے اور ان کو دلی بیماریوں نے تھکا کر رکھ دیا۔ مجھے قسم ہے کہ ان کی شدت انکار کی سوا اس کے کوئی وجہ نہیں کہ ایک سخت بیماری نے ان کو دبایا پھر آنکھوں کو اندھا کر دیا اور اسی سبب سے انھوں نے اپنی عمریں کھپا دیں کہ کسی طرح وہ رحمت کی شعاؤں کو مٹا دیں اور جا بجا ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بند کر دیں۔ (مگر اس سلسلہ میں کبھی وہ کوئی ایسی دلیل نہ لاسکے



جس سے سمجھ کو کچھ علاقہ ہو اور کسی سمجھ دار و حجت طلب آدمی کی تسلی ہو جائے۔ اور (یقین ہے کہ) آئندہ بھی نہیں لائیں گے، اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار رہی کیوں نہ ہو جائے اور اس میں اپنی جان کو کتنا ہی کیوں نہ کھپا دے لیکن اللہ پاک کی طرف سے کوئی اپنی جانوں کا مددگار نہ پائیں گے۔ کیا نہیں جانا انھوں نے کہ اس کھلے راست و درست امر میں انکار کرنا بے ادبی ہے اور اس سلسلہ میں باتیں بنانا ہلاکت و خرابی کو دعوت دینا ہے۔ واہ مولف کتنا نفیس پارکھی ہے کہ جس نے ایسا اچھا اور عمدہ رسالہ لکھا اور حق صریح کی جھلک دکھا کر بچ کو جھوٹ سے جدا و ممتاز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو طابین حق کی طرف سے جزائے خیر دے اور وہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

## رام پور

صورة ما هذبه و شذبه الفاضل الخبير الفاضل البصير الجليل الشهير الجميل  
الجهير كشاف دقائق المعقول حلال حقائق المنقول مولانا محمد اعجاز حسين رفع  
الله درجاته في الدارين.

احمدك يا من جلت قدرته و عظمت هيئته و ظهرت صنعته الباهرة و علت جلالته القاهرة أرسل  
رسوله بالحق بشيرا و نذيرا داعيا إلى الحسنات قمرا منيرا و جعل انعقاد مجلس ميلاده منطوقا لنص و  
رفعنا لك ذكرك و رغم أنف من ترك القيام عند ذكر ميلاده صلى الله عليه وسلم الميث بنص  
لتعزروه و تؤقروه و الصلوه و السلام على خير الأنام إلى يوم القيام و على صحبه البررة الكرام و أهل بيته  
العظام و بعد

واضح رائے عقیدت انتماے ذوی الافہام عاشقین سید الانام کے ہو کہ عالم با عمل فاضل اجل قانع بدعت جامع سنت حرم حق  
بحر مدق حقائق آگاہ دقائق پناہ قدوة السالکین عمدة الکاملین زبدة علمائے کعب مولوی محمد عبد السبع صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے  
ایک تقریر اور تحریر دل پذیر یعنی کتاب لا جواب اور صحیفہ لطیفہ انتخاب یادگار خلف و سلف مضمون فائقہ مسمی بہ انوار ساطعہ فی الملوود و  
القائمہ تصنیف کر کے ہر خاص و عام کو اس کے فیض سے شاد کام کیا چنانچہ ایک نسخہ اس کا پاس راقم الحروف کے پہنچا نجیف نے وہ کتاب  
من اولہ الی آخرہ بالتفصیل دیکھی واہ واہ سبحان اللہ کیا عمدہ طرز جواب اور طریقہ آداب جاری رکھا ہے اور کلمات اکابر مقتدایان گروہ  
مخالفین سے جن کی مخالفت ان پر حرام ہے جواب میں تمسک کیا ہے مصنف نے حق جواب دندان شکن کا ادا کر کے دریائے نور الانوار  
الساطعہ بہا کر نہر لغات کی کھول دی اس پر بھی اگر پیاس تشنگان میدان مخالفت کی باقی رہی تو خدا حافظ

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل

کہ خضر از آب حیوان تشنمی دارد سکندر را

و لله در المجيب فذاک جواب عجيب و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين و صلى الله تعالى

على خاتم النبیین و آلہ و أصحابہ أجمعین فقط

و أنا العبد أبو النعمان محي الدين  
محمد اعجاز حسين مجددي عفي عنه و عن والديه و المسلمين بحق خاتم النبیین

## بریلی

صورة ما رصعه الطمطمطم الغزير و الصلهاام الكبير مفحم المناظرین مسكت  
المجداد لین مروج عقائد الحق و الدين قانع أصول المتبدعين فريد العصر و حيد الزمان  
مولانا محمد احمد رضا خان سلمه الله العزيز الرحمن و صان عن نواب الزمان و خص  
بلطفه ما تعاقب الملوان

انوار ساطعة سطعت من سنا بدر الإيمان و أقمار لامعة لمعت من سيناء صدر الإيقان فذارت و  
سارت و نارت و أنارت و إلى البر تدلت و على البحر تجلت فهبجت عبابا فهبأت سحابا فهنأ بقاء  
جنات دفاعا و أرسلت عرفا و عصفت عصفا فحملت و قرا فأجرت يسرا فقسمت أمرا فاقطرت  
قطرا فأمطرت مطرا إن الحمد لله رب العالمين و الصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد و آلہ و  
صحبه أجمعين رب صلاة و سلاما يعقدان دواما مجالس الأنس في حظائر القديس لتبجيل مكانه و  
يقومون قياما لوعة و غراما في مجامع الأملاك و محافل الأفلاك بتعظيم شأنه و سقى الله ذو  
الجلال بزال الأفضال تربة من قال

قليل بمدح المصطفى الخط بالذهب ❊ على فضة من خط أحسن من كتب  
و أن ينهض الأشراف عند سماعه ❊ قياما صفوفًا أو جثيا على الركب  
و قلت مضمنا

سواد عيون العين عين و سنا ذهب ❊ و لوح نحور الحور لاح كما يحب  
فان يمل جبريل لقال أولو الأدب ❊ قليل بمدح المصطفى الخط بالذهب  
على فضة من خط أحسن من كتب

يقوم بحق المدح قوم فلاحه ❊ توله و قم بالوجد قومة والہ  
فحق خضوع الوجه رغما لكاره ❊ و أن ينهض الأشراف عند سماعه  
قيامًا صفوفًا أو جثيا على الركب

و بعده فاستمع يا سعد! إن الذي لا قبل له و لا بعد قد قضى قبل خلق السماء و صوت الرعد إن  
الواجب على كل من عبد بعد ذكر الصمد العمد و الصمد إلى المدح و الحمد لأعظم كرم و أكرم  
نعم و أجل رحمة و أجلى منة سيد الرسل و هادي السبل و إمام الكل و مكثر القل رافع الغل



دافع الضل' امجد مولود' احمد محمود' اسعد مسعود' وجود الجود' و اصل الوجود' نعمة الجليل' و دعوة الخليل' و بشر المسيح' و بشر الذبيح و بغية الكليم' بوادي التكليم' و اكرم كريم' على ربه العظيم سيدنا و مولانا محمد النبي الامي' الامان الامان' الضمان الضمين صلى الله تعالى عليه وسلم و على آله و صحبه و بارك و عظم و قد قال عز من قائل: ألم تر إلى الذين بدلوا نعمة الله كفرا' نعمة الله محمد صلى الله تعالى عليه وسلم' قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أخرجه البخاري في الصحيح العلم' و قال تعالى: و أما بنعمة ربك فحدث' فوجب التحديث بما من الله به على المؤمنين من وجود هذا الحبيب المكين عليه الصلوة و على آله الطيبين. و قال تعالى: و ذكرهم بأيام الله' و أي أيام الله أعظم من يوم ولادة المصطفى عليه أفضل الصلوة و أكمل الثناء و قال تعالى: قل بفضل الله و برحمته فبذلك فليفرحوا' و من عقائد الإيمان أن محمدا صلى الله تعالى عليه و سلم رحمة المتان' شهد بذلك الحديث و القرآن' و كذلك فضل الله محمد صلى الله تعالى عليه و سلم تسليما جليلا حكاها الماوردي في قوله تعالى: و لو لا فضل الله عليكم و رحمته لاتبعتم الشيطان إلا قليلا. فقد أوجب المولى سبحانه و تعالى على أمته' الفرحة بولادته' فحق لنا أن نتخذ مولده عيداً' و إن رغم أنف من كان بعيداً' و على هذا مضى جهابذة الأئمة' و سادة الأمة' و كاشفوا الغمة عليهم من ربهم رضوان و رحمة حتى جاء قوم يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم' و يتحدثون بالحديث فلا يكون راقبهم' أصولاً أصولاً' ضللت المسلمين قادة و تبعه' و فصلوا فصولاً ففرقوا دينهم و كانوا شيعاً' و كان مخرجهم نجد' كما جاء به الوعد' من صاحب المجد صلى الله تعالى عليه و سلم فهاجوا و ماجوا' و ثاروا و باروا' و جازوا و حاروا' و على الحرمين المحترمين أغاروا' فالدماء سفكوا' و الأموال ملكوا' و المؤمنون فتكروا' و الحرمات هتكوا' فظنوا أن أهلكوا و ما هم أهلكوا' و لكن هلكوا' و عما قيل يرون ما سلكوا' و كان قصارى مرأهم و قصوى مرأهم' و في الشقاق و النفاق هم ما هم' أن يحمدوا ذكر من رفع الله ذكره' و يضعوا قدر من عظم الله قدره' و يطفئوا نورا من أتم الله نوره يؤذوا المؤمنين أحياء و أمواتا' و خالفوا الدين نقضاً و اثباتاً' فحاربوا جباراً' ملكاً قهاراً' سراً و جهاراً' ليلاً و نهاراً' و أصروا إصراراً' و استكبروا استكباراً' و مكروا بالإسلام مكراً كباراً' فالأنبياء تلبوا' و الأولياء سلبوا' و الإسلام خلبوا' و الإلحاد جلبوا' و بالجملة كلبوا' فالدين قلبوا' فماذا يراد' بمجلس الميلاء' أو إيصال الأجور إلى أوصال القبور' حتى يعد إنكاره في مفاصلهم' و يذكر بجانب مكائدهم' قاتلهم الله أنى يؤفكون' و سيعلم الذين ظلموا أي منقلب ينقلبون' فلما أبادهم الله تعالى إبادة' و أمطر عليهم مطراً الهلاك و زيادة' حتى تداعت ربوع فجد للثور' و تنادت بواكيها بالويل و الثبور' لجأت بواقها إلى ديار شاعرة' عطاش الفتن بأفواه فاعرة' و لم تدر أن لله في كل حين عباد صالحين' يذبون عن الدين' و يؤكدون اليقين' و يؤيدون

الإيمان' و يشيدون الإيقان' و لله المنة و منه الإحسان' فلم يرعها إلا جنود مجندة' بسيوف مهندة' من الله مؤيدة' فردوا المكائد في نحور الكائدة' و واعوا المفاصل إلى نار موقدة' تطلع منها على الأكباد و الأفتدة' حتى التجأت كبراها في الجدل إلى البهت و الافتراء' و احتراق الكتب و اختلاف العلماء' و خلع ربة الحياء' عن ربة الرياء' فيتحير الناظر' في زبهم الظاهر' و طيهم الباطن' و عيتهم الخاسر' و غيهم الخاسر' و كيدهم العظيم' و صيدهم العديم' فنشيد الحكيم

ولا أدري و سوف أخال أدري ❁ أقوم آل نجد أم نساء  
فمن في كفه منهم خضاب ❁ كمن في كفه منهم لواء  
تظن بدهته فيهم رشيدا ❁ و ان تمعن فرشدهم هباء  
فما فيهم رشيد الصدق إلا ❁ رضيع أو تبيع أو غداء  
فما معنى تجاوزهم و لكن ❁ عسى الحنان يهدي من يشاء

هذا و ان من أولئك الجنود' مهلكي العنود' في الزمان الموجود' أخانا في الله ذا الفضل و الجاه' و القدر الرفيع' و الفجر الواسع' و الحكم الوكيع' و الجد المنيع' و المجد السنيع مولانا المولوي محمد عبد السميع صين عن كل شنيع' و فزع فظيع' كل مساء و سطيع فاني وقفت على بعض ماله من اطائب الكلام' فوجدت جله دافع الأوهام و راحت القلوب بنهج محبوب و أنوار ساطعة و حجج قاطعة فالله يجزيه الجزاء الحسن بمنع المنع بمنع المحن' و الحمد لله في السر و العلن' و الصلوة و السلام على السيد الأمن' و آله و صحبه محاة الفتن' و حماة السنن' و هداة السنن' ما طلع سهيل من اليمن.

قاله بقمه و رقمه بقلبه عبده الفقير الذليل الحقير

عبد المصطفى أحمد رضا

المحمدي السني' الحنفي' القادري' البركاتي' البريلوي

غفر الله له و حقق أمله' و أصلح عمله' و لم شته و في الصلحاء بعثه آمين.

### تقریظ جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب

ترجمہ: ایمان کے چاند کی چمک سے روشنیاں اٹھیں اور سینا سے سیۃ یقین کے پہاڑ سے چمکتے ہوئے چاند روشن ہوئے پھر دورہ کیا انھوں نے اور سیر کی اور خود روشن ہوئیں اور دوسروں کو بھی روشن کیا جنگل کی طرف جھکیں اور دریا پر جلوہ کیا پھر بہت پانی کا جوش ابھارا اور ابر تیار کیا اور خوش خبری دی قطعات زمین میں باغوں اور میدانوں کو لالہ زار کر دیا پے در پے ہوائیں چلائیں اور زور سے جھونکے دیئے پھر اس نے بوجھ اٹھوایا اور اس کو نرمی سے چلایا پھر کاموں کی تقسیم



کی تو بوندیں پکائیں پھر مینہ برسائے بلاشبہ حمد و ستائش کی سزاوار وہی ذات ہے جو دنیا جہاں کی پالن ہار ہے اور درود و سلام کے تحفے آقاے کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور ہیں۔ اے پروردگار (اپنے احمد حبیب مختار) پر وہ درود و سلام نازل فرما جن سے پاکیزہ مقامات میں عظمت محمدی کی سر بلندی کے واسطے انس کی محفلیں منعقد ہوتی رہیں اور عشق و محبت اور قلبی جھکاؤ کے ساتھ بصد تکریم نوریوں کی انجمن اور آسمان کی محفلوں میں قیام ہوتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شعر کے کہنے والے کی تربت آب ہائے زلال افضال سے سیراب کر دے۔

اگر کوئی ماہر خطاط ورق سبیں پر آب زریں سے نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رقم کرے تو بھی کم ہے اور حق نعت ادا ہونے سے رہا۔ اور اہل شرف و مجد مدح حبیب کی تعظیم میں صف بستہ اور گھٹنے کے بل کھڑے ہوئے تب بھی سماع نعت کا حق کما حقہ ادا نہ ہوا۔

اور میں نے اس پر تضمین کہی ہے

خو رعین کی آنکھوں کی سیاہی اگر آب زریں بن جائے اور ان کے سینے خوبصورت تختیاں بن جائیں اور جبریل امین اس پر حرف نعت اجالیں (تب بھی نعت گوئی کا حق نہیں ادا ہو سکتا) اور شاعر و فرمیز کہہ اٹھے گا: قلیل لمدح المصطفیٰ۔

ذرا دیکھو سرکار کی مدحت و نعت تعظیم تمام کے ساتھ وجد میں آکر اور والہ و شفیق ہو کر لوگ کس طرح کر رہے ہیں تو تمہارے لیے اس سے غفلت زیبا نہیں ہے۔ سچ یہ ہے کہ مدح یوں ہی ٹوٹ کر کرنی چاہیے خواہ جلنے والے غیظ میں جلتے مرتے رہیں کہ وَاَنْ يَنْهَضَ الْاَشْرَافُ ....

حمد و صلاۃ کے بعد اے بلند بخت سن! اللہ تعالیٰ آسمان کے پیدا ہونے سے پہلے یہ حکم دے چکا کہ تمام عبادت کرنے والوں پر واجب ہے کہ خدائے پاک کے ذکر کے بعد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت کیا کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بڑی بخشش و جود نعت فراواں رحمت بیکراں اور واضح خوبیوں کی حامل ہے۔ انبیاء و رسل کے سردار نیک راہ بتانے والے سب کے امام و پیشوا! قلت کو کثرت سے بدلنے والے قید کا بند اٹھانے والے گمراہی دور کرنے والے احمد و محمود امجد مولود اسعد مسعود بخشش کے سرچشمہ و جود کے منبع! خدا کی نعت دے! خلیل! بشارت عیسیٰ! نوید ذبیح! تمناے کلیم! اپنے رب کے تئیں بڑی عظمت و کرامت والے سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا. کیا تم نے انھیں نہ دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعت ناشکری سے بدل دی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نعمۃ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ. اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے مومنین پر جو احسان عظیم فرمایا ہے اس کا چرچا ہم پر ضروری ہے۔

اور اللہ نے فرمایا: وَذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ. اور انھیں اللہ کے دنوں کی یاد دلاتے رہو۔ تو سرکارِ دو عالم نور مجسم ﷺ کے یوم ولادت سے بڑھ کر اور کون سا دن بڑا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ قَبْلُ لَكَ فَلْيَفْرَحُوا تَمَّ فَرَاؤُ اللّٰهِ ہِی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔ اہل ایمان کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ربانی اور فضل الہی کا سرچشمہ ہیں اور قرآن وحدیث اس پر گواہ ہیں جیسا کہ ماوردی نے رب تعالیٰ کے اس قول: وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ وَرَحْمَتُهُ لَا تَبَعْتُمْ الشَّيْطَانَ اِلَّا قَلِيْلًا کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ فضل اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر اظہار مسرت امت پر واجب فرما دیا تو ہمیں چاہیے کہ ہم سرکار کے مولود مبارک کو عید بنالیں اگرچہ مخالف کتنی مخالفت کرتا رہے، اور امت کے بڑے بڑے ائمہ کا یہی موقف رہا ہے اللہ انھیں رحمت و رضوان سے نوازے پھر کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو قرآن پڑھتے ہیں مگر ان کے گلے سے اوپر نہیں چڑھتا، حدیث پڑھتے ہیں مگر اس سے نفع اندوز نہیں ہو پاتے ان لوگوں نے ایسے قاعدے گڑھ لیے ہیں جن سے ان کے سب خادم و مخدوم گمراہ ہو گئے اور ایسے دستور وضع کر لیے جس سے ان کے دین میں بگاڑ پیدا ہو گیا حالانکہ وہ بظاہر بیرون دین سے گئے جاتے ہیں۔ ان کی اصل نکاحی نجد سے ہوئی جیسا کہ غیب داں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش آگاہی فرمادی تھی کہ یہاں سے زلزلے اور فتنے رونما ہوں گے تو وہ لوگ نجد سے موج در موج نکلے ظلم و تعدی کا بازار گرم کیا لوٹ مار عام کر دی اور حریم شریفین پر چڑھائی کر دی خون ناحق کی ندیاں بہائیں مالوں پر قبضے جمائے اور مسلمانوں کو ہلاکت کے گھاٹ اتارا قابل عظمت چیزوں کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے اپنے زعم میں وہ مسلمانوں کو نابود کر چکے مگر ہلاکت ان کے قریب بھی نہ آئی دراصل یہ لوگ خود ہی لقمہ ہلاکت بن گئے اور قیامت کو اپنا کیا پائیں گے۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ اس ذکر کو گل کر دیں جسے اللہ بلند فرمانا چاہتا ہے فرمایا حق تعالیٰ نے: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ. اور ناقدری کریں ان کی جن کی قدر و منزلت اللہ نے بڑھائی ہے: وَتُعْزِزُوْهُ وَتُقَوِّرُوْهُ. اور بجا دیں ان کا نور جن کو فرمایا: وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ. اور زندہ مردہ مسلمانوں کو ایذا پہنچائیں تو ان لوگوں نے یہ لڑائی دراصل اللہ عزوجل سے باندھی انبیاء کی بے ادبی اولیا کی ناقدری اسلام کی تراش خراش اور دامن الحاد میں بود و باش! گویا دین ہی اور ہو گیا پھر مجلس میلاد کا انکار اور ایصال ثواب سے بیزاری چہ معنی دارد؟ اللہ ان کی تہمتوں کا انھیں خمیازہ چکھائے۔ عنقریب یہ عقل کے دشمن جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ گرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاکت کی وادی میں اتار دیا اور نجد میں کہرام مچ گیا تب بقیہ ماندہ دور دراز شہروں میں پھیل گئے ان کی کھوپڑی میں یہ بات نہ آئی کہ ہر وقت میں اللہ تعالیٰ کے کچھ نیک بندے اور برگزیدہ بندے رہے ہیں جو ایمان و یقین کی کشت کو شاداب رکھتے اور دین متین کی کھات میں سرگرداں رہتے ہیں تو اللہ کا شکر و احسان کہ ان کے واسطے بھی اللہ نے جھٹ ایسی فوجیں تیار کر دیں جنھوں نے اللہ کی سرف سے تائید یافتہ شمشیر براں



کے ذریعہ مفاسد و مکائد کے پرچے اڑا دیے اور ان کی فتنہ سامانیوں کو آتش سوزاں کی نذر کر دیا تب ان کے بچے بچائے اس بات پر آئے کہ جنگ و جدل اور بہتان و افتراء میں حد سے گزر گئے، کتابیں گڑھ ڈالیں، نئے نئے ملا پیدا کیے اور شرم و حیا کا قلاوہ اتار پھینکا، ایک ظاہریں ان کا ظاہری پوشاک اور پر مطلب اخلاق و کردار دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ وہ دلیلوں سے بالکل بے چارے اور ہارے ہوئے مگر بیوقوفوں کے بہکانے اور پھسلانے پر تیار اور بڑے مغالطہ باز اور مکار و عیار ہیں۔ کسی دانائے راز نے درست فرمایا ہے مجھے نہیں معلوم کہ یہ نجدی مرد ہیں یا عورتیں۔ جن کے ہاتھ حنا آٹھنا ہیں اور جن ہاتھوں میں نیزے حمل ہیں کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں؟

اگر تم ان میں کسی کو بے نظر ظاہر رشید خیال کرو تو ادنیٰ تاہل کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ رشد نے انھیں چھو اتک نہیں۔ غرض کہ ان میں کوئی رشد سچا نہیں سب کے سب دعا باز غارت گرا اور مکار ہیں۔

پھر اگر ان لوگوں نے جو رو جفا اور ظلم و ستم کیا تو یہی ان کے لائق تھا۔ اللہ انھیں ہدایت سے نوازے۔

الحاصل: دونوں جنھوں نے منکرین کو ٹھکانے لگا دیا، ان میں سے اس زمانہ میں ایک ہمارے دینی بھائی صاحب عظمت و کرامت اور بہت ساری خوبیوں کے مالک مولانا مولوی محمد عبد السیاح صاحب ہیں اللہ انھیں تمام آفات و خرافات سے بچائے مجھے ان کے کچھ پاکیزہ کلام مثلاً: ”دافع الاوہام“ ”راحت القلوب“ اور ”انوار ساطعہ“ دیکھنے کا اتفاق ہوا جنھیں میں نے اسم با سنی پایا۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ اور ظاہر و باطن ہر حال میں اللہ کا شکر کرتا ہوں۔ اے اللہ! اپنے حبیب اعظم ﷺ اور ان کی اولاد و اصحاب پر لگا تار درودوں کے پھول اور سلاموں کے گجرے بچھا اور فرما جب تک ستارہ سہیل وادی یمن میں چمکتا و مکتا رہے۔

اسے اپنے منہ سے کہا اور خود سے لکھا اللہ کے بندہ فقیر ذلیل و حقیر

عبد المصطفیٰ احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی نے

اللہ اسے بخشے مراد سفر فرمائے اور بروز محشر صلوات امت میں اٹھائے۔ آمین۔

بدایوں

صورة ما زينه نبراس المؤمنين منور الإسلام و الدين كاشف الظلام كالبدن التمام داعي الأنام إلى سبيل السلام الزاهد المتورع العابد المتبرع جامع العلوم العقلية و النقلية كاشف المكنونات الخفية الحاج المولوى عبد القادر لا زال بالمعالي و المفاهيم.

بسم اللہ الرحمن الرحیم رسائل راحت القلوب و دافع الاوہام و انوار ساطعہ و غیر ہا مولفات حضرت بابرکت عاشق اذکار جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و حامی دین توہم و صراط مستقیم حاج الحرمین الشریفین فاضل نامی و متورع گرامی مولانا محمد عبد السیاح صاحب زاد برکاتہم کہ ہم در فضائل و کمالات جناب حضرت خاتم الانبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تالیف فرمودہ اند و ہم در دفع

اوہام منکرین مجالس اذکار شریفہ و دیگر امور مشروبات لطیفہ تصنیف نمودہ مطابق و موافق تحقیقات جمہور محققین از فقہا و محدثین اند منکران کہ براہ خدیعت و خیانت کہ شعار طوائف اہل ضلالت ست طعن و تشنیع جاہلانہ می نمایند عوام اہل اسلام بران گوش نہ ہند و سعادت اتباع جمہور ائمہ دین را از دست نہ ہند حق سبحانہ مولف ممدوح را برکات دارین عطا فرماید و خاتمہ فقیر و جملہ اہل اسلام بخیر نماید آمین۔

حررہ الفقیر احقر الطلیحہ : عبد القادر عفی عنہ

## تقریظ حضرت مولانا عبد القادر بدایونی

ترجمہ: حضرت بابرکت عاشق اذکار جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و حامی دین توہم و صراط مستقیم حاج الحرمین الشریفین فاضل نامی و متورع گرامی مولانا محمد عبد السیاح صاحب زاد برکاتہم کی تالیفات ”راحت القلوب“ و ”دافع الاوہام“ اور ”انوار ساطعہ“ وغیرہ جو جناب حضرت خاتم الانبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات سے متعلق ہیں اور اوہام منکرین مجالس اذکار شریفہ کو دفع کرنے اور دیگر افعال خیر کے سلسلہ میں تالیف کی گئی ہیں فقہاء و محدثین میں سے جمہور محققین کی تحقیقات کے مطابق و موافق ہیں۔ ہم راہوں کی طرح خیانت و دھوکہ دہی اور جاہلانہ طعن و تشنیع کرنے والے منکرین کی باتوں پر عوام اہل اسلام کو بالکل کان دھرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اتباع جمہور ائمہ دین کی سعادت کو ہاتھ نہ جانے دیں۔ اللہ تعالیٰ مولف ممدوح کو دارین کی برکتوں سے سرفراز فرمائے اور فقیر و جملہ اہل اسلام کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

ممبئی

صورة ما أفاده القلہد الكبير و الغظمم الغزير محقق العلوم العقلية مدقق الفنون النقلية الشيخ الأجل الأفل البحر الأوحده الأكمل الصوفي المقتفى بآثار رسول الله صلى الله عليه وسلم مولانا الحاج مولوى عبید اللہ الحنفی القادری البدایونی المدرس الأعلى للمدرسة المحمدية الواقعة في بلدة بمبئي خصه الله دائما بفيضه الجلي و الخفي.

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لمنير أنار الحق لأهله فغدت أنواره على منار الهدى ساطعة و منور نور الصدق بتنوير أبصار أولي الأبصار فأصبحت مصابيح من مشكاة صدورهم لامة و الصلوة و السلام على سيدنا محمد مفتاح خزائن العلوم الذي إشارات له كنوز الحقائق فاتحة و مصباح دفائن الفهوم الذي ترى الأفهام بلمعاته دقائق المعاني على صفحات البيان لائحة و على آله أصحابه الذين بذلوا مهجهم الكريمة لبهيج الدين فتباهجت روضة منمنة يانعة دريت بمساعيهم الجميلة شقائق الحقائق فراها تزهو على ربا



الإسلام رائقة رائعة، أما بعد فإني قد تشرفت بمطالعة هذه الصحيفة الشريفة، و سرحت نظري في مضامينها العجيبة اللطيفة، فوجدتها بالله كاسمها أنواراً ساطعة، و رأيت نجوم الهدى من بين أسطارها طالعة، تهدي إلى الحق لكل ضالة غوية، و تهدي الصواب إلى كل ذي فطرة سوية، ما من مسألة إلا و تركتها واضحة جليلة، و لا من معنى إلا و كسته ببيان الحلّ حلا سدياً، جمعت من المطالب رعي الله منشئها كواكب درية، و نظمت من المآرب حمى الله موشئها جواهر مضيئة، تهدلت أفنانها بفنون الفوائد و ترنحت أغصانها بعين العوائد، تقر بهجتها النواظر، و تسر بنزتها الخواطر كيف لا و هي روضة رضية مزهرة بأزهار التحقيق، و حديقة ندية منورة بأنوار التدقيق، طوبى لو اردھا مورداً هنياً و بشرى لناظرها منظراً سنياً، فما لهؤلاء القوم عنها راغبون، و يمرون عليها و هم عنها معرضون، و قد حق لها أن تترنم على قصباتها بالقبول عنادل فهو الفحول، و بلابل العقول، جزى الله ممهداً جزاء موفوراً و جعل سعي منضداً سعيًا مشكوراً.

حرره و أملاه العبد الأوّاه الراجي رحمة مولاه عبيد الله

عفا عنه ما جناه و حماه بحماه عما لا يرضاه و سلّكه فيما يحبه و يرضاه

### تقریظ جناب مولوی عبید اللہ صاحب قادری بدایونی

ترجمہ: سب تعریف اس کو ہے جس نے حق والوں کے لیے حق روشن کیا تو ہدایت کے بینار پر اس کی روشنیاں بلند ہو گئیں۔ اور اہل بصیرت کی آنکھوں کو روشن کر کے صدق کو روشن کیا تو راستے کے چراغ ان کے سینوں میں چمکنے لگے۔ اور درود و سلام ہمارے سردار محمد ﷺ پر جو علوم کی کنجی ہیں ایسی کنجی جس سے اشاروں میں حقیقتوں کے خزانے نکلتے ہیں اور ایسے چراغ ہیں جس کی روشنی میں معانی کے دقائق صاف نظر آتے ہیں۔ اور آپ کی آل اصحاب پر جنھوں نے دین کو رونق بخشنے کے لیے اپنی جانیں کھپا دی تھیں تو خوب رونق پر آیا اس کا نگارین باغ پھلا ہوا، اور ان کی سعی سے حقائق کا گل لالہ پھولا۔ تو اب اسلام کے بلند مکانون پر خوش نما پھول کھلے ہوئے دیکھو۔ حمد و صلاۃ کے بعد عرض ہے کہ میں اس صحیفہ شریف کے مطالعہ سے مشرف ہوا اور میں نے اپنی نظر اس کے مضامین لطیفہ کی سیر میں چھوڑ دیا۔ اللہ کی قسم میں نے انوار ساطعہ کو اسم باسمی پایا۔ میں نے اس کی سطروں میں ہدایت کے تارے چمکتے دیکھے ہیں ہر جھلکتے کو اس سے راہ ملتی ہے ہر اچھی سمجھ والا اس سے راہ صواب پاتا ہے ہر مسئلہ کا اس میں ثانی بیان ہے اور ہر معنی کو شیریں بیانی سے خلعت زیب پہنایا ہے۔ اس کتاب میں کیا چمکتے ستارے جمع ہیں (اللہ اس کے مصنف کا نگہبان رہے) اور کیا جواہر مہینہ اس پر جڑ دیے ہیں اللہ اس کے سجانے والے کی حمایت کرے۔ اس کی گراں باری کثرت فوائد سے ٹہنیاں نیچے جھک گئیں۔ اور شاخیں اس کی عمدہ منافع کے بوجھ سے لچکنے لگیں اس کے رونق جمال سے آنکھیں روشن

ہوتی ہیں اور اس کی خوبی سے دل خوش ہوتے ہیں، اور کیوں نہ ہوں کہ وہ ایک باغ ہے جس میں تحقیق کی کلیاں لگی ہیں اور تدقیق کے پھول کھلے ہیں۔ خوش خبری ہے اس کو جو اس باغ میں آئے اور نظارہ کا مزہ پائے۔ نہیں معلوم کیا ہوا اس قوم کو جو اس سے بے رغبت ہیں اور اس پر چلتے ہوئے کتراتے ہیں اور یہ اس قابل ہے کہ عقل کی بلبلیں اس کی ٹہنیوں پر چچھا کریں۔ اللہ اس کے آراستہ اور مرتب کرنے والے کو جزاے خیر دے اور سعی کو مشکور فرماوے۔ لکھا اس تقریر کو امیدوار رحمت اور بندہ عبید اللہ نے اللہ اس کی خطا معاف فرمائے اور نامرضیات سے بچائے اور اپنی پیاری مرضیات کے راستہ پر چلائے۔

مبینی

صورة ما قرظه العابد الزاهد المرتاض العارف المرشد الفياض هادي السالكين  
مرشدا لناسكين المولوي الصوفي السيد عماد الدين الرفاعي النزيل بمحلة بهندي بازار  
أجر الله فيوضه الباقية الصالحة إلى يوم القرار.

الحمد لله الذي بعث رسولا في الأميين و فضله على الأنبياء و المرسلين و جعل ميلاده رحمة للعالمين، و أنزل الفاتحة شافية للمؤمنين، و الصلوة و السلام الأتمان الأكملان على سيدنا محمد شفيع المذنبين، و آله الطيبين، و أصحابه المهتدين أجمعين. أما بعد فرأيت الرسالة النافعة "الأنوار الساطعة في بيان الميلاد و الفاتحة" التي ألفها الفاضل الأجل المنيع، المولوي محمد عبد السمیع (سلمه الله تعالى) و جزاه خير الجزاء) فوجدتها مشتملة على الأدلة القوية و الروايات الصحيحة الفقهية (جعل الله سعيه مشكوراً و نفع به المسلمين موفوراً) و من أنكر الفاتحة و مجلس الميلاد فهو من المتوهين المضلين، تاب عليهم خير التوابين، و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

كتبه العبد المسكين السيد عماد الدين الرفاعي

كان الله له كما كان لأسلافه، و عفا عنه و عن والديه و أخلافه

### تقریظ جناب مولوی سید عماد الدین صاحب رفاعی

ترجمہ: اللہ کا شکر جس نے ان پڑھوں میں رسول بھیجا اور اس کو سب پیغمبروں پر بزرگی بخشی اور ان کے میلاد کو تمام عالم کے لیے رحمت کیا اور اس نے جملہ مؤمنین کو شفا دینے والی فاتحہ نازل فرمائی۔ اور پورا پورا درود و سلام ہمارے سردار محمد شفیع المذنبین پر اور سب آل پاک اور اصحاب ہدایت پر۔ اس کے بعد کہتا ہوں کہ میں نے رسالہ نافعہ "انوار ساطعہ" دیکھا جس کو بڑے فاضل مولوی عبد السمیع نے تالیف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے اور اچھی جزا



عنایت کرے۔ میں نے اس رسالہ کو قوی دلیلوں پر شامل پایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے اور جو کوئی فاتحہ اور مجلس میلاد شریف کا انکار کرے وہ فرقہ و باہی اور گمراہوں میں ہے اللہ اس کو توبہ نصیب کرے۔ اب ہم آخر میں پڑھتے ہیں الحمد للہ رب العالمین۔

لکھا اس کو بندہ مسکین سید محمد الدین رفاعی نے اللہ اس کے لیے ایسا ہو جائے جیسا کہ اس کے بزرگواروں کا ہوا تھا اور اس کے ساتھ اس کے والدین اور پیچھے آنے والوں کی تقصیر معاف فرمائے۔

### حیدر آباد دکن

صورة مرقمه المنطيق الكيس الخبير التحرير الجهيذة البصير الناظم الناثر المنشيء  
الأديب الفلسفي الحكيم الطيب كثير التأليف جيد التصنيف مولانا وكيل أحمد نائب  
صوبه شرقي دكن صانه الله ذو المن عن نواب الزمن و حوادث الفتن  
بسم الله الرحمن الرحيم

ستائش مرشارعے را کہ شارع عام شریعت را از خاشاک بدعت و ہوا پاک رفتہ تا در فضاے اس گلستان ہمیشہ بہار ہزاراں گل ہدایت در شکفتہ و نیایش مرتقی را کہ قانون اسلام را در کشورستان قلوب اہل ایمان رائج فرمودہ و از میان فیوض اس معنی ابواب تحقیق کمالات بر خواطر آل و اصحاب بر کشودہ۔ اما بعد بندہ در گاہ احد وکیل احمد سکندر پوری مولدا و الحظی مذہب و التقشیدی مشربامی گوید کہ بر ضمیر منیر اشراقات تئویر ارباب فضل و ہنر مجتب نخواہد بود کہ ارتکام ظلام بدعت و ہوا کی آفتاب ہدایت را آن قدر تاریک نہ ساختہ کہ طیرانی ذرات حقائق را بہال افشانی از یاد نیارد و خاشاک افشانی صرصر ایں وادی چنداں بر طرق اسلام خس خاشاک نیفشاندہ کہ سالک مسالک شریعت را پابانگ در نیاید روز افزونی قدر رائج ایں سنگریز ہا کہ ساد بازاری متاع جوہر تحقیق و موسوسہ انگریزی خیالات ایں موسوساں بر ہمنی خانماں تصدیق چہ روزگار عبرت انگیز است کہ حکمت در اں در ضلالت افتادہ اند و چہ زمانہ حسرت خیز است کہ جہالت پرور اں در امحاث متین حکمت آمادہ حریفی خواندہ اند و بدعوی تحقیق رسیدہ اند معنی نذر یافتہ اند و بدہم کہنہ تلاشی مضمون آشنا گردیدہ معانی کہ بضابطہ شریعت نبوی وفاق دارند بہ ابتداء آں قائل اند و امورے کہ در تحت من سن سنة حسنة داخل اند تحریم آں مائل اند کہ ہستہ کہ در مسالک ایں وادی سلوکت در زد و کجاز ہرہ کہ از پائے مخائل و اوہام غابات ایں فیانی را در نور دو بحر اللہ و بمنہ مصنف ایں انوار ساطعہ چہ بحر بردہ و چہ اعجاز دمی بہ پایہ بیان در آورده کہ از سطوح انوارش بر دیدہ بے بصران حکم خفاش درست آمد و از لوع لعاش آب در چشمہ آفتاب میرزد الحق نور را با ظلمت تضادے تمام متحقق بود کہ چون تنویرات شمعانی آفتاب از مشرق نہایت پر تو انگیزاں گرد و زلف لیلای لیل را چہ یار کہ با خرق بازی جہراش بال کشاید مرغان اسولہ معترضان در چنگال اجوبہ ایں رسالہ صید بازی شہباز و فرجگان نمودہ و قامت اعتراض مانند خار و سرکشیدہ کہ جلاد اں توجیع از شمشیر اشارت فرقتش را نہ بریدنہ از گل چینیش خار و خاشاک بدعات بریدہ شد و از نصارت فرمایش گلشن کدہ ہدایت شکفتہ نخل فقاہت از ریشہ دوانی معانیش در عمل جوشی اجتہاد و گلبن شریعت از بہار فروزی نسیم کلامش در عطر ریزی ریاض اعتقاد از افتتاح فاتحہ کلامش معنی فتوحات حاصل و از

نور باری یواقت اسرارش دیدہ کہ سوادان عاقل عیسیٰ و مے مسائل باریکش مستعد احیای علوم و گنج کاوی سینہ الہام را لبش قفل کشایہ مخازن فہوم افشہ لمعاش سرمدہ بیز سواد دیدہ انوار معارف فیوضاتش منور قلوب اسرار تو ضیع عبارتش تنقیح فرمائے تلوح معانی و منارات معانی مطالعش نور الانوار موطن روحانی در مختار معاندہ بے بہاست محیط معانی و مدعاست کشف طینتی بیتائش در مختصر بیانی الفاظ مطول فروش و کان مضمون فتوح غیب عسا کر معانیش در ملک گیر طبل نوید گوے افواج معانی موزوں چون تمدن شاری ایں رسالہ سترگ در پاس مقام اظہار سرفرو و در ادوا لی آنکہ بدیں مدعا اختتام توصیف کنیم رع

قبول خاطر اہل ہدی باد فقط

### تقریظ مولوی وکیل احمد صاحب سکندر پوری

ترجمہ: جملہ مدح و ستائش اس شارع کو سزاوار ہیں جس نے جادہ شریعت کو خاشاک بدعت و ہوا سے پاک و صاف کر دیا تاکہ اس فضاے گلستان میں دائمی بہار کے ہزاروں گلستہ ہدایت مہکتے رہیں۔ اور وہ مفتی بھی پورے طور پر مستحق ستائش ہے جس نے دلوں کی سلطنت پر قانون اسلام کا سکہ رائج کیا۔ اور اس کے فیوض و کمالات کے حصول کے دروازے آل و اصحاب پر وا کر دیے۔ اما بعد

بندہ در گاہ احد وکیل احمد مولدا سکندر پوری مذہب خفی اور مشربانقش بندی عرض گزار ہے کہ نوری شعاعوں سے منور ارباب فضل و ہنر کے ضمیر روشن پر جت نہ ہوگی کہ بدعت و ہوا کی ظلمات نے آفتاب ہدایت کو اتنا تاریک نہیں بنایا کہ حقیقت کے ذرات کی پرواز کو اپنے بال کھولنے سے روک سکے۔ اور اس وادی کے ہوا کی خاشاک افشانی کسی طریقہ سے شاہ راہ اسلام پر خس و خاشاک نہیں ڈال سکتی کہ راہ شریعت پر گامزن شخص کے پاؤں کو کہیں کوئی ٹھوکر نہ لگ جائے۔ اس سنگریزے کی بوہتی ہوئی قدر رائج کو نہ بازاری جوہر تحقیق کا سامان اور ان ارباب و ساوس کے انگریزی خیالات اور گھریلو جھگڑوں کی تصدیق کس قدر عبرت انگیز ہے کہ جس کی وجہ سے اہل حکمت کے پاؤں بھی جادہ ضلالت پر پڑے۔ اور کس قدر حسرت ناک زمانہ ہے کہ جہالت کی پشت پناہی کرنے والے حکمت کی ستین بحثوں میں پڑ گئے حال یہ ہے کہ حروف ابجد سے بھی بے خبر ہیں مگر دعویٰ یہ ہے کہ انھیں تحقیق میں کمال حاصل ہے۔ معنی کو خیر آباد کہہ چکے ہیں اور مضمون کی بوسیدہ ترجمانی سے آشنا ہو گئے۔ وہ معانی کہ جو شریعت نبوی کے ضابطے پر برابر اترتے ہیں اس کو بدعت کا لیل چسپاں کر دیا اور وہ امور جو من سن سنة حسنة کے تحت داخل ہے ان کو حرمات کے چوکھٹے میں فٹ کر دیا۔ کس کی ہمت تھی کہ اس وادی سلوک اور مشکلات سے بھرے ہوئے ان جنگلات کو اس قدر تیز رفتاری کے ساتھ عبور کر سکے۔ ذرا دیکھیں کہ اللہ کے فضل و احسان سے مصنف انوار ساطعہ نے کیسے ساحرانہ اور اعجازانہ انداز میں اس بیابان کو اپنے زور بیان سے طے کیا ہے کہ اس کے انوار کی تابندگی سے آنکھیں موند لینے والوں پر ایک طرف تو حکم خفاش راست آیا اور دوسری طرف اس کی شعاعوں کی خیرگی سے چشمہ آفتاب کی تابانی بھی لرز اٹھی۔ سچی بات یہ ہے کہ نور و ظلمت میں بہر اعتبار تضاد



ہے آپ خود دیکھیں کہ شعلہ آفتاب کی چمک جب مشرق سے پرتو انگیز ہوتی ہے تو لیلہ شب کی زلفوں کی کیا مجال کہ اس کے مقابلہ میں جلنے پر اتر آئے اور اپنے بالوں کو کھول دے۔ معترضین کے مرغان اسولہ نے اس رسالہ کے بارے میں سوال و جواب کا ایک سلسلہ شروع کر کے شہباز اور مولے کا مقابلہ شروع کر دیا۔ لیکن ان کے خار کے مانند اعتراضات کو کبھی سراٹھانے کی ہمت نہ ہوئی کیوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جلاد شمشیر کے اشارے سے ان کے پرچے اڑا دے۔ اس کی گل چینی سے بدعت کے خس و خاشاک کاٹ دیے گئے اور فرمایوں کی تازگی سے گلشن کدہ ہدایت بہار آشنا ہو گیا۔ نخل فقاہت اس کی جڑ سے اس کے معانی کا برتن جوش اجتہاد سے شریعت کا گلستان بہار کی آمد سے اس کے کلام کی باونیم عقیدے کے باغچہ عطر بیز سے اور اس کے کلام کے آغاز سے فتوحات معانی حاصل ہو گئیں۔ باری تعالیٰ کے نور کی برکت سے اس کے یاقوت جواہر اندھوں کی آنکھوں کے لیے دم سجا ہیں۔ اس کے دقیق مسائل اور اس کے سینہ الہام کی گنج کاوی احیاء علوم کے لیے آمادہ ہے۔ اس کی رائے عقل و دانش کے خزانوں کے لیے قفل کشا ہے اس کے ”اشعہ لمعات“ دیدہ انوار کے لیے سرمہ بیز ہیں۔ اس کے فیوض و برکات کے معارف قلوب اسرار کو نور بخشنے والے ہیں۔ اس کی عبارت کی وضاحت تلوخ معانی کی تنقیح کرنے والی ہے۔ اس کے مطالب کے معانی کے منار نور الانوار ہیں۔ در مختار کے روحانی معر کے پیش قیمت موتیوں کے ہار ہیں۔ معانی و مدعا کا محیط سرشت بیتان کے لیے کشاف ہے۔ اس کی مختصر الفاظ بیانی مطول فروش ہے۔ اس کے عسا کر معانی کا فتوح الغیب معدن مضمون ہے۔ فتوحات میں خوشی کا نقارہ ہے معانی موزوں کی فوجوں کا گیند ہے ایسے عظیم و جلیل رسالے کی تعریف و توصیف مقام اطناب میں اظہار انکسار ہے۔ بہتر یہ ہے کہ میں اپنے مدعاے توصیف کا اختتام اس مصرع پر کر دوں

قبول خاطر اہل ہدی باد فقط

### احمد آباد گجرات

صورة ما سطره النحر الفهامة والبحر العلامة واقف أسرار المعقول والمنقول  
كاشف أستار الفروع والأصول دامغ جيش الأباطيل مشئت شمل المخاذيل المدعو  
بمولوي فذير أحمد خان الرامپوري المدرس في بلدة أحمد آباد أبقاءه الله بالصدق و  
السداد والهداية والرشاد.

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد للخالق الذي خلق نور نبيه أول جميع المخلوقات فجعل منه الأنبياء  
و الصديقين والشهداء وسائر المكنونات وأرسله آخر كل النبيين رحمة للعالمين وسخر له الملك و  
الملكوت والأرضين والسموات وأفضل الصلوات والتحيات على خير الأنام الذي من علينا ببعته  
العزیز العلام بقوله في كتاب المنزل المكرم الذي هو أقوم البينات وأدوم المعجزات وأمر فيه بتحديث

النعمه و آية نعمة تساوي ولادته فذكرها انفراداً و إجماعاً بهيئة الاحترام والإكرام كيف لا يكون من  
الحسنات و العبادات و آله و أصحابه الذين عزروه و وقروه بأفئدتهم و جوارحهم فبلغوا في الدرجات إلى  
أقصى الغايات و من بعدهم من محققي الفضلاء البطول و الكلمة الفحول اتفقوا على ممر الأعصار في  
الأمصار على احتفال ذكر ولادته و استحسنا القيام عنده على الإقدام فنالوا البركات المتواليات أما بعد  
فإني طالعت هذا الكتاب أعني ”الأنوار الساطعة في بيان المولود و الفاتحة“ للعالم الأفاضل و الفاضل  
الأبجل التحرير الرفيع و البحر المنيع المولوي عبد السميع (أطال الله بقاءه و رزقنا و إياه لقاءه و رضائه  
و جزاءه الله عني و عن جميع المؤمنين الصالحين خيراً و كفاه الله أعداءه و حساده ضيراً) فرجده منورا  
لقلوب المحبين سيد المرسلين و دليلاً قاطعاً لإثبات الفاتحة و ميلاد خاتم النبيين و برهانا ساطعاً لإثباتهما  
على المنكرين المتبعين غير سبيل المؤمنين فلا يخفتي ضياءه إلا على العنيد الغوي الذي مقلته عمياً و  
الأعمى الغبي الذي لا يرى شعاع الذكاء في وسط السماء قال المتنبى في الذي هو كذلك عاذراً له لما  
هنالك شعر

و لو خفيت على الغبي فعاذر أن لا تراني مقلته عميه

فجدير للمؤلف اللودعي في مقابلة مثل هذا أهل العمي و الغي البغي أن يسلك مسلك الشاعر الماهر  
المتني و أرجو من الله جل برهانه و عظم شأنه أن لا ينكر مضامين هذا الكتاب أحد من العاقلين المنصفين  
المتأدبين و إن كان من قبله لقللة التدبر و النظر على الكتب من المنكرين لأن المؤلف القمقام التحرير  
الفهام أوضحها أيضاً حالاً يأتيه الإنكار و أظهرها إظهار الشمس بلاد الشرق و الغرب في نصف النهار و  
أقام البيئة عليها فصارت عند الإزدحام كالجبال الراسية و تصدى لدفع الاعتراضات التي تقولها أهل  
البدعات السيئات فأجاب عنها بأجوبة مرضية شافية فلا يسع لمن له قلب سليم إلا التسليم بالتكريم و أما  
الذين أشرب في قلوبهم حب المكابرة و المعاندة و كان دابهم العداوة و المضادة ديدنهم عن الحق  
الاستكبار و عن الهداية الاستنكار فلا عجب أن ينتصروا عن مثل هذا التحرير الأزهر و يستدبروا عن هذا  
التقرير الأظهر ألا ترى أن لا يشم فاقد الشامة المسك الاذفر و لم يؤمن بإعجاز انشقاق القمر  
المعاند الأكبر فمن ضاهاه و تشابه قلبه كيف يتخلف عنه و ضوح هذا الأثر و إن كان أحدهما الأصغر من  
الآخر اللهم احفظنا بلطفك القديم و فضلك العميم عن مثل هذه الضيعة الشنيعة و اغفر لنا كل  
الخطايا و الذنوب بذريعة جييك خير البرية صلى الله عليه وسلم و ارزقنا خلة خليلك الكاملة و أمتنا  
على الخاتمة الحسنة و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين و صلى الله على خير خلقه محمد و آله و  
أصحابه أجمعين.

قررہ باللسان و حرره بالبنان المفتقر إلى ربه القدير



محمد نذیر المعروف بـ'نذیر احمد خان  
عفی اللہ تعالیٰ عنہ وعن والدیہ جم الخطاء والعصیان

## تقریظ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب

ترجمہ: سب تعریف اس کو جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سب سے پہلے پیدا کیا۔ پھر اسی سے انبیاء و صدیقین اور شہداء اور جملہ ملکوتات بنائے اور حضور کو پیغمبروں کے پیچھے سب عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور جملہ اجسام و ارواح اور زمین و آسمان ان کے تابع کر دیے اور سب سے افضل درود و سلام اور تحیت حضرت خیر الانام ﷺ پر نازل ہو جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان ظاہر کیا کہ ایسا رسول بھیج دیا اور ہم کو نعمت بیان کرنے کا حکم دیا اور پھر بھلا کون سی نعمت حضور کی ولادت شریف کے برابر ہے تو اس کا تنہا یا جماعت میں باادب ذکر کرنا کیوں کر حسنات و عبادات میں سے نہ ہوگا اور درود و تحیت ہو آپ کے آل و اصحاب پر بھی جنہوں نے آپ کی تعظیم و توقیر اپنے جسم و جاں سے ادا کی تو وہ اس کے صدقے میں بڑے درجوں کو پہنچے۔ پھر ان کے بعد بڑے بڑے فضلاء کا ملین تمام شہروں میں امتحان محفل مولود و قیام پر صد اتفاق کرتے رہے تو وہ پے در پے برکات کو پہنچے۔ اس کے بعد عرض مدعا یہ ہے کہ میں نے کتاب انوار ساطعہ دیکھی جس کو ایک بڑے عالم و فاضل یعنی مولوی محمد عبدالسمیع نے تصنیف کیا ہے (اللہ ان کا سایہ کرم دراز کرے) ہم کو اور ان کو اپنا دیدار اور اپنی رضا نصیب فرمائے اور میری اور جمیع مومنین صالحین کی طرف سے ان کو جزائے خیر عنایت فرمائے اور سب دشمنوں اور بدخواہوں کے ضرر سے بچائے) میں نے اس کتاب کو عاشقین رسول کے دلوں میں نور کی شعائیں بکھیرنے والی اور فاتحہ و میلاد کے ثبوت پر دلیل قاطع اور برہان ساطع پایا۔ اس کی روشنی کسی سے مخفی نہیں۔ ہاں وہ دشمن کی روح کی آنکھ ہی اندھی ہے جسے آسمان میں سورج بھی نظر نہیں آتا۔ متنبی شاعر نے کہا کہ۔  
اگر میں کسی کند ذہن کے ادراک میں نہ آیا تو اس کو معذور سمجھنا چاہیے کیوں کہ مجھ کو اندھی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔

لہذا مولف انوار ساطعہ کو بھی یہی چاہیے کہ اپنے وقت کے اندھوں کو جو قدر نہیں پہچانتے معذور سمجھے اور امید یہ ہے کوئی عاقل بالانصاف اگر چہ وہ پہلے قلب اطلاع دلائل کے سبب منکر ہی ہو لیکن اب انکار نہ کرے گا کیوں کہ مولف نے دلائل کو نہ صرف سورج کی طرح روشن کر دیا ہے بلکہ منکرین کے اعتراضات کا جوابات شافیہ سے ردِ بلغ بھی کیا ہے۔ اب کسی صاحب قلب سلیم کے لیے گنجائش نہیں کہ انکار کر سکے۔ ہاں جن کے دلوں میں جھگڑے عناد اور قبول حق سے انکار و غرور نے جڑ پکڑ لیا ہو تو کچھ عجب نہیں کہ اس روشن اور پاکیزہ تقریر سے نفرت کرنے لگیں۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ جس کی قوت شامل نہیں ہوتی وہ مشک و عنبر کی خوشبو بھی نہیں پاتا اور اس بڑے منکر نے شق القمر کا معجزہ بھی نہ مانا۔ اللہ ہم کو شخص اپنے فضل سے منکرین کی ایسی حرکت بد سے بچائے اور ہمارے جرم و خطا رسول اللہ کے صدقے معاف فرمائے اور ہمیں ان کی سچی محبت نصیب کرے اور خاتمہ بالخیر سے مشرف فرمائے۔ اور ہماری آخری بات یہ ہے: الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ و اصحابہ اجمعین۔

اپنی زبان سے یہ تقریر کی اور انگلیوں سے لکھی محمد نذیر معروف بـ'نذیر احمد خاں نے اللہ سب خطا اور گناہ معاف کرے  
اس کے اور اس کے ماں باپ کے۔ آمین۔

## غازی پور

صورۃ ما حرره شامخ المكان باذخ الشان العالم الجلیل و الفاضل النبیل الشریف النجیب ذکی  
المنابت طاهر الأغراس اللطیف النظیم جمیل الشمائل طیب الأنفاس کنز المکارم معدن الحسنات  
مولانا محمد ابو البرکات لا زال بالخير و الفيض و الإفادات۔  
المنة لله الفتح المنان، الذي زين بالفاتحة القرآن، و هو نور الأنوار الساطعة و رب الأقمار الطالعة،  
السمیع العلیم، الخیر المنعم القديم، و الصلوة علی من هو اکرم أولاد آدم، و أفصح مصاقح العالم، أنه  
خاتم المرسلین، و مولده رحمة للعالمین، و علی آلہ الأصفیاء الواصلین، و علی أصحابہ الأتقیاء  
الکاملین۔

أما بعد، فيقول العبد الفقير الراجي رحمة رب البريات، محمد بن المدعو بأبي البركات غفر الله له  
ذنبه و السيئات ابن فخر العلماء، صدر الفضلاء، بدر الفقهاء، قمر الكملاء، سند الواعظين المحدثين،  
ناصر المسلمين، مولانا الأعظم، مقتدانا الأكرم، بحر المعاني، الملقب بالجنيد الثاني، لقبه في أسانيدہ  
للأحاديث و التصوف الإمام الهمام حضرت مولانا عبد الحق محدث كانفوري (عم فيضه ذو المجد ذو  
العز و الجاه) مولانا الحاج محمد أمانت الله الحنفي الفصيح، لا زال بابہ ملاذ الحنفاء الأشراف و جنابه  
مرجعاً للشرفاء الأحناف، ان أفضل السعادات الأبدية و أكمل البركات الصمدية و أقدم الفيوضات  
الرحمانية و أكرم الكرامات السبحانية ذكر أفضل الأنبياء صاحب الشريعة الغراء، مالک الطريقة  
الزهرية، من فضائله الجلیلة و محاسنه النبيلة و ظهور البركات و الكرامات عند ولادته الشريفة و  
معجزاته و آياته النظيفة فطوبى لمن صنف فيه و أجاد و هدى الناس طريق الحق و سبيل الرشاد و إن هو إلا  
المولى الكامل فخر الأمثال في الفروع و الأصول و صدر الأفاضل في المعقول و المنقول عليم بأسرار  
الأحاديث النبوية خبير بدقائق المواعظ المصطفوية مضابط الأحكام الشرعية جامع النكات الأصلية و  
الفرعية، فاتح المغلفات النقلية، كاشف المشكلات العقلية، مشكوة مصابيح البلاغة، ضياء مشارق  
الفصاحة و البراعة، سند الأعلیٰ مستند أرباب المعالي، ذو المقام الرفیع المنیع المولوي محمد عبد  
السمیع فإنه قد أورد كلها في رسالته اللامعة المسماة بالأنوار الساطعة لله دره حيث سعى في إسعاف  
مرام المتصوفين المقلدين و اهتم في رد شبهات المنكرين الضالين و أتى ما يناسبه المقام بأقوال العلماء  
الکرام و قدماء الأعلام بحيث لم يسمعها الآذان و لم يرها عيون الدهور و الأزمان فو الله لقد انبسطت



القلوب بمطالعتها و نورت العيون بمعانيتها ' ألفاظها بدور بازغة ' جملها شمس طالعة ' سطورها أنهار التحقيق ' جداولها بحار التدقيق ' فيا معشر الناظرين الطالبين الصائقين إن استطعتم أن تنتفعوا بها فشمروا عن ساق الجد و اشتروها فإنها خير لكم إن كنتم تعلمون .

## تقریظ جناب مولوی محمد ابوالبرکات صاحب غازی پوری

ترجمہ : شکرو احسان خدائے فتاح و منان کا جس نے قرآن کو سورۃ فاتحہ سے مزین فرمایا، یعنی انوار ساطعہ کا نور ہے، اجلیاں بکھیرنے والے چاندوں کا پروردگار جو سننے، جاننے، خبر رکھنے، انعام کرنے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ درود کے گلدستے اس کی بارگاہ میں نذر ہیں جو بنی آدم میں سب سے معزز و محترم، نصیحان جہاں سے کہیں زیادہ فصیح و بلیغ، نبیوں کے خاتم اور جن کی ولادت کائنات کے لیے رحمت سراپا ہے۔ ساتھ ہی ان کے بزرگ و خدا رسیدہ آل اطہار اور کامل و پرہیزگار اہل ان جاں نثار پر بھی۔

حمد و صلاۃ کے بعد طالب رحمت پروردگار بندہ فقیر محمد ابوالبرکات غفرلہ عرض گزار ہے۔ ابن فخر علما، صدر فضل، بدر فقہا، قمر کلام، سند و اعظین و محدثین، ناصر مسلمین، مولانا الاعظم، مقتدانا الاکرم، بحر معانی، جنہیں جنید ثانی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، اور یہ لقب ان کی حدیث و تصوف کی سندوں میں ملتا ہے، امام ہمام حضرت مولانا عبدالحق محدث کانی پوری کے ذریعہ عطا ہوا ہے، یعنی مولانا الحاج محمد امانت اللہ خفصی جی غازی پوری۔ جن کا درجہ و اشرف کرام کے لیے ہمیشہ وارہا، ان کی جناب ارباب شرف و مجد کی آماجگاہ رہی۔ بے شک نبیوں پر فضل و کمال رکھنے والے، ستھری شریعت اور روشن طریقت رکھنے والے صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل ابدی سعادتوں میں سب سے افضل، سرمدی برکتوں میں سب سے مکمل، فیضان الہیہ میں سب سے مقدم اور ربانی کرامتوں میں سب سے مکرم و محترم ہے۔ وقت ولادت مبارکہ برکتوں کا نزول، کرامات و معجزات کا ظہور اور پاکیزہ ستھری نشانیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اور عظیم الشان فضائل و محاسن میں سے ہے۔ یقیناً وہ اپنے مقدر کا دھنی کہا جائے گا جس اقبال مند کو اس سلسلہ خیر میں کچھ خامہ فرسائی کی سعادت نصیب ہوئی ہو، اس نے لوگوں کو حق و شریعت پر جاہد پیا کیا ہو اور راہ راست بٹھائی ہو۔ اور یہ ذات کسی اور کی نہیں مولیٰ کامل، فروع و اصول میں فخر امثال، معقول و منقول میں صدر افاضل، آشنائے رموز احادیث نبویہ، خیر دقات، مواظبہ مصطفویہ، مضابط احکام شرعیہ، جامع نکات اصلیہ و فرعیہ، فاتح مغلقات، نقلیہ، کاشف مشکلات عقلیہ، مشکوٰۃ، مصابیح بلاغت، ضیائے مشارق فصاحت و براعت، اعلیٰ لوگوں کے سند بزرگوں کے مستند، ارباب معانی، صاحب مقام رفیع، منبع مولوی محمد عبد السمیع کی ذات گرامی قدر ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے یہ سب مضامین اپنے 'انوار ساطعہ' نامی روشن و منور رسالے میں پیش کیے ہیں (ساری خوبیاں اللہ ہی کو زیب ہیں) انھوں نے مقلدین صوفیہ کے مطالب و مفاہیم پورے کرنے میں کوئی کسر روا نہ رکھی، ساتھ ہی منکرین و ضالین کے شبہات کو بچ و بن سے اکھاڑنے کا بھی پورا پورا اہتمام کیا ہے۔ اور موقع کی مناسبت سے علمائے کرام اور قدمائے اعلام کے ایسے ایسے اقوال بطور استشہاد پیش کیے ہیں کہ اس سے پہلے نہ کانوں نے سنا اور نہ زمانے کی آنکھوں نے دیکھا، قسم خدا کی اس کے مطالعہ سے دل، عینوں کی مانند کھل اٹھا، اس کے معنی و مفہوم نے آنکھوں کی روشنی بڑھادی، الفاظ کیا ہیں جیسے دودھیا چاندنی بکھیرتے چاند

جملہ ایسے کہ جیسے نکلے ہوئے آفتاب، سطریں تحقیق کی رواں دواں نہریں معلوم ہوتی ہیں اور اس کے جدول اسرار و دقائق کے ٹھانھیں مارتے سمندر دکھائی پڑتے ہیں۔ تو اے طالبین صدق و صفا، مقدور بھراس سے مستفیض و مستفید ہونے کی کوشش کریں، فوز و فلاح کی ساری آیتیں اس میں مضمر پائیں گے۔

## چریا کوٹی

صورة ما رصعه الأديب اللوذعي و الأريب الألمعي غواص بحار التحقيق سباق غايات التدقيق عالم صنائع الكلام عامل بدائع النظام التقى النقي الزكي الضابطة المثبت الصدوق مولانا محمد فاروق مد ظله العالی مدى الأيام و الليالي

الحمد لله رب الأنوار الساطعة ' و نور الأقمار اللامعة ' و الصلوة و السلام على من أوتي الآيات الصاوعة ' و الحجج القاطعة ' و بعد فإن أحسن ما يقصد و يراد ' و أطيب ما يرومه العباد ' و يظما في هواجر طلبه الأكباد ' و ليأوفي منازل الرواحل أشد أساد ' و يؤطأ في مراحل سعيه القتاد ' و يستوطن في هواه غوارب الرسم و ظهور الجياد ' و يحتاب لأجله البلاد ' الشاسعة النائية البعاد ' ذكر سيد العباد و العباد ' من ذكر نسبه خير الانساب ' و آياته الحق المدهشة للألباب ' و إرهاباته التي جاءت عند مولده الشريف المستطاب ' فإنه أجل ما يدخر ليوم الحساب ' و أكرم ما يقتنى بحسن الثواب ' فطوبى لرجل ملأ و طابه ' و كمل نصابه ' و إن هو إلا المولى الكريم ' النبيه الفخيم ' مولى البلاغة و البراعة ' مالک أزمة الطرس و اليراعة ' عالي الكعب كعبة المعالي ' والي المجد الشامخ و العز المصمد و المحل العالی ' صاحب المقام الرفیع و الجاه المنيع المولوی عبد السمیع فإنه قد أتى برسالة في مجلس ذكر الميلاد ' و سعى وجد فيها فأجاد و هدى الناس إلى سبل الرشاد و هاد فقاق أهل الآفاق و ساد ' و سد موارد الغي و الفساد . اللهم بارک في رزقه و حسناته و انشر للناس بره و عوارفه و برکاته .

## تقریظ جناب مولانا محمد فاروق صاحب چریا کوٹی

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کو زیبا ہیں جو انوار ساطعہ اور جگمگ کرتے چاندوں کا پروردگار ہے، اور درود و سلام اس پر ہو جسے کھول دینے والی نشانیاں اور کات ڈالنے والی دلیلیں عطا کی گئیں۔

حمد و صلاۃ کے بعد، بلاشبہ سب سے خوب تر و خوش تر چیز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہے۔ جس کا قصد و ارادہ کیا جائے سب سے نفیس چیز جس کا بندہ قصد کرے جس کی طلب میں دو پہروں کو کیچے بٹھنے جاتے ہیں جس کی منزلوں کی طرف سواریاں پوری رفتار سے دوڑائی جاتی ہیں جس کے لیے دوڑنے کی راہوں میں کانٹے دار



درخت مکے جاتے ہیں جس کی فرط محبت میں اونٹوں کے کوہان اور عمدہ گھوڑوں کی کمریں وطن بنائی جاتی ہیں اور جس کے لیے بڑی مسافت والے دور دراز شہر طے کیے جاتے ہیں۔ بے شک حساب کے دن کے لیے وہ ایک بڑا عظیم ذخیرہ ہے اور حسن ثواب کے لیے جو چیزیں جمع کی جاتی ہیں ان میں یہ بزرگ تر ہے۔ تو آفریں ہے ایسے شخص کے لیے جس نے اس کی مشکلیں بھردیں اور اس کا حق پورے طور پر ادا کر دیا۔ اور یہ کوئی اور نہیں، المولیٰ الکریم، النبیہ الفخیم، مولیٰ البلاغۃ والبراعۃ، مالک ازمۃ الطرس والیراعۃ، عالی الکعب کعبۃ المعالی، والی المجد الشامخ والعز المضمند والمحل العالی، صاحب المقام الرفیع والجاه المنیع المولوی عبد السمیع کی ذات گرامی ہے۔ کیوں کہ انھوں نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس میں جی توڑ کوشش کی ہے اور خوب لکھا اور لوگوں کو بھی منزل ہدایت تک پہنچا دیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا تو آفاق میں سب پر فائق ہو گئے اور ان کی سیادت کی اور فتنہ و فساد کے مراکز کا ہمیشہ کے لیے سد باب کر دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے رزق و حسنات میں برکتیں عطا فرمائے۔ اور ان کی نیکیوں اور برکتوں سے لوگوں کو مستفیض ہونا نصیب کرے۔

لکھنؤ

صورة ما جره زين العلماء سراج الأدباء الذي هو في عصره وحيد وفي دهره فريد مولانا أبو الغناء محمد عبد المجيد أبقاه الولي الحميد وهو النجل السعيد الکریم لمولانا الحافظ شاه أبي الحياء محمد عبد الحليم ابن مولانا أبي البقاء محمد عبد الحکیم ابن مولانا أبي العیش محمد عبد الرب ابن ملک العلماء أبي العیاش مولانا عبد العلی بحر العلوم اللکهنوی الفرنجی المحلي غفر الله لهم أجمعین و أعلی درجاتهم في أعلی علیین.

بسم الله الرحمن الرحيم، الله أكبر الله أكبر أنا أذل وإليه أفقر هو خالق العز والغناء وأنا في غاية الدل والعناء تعالیٰ الله شأنه علوا كبيرا لا يستطيعون ثناء عليه ولو كان لبعضهم بعض ظهيرا يتوالى مراحمه علينا بلا وقت في الليل واليوم يدبر الأمور كلها ولا تأخذه سنة ولا نوم دهشت اللباب عن عد نعمائه وطاشت الحلوم وبرد العقل عن حد آلائه وتبلدت الفهوم نحن و همتنا قاصرون حد القصر و مكارمه فائقة من الحد والحصر فكيف أحمده على شأنه وأطرح الأدب وكيف لا أحمده حال تواتر نعمه فيا عجبا بعد العجب وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها منها أنوار ساطعة وعجالة نافعة أعني هذه الرسالة العجيبة والقيمة الغريبة فحاويها لائقة ومعانيها فائقة مضامينها من الصدق والسداد مملوءة والفاظها سلسلة نفيسة حلوة تهديد لمن غشى قلوبهم الكيد والريب وهدى للمتقين الذين يؤمنون بالغيب.

طريق الاستدلال فيها أحسن الأسلوب إثبات دعاويها قوت القلوب تميل إليها النفوس كما ترغب

إلى المآكل والملايس بل تجلبها جلب مقناطيس قلله در من صنفها وله حسن من صرف فيها الأوقات و ألفها لما جاءت للمطالعة و رأيت منها أوراقا معدودة وجدتها مرغوبة الطبع و محمودة فنظرت نظرة بالإجمال والاستعجال و منعتني من الإمعان العلل اللاحقة و الهزال فجعزت في المطالعة عن الاستيعاب و اكتفيت على عدة أوراق من الكتاب و عليه حمدت الله قاضي الحاجات و ليس حمدي إلا حركة الشفة و الهلة و اعتذر إلى جنابه من التقصير اعتذار البائس العاجز على باب الأمير و أرجو منه أن يعيد علينا سوابق النعم و يزيد في لواحق الكرم و أصلي و أسلم على رسولنا و شفيعنا محمد الهادي إلى سبيل السلام و على آله رعاة الأنام و أصحابه حماة الإسلام.

و أنا الراجي رحمة ربه الوحيد أبو الغناء محمد عبد المجيد

ابن مولانا المولوي الحافظ شاه أبو الحياء محمد عبد الحليم عليه رحمة الله الرحيم

محمد عبد المجيد أبو الغناء

## تقریظ نبیرہ بحر العلوم حضرت مولوی عبد المجید لکھنوی

ترجمہ: اللہ بہت بڑا ہے میں ذلیل اور اس کا محتاج ہوں۔ وہ عزت و تو نگری کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور میں رنج و خواری میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اس کی شان نہایت عظیم ہے کوئی اس کی حمد و ثنا کا حق ادا نہیں کر سکتا خواہ لوگ آپس میں مل کر مدد اور ہمت لگادیں رات دن اس کی رحمتیں پے در پے ہوتی ہیں۔ وہ بہترین تدبیر فرماتا ہے اسے نیند اور اگکھ نہیں آتی اس کی نعمتوں کا شمار کرنے سے عقلیں تھک گئیں ہماری ہمتیں انتہا درجے کی کوتاہ واقع ہوئی ہیں اس کی بخشش بے حد و بے شمار ہے۔ پھر بھلا اس کے شایان شان میں کیسے اس کی حمد و ستائش کروں یہ ترک ادب ہے اور اس کی بے کراں نعمتوں پر بھلا کیوں نہ شکر ادا کروں یہ تو تعجب بالائے تعجب ہے۔ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔ اس کی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ گراں مایہ رسالہ مبارکہ ”انوار ساطعہ“ بھی ہے۔ اس کے مشمولات و معانی لائق و فائق اس کے مضامین سچائیوں کے آئینہ دار الفاظ سلیس شیریں اور نفیس ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جن کے دل شک آلود اور قریب خوردہ ہیں۔ اور غیب پر ایمان رکھنے والے پرہیزگاروں کے لیے اس میں ہدایت کا سامان ہے طریقہ استدلال خاصا اچھوتا اور اپنے دعووں کو ثابت کرنے کا انداز دل چھوتتا ہے۔ دیدہ و دل اس کی طرف ایسے ہی جھکے پڑتے ہیں جیسے لذیذ کھانوں اور عمدہ پوشاک پر ٹوٹتے ہیں بلکہ اس کی کشش مقناطیس کی سی ہے سجان اللہ ایسے مصنف کی کیا بات ہے جس نے ایسی کتاب لکھنے میں اپنا وقت لگایا جب یہ کتاب میرے سامنے آئی تو اس کے چند اوراق میں نے الٹ پلٹ کر دیکھے تو میں نے اسے مرغوب خاطر اور قابل تعریف پایا، پھر غلت کے باعث میں نے اس پر ایک سرسری نگاہ دوڑائی، تفصیل سے حرفا حرف سب کو نہ دیکھ سکے کی وجہ



یہ ہے کہ مجھ کو بیماری اور ضعف و ناتوانی لاحق تھی پس چند اوراق کی نظر تفصیل پر اکتفا کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اپنی تقصیر کا عذر اس کی جناب میں پیش کرتا ہوں اور اس کے انعامات کی امید رکھتا ہوں۔ درود و سلام بھیجتا ہوں اپنے رسول و شفیع حضرت محمد اور ان کی آل اصحاب پر جو خلقت کے نگہبان اور اسلام کے حامی ہیں۔ اور میں امید وار رحمت خداوندی مولوی حافظ شاہ ابوالحیاء محمد عبدالحلیم کا بیٹا ابوالغنا محمد عبدالحجید ہوں۔ اللہ ان پر اپنی خاص رحمت فرمائے۔

### رام پور ضلع سہارن پور

جناب مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی کا اس کتاب کی تصدیق فرمانا جیسا کہ ان کے شاگرد مولوی سعید الدین صاحب لکھتے ہیں۔

صورة ما رقمه التقى الزكي الفطين العالم العامل المتين الرزين المولوي سعيد الدين احمد من نجباء بلدة رامفور ضلع سہارنפור و هو من ارشد تلامذة مولانا عبد الحي اللكنوي المغفور .

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي أنعم على الناس بما بعث محمدا خيرا للعباد وجعل مقدمه قرآنا للعيون ومسرة للفؤاد والصلوة والسلام عليه وآله وأصحابه صلاة وسلاما لا يحصيها أمد ولا عداد صلوة تنفعنا يوم لا تجزي الآباء عن الأولاد ولا يحمل الأبناء بأعباء آبائهم والأجداد، أما بعد فيقول أحقر العباد محمد المدعو بسعيد الدين - غفر له ربه يوم التناد ان من أطيب ما يستلذه الفؤاد ويلتاع إليه الأكباد ذكر سيد العباد وما له من محاسن أخلاقه ومعجزاته وإرهاصاته عند الميلاد ففاز من جرى عليه وآله وخاب من جحدته عاداه فمن الذين أحبه وأكرموه واستحسنوه وأبرموه المولى الفاضل البارع الكامل ذو الكعب العالي والبارع الرحيب المصقع الأديب الأريب صاحب الشرف الرفيع المولوي محمد عبد السمیع قد أتى برسالة نافعة موسومة بالأنوار الساطعة فأكب العلماء على مدحها وتحسينها وأثبتوا على ما فيها من الشاء من كل سينها وشينها منهم أستاذنا المشهور المولوي محمد عبد الحي اللكنوي المغفور فإني قد عرضت تلك الرسالة عليه فاستحسنها واستجاد وأعلها محل الإرشاد وقال إن هذا الكتاب جامع لجميع الأقوال في هذا الباب وسلك فيه مؤلفه مسلك الصدق والسداد واجتنب عن سوء القول والعناد، صلى الله على النبي وآله الأئمة.

### جناب مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی مغفور

کا اس کتاب کی تصدیق فرمانا جیسا کہ مولوی سعید الدین سہارن پوری کی تقریظ سے ظاہر ہے۔

ترجمہ: سب تعریف اس اللہ کو ہے جس نے حضرت محمد خیر العباد ﷺ کو بھیج کر ہم پر انعام کیا اور ان کی تشریف آوری کو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور بنایا۔ درود و سلام ہو ان پر اور ان کی آل و اصحاب پر اس قدر کہ نہ اس کی کچھ انتہا ہو اور نہ شمار۔ یہ درود ہمارے لیے اس دن نفع رساں ہو جس دن باپ نہ اولاد کے کام آئیں گی اور نہ اولاد اپنے باپ دادا کا بوجھ اٹھائے گی۔ حمد و صلاۃ کے بعد عرض پرداز ہے احقر العباد محمد سعید الدین (اللہ اس کو روز قیامت میں بخشے کہ وہ بہت اچھی چیز ہے جس سے دل کو مزہ آئے) اور جگر جلتے ہوں جس کے ذوق و شوق میں وہ حضرت سید العباد ﷺ کا ذکر جمیل اور میلاد پاک کے وقت آپ کے حسن اخلاق اور معجزات و کرامات کا بیان ہے۔ پس مراد کو پہنچا جو اس پر چلا اور اس کو پے در پے کرتا رہا اور محروم رہا جس نے انکار کیا اور اس کا دشمن بن گیا۔ پس جن لوگوں نے اس عمل کو دوست رکھا، اس کا احترام و اہتمام کیا اور اس کا خوب دلچسپی سے استحکام کیا ان میں سے ایک سردار فاضل بڑے درجہ والے کامل یعنی مولوی محمد عبد السمیع بھی ہیں جنہوں نے ایک رسالہ بنام انوار ساطعہ لکھا جس کی مدح و تحسین کرنے میں بھی مشغول ہو گئے اور اس کے حرف کی تعریف میں رطب اللسان نظر آنے لگے۔ ایسی ہی علماء میں میرے استاد عالی درجہ مشہور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مغفور بھی ہیں۔ جب میں نے یہ رسالہ ان کے سامنے پیش کیا تو آپ نے پسند فرمایا اسے جید کہا اور اس کو محل ہدایت و ارشاد ٹھہراتے ہوئے فرمایا۔

إن هذا الكتاب جامع لجميع الأقوال في هذه الباب و سلك فيه مؤلفه مسلك الصدق والسداد واجتنب عن سوء القول والعناد صلى الله على النبي وآله الأئمة .  
یعنی یہ کتاب اس سلسلے کے جملہ دلائل و اقوال کی جامع ہے اور اس کے مؤلف نے خوب راہ راست جادہ پیمائی کی ہے اور بدکلامی و عناد وغیرہ سے ہر طرح اپنا دامن پاک رکھا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نبی کریم اور آپ کی آل مقدس پر باران رحمت برسائے۔

### بلندہ ضلع فتح پور ہنسوہ

صورة ما طرزه رافع اعلام الدين أمام العابدين مؤيد أهل السنة والجماعة مبدد أهل البدعة والشناعة مولانا القاضي محمد عبد الغفور أدام الله فيوضه مر الدهور .

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي أيد أهل الحق وأنصاره وبزم أهل البطلان وأشراره والصلوة والسلام على حبيبه الذي قلع اطلال الفساد و بنيانه وعلى آله وأصحابه الذين شيدوا قصر الرشاد وأركانه، أما بعد فإني طالعت الكتاب المسمى بالأنوار الساطعة في بيان الميلاد والفتاحة الذي صنفه العالم الجليل والفاضل النبيل عديم العدیل فقید المثل مولانا القارئ الحافظ المولوي محمد عبد السمیع (صانه الله تعالى عن شر كل



غبی نزع و غوی و جیع) فوجدته ظهيرا لأهل السنة و الجماعة و نصيرا لأصحابه الدراية و الهداية هادما لدار الضلالة و هاتما لأسنان أهل الغواية فجراه الله سبحانه حسن الجزاء و وقاه جميع البلاء حيث أفهم الباغي أتم الإفهام و أفحم الطاغين أكمل الإفحام بلين الكلام و حسن النظام فمن اتصف و أقبل جل و من اعتسف فادبر ذل فقط .

حرره الفقير

المشهور بمحمد عبد الغفور

المتوطن بقصبة بلنده ضلع فتح پور

## تقریظ مولانا قاضی محمد عبد الغفور صاحب فتح پوری

ترجمہ: سب تعریف اللہ کو ہے جس نے حق کی مدد کرنے والوں کو قوت بخشی اور باطلوں اور شریروں کو شکست دی۔ اور درود و سلام ہو اس کے حبیب ﷺ پر جس نے فساد کے نشان و بنیاد کو اکھاڑ پھینکا۔ اور ان کے آل و اصحاب پر کہ جنہوں نے قصر ہدایت اور اس کے ارکان کو بلند و مضبوط کر دیا۔ اس کے بعد عرض ہے کہ میں نے کتاب انوار ساطعہ دیکھی جس کو بڑے عالم مولوی محمد عبد السمیع نے تصنیف کیا ہے (اللہ تعالیٰ انھیں کج فہم و کج رد اور موزی کی ایذا سے بچائے) میں نے اس کتاب کو اہل سنت و جماعت کی پشت پناہی کرنے والی، اصحاب عقل و ہدایت کی مدد کرنے والی، گمراہی کا گھر گرا دینے والی اور سرکشوں کے دانت توڑ دینے والی پایا۔ اللہ اس کے مصنف کو جزائے خیر دے اور سب بلاؤں سے بچائے۔ اس لیے کہ انھوں نے باغیوں کو اچھی طرح سمجھا دیا، اور سرکشوں کو اپنے نرم کلام اور دلائل کے حسن ترکیب سے پورے طور پر لا جواب کر دیا۔ اب جس نے انصاف کیا اور اچھی طرح پیش آیا اس نے بزرگی پائی، اور جس نے کجروی اختیار کی اور پشت پھیری وہ ذلیل ہوا۔

لکھا اس کو فقیر محمد عبد الغفور متوطن قصبہ بلندہ ضلع فتح پور نے۔

کان پور

صورة ما قرظه و نظمه مجمع الفواضل العالم العامل العارف الكامل الداكر الشاغل المرتاض الفاضل مولانا شاه محمد عادل عم الله فيضه الشامل إلى يوم الرجف و الزلازل كان أخذ العلوم حين التعلم من عالم الحقائق و الأكناه مولانا شاه سلامت الله و هو من شمس العلماء مولانا شاه عبد العزيز الدهلوي رحمهما الله العزيز القوي.

بسم الله الرحمن الرحيم

حمدا لمن وفق مجيء حبيبه الكريم الذي ولد في خير البلاد و هو شفيع الخلائق في الميعاد لعقد مجالس الميلاد و جعل لجحيم مأوى مبغضه اللئيم الذي هو معدن الشر و الفساد و اعد لأعدائه سوء الأكباد شر مأب جهنم يصلونها فينس المهاد انه تعالى عزيز ملك بر رؤوف جواد الذي إنعامه على العباد غير معلول بعلم طاعات العباد و صلوة و سلاما على من هو باعث الإيجاد و مبعوث لهداية الثقلين إلى سبيل السداد و إرائهما طريق الرشاد سيدنا محمد أفصح من نطق بالضاد الذي هو للأنام هاد و أمره ثابت باتباعنا أعظم السواد و على آله الأحقاد و أصحابه أفضل الزهاد إلى يوم التناد أولئك الذين رحماء بينهم و على الكفار شداد و هم بذلوا جهدهم في إشاعة دين الحق و صرفوا أموالهم و أنفسهم في الجهاد مع الكفرة الفجرة ذي النفاق و العناد و بعد فيقول العبد الخاطي الخامل محمد عادل (عامله الله سبحانه بفضل الشامل و جعله من الآمنين يوم الرجف و الزلازل و أصلح حاله بلطفه الكامل في العاجل و الآجل) إني قد رأيت مواضع شتى من هذا الكتاب المترجم بالأنوار الساطعة فوجدته أوفق لمعتقدات أهل الحق ما ذكر فيه فهو بالمتابعة أخرى و البيق لأن الحق بالاتباع أحق قررت مطالبه بتقرير الطيف و أدق بينت مسائله ببيان شاف إلى المذهن أسبق كيف لا و قد رصفه من هو جامع بين المنقول و المعقول حاو للفروع و الأصول أسوة أصحاب النبي صاحب الدرجات العلى الذي قد خص بالعلم الواسع و هو ذو الشأن المنيع و المكان الرفيع أعني مولانا عبد السمیع (سمع الله لمستوله و استجاب بنعمته لمدعوه و متع أرباب الإسلام بطول بقائه و يسر متمنا بتيسير لقائه جزاه الله الوهاب عني و عن جميع المستفيدين من هذا الكتاب جزاء أوفى) فجعل الجنة له المثوى و خير مأب ثوابا من عند الله و الله عنده حسن الثواب هذا الحمد لله أولا و آخرا و الصلوة على النبي و آله باطنا و ظاهرا .

## تقریظ حضرت مولانا شاہ محمد عادل کان پوری

ترجمہ: تعریف ہے اس کو جس نے مجلس میلاد کرنے کی توفیق بخشی اپنے حبیب کریم کے دوستوں کو۔ ایسا حبیب کریم جو تمام شہروں سے اچھے شہر میں پیدا ہوا، اور وہ بروز محشر ساری مخلوق کا شفاعت کرنے والا ہوگا۔ اور اس کے بغض رکھنے والے بد بخت شریف سادی کا ٹھکانہ دوزخ بنایا اور اس کے دشمن سیاہ کلیجے والوں کے لیے بری جگہ جہنم بنائی۔ جس میں انھیں جانا ہے تو وہ کیا ہی برا بھونکا ہے۔ بے شک وہ خدا پر تر عزت والا بادشاہ احسان کرنے والا مہربان بخشش والا ہے اس کا انعام بندوں کی عبادت پر موقوف نہیں، اور درود و سلام ہو اس پر جو باعث ایجاد ہر عالم ہے اور جسے لوگوں کو صراط مستقیم پر لانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے وہ ہمارے سردار محمد ﷺ ہیں جس نے خوب فصاحت سے ”ضاد“ ادا کیا اور سب خلق کا رہنما ہوا اور ہم کو یہ حکم دیا کہ اختلاف امت کے وقت اس کا اتباع کرو جس پر زیادہ علماء ہوں۔ اور تا قیام قیامت ان کی



آل واصحاب پر بھی درود و سلام ہو جو بڑے زاہد آپس میں نہایت رحم دل اور کافروں پر بہت کڑے تھے۔ جنہوں نے دین پھیلانے میں پھر پور کوشش کی اور کفار و منجھار کے ساتھ لڑنے میں جان و مال صرف کیا۔

اس کے بعد کہتا ہے بندہ محمد عادل (اللہ اس پر فضل کرے اور قیامت کو امان دے اور حال اس کا اچھا کرے اب اور آئندہ) میں نے اس کتاب انوار ساطعہ کے چند مقام دیکھے اعتقادات اہل حق کے بہت موافق پایا۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا اتباع چاہیے اس کے مطالب و مسائل بہت عمدہ تقریر اور بیان شافی سے بیان کیے گئے ہیں۔ اور ذہن کی طرف چلتے ہیں اور کیوں نہ ہو اس کا جامع وہ ہے جو جامع معقول و حاوی فروغ و اصول ہے یعنی مولانا محمد عبد السبع (اللہ اس کے ماں باپ کی مراد سے اور اپنی نعمت سے اس کی دعا قبول کی اس کو مدتوں زندہ رکھ کر ارباب اسلام کو فائدہ پہنچائے اور اس کی ملاقات ہم کو میسر کرے اللہ تعالیٰ میری طرف سے اور جو لوگ اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں ان سب کی طرف سے اس کے مصنف کو پوری جزائے کامل دے) اور شکر ہے اس جناب میں اول و آخر اور درود نبی اور آل نبی پر باطن و ظاہر۔

### اکبر آباد

صورة ما كتبه ذو المجد الظاهر و الفضل الباهر غائص بحار التحقيق فارس مضمار التدقيق المشتهر المدعو بالألسنة و الأفواه بمولانا محمد عبد الله أول مدرسين في مدرسة أكبر آباد صانه رب العباد عن شرور أهل الغنى و العناد .

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله العلي الأعلى الذي خلق الأرض و السماوات العلى و الصلوة و السلام الأتمان الأكملان على من دنى فتدلى فكان قاب قوسين أو أدنى و على آله الأبرار و أصحابه الأخيار إلى ما دار الدوار و سار السيار أما بعد فلقد رأيت كتاب الأنوار الساطعة مشتملة على تحقیقات غامضة و تدقیقات فائضة شمس برہینہ علی أفق التحقيق طالعة و أقمار حججہ علی فلک التدقیق لامعة و أنوار دلالتہ و آثارہ علی الأکناف و الأطراف ساطعة و مؤلفہ البحر الطمطم و الحبر القمقام أجاد بما أراد و سلك مسلك السداد و أزحق الباطل و الزیغ و الإلحاد و هدى الناس إلى سبيل الرشاد إذ هو هاد لأنه لكل قوم هاد و الله أعلم بالصواب و إليه المرجع و المآب إذ عنده أم الكتاب .

نمقہ و قرظہ العید الأواہ

محمد عبد الله (عفا الله عنه ما جناہ من الجناح في المساءة و الصباح)

المدرس الأول للمدرسة الإسلامية الواقعة ببلدة أكبر آباد (صانه الله عن الشر و الفساد) فقط .

### تقریظ حضرت مولانا محمد عبد اللہ اکبر آبادی

ترجمہ: سب تعریف اس اللہ کو ہے جو بلند و برتر ہے۔ اس نے زمین اور اونچے آسمان بنائے اور کامل و اکمل درود و سلام ان پر جن کی شان یہ ہے ”دنی فتدلی فکان قاب قوسین و أدنی“ اور ان کے آل و اصحاب پاک پر جب تک پھرے پھرنے والا اور چلے چلنے والا۔ بعدہ عرض یہ کہ میں نے تحقیق و تدقیق پر مشتمل کتاب انوار ساطعہ دیکھی جس کے دلائل کے آفتاب افق تحقیق سے طلوع ہوتے محسوس ہوتے ہیں اور اس کی جھٹوں کے چاند فلک تدقیق پر چمکتے نظر آرہے ہیں۔ دلائل کے انوار ہر طرف بلند ہیں۔ اس کا مولف بڑا دانش مند اور بڑا بردبار ہے۔ اچھی طرح ادا کیا جو ارادہ کیا اور خوب درست راہ پر چلا الخادو باطل کے پر نچے اڑا دیے اور لوگوں کو نیک راستہ بتا دیا اس لیے کہ وہ راہ بتانے والا ہے اور ہر قوم کا ایک رہنما ہوتا ہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے۔ اور اسی کی طرف پھر جانا ہے اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

لکھا اس کو بندہ نرم دل محمد عبد اللہ نے (اللہ تعالیٰ صبح و شام ہوئی اس کی تقصیر کو بخشے) مدرس اول مدرسہ اسلامیہ اکبر آباد (خدائے پاک اس مدرسہ کو نظر بد سے بچائے)۔

### دہلی

صورة ما رقمه الثقيف الجلال و الجلال و الحصيف الجال مروج عقائد الإسلام مفسر كلام الملك العلام مقدم فنون المناظرة و الكلام و المعاني المولوي أبو محمد عبد الحق مولف عقائد الإسلام و التفسير الحقاني (لا زال فائزا بالمآرب و الأمانی) .

بسم الله الرحمن الرحيم نحمده و نصلي

میں نے رسالہ انوار ساطعہ کو دیکھا ہے اور اس کے چند اباحت کو پڑھا ہے حقیقت میں مصنف مدوح نے کمال متانت اور بڑی لیاقت سے بحث کی ہے اگر مبالغہ نہ سمجھا جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس مسئلہ میں یہ رسالہ بے نظیر ہے اور اس کی تحریر میں حق بجانب مصنف ہے محفل میلاد خصوصاً اس پر آشوب زمانہ میں نہایت نیک کام اور باعث ترویج اسلام بین العوام ہے اب جو لوگ اس محفل متبرک میں بعض بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں یہ ان کا قصور ہے اس الزام سے یہ کام برائیں ہو سکتا بنائے مساجد و مدارس جو بالاتفاق امر مستحسن ہے اگر اس میں کوئی بدعات کا ارتکاب کرے تو کیا اس سے کوئی اس نفس فعل کو برا کہہ سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ میرے نزدیک جس فریق نے بدعت سیدہ کے معنی یہ لیے ہیں (کہ قرون ثلاثہ کے بعد جو بات پیدا ہوئی ہے وہ بدعت سیدہ ہے) اس نے بڑی غلطی کی ہے پھر جس نے اس بنائے فاسد پر تفریعات کی ہیں اور اس کے پیروؤں نے ان کو کالوحي من السماء سمجھ لیا ہے وہ اور بھی غلطی میں پڑ گئے ہیں۔ و اللہ الهادي و بيده أزمة المقاصد و المبادي۔

ابو محمد عبد الحق



صورۃ ما وشاہ و نمقہ الفاضل الخیر و الناقد البصیر قدوة أرباب التدريس و التذکیر أسوة أصحاب التحرير و التقرير الکریم ابن الکریم الحافظ لحدود الله و المتبع لسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم مولانا محمد یعقوب ابن خازن العلوم مولانا محمد کریم الله الدهلوی التلمیذ الرشید لمولانا شاه عبد العزيز الدهلوی (خصمهم الله بالفیض البهی و الأجر للسنی) هو العزیز الکریم

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد علی ما أنعم علینا ببعثة سید الأنبیاء محمد المصطفیٰ و الصلوة و السلام علی رسولہ المجتبیٰ و آلہ المرتضیٰ و أصحابہ المہتدی و علی الأئمة الکرام المتقدی و بعد فبقول العبد الراجی رحمۃ الله علام الغیوب محمد یعقوب (حفظ الله عن الکروب) فقد اطلعت علی الرسالة الرشیقة و العجالة الکریمة المسملة بالأنوار الساطعة فی بیان المولود و الفاتحة التي ألفها العلامة ذو المحامد و المناقب و الرأي الشاقب صاحب المقام المنیع مولانا محمد عبد السميع (صانه الله عن کل خصم شنيع) فوجدتها صحيحة و موافقة لمذهب أهل السنة و الجماعة و مملوءة بالروایات المقبولة المرضیة فمن وافقها فهو منا و من خالفها و ردها فلیس أمره برشید و ما قوله بسدید و کیف فانها مشحونة بالدلائل الساطعة و البراهین القاطعة و المطالب النفیسة و المآرب المنیفة المروية عن الفضلاء و الکبراء نسل الله تعالى أن یرزقنا اتباعهم و آخر کلامنا و ختم مراننا ان الحمد لله رب العالمین و صلى الله تعالى علی خیر خلقه سیدنا محمد خاتم النبیین و آلہ الطاهرین و أصحابہ الطاهرین

### تقریظ حضرت مولانا محمد یعقوب دہلوی

ترجمہ: سب تعریف اللہ کو ہے کہ اس نے سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر ہم پر انعام فرمایا۔ اور درود و سلام ہو اس کے رسول مجتبیٰ اور آل مرتضیٰ اور اصحاب مہتدی اور اماموں کے پیشوا پر۔ اس کے بعد یوں کہتا ہے بندہ رحمت خدا کا امیدوار محمد یعقوب (خدا اس کو بخشوں سے بچائیو) میں نے عمدہ رسالہ انوار ساطعہ دیکھا جو علامہ فہامہ مولوی محمد عبد السميع کا تصنیف کردہ ہے (اللہ ان کو ہر دشمن بد سے بچائے) میں نے اس رسالہ کو صحیح، موافق اہل سنت و جماعت اور مقبول روایتوں سے مملو پایا۔ پھر جو شخص اس کی موافقت کرے وہ ہم میں سے ہے اور جو اس کے مخالف ہو اور اس کی تردید کرے تو اس کا حال کچھ ٹھیک نہیں اور اس کا قول درست نہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ رسالہ ایسے شواہد و براہین دلائل قاطعہ، مطالب نفیس اور مقاصد بلند سے بھرا ہوا ہے جو فضلاء روزگار اور علمائے باوقار سے روایت کیے گئے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو ان بزرگوں کا اتباع نصیب کرے اور انتہائے کلام پر ہم پڑھتے ہیں۔ الحمد لله رب العالمین و صلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد خاتم النبیین و آلہ الطاہرین۔

صورۃ ما زبرہ البحر السامی و البحر الطامی الفاضل الوقاد و الکامل النقاد الثقیف الشریف الحصیف اللطیف مولانا محمد عبد الحق سہارنپوری اللہ تعالیٰ فی رزکی للتدریس و نشر العلوم (سلمہ الله القادر القیوم)

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله على نواله والصلوة والسلام على رسوله محمد وآله ما بعد احقر الخلاق عبد الحق (عفى عنه) لمتن خدمت اہل اسلام (ابقا ہم اللہ الی یوم القیام) ہے کہ کتاب لا جواب سراپا تحقیق و صواب مسمی بہ انوار ساطعہ مولفہ فاضل اجل عالم باعمل مولوی محمد عبد السميع صاحب رام پوری (دام فیضہ) نظر احقر سے گزری۔ الحق مولف موصوف نے (جزاہ اللہ خیر احسبہ للہ) بطور سعی فی الدین یہ کتاب ایسی تحریر فرمائی ہے کہ جس کے مطالعہ سے ایمان والوں کی آنکھوں میں نور اور دلوں میں ترقی ایمان کا سرور ہے ہاں جو معاندین حق اور پیروان باطل سے ہے وہ بلا شک اس سے متوحش اور نفور ہے سوائے شہرہ چشموں کی خواہش سے آفتاب کا سایہ ہونا ممکن نہیں اگرچہ سطوع انوار ساطعہ سے ان کی آنکھوں میں خیرگی ہو اور خاصہ طبعی سے دلوں میں تیرگی آئے۔

نور گیتی فروز چشمہ ہور

زشت باشد بچشم موشک کور

پس اگر چند فضول گوہرات و خرافات بکس اور فضول باتوں سے اور اوراق سیاہ کرنے کو تحریر جواب نام رکھیں تو ان کی ناکامی اور عالم میں بدنامی خود ظاہر باہر ہے اہل نظر اور ارباب بصیرت کو ایسے بے بصروں کی شکایت نہیں کہ وہ نور کو ظلمت اور سنت کو بدعت اپنی کجی باطن اور جہالت سے قرار دیتے ہیں اور نور اسلام کو باطل اور حق کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔

والله متم نوره و لو کرہ الکافرون و صلى الله تعالى علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

### میرٹھ

صورۃ ما قرظہ الشیخ الحسیب الشاعر اللیب الأدیب المتمسک بعقائد أهل الفوز و الفلاح المتشبت بأعمال أهل الخیر و الصلاح المشهور بالمولوی أبو محمد صادق علی مداح (سلمہ خالق الأشباح و الأرواح)

اے بہار آرائے چنستان کون و مکان تیرا ہزار ہزار شکر اور لاکھ لاکھ احسان انوار ساطعہ کی تجلی ریزی کی گل ہائے تر و تازہ سے مشام آرزوئے مشتاقان دوبارہ معطر ہوا اور اس تجلی زار کے جلوات خورشید اثر سے ایوان مراد عاشقان کا درود یوار منور ہوا۔ اللہ اللہ کیا کتاب ہے جس کی ہر ادا لا جواب ہے ہر لفظ کی پہن جلوہ ریز نور ہر معنی کی تجلی تماشائی طور ہر سطر اس کی سفہائے بے ادب کے لیے تازیانہ ہدایت ہے ہر صفحہ اس کا صلحائے صافی مشرب کے واسطے آمینہ رومنائے سعادت ہے۔ یہ کتاب تعلیم غیبی کا وہ نادر سبق ہے جس کے فیوضات کا جوش آمینہ اسرار طبع ہے یہ اس شہسوار میدان دین و ایمان کا عالی نشان ہے جس کی یکہ تازی سند تحقیق سے



کشور و ہایت پامال و ویران ہے وہ خضر وادی تحقیق ہادی منازل تدقیق بالائین صدر رفیع جناب مولانا مولوی عبد السمیع ہیں۔ سبحان اللہ دلائل وہ مدلل کہ جائے گفتار نہیں براہین وہ مبرہن کہ مقام انکار نہیں عاشقان رسول مقبول نے اسے آنکھوں سے لگایا عالمان معقول و منقول نے مستند ٹھہرایا، سنیوں کا یہ مذہب صوفیوں کا یہ شرب علمائے ہند سے تافقیان حرمین الشریفین سب اس کے قائل ہر خانوادہ کا صوفی اس پر جان و دل سے مالک علی الخصوص وہ بلبل بستان حجاز یعنی مکہ معظمہ کا مفتی حنفی بلاغت طراز دیکھو کہ کس خوش آہنگی سے زمرہ پرداز ہے۔

أنزه ربي عن مقالة كاذب ① كفور بما سمي براهين قاطعة  
وما حكمه في ذاتي ضربة امراء ② بسيف له في الحق أنوار ساطعة  
ياعد منها رأسه عن مكانه ③ وتبقى لأهل الزيف والجهل قامعه

یہ اشعار بطرز تلخیص حضرت مفتی حرم محترم ان فتاویٰ کے ذیل میں رقم فرماتے ہیں جو مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے در باب رد مسائل کتاب براہین قاطعہ مواہیر علمائے حرمین شریفین سے ۱۳۰۷ھ میں مستند کرائے ہیں اور یہ بات ان اشعار آب دار سے آشکارا ہے کہ مولف براہین قاطعہ بالکل کاذب و کفور اور اس کا گروہ اہل جہالت و اہل زلیغ ہے اور کتاب انوار ساطعہ راہ حق میں مخالفین حق کا سر کاٹنے کے لیے تیغ بے دریغ ہے۔ الہی اس کتاب مستطاب کی شہرت و مقبولیت جلوہ آرائے اوج کمال ہو اور اس کے ناظرین و سامعین کا دل لذت یاب کیف جلال و جمال ہو۔ آمین یا رب العالمین۔

مولف کہتا ہے کہ تقاریظ نقل کرتے کرتے کافی طول ہو گیا ہے اور ابھی علمائے عصر کی بہت تحریریں آئی ہوئی باقی ہیں۔ جناب مولوی عبد الخالق صاحب اور عبد الجبید صاحب جو دونوں حضرت بحر العلوم قدس سرہ کی اولاد امجاد سے ہیں۔ مولوی عبد الوہاب صاحب خلف الصدق حضرت مولانا عبد الرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولوی محمد ابراہیم صاحب مولوی محمد عبد الباقی صاحب اور مولوی محمد عبد العزیز صاحب یہ سب حضرات عالی درجات بلند لکھنؤ محلہ فرنگی محل کے علمائے باوقار ہیں (رفع اللہ درجاتہم و نفع المسلمین بحسناتہم) اور میرے مشفق کرم فرما مولوی محمد عبد العلی صاحب مدراسیدام فیضہ اور مولانا شاہ محمد سکندر علی صاحب خلیفہ حضرت شاہ عبد السلام ان کے علاوہ مراد آباد دہلی اور بمبئی وغیرہ کے علمائے کرام (جزاہم اللہ عنا خیر الجزا) نے اپنی تقریظوں سے اس ذرۂ بے مقدار کو شرف فرمایا لیکن بعض اہل دانش اور دور اندیشوں نے یہ سمجھایا کہ ان سب کے مطبوع ہونے میں بہت طول ہوگا اور لمبی تحریروں کے دیکھنے سے ہر ناظر طول و برداشتہ خاطر ہوگا لہذا میں ان حضرات کی خدمت والا درجت میں تقریظ شائع نہ ہو سکنے کا عذر اور ان کی توجہ اور بذل عنایت تقریظ نگاری کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن ایک تقریظ جس کو خاتم التقاریظ کہنا بجا ہوگا اگرچہ وہ میرے پاس سب سے اخیر میں پہنچی ہے لیکن اس کو تقدیم ذاتی کا شرف حاصل ہے وہ ضرور شائع ہونی چاہیے اور اس کی طباعت کو ہر ایک کا دل چاہے گا اور کیوں نہ ہو کہ تمام عرب و عجم ہندوستان و قسطنطنیہ اور مصر و شام وغیرہ میں انھیں فضیلت شہرت حاصل ہے اور آپ کی عظمت و کرامت کا شہرہ دور دور ہے۔ حضرت سلطان روم نے بکمال اشتیاق و آرزو آپ کو مکہ معظمہ زاد ہما اللہ شرفا سے دوبار بلایا ہے اور آپ کا بھرپور جلال و اعزاز کیا ہے۔ چنانچہ ممالک ہندوستان وغیرہ اخبار نگاروں نے

جانباً اس خبر کو شائع کیا اور پھیلایا ہے۔ نیز حضرت سلطان نے جناب شیخ الاسلام مفتی الانام مولانا احمد اسعد آفندی کی تجویز سے پایہ حرمین شریفین آپ کا خطاب مقرر فرمایا ہے اور فرمان شاہی میں آپ کو ان الفاظ (أقضى قضاء المسلمين أولى ولاية الموحدين) وغیرہ القاب عالیہ سے یاد کیا جاتا ہے آپ میرے اساتذہ میں سب سے پہلے استاذ ہیں کہ درس علم عربی شروع آپ سے کیا اور تصحیح عقائد اہل سنت کا حصہ بھی آپ سے لیا، طرفہ تریہ کہ اس دیس کے رہنے والوں میں جو صاحب میرے مقابل اور مجادل ہو کر میلا و مقدس حضرت محبوب رب العالمین کی توہین کرتے ہیں وہ بھی حضرت مولانا کو مانتے ہیں۔ ازاں جملہ کتاب براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ اٹھارہ کی چوتھی سطر میں حضرت کا نام اس ادب سے لیا ہے۔

ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ۔

پھر صفحہ ۲۷۶ کی دوسری سطر میں لکھا

اب مولوی رحمت اللہ صاحب تمام علمائے مکہ پر فائق اور باقرار علمائے مکہ اعلم ہیں۔

بھلا یہ صاحب بھی جب حضرت کو اپنا شیخ الہند تسلیم کر چکے اور عرب کے جملہ علماء پر فضیلت رقم کر چکے تو اب حضرت کی تصدیق کمال درجہ کو پہنچ گئی اور آپ کی فضیلت کیا ہندوستان اور کیا عرب سب جگہ کے علماء پر خود ہمارے معاصرین کے اقرار سے ثابت ہو چکی، لہذا ان کی تقریظ کا آخر تقاریظ میں چھاپ دینا مجادلین کے اوپر آخر و انتہا درجہ کی حجت سمجھتا ہوں علاوہ بریں حضرت مولانا کے حکم کی تعمیل ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مکہ زاد ہما اللہ شرفا و تکریم سے اس کو روانہ فرما کر مجھ کو شرف فرمایا اور خدوی مولوی منور علی صاحب مہاجر مقیم مکہ معظمہ کا یہ نوشتہ آیا کہ حضرت مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ چونکہ کتاب در منظم اور کتاب انوار ساطعہ کا اصل مدعا اثبات مولود و قیام میں ایک ہے اس لیے میری طرف سے دونوں کتاب کی ایک ہی تقریظ ہے۔ تقریظ یہ ہے۔

تقریظ مجددِ زمانِ پایہ حرمین شریفین شیخ العلماء حضرت مولانا

رحمت اللہ مہاجر مکی مد اللہ ظلہ العالی مدی الایام واللیالی

اس رسالے کو میں نے اول سے آخر تک اچھی طرح سنا، اسلوب عجیب اور طرز غریب بہت پسند آیا، اگر اس کے وصف میں کچھ لکھوں تو لوگ اسے مبالغہ پر حمل کریں گے اس لیے اسے چھوڑ کر دعا پر اکتفا کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اس کے مصنف کو اجر جمیل اور ثواب جزیل عطا فرمائے، اس رسالہ کے ذریعہ منکروں کے تعصب بچا کو توڑ کر ان کو راہ راست پر لائے اور مصنف کے علم، فیض اور تندرستی میں برکت بخشے۔

میلا و شریف کے باب میں میرے اساتذہ کرام کا اور میرا عقیدہ قدیم سے یہی تھا اور یہی ہے بلکہ مختلف سچ مخاہر کرتا ہوں کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ ع:

بریں زیستم ہم بریں بگذرم



اور عقیدہ یہ ہے کہ انعقاد مجلس میلاد بشرطے کہ منکرات سے خالی ہو جیسے تقنی اور باجا اور کثرت سے روشنی بیہودہ نہ ہو بلکہ روایات صحیحہ کے موافق ذکر معجزات اور ذکر ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا جائے اور اس کے بعد اگر طعام پختہ یا شیرینی بھی تقسیم کی جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس زمانہ میں جو ہر طرف سے پادریوں کا شور اور بازاروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کی مذمت کرتے ہیں اور دوسری طرف سے آریہ لوگ (خدا ان کو ہدایت کرے) پادریوں کی طرح بلکہ ان سے زیادہ شور مچا رہے ہیں ایسی محفل کا انعقاد ان شروط کے ساتھ جو میں نے اوپر ذکر کیں اس وقت میں فرض کفایہ ہے۔ میں مسلمان بھائیوں کو بطور نصیحت کہتا ہوں کہ ایسی مجلس کرنے سے نہ رکیں اور اقوال بیجا منکروں کی طرف سے جو تعصب سے کہتے ہیں ہرگز التفات نہ کریں اور تعین یوم میں اگر یہ عقیدہ نہ ہو کہ اس دن کے سوا اور دن جائز نہیں تو کچھ بھی حرج نہیں اور جواز اس کا بخوبی ثابت ہے اور قیام وقت ذکر میلاد کے 6 سو برس سے جمہور علمائے صالحین نے متکلمین اور صافیہ اور علمائے محدثین نے جائز رکھا ہے اور صاحب رسالہ نے اچھی طرح ان امور کو ظاہر کیا ہے اور تعجب ہے ان منکروں پر جو ایسے بڑھے کہ فاکہانی مغربی کے مقلد ہو کر جمہور سلف صالح کو متکلمین اور محدثین اور صوفیہ سے ایک ہی لڑی میں پرودیا اور ان کو ضال مضل بتلایا اور خدا سے نہ ڈرے کہ اس میں ان لوگوں کے استاد اور پیر بھی تھے مثلاً حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی اور ان کے صاحبزادے شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین دہلوی اور ان کے بھائی شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے نواسے حضرت مولانا محمد اسحق دہلوی قدس اللہ اسرار ہم سب کے سب انھیں ضال مضل میں داخل ہوئے جاتے ہیں۔ اُف ایسی تیزی پر کہ جس کے سبب جمہور متکلمین حرمین، مصر و شام اور یمن کے صوفیہ و محدثین اور دیار عجمیہ میں لاکھوں گمراہی میں ہوں اور یہ گئے چنے چند حضرات ہدایت پر۔ یا اللہ ہمیں اور ان کو ہدایت فرمایا اور سیدھے راستہ پر چلا۔ آمین ثم آمین۔

اور وہ جو بعض میری طرف نسبت کرتے ہیں کہ عرب کے خوف سے تقیہ کے طور پر سکوت کرتا ہوں اور ظاہر نہیں کرتا بالکل جھوٹ ہے اور ان کا قول مغالطہ دہی ہے۔ میں مخلف کہتا ہوں کہ میں نے کبھی حضرت سلطان کے سامنے جو میرے نزدیک خلاف واقع ہو ان کی رعایت یا ان کے وزراء و امرا کی رعایت سے کبھی نہیں کہا بلکہ دونوں دفعہ جو میں بلایا گیا ہوں تو صاف صاف کہتا رہا ہوں اور کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ حضرت سلطان المعظم یا ان کے وزراء و امرا ناراض ہوں گے۔ اور میرا جھگڑا جو عثمان نوری پادشاہ سے ہوا (جو بڑے مہیب اور زبردست بادشاہ تھے اور اپنے حکم کی مخالفت کو بدترین امور سمجھتے تھے) اور مجلس عام میں ان سے جو میری گفتگو ہوئی وہ جملہ اہل حجاز بالخصوص حرمین کے بڑے چھوٹے سبھی بخوبی جانتے ہیں۔ بلکہ اگر میں تقیہ کرتا تو ان حضرات منکرین کے خوف سے تقیہ کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ جب ان کے ہاتھ سے امام سبکی جلال الدین سیوطی، ابن حجر اور ہزار با علمائے تقویٰ شعار خاص کر ان کے استادوں اور پیروں میں شاہ ولی اللہ وغیرہ قدس اللہ اسرار ہمہ چھوٹے تو میں غریب (نہ تو ان کے سلسلہ اساتذہ میں شامل اور نہ ان کے پیروں کی فہرست میں داخل) کس طرح چھوٹوں گا یہ تو ہر طرح سے تفسیق بلکہ تکفیر میں قصور نہ کریں گے لیکن میں ان کی ان حرکتوں سے نہیں ڈرتا اور میرے ان اقوال کی تائید اور سند مولف رسالہ نے جو جا بجا تحریر فرمائی ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم فقط۔

أمر برقمه و قال بقمه الراجی رحمة ربه المنان

محمد رحمت اللہ بن خلیل الرحمن (غفر لہما اللہ المنان)

محمد رحمت اللہ ۱۲۵۳ھ

## اختتام کتاب

بہ کلمات طیبات مرشد زماں ہادی ذہور ان حضور مرشدی، مولائی، تقنی و رجائی، المشہر بالالسنہ والافواہ الحافظ الحاج المہاجر مولانا شاہ امداد اللہ (صح اللہ المسلمین بامدادہ وارشادہ وتقواہ)

بعد حمد و صلاۃ فقیر حقیر امداد اللہ عرض می نماید کہ درینو لا چیزے کیفیت اعتقاد مذہب و مشرب خود کہ جامع شریعت و طریقت میدانم بقلم آوردن مناسب افتاد باید دانست و بغور باید شنید کہ فقیر مدعی مذہب حنفی و مشرب صوفی است اگرچہ در دعوی خود کامل نہ باشد مگر خود را حنفی مذہب و صوفی مشرب می گویند و می شمارد زیرا کہ فقیر را از راه عقل و نقل محقق و معلوم شد کہ ہر قدر کہ فہم معانی قرآنی و ادراک حقائق و معارف کلام الہی (جل شانہ) و فہم و ادراک حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دو گروہ یعنی علمائے مجتہدین احناف و مشائخ صوفیہ را حاصل و نصیب است دیگر اس درجہ ندارند کہ از یک مسئلہ مسائل کثیرہ استخراج کردہ اند و پشت و پناہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم گشتہ اند رضوان اللہ علیہم اجمعین لہذا فقیر بدل مقلد ہر دو فریق موصوف گشتہ مذہب و مشرب ایشان اختیار کردہ است و فوائد بسیار ظاہری و باطنی حاصل کردہ است وی کند (وہو الموفق و بہ نستعین) پس معتقد و مختار فقیر آنست کہ در اس مسئلہ کہ اس ہر دو فریق متفق اند یعنی احناف و صوفیہ فقیر بے تکرار و بحث بدل نمودہ بر آں کار بندی شود در اس مسئلہ کہ فریقین موصوفین را اختلاف واقع شدہ در آں مسئلہ دیدہ خواہد شد کہ اگر آں اختلاف در حقائق و معارف و توحید بصوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کردہ خواہد شد زیرا کہ اس گروہ محقق و اہل کشف مستعد و فریق ثانی نظر و فکر عقلی را داخل می دہند و اگر اختلاف در مسائل عبادات و معاملات است در اس نیز غور کردہ خواہد شد پس اگر آں اختلاف در مسائل اعمال جو ارجح تعلق دارد باہل مذہب حنفی رجوع کردہ آید و اگر اختلاف در اعمال قلبی ست رجوع بصوفیہ خواہد شد۔ (دستور العمل حضور مرقومہ ۱۳۰۶ھ)

فقیر حقیر امداد اللہ عرض گزار ہے کہ میں مشربا و مذہبا اپنے عقیدہ و عمل کو شریعت و طریقت کا سنگم سمجھتا ہوں جسے اپنے قلم سے لکھ دینا مناسب ہے۔ ہوش کے کان لگا کر سنیں کہ یہ فقیر حنفی المسلک اور صوفی المذہب ہونے کا مدعی ہے گرچہ اپنے اس دعوے میں کامل نہیں مگر خود کو حنفی اور صوفی کہتا اور شمار کرتا ہوں کیوں کہ اس فقیر پر عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں یہ حقیقت آشکار ہو چکی ہے کہ جس قدر قرآنی علوم کے فہم و معانی ادراک حقائق اور معرفت کلام الہی جل شانہ اور احادیث مصطفویہ کا فہم و ادراک ان دو گروہوں یعنی علمائے مجتہدین احناف اور مشائخ صوفیہ کو نصیب ہوا ہے شاید ہی کسی اور کو اتنا حاصل ہوا ہو کیوں کہ انھوں نے ایک ہی مسئلہ سے بہت سے مسائل کا استخراج کیا ہے اور دین محمدی کی پشت پناہی کا فریضہ بطریق احسن انجام دیا ہے اس لیے فقیر ان دو گروہوں کا تہ دل سے اتباع کر کے ان کے مذہب و مسلک پر جادہ پیا ہوا ہے۔ اور فوائد ظاہری و باطنی سے مستفید ہوا اور ہو رہا ہے۔ وہو الموفق و بہ نستعین۔ پس فقیر کا معتقد و مختار یہ ہے کہ جس مسئلہ میں یہ دو گروہ یعنی احناف و صوفیہ متفق ہیں فقیر اس کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے تہ دل سے قبول کر کے اس پر کار بند ہوتا ہے۔ اور جس مسئلہ میں مذکورہ گروہوں کا اختلاف ہو اس کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ اگر یہ اختلاف حقائق و معارف اور توحید سے متعلق صوفیہ کرام کا ہے ہو تو ممکن ہے کیوں کہ یہ محقق اور اہل کشف کی



جماعت ہے۔ اور دوسرا گروہ اپنے نظر و فکر میں عقل کا استعمال کرتے ہیں لیکن اگر اختلافات عبادت و معاملات سے متعلق مسائل میں ہوں تو اس پر غور کیا جائے گا، پس اگر اس اختلاف کا تعلق اعمال جوارح والے مسائل سے ہو تو ان پر مذہب حنفی کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر اختلاف اعمال قلبی میں ہو تو صوفیہ کی طرف رجوع لایا جائے گا۔  
(دستور العمل حضور مرقومہ ۱۳۰۶ھ)

### و قال (دام إرشاده و إمداده)

از فقیر امداد اللہ (عفا اللہ عنہ) بخد مت بابرکت جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب (سلمہ اللہ تعالیٰ) بعد و علیکم اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کا نامہ مورخہ ۲۰ رجب ۱۳۰۷ھ مع ایک پرچہ مطبوعہ مطبوع محبوب المطالع شہر میرٹھ جو فقیر کے خط سے منسوب ہے جناب مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کے ہاتھ پہنچا، فقیر کا یہ مسلک ضرور ہے کہ اہل اسلام کی تکفیر پر جرات نہیں کرتا بلکہ اس سے تنفر قلبی رکھتا ہے اور اس میں صرف اوقات کو حماقت بلکہ خسران و خذلان کا موجب سمجھتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو تاویل کو محبوب سمجھتا ہے بشرطیکہ سواد اعظم کے خلاف نہ ہو۔ اور فقیر صلح بین المومنین کا بدل خواہاں ہے اور اپنے احباب کو بھی فقیر کی یہی نصیحت ہے کہ نزاع سے کنارہ کش رہیں اور مسائل مختلف فیہا میں سواد اعظم کا اتباع کریں، اگرچہ وہ مسئلہ اپنی تحقیق کے مخالف ہو کیوں کہ سواد اعظم علماء و مشائخ کا خلاف تنزل مرتبہ ایمانیہ کا موجب اور انحطاط کمالات کا مشعر ہے۔

اس خط میں یعنی خط مطبوعہ محبوب المطالع میں جو فقیر کے خلاف ہے اس کی تصریح کرتا ہوں:

جواب اول: میں امکان وقوع کافر کا فرق بتایا گیا ہے۔ فقیر کو اس سے اتنا معلوم ہوا کہ کذب کا نقائص میں ہونا متفق علیہ ہے پھر ذات مقدس باری تعالیٰ کی طرف نقص کا استناد کس طرح جائز ہو سکتا ہے گو برسمیل امکان ہی سہی۔

جواب ثانی: میں آیت: إنما أنا بشر مثلكم الخ. کا منکر کوئی اہل اسلام نہیں سب کا یہی اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں ہیں انکار اس بات کا ہے کہ کوئی بشر سمجھ کر بڑا بھائی کہنے لگے یا مثل اس کے اور کلمہ گستاخی زبان سے نکالے یہ البتہ موجب خذلان ہے، فقیر کے اعتقاد میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف المخلوقات ہیں اور باعث ایجاد کائنات ع:

بعد از خدا بزرگ تویی قصہ مختصر

جواب ثالث: فقیر مجلس شریف میلاد مبارک کا مع بیت کذا یہ معمولہ علمائے ثقات و صلحا و مشائخ کرام بارہا اقرار کر چکا ہے اور اکثر اس کا عامل ہے جیسا کہ فقیر کی دیگر تقریرات و تحریرات سے یہ مضمون ظاہر ہے فقیر کو اس مجلس شریف کے باعث حسنات و برکات کے معتقد ہونے کے علاوہ یہ عین یقین ہے کہ اس مجلس مبارک میں فیوض و انوار و رحمت الہی کا نزول ہوتا ہے۔

جواب رابع: فقیر کا یہ عقیدہ ہے کہ علمائے حرمین شریفین کی توہین شہہ بھرجائز نہیں اور ان کا اتفاق کسی مسئلہ شرعیہ میں حجت سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ بزرگان سلف لکھتے آئے ہیں۔

جواب خامس: فقیر ہمیشہ سے حنفی المذہب صوفی المشرع ہونے کا مدعی ہے اگرچہ اپنے دعوے میں کامل نہ ہو۔ فقیر تقلید کو واجب

جانتا ہے اور اس بات کو اچھا نہیں جانتا کہ کوئی حنفی المذہب ہو کر ایسے مسئلہ کی تائید کرے جس میں حمایت لامذہبی پائی جائے اور عوام ضلالت میں پڑیں۔

(فقرات مندرجہ کرامت نامہ) حضور مرشدی اکی مولوی نذیر احمد خاں صاحب مدرس مدرسہ احمد آباد گجرات مرقومہ رمضان ۱۳۰۷ھ۔

### و قال (دام إرشاده و إمداده)

از امداد اللہ (عفا اللہ عنہ)

بخد مت عزیزم پیر جی مولوی خلیل احمد صاحب انیسٹھوی و عزیزم مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی (سلمہما اللہ تعالیٰ) السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

تمام بلاد و ممالک ہند مثلاً بنگال، بہار، مدراس، دکن، گجرات، بمبئی، پنجاب، راج پوتانا، رام پور اور بہاول پور وغیرہ سے متواتر اخبارات حیرت انگیز حسرت خیز اس قدر آتی ہیں کہ جس کو سن کر فقیر کی طبیعت نہایت ملول ہوتی ہے اس کی علت یہی براہین قاطعہ و دیگر ایسی ہی تحریرات ہیں یہ آتش فتنہ انوار ساطعہ کی تردید سے مشتعل ہوئی کہ تمام عالم اس کی حمایت میں کھڑا ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو کچھ ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ تمام ممالک کے علماء و مفتیان نے ساری کتاب کو تہ دل سے پسند فرما کر اس پر اتفاق کیا۔ دیکھو ہندوستان میں سیکڑوں مذاہب کفریہ و عقائد باطلہ مخالف دین و بیخ کن اسلام ظاہر ہوتے جاتے ہیں اور کیسے کیسے شبہات الزام و اعتراض شہادت و شبہات و شکوک مذہب اسلام پر وارد کرتے جاتے ہیں پس ایسے وقت میں آپس کی مجادلہ کی جگہ اس کی تردید کرنی چاہیے اور قرآن شریف کی خوبیاں و فضائل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہد و مکارم اخلاق و محاسن اوصاف کو ہر مقام و ہر شہر و قریہ میں نہایت زور و شور سے مشتہر کرنا چاہیے ایسے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہد و اوصاف و مکارم اخلاق کو مشتہر و اشاعت عام کرنے کے لیے ہر مقام میں مجلس میلاد شریف کا چرچا بڑا عمدہ ذریعہ و مستحسن وسیلہ ہے۔

فقرات مندرجہ کرامت نامہ حضور مرشدی اکی پیر جی خلیل احمد صاحب

و مولوی محمود حسن صاحب مرقومہ ذی قعدہ (۱۳۰۷ھ)

### و قال (دام إرشاده و إمداده)

انوار ساطعہ کے اکثر مسائل میں فقیر دل سے متفق ہوا تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت التجا و دعا کی یا اللہ اگر میں ان مسائل میں صراط مستقیم پر ہوں اور حق بجانب ہوں تو اس کتاب کو مقبول علمائے دیار و امصار و اہل اسلام کر۔ چنانچہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا کہ تمام علمائے حرمین شریفین و بلاد اسلام اس کے مسائل میں متفق ہیں۔ اور خود کتاب کو بھی پسند کرتے ہیں۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

(مرقومہ دہم رمضان روزہ شنبہ ۱۳۰۷ھ اکی راقم الحروف)

### و قال (دام إرشاده و إمداده)

میں خود مولود شریف پڑھواتا ہوں اور قیام کرتا ہوں اور ایک روز میرا یہ حال ہوا کہ بعد قیام سب بیٹھ گئے مگر میں بے خبر کھڑا رہ گیا بعد دیر کے مجھ کو ہوش آیا تب بیٹھا۔ (مرقومہ ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ اکی راقم الحروف)



## و قال (دام إر شاده و إمداده)

انوار ساطعہ از اول تا آخر شنیدم و بغور و تدبر نظر کردم همه تحقیق را موافق مذهب و مشرب خود و بزرگان خود یافتم۔

(مرقومہ یازدہم رجب ۱۳۰۴ھ راقم الحروف)

## و قال (دام إر شاده و إمداده)

فی الحقیقت نفس مطلب کتاب انوار ساطعہ موافق مذهب و مشرب فقیر و بزرگان فقیر است خوب نوشتید (جزاکم اللہ خیر الجزاء) اللہ تعالیٰ ما شاؤ جمع مومنان را در ذوق و شوق و محبت خود داشته حسن خاتمہ نصیب کند آمین۔

(مرقومہ بست و دوم شوال ۱۳۰۴ھ اسی راقم الحروف)

واضح ہو کہ اول انوار ساطعہ ۱۳۰۲ھ میں مطبوع ہوئی تھی رفتہ رفتہ کچھ مدت کے بعد مکہ معظمہ پہنچی اور حضرت مرشدی و مولائی نے بتدریج اس کو ملاحظہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت نے جس قدر کرامت نامے مکہ معظمہ سے رقم فرمائے سب میں یہ مضمون تھا کہ اس کتاب کے مسائل میرے اور میرے مشائخ کے مشرب کے بالکل موافق و مطابق ہیں۔ پھر حضرت کے قبول فرمانے کی یہ برکت ہوئی کہ یہ کتاب مقبول عام ہو گئی سب اس کو ہاتھوں ہاتھ لے گئے ایک نسخہ بھی باقی نہ رہا اور لوگوں کے اشتیاق کا یہ عالم کہ دور دور سے مطالبے کے خطوط آرہے ہیں، گلوگیری تمناے مشتاقین نے مجبور کر دیا کہ اسے پھر چھپوایا جائے تو حضرت مرشدی و مولائی کے ارشاد کے مطابق ۱۳۰۶ھ میں انوار ساطعہ کی نظر ثانی شروع کر دی لیکن اتنی رکاوٹیں پیش آئیں کہ (العیاذ باللہ) دور روز کام ہوا تو دو مہینے ناغہ گئے بہر کیف اس مولائے کریم کا شکر کہ انجام کار ۱۳۰۷ھ میں اس کام سے فارغ ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ علی شفیعنا خاتم النبیین۔

اللہم اجعلنا بذکرک و ذکر حبیبک متلذذین

و بالآتک و نعماتک فی الدنیا و الآخرۃ متعمین

توفنا مسلمین و الحقنا بالصالحین

و ارزقنا شفاعۃ سید المرسلین

و ادخلنا الجنۃ بسلام فرحین

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ

و نور عرشہ محمد

و آلہ و أصحابہ و اولیاء امتہ أجمعین۔

اللہم ارحمنا معهم برحمتک یا أرحم الراحمین۔



## کتابیات

تخریج و تحقیق کے دوران حسب ذیل کتابوں سے بطور خاص مدد لی گئی

• قرآن کریم۔ ابتدائے نزول : ۶۱۰ء انتہائے نزول : ۹/مرزی الحجۃ ۱۰/ ۶۳۲ء

• شرح المواہب اللدنیۃ : محمد بن عبدالباقی زرقانی [۱۲۲ھ]

• تفسیر ابن مقاتل : سلمان بن بشر ازدی [۱۵۰ھ]

• جامع معمر بن راشد : معمر بن راشد ازدی [۱۵۳/۴ھ]

• مشیخۃ ابن طہمان : ابوسعید ابراہیم بن طہمان بن شعیب ہروی [۱۶۳ھ]

• مؤطا امام مالک : امام مالک بن انس مدنی [۱۷۹ھ]

• مسند عبد اللہ بن مبارک : عبد اللہ بن مبارک [۱۸۰ھ]

• الزہد و الرقائق لابن المبارک : عبد اللہ بن مبارک [۱۸۰ھ]

• حدیث اسماعیل بن جعفر : ابواسحق اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر انصاری زرقانی مدنی [۱۸۰ھ]

• الآثار لأبی یوسف : امام قاضی ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری البغدادی [۱۸۲ھ]

• نسخۃ و کعب بن اعمش : ابوسفیان و کعب بن جراح بن یلیح بن رواحہ [۱۹۷ھ]

• جزء سفیان ابن عیینہ : سفیان بن عیینہ کوئی [۱۹۸ھ]

• مسند الطیالسی : سلیمان بن داؤد طیالسی [۲۰۴ھ]

• جمہرۃ أنساب العرب : ہشام بن محمد بن سائب کلبی [۲۰۴ھ]

• فتوحات الشام : ابوعبد اللہ محمد بن عمر بن واقد [۲۰۷ھ]

• مصنف عبد الرزاق : ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی [۲۱۱ھ]

• مسند الحمیدی : عبد اللہ بن زبیر مکی [۲۱۹ھ]

• أخبار مکة للأزرقي : امام ابوالولید محمد بن عبد اللہ کریم غسانی ازرقی [۲۲۳ھ]

• فضائل القرآن لقاسم بن سلام : ابوعبد اللہ قاسم بن سلام [۲۲۳ھ]

• معجم الأدباء : عبد اللہ یاقوت حموی [۲۲۶ھ]

• جزء أبي الجهم : علاء بن موسیٰ بن عطیہ باہلی بغدادی [۲۲۸ھ]

• مسند ابن الجعد : ابوالحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی [۲۳۰ھ]



- ✽ تاریخ یحیٰ بن معین : ابو زکریا یحییٰ بن معین [۵۲۳۳]
- ✽ مصنف ابن ابی شیبہ : ابوبکر عبداللہ بن محمد بن احمد نسفی [۵۲۳۵]
- ✽ الفہرست لابن ندیم : اسحاق بن ابراہیم بن ماہان بن بہمن تمیمی ابن ندیم موصلی [۵۲۳۵]
- ✽ مسند عبد بن حمید : ابوجعفر عبد بن محمد حمید کشتی [۵۲۳۸]
- ✽ مسند اسحاق بن راہویہ : حافظ اسحاق بن راہویہ [۵۲۳۸]
- ✽ مسند ابن ابی شیبہ : عثمان بن ابوشیبہ کوفی [۵۲۳۹]
- ✽ مسند ابن راہویہ : حافظ اسحاق بن راہویہ [۵۲۳۸]
- ✽ مسند امام احمد بن حنبل : امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی [۵۲۴۱]
- ✽ مسند سعد بن ابی الوقاص : ابوعبداللہ الدورق احمد بن ابراہیم بن کثیر [۵۲۴۶]
- ✽ سنن الدارمی : امام عبداللہ بن عبدالرحمن داری [۵۲۵۵]
- ✽ الأدب المفرد للبخاری : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۵۲۵۶]
- ✽ صحیح بخاری : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۵۲۵۶]
- ✽ خلق أفعال العباد للبخاری : ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۵۲۵۶]
- ✽ الأحادیث المرفوعة من التاريخ الكبير : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۵۲۵۶]
- ✽ الأغاني : ابوالفرج علی بن حسین اصہبانی [۵۲۵۶]
- ✽ مکارم الأخلاق للطبرانی : سلیمان بن احمد طبرانی [۵۲۶۰]
- ✽ المعجم الكبير : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۵۲۶۰]
- ✽ المعجم الأوسط : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۵۲۶۰]
- ✽ المعجم الصغير : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۵۲۶۰]
- ✽ مسند الشاميين للطبرانی : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۵۲۶۰]
- ✽ الدعاء للطبرانی : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۵۲۶۰]
- ✽ صحيح مسلم : امام ابوالحسن مسلم بن الحجاج قشیری [۵۲۶۱]
- ✽ سنن ابن ماجه : امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی [۵۲۶۳]
- ✽ سنن سعید بن منصور : سعید بن منصور خراسانی [۵۲۶۳]
- ✽ أخبار مكة للفاکھی : محمد بن اسحاق بن عباس فاکھی [۵۲۶۵]
- ✽ سنن ابی داؤد : امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث [۵۲۶۵]
- ✽ الشئائل المحمدية للترمذی : امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۵۲۶۹]

- ✽ جامع ترمذی : امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۵۲۷۹]
- ✽ مسند الحارث : الحارث بن ابواسامہ [۵۲۸۲]
- ✽ فضل الصلوة علی النبی : قاضی اسماعیل بن اسحاق بن حماد جہتی ازدی مالکی [۵۲۸۲]
- ✽ مسند عمر بن عبد العزیز للباغندی : ابوبکر محمد بن سلیمان حارث واسطی باغندی [۵۲۸۳]
- ✽ غریب الحديث للحريبي : ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق حربی مروزی [۵۲۸۵]
- ✽ غریب الحديث : ابواسحاق بن ابراہیم مروزی [۵۲۸۵]
- ✽ الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم : ابوبکر بن عمرو بن شحاک بن مخلد شیبانی [۵۲۸۷]
- ✽ المذکر و التذکیر لابن ابی عاصم : حافظ ابوبکر احمد ابن ابی عاصم عمر شیبانی [۵۲۸۷]
- ✽ البحر الزخار مسند البزار : حافظ ابوبکر احمد بن عمرو عتکی بزار [۵۲۹۳]
- ✽ صلاة الوتر لمحمد بن نصر المروزي : ابوعبداللہ محمد بن نصر الحجاج مروزی [۵۲۹۴]
- ✽ قيام رمضان للمروزي : ابوعبداللہ محمد بن نصر الحجاج مروزی [۵۲۹۴]
- ✽ تعظيم قيام الصلوة للمروزي : ابوعبداللہ محمد بن نصر الحجاج مروزی [۵۲۹۴]
- ✽ دلائل النبوة للقریابی : ابوبکر جعفر بن محمد بن حسن [۵۳۰۱]
- ✽ الصيام للقریابی : ابوبکر جعفر بن محمد بن حسن [۵۳۰۱]
- ✽ السنن الكبرى للنسائي : امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن شعيب نسائی [۵۳۰۳]
- ✽ سنن نسائي : امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن شعيب نسائی [۵۳۰۳]
- ✽ الغرباء للآجري : ابوبکر محمد بن حسین آجری [۵۳۰۶]
- ✽ الشريعة للآجري : ابوبکر محمد بن حسین آجری [۵۳۰۶]
- ✽ أخلاق حملة القرآن للآجري : ابوبکر محمد بن حسین آجری [۵۳۰۶]
- ✽ أخلاق العلماء للآجري : ابوبکر محمد بن حسین آجری [۵۳۰۶]
- ✽ معجم أبي يعلى الموصلي : احمد بن علی موصلی [۵۳۰۷]
- ✽ مسند الروياني : محمد بن ہارون رویانی [۵۳۰۷]
- ✽ مسند أبي يعلى الموصلي : احمد بن علی موصلی [۵۳۰۷]
- ✽ المنتقى في الحديث لابن الجارود : عبداللہ بن علی جارود [۵۳۰۷]
- ✽ تفسیر طبری : ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری [۵۳۱۰]
- ✽ التوحيد لابن خزيمة : ابوبکر محمد بن اسحاق بن مغیرہ بن صالح السلمی نيساپوری [۵۳۱۱]
- ✽ صحيح ابن خزيمة : محمد بن اسحاق بن خزيمة [۵۳۱۱]



- \* مستخرج أبي عوانة : يعقوب بن اسحاق اسفرائي [۵۳۱۶]  
 \* الأوسط لابن المنذر : محمد بن ابراهيم بن منذر نيسابوري شافعي [۵۳۱۸]  
 \* طبقات ابن سعد : محمد بن سعد [۵۳۲۰]  
 \* مشكل الآثار للطحاوي : ابو جعفر احمد بن محمد طحاوي [۵۳۲۱]  
 \* الضعفاء الكبير للعقيلي : ابو جعفر محمد بن عمرو عقيلي مكي [۵۳۲۲]  
 \* مكارم الأخلاق للخرائطي : محمد بن جعفر خرائطي [۵۳۲۴]  
 \* تفسير ابن أبي حاتم : ابو محمد عبد الرحمن بن ابو حاتم رازي [۵۳۲۴]  
 \* شكر الله على نعمه للخرائطي : محمد بن جعفر خرائطي [۵۳۲۴]  
 \* فوائد محمد بن مخلد : ابو عبد الله محمد بن مخلد بن حفص ووري عطار [۵۳۳۱]  
 \* المسند للشاشي : ابو سعيد شيم بن كليب شاشي [۵۳۳۵]  
 \* الناسخ و المنسوخ للنحاس : احمد بن محمد اسماعيل مرادي ابو جعفر نحاس [۵۳۳۸]  
 \* معجم ابن الأعرابي : ابو سعيد احمد بن محمد بن اعرابي [۵۳۴۱]  
 \* من حديث خيثمه بن سليمان : خيثمه بن سليمان بن حيدر قرشي طرابلسي مقرئ [۵۳۴۳]  
 \* معجم الصحابة لابن قانع : ابو الحسن عبد الباقي بن قانع [۵۳۵۱]  
 \* طبقات المحدثين : مسلم بن قاسم اندلي [۵۳۵۳]  
 \* تفسير نيسافوري : احمد بن محمد نيسابوري [۵۳۵۳]  
 \* صحيح ابن حبان : ابو الشيخ محمد بن حبان [۵۳۵۳]  
 \* ثقات ابن حبان : محمد بن حبان بن احمد بن حبان ابو حاتم بسطي [۵۳۵۳]  
 \* تهذيب الآثار للطبري : ابو القاسم سليمان بن احمد طبري [۵۳۶۰]  
 \* عمل اليوم و الليلة لابن السنن : حافظ ابو بكر احمد بن محمد بن اسحق ابن السنن [۵۳۶۳]  
 \* الكامل لابن عدي : ابو احمد عبد الله بن عدي [۵۳۶۵]  
 \* أحكام القرآن للجصاص : ابو بكر احمد بن علي جصاص [۵۳۷۰]  
 \* تنبيه الغافلين و ارشاد الجاهلين : فقيه ابو الليث نصر بن محمد بن ابراهيم سمرقندي [۵۳۷۳]  
 \* بحر الفوائد المسمى بمعاني الأخبار : محمد بن ابراهيم كلا بازي بخاري [۵۳۸۰]  
 \* بحر الفوائد المسمى بمعاني الاخبار : محمد بن ابراهيم كلا بازي بخاري [۵۳۸۰]  
 \* مفاتيح العلوم : محمد بن احمد بن يوسف خوارزمي [۵۳۸۰]  
 \* حديث أبو الفضل الزهري : ابو الفضل عبيد الله بن عبد الرحمن الزهري [۵۳۸۱]

- \* علل الدار قطنی : ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی [۵۳۸۵]  
 \* سنن الدار قطنی : ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی [۵۳۸۵]  
 \* قوت القلوب : ابو طالب محمد بن علی مکی [۵۳۸۶]  
 \* الإبانة الكبرى لابن بطة : ابو عبد الله عبيد الله بن محمد بن محمد بن حمدان ابن بطة حنبلي [۵۳۸۷]  
 \* سبعة مجالس من أمالي أبي الطاهر : ابو طاهر محمد بن عبد الرحمن بن عباس بغدادی [۵۳۹۳]  
 \* معجم الشيوخ : ابو الحسين محمد بن احمد بن عبد الرحمن ابن جميع عسافى صيداوى [۵۴۰۲]  
 \* المستدرک : امام ابو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم نيشاپوري [۵۴۰۵]  
 \* معرفة علوم الحديث : امام ابو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم نيشاپوري [۵۴۰۵]  
 \* أمالي ابن مردويه : احمد بن موسى بن مردويه [۵۴۱۰]  
 \* آداب الصحبة لابی عبد الرحمن السلمی : ابو عبد الرحمن محمد بن حسين سلمی [۵۴۱۲]  
 \* فوائد تمام : تمام بن محمد بن عبد الله طلي [۵۴۱۲]  
 \* فوائد العراقيين لأبي سعيد النقاش : حافظ ابو سعيد محمد بن علي مهدي نقاش حنبلي [۵۴۱۳]  
 \* شرح أصول اعتقاد أهل السنة و الجماعة للألكائي : ابو القاسم بييت الله بن حسن [۵۴۱۸]  
 \* المجموع : حسين بن شعيب معروف به ابن نجی [۵۴۲۰]  
 \* حلية الأولياء : ابو نعيم احمد بن عبد الله اصبهاني [۵۴۲۰]  
 \* الإصابة في معرفة الصحابة : ابو نعيم احمد بن عبد الله اصبهاني [۵۴۲۰]  
 \* تثبيت الإمامة و ترتيب الخلافة : ابو نعيم احمد بن عبد الله اصبهاني [۵۴۲۰]  
 \* الأربعون على مذهب المتحققين من الصوفية : ابو نعيم احمد بن عبد الله اصبهاني [۵۴۲۰]  
 \* تثبيت الإمامة و ترتيب الخلافة : ابو نعيم احمد بن عبد الله اصبهاني [۵۴۲۰]  
 \* دلائل النبوة لأبي نعيم اصبهاني : ابو نعيم احمد بن عبد الله اصبهاني [۵۴۲۰]  
 \* معرفة الصحابة لأبي نعيم اصبهاني : ابو نعيم احمد بن عبد الله اصبهاني [۵۴۲۰]  
 \* أخبار أصفهان : ابو نعيم احمد بن عبد الله اصبهاني [۵۴۲۰]  
 \* أمالي ابن بشران : ابو القاسم عبد الملك بن محمد بن بشران [۵۴۲۲]  
 \* قوت القلوب : مكي بن ابو طالب قيسى مقرئ [۵۴۲۷]  
 \* الفوائد الشهير بالغيلانيات لأبي بكر الشافعي : عبد الله بن محمد ابراهيم شافعي [۵۴۳۰]  
 \* الاستيعاب في معرفة الأصحاب : ابو عمر يوسف بن عبد البر [۵۴۵۳]  
 \* مسند الشهاب القضاعي : ابو عبد الله محمد بن سلامه قضاعي شافعي [۵۴۵۳]



- ✽ الأحكام في أصول القرآن : ابو محمد علي بن سعيد بن حزم اموي طاهري اندلسي [هـ ٣٥٦]
- ✽ شعب الايمان : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ فضائل الأوقات للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ القضاء و القدر للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ الأربعين الصغرى للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ السنن الكبرى للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ دلائل النبوة للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ شعب الايمان للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ معرفة السنن و الآثار للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ الآداب للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ الأسماء و الصفات للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ الاعتقاد للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ المدخل إلى السنن الكبرى للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ القضاء و القدر للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ السنن الصغير للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بيهقي [هـ ٣٥٨]
- ✽ شرف أصحاب الحديث : ابو بكر احمد بن علي خطيب بغدادى [هـ ٣٦٣]
- ✽ الكفاية في علم الرواية للبغدادى : ابو بكر احمد بن علي خطيب بغدادى [هـ ٣٦٣]
- ✽ تقييد العلم للخطيب البغدادى : ابو بكر احمد بن علي خطيب بغدادى [هـ ٣٦٣]
- ✽ جامع بيان العلم و فضله لابن عبد البر : ابو عمر يوسف بن عبد البر [هـ ٣٦٣]
- ✽ الجامع لأخلاق الراوي و آداب السامع : ابو بكر احمد بن علي خطيب بغدادى [هـ ٣٦٣]
- ✽ الفقيه و المتفقه للخطيب البغدادى : ابو بكر احمد بن علي خطيب بغدادى [هـ ٣٦٣]
- ✽ الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادى : ابو بكر احمد بن علي خطيب بغدادى [هـ ٣٦٣]
- ✽ الأربعون للفوسوي : ابو القاسم زيد بن علي فارسي فسوي [هـ ٣٦٤]
- ✽ التوحيد لابن مندة : حافظ ابو عبد الله بن مندة اصبهاني [هـ ٣٦٥]
- ✽ فوائد ابن مندة : حافظ ابو عبد الله بن مندة اصبهاني [هـ ٣٦٥]
- ✽ الشرح الكبير لابن قدامة : ابو المعالي بغدادى معروف بن ابن قدامة [هـ ٣٨٦]
- ✽ جذوة المقتبس من ذكر ولادة الأندلس : محمد ابن ابو نصر فتوح ازدي حميدي [هـ ٣٨٨]

- ✽ أصول السرخسي : ابو بكر محمد بن احمد سرخسي حنفي [هـ ٣٩٠]
- ✽ المبسوط للسرخسي : ابو بكر محمد بن احمد سرخسي [هـ ٣٩٠]
- ✽ إحياء علوم الدين : ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالي طوسي [هـ ٥٠٥]
- ✽ تفسير ابو السعود : ابو محمد حسين بن مسعود بغوي شافعي [هـ ٥١٦]
- ✽ تفسير معالم التنزيل : ابو محمد حسين بن مسعود بغوي شافعي [هـ ٥١٦]
- ✽ تفسير كشاف : ابو القاسم محمد بن عمرو دمشقي [هـ ٥٢٨]
- ✽ الفتاوى الكبرى : حسام الدين عمر بن عبد العزيز حنفي [هـ ٥٣٦]
- ✽ الفتاوى الكبرى : عمر بن عبد العزيز حسام الدين حنفي [هـ ٥٣٦]
- ✽ فتاوى نسفية : نجم الدين عمر بن محمد بن احمد حنفي نفي سمرقندي [هـ ٥٣٤]
- ✽ الفائق في غريب الحديث و الأثر : جابر الله ابو القاسم محمود بن عمر دمشقي [هـ ٥٣٨]
- ✽ تحفة الفقهاء : ابو محمد محمد بن احمد سمرقندي [هـ ٥٣٩]
- ✽ الشفا بتعريف حقوق المصطفى : ابو الفضل عياض بن موسى [هـ ٥٣٣]
- ✽ غنية الطالبين : شيخ محي الدين ابو محمد عبد القادر جيلاني [هـ ٥٢١]
- ✽ تاريخ مدينة دمشق : علي بن حق دمشقي معروف بابن عساكر [هـ ٥٤١]
- ✽ الأمثال للرامهرمزي : ابو الحسن بن عبد الرحمن بن خلاد رامهرمزي [هـ ٥٤٦]
- ✽ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع : علاء الدين بن ابي بن مسعود الكاساني [هـ ٥٨٤]
- ✽ فتاوى قاضي خان : فخر الدين حسن بن منصور قاضي خاں [هـ ٥٩٢]
- ✽ الهداية : برهان الدين علي ابو الحسن فرغانى حنفي [هـ ٥٩٣-٥٩٦]
- ✽ الموضوعات : ابو الفرج عبد الرحمن بن علي بن الجوزي القرشي [هـ ٥٩٤]
- ✽ جامع الأصول لأحاديث الرسول : مبارك بن محمد ابن اثير جزري شافعي [هـ ٦٠٦]
- ✽ النهاية في غريب الأثر : محبت الدين مبارك بن محمد جزري ابن اثير [هـ ٦٠٦]
- ✽ المحصول في علم أصول الفقه : فخر الدين محمد بن عمر بن حسين رازي [هـ ٦٠٦]
- ✽ تفسير رازي : امام فخر الدين محمد بن عمر رازي [هـ ٦٠٦]
- ✽ المغني في علم الحديث : عمر بن زيد بن بدر بن سعيد موصلي حنفي [هـ ٦١٩]
- ✽ معجم الشعراء : ياقوت بن عبد الله حموي [هـ ٦٢٦]
- ✽ إحكام الأحكام في أصول الأحكام : علي بن محمد سيف الدين آمدى شافعي [هـ ٦٣١]
- ✽ غاية المرام : سيف الدين علي بن ابو علي آمدى [هـ ٦٣١]



- \* عوارف المعارف : شیخ شهاب الدین ابو حفص سهروردی بغدادی صوفی [هـ ۶۳۲]
- \* جزء الألف دینار للقطيعي : احمد بن محمد ازجی بغدادی معروف به قطعی [هـ ۶۳۳]
- \* تاریخ بغداد : محمد بن محمود حسن بغدادی النجار [هـ ۶۳۳]
- \* مرآة الزمان في تاريخ الأعيان : شمس الدین ابو مظفر حنبلی بغدادی سبط الجوزی [هـ ۶۵۳]
- \* الترغيب والترهيب : زکی الدین عبد العظیم منذری [هـ ۶۵۶]
- \* فوائد السالكين : فريد الدين كنج شكر [هـ ۶۶۳]
- \* تفسير قرطبي : ابو عبد الله محمد بن احمد ابی بکر قرطبی [هـ ۶۷۱]
- \* الأربعين النووية : حافظ ابو زكريا يحيى بن شرف نووی [هـ ۶۷۶]
- \* شرح النووي على مسلم : حافظ ابو زكريا يحيى بن شرف نووی شافعی [هـ ۶۷۶]
- \* رياض الصالحين : حافظ ابو زكريا يحيى بن شرف نووی [هـ ۶۷۶]
- \* الاختيار لتعليل المختار : عبد الله بن محمود ابن مودود الموصلی حنفی [هـ ۶۸۳]
- \* أنوار البروق في أنواع الفروق : احمد بن ادريس شهاب الدین قرانی [هـ ۶۸۳]
- \* تفسير أنوار التنزيل و أسرار التأويل : ابو الخير عبد الله بن عمر بن محمد بيضاوی [هـ ۶۸۵]
- \* الرياض النضرة في مناقب العشرة : احمد بن محمد طبري کلي شافعی [هـ ۶۹۳]
- \* منية المصلي : سيد الدين كاشغري [هـ ۷۰۵]
- \* تاج العروس : احمد بن محمد اسكندرانی [هـ ۷۰۹]
- \* تفسير مدارك التنزيل : ابو البركات عبد الله بن احمد نفسي [هـ ۷۱۰]
- \* لسان العرب : محمد بن كرم انصاري افریقی مصري [هـ ۷۱۱]
- \* نصاب الاحتساب : ضياء الدين محمد بن عمر سنائي [هـ ۷۲۵]
- \* نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية : عبد الله بن يوسف زيلعي [هـ ۷۲۶]
- \* اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم : تقي الدين ابن تيمية [هـ ۷۲۸]
- \* كشف الأسرار : عبد العزيز بن احمد بن محمد بخاري [هـ ۷۳۰]
- \* نهاية الأرب في فنون الأدب : احمد بن عبد الوهاب بکري قرشي کندی [هـ ۷۳۲]
- \* المورد في عمل المولد : عمر بن ابواليسن تاج الدين ابو حفص فاکهانی مالکی [هـ ۷۳۳]
- \* مدخل الشرع الشريف : محمد عبد ربي معروف ب ابن الحاج مالکی [هـ ۷۳۷]
- \* تفسير خازن : ابوالحسن علي بن محمد خازن بن عمر شافعی [هـ ۷۴۱]
- \* تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف : ابو الحجاج يوسف بن زکی عبد الرحمن مزري [هـ ۷۴۲]

- \* تهذيب الكمال : جمال الدين يوسف بن ترکی مزني [هـ ۷۴۲]
- \* مشکوة المصابيح : شیخ ولی الدین محمد بن عبد الله خطیب تبریزی عراقی [هـ ۷۴۲]
- \* تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق : فخر الدین عثمان بن علی زيلعي [هـ ۷۴۳]
- \* الجوهر النقي لابن التركماني : احمد بن عثمان بن ابراهيم تاج الدین ترکمانی حنفی [هـ ۷۴۳]
- \* تهذيب الكمال في أسماء الرجال : ابن زکی ابو الحجاج جمال الدین يوسف مزري [هـ ۷۴۳]
- \* تفسير البحر المحيط : اثير الدين البوحيان محمد بن يوسف اندلسی [هـ ۷۴۵]
- \* شرح التلويح على التوضيح : صدر الشريعة ثانی عبید الله بن مسعود بن تاج الشريعة [هـ ۷۴۷]
- \* سير أعلام النبلاء : حافظ شمس الدین ابو عبد الله بن احمد ذهبی [هـ ۷۴۸]
- \* ميزان الاعتدال في نقد الرجال : حافظ شمس الدین ابو عبد الله بن احمد ذهبی [هـ ۷۴۸]
- \* تاريخ الإسلام للذهبي : شمس الدین محمد بن احمد ذهبی [هـ ۷۴۸]
- \* الطرق الحكمية : محمد ابو بكر بن قيم الجوزية دمشقي حنبلي [هـ ۷۵۱]
- \* إعلام الموقعين عن رب العالمين : محمد ابو بكر بن قيم الجوزية دمشقي حنبلي [هـ ۷۵۱]
- \* زاد المعاد : شمس الدین ابو عبد الله محمد ابن قيم جوزيه حنبلي [هـ ۷۵۱]
- \* الفتاوى السبكي : شيخ تقي الدين علي بن عبد الكافي سبكي [هـ ۷۵۶]
- \* روض الرياحين : عبد الله بن اسعد يافعي يمني [هـ ۷۶۸]
- \* المصباح المنير في غريب (الشرح الكبير) : احمد بن محمد بن علي فيومي [هـ ۷۷۰]
- \* النهاية في الفتن و الملاحم : حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمعيل ابن كثير [هـ ۷۷۳]
- \* البداية و النهاية : حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمعيل ابن كثير [هـ ۷۷۳]
- \* تفسير ابن كثير : حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمعيل ابن كثير [هـ ۷۷۳]
- \* قصص الأنبياء : حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمعيل ابن كثير [هـ ۷۷۳]
- \* العناية شرح الهداية : اكمل الدین محمد بن محمد بابرقي [هـ ۷۸۶]
- \* شرح العقيدة الطحاوية : ابو العزخني [هـ ۷۹۲]
- \* شرح عقائد النسفية : سعد الدين مسعود بن عمر تفتازانی [هـ ۷۹۲]
- \* البحر المحيط في الأصول : بدر الدین محمد بن عبد الله زركشي شافعی [هـ ۷۹۳]
- \* جامع العلوم و الحكم : ابو الفرج عبد الرحمن بن احمد ابن رجب حنبلي [هـ ۷۹۵]
- \* فتح الباري لابن رجب : زين الدین ابن رجب حنبلي [هـ ۷۹۵]
- \* الجوهرة النيرة شرح القدوري : ابو بكر بن علي بن محمد خدادي مصري [هـ ۸۰۰]



- تحفة المحتاج في شرح المنهاج : عمر بن علي بن احمد الوادياشي اندلسي [٥٨٠٣]
- طبقات المحدثين : سراج الدين عمر بن علي بن ملقن شافعي [٥٨٠٣]
- بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث : نور الدين ابوبكر بن سلمان بيتي [٥٨٠٤]
- موارد الظمان إلى زوائد ابن حبان : نور الدين ابوالحسن يثشي [٥٨٠٤]
- مجمع الزوائد ومنبع الفوائد : امام نور الدين علي بن ابى بكر بيتي [٥٨٠٤]
- أصول حديث : علي بن سيد محمد علي ابوالحسن معروف به مير سيد شريف [٥٨١٢]
- المستخرج على المستدرک : حافظ عبدالرحيم العراقي [٥٨٢٢]
- فتاوى بزازية : حافظ الدين محمد بن محمد شهاب كردري [٥٨٢٤]
- معجم ابن المقرئ : اسماعيل بن ابوبكر بن علي شرجي زبيدي [٥٨٣٤]
- عرف التعريف بالمولد الشريف : شمس الدين ابوالخير محمد ابن الجزري [٥٨٣٣]
- الفتاوى الرملية : احمد بن حسين رمل شافعي [٥٨٣٣]
- فتح الباري : ابوالفضل احمد بن علي معروف بابن حجر عسقلاني [٥٨٥٢]
- عمدة القارى : بدر الدين محمود بن احمد عيني [٥٨٥٥]
- فتح القدير : كمال الدين محمد بن محمد بن عبد الواحد ابن الهمام [٥٨٦١]
- دلائل الخيرات : ابوعبدالله محمد بن سليمان جزولي [٥٨٤٠]
- التقرير والتحجير : محمد بن محمد بن محمد ابن امير حاج حلي حنفي [٥٨٤٩]
- درر الحکام في شرح مجلة الأحكام : شيخ الاسلام ملا خسرو رومي حنفي [٥٨٨٥]
- درر الحکام شرح غرر الأحكام : محمد بن فرامرزين علي ملا خسرو رومي حنفي [٥٨٨٥]
- تفسير نظم الدرر لتناسب الآيات و السور : برهان الدين محمد بن محمد بن ابراهيم بقاعي [٥٨٨٥]
- نزهة المجالس و منتخب النفائس : عبدالرحمن بن عبدالسلام صفوري شافعي [٥٨٩٣]
- شمس ملا جامي : عبدالرحمن ابن احمد جامي [٥٨٩٨]
- المقاصد الحسنة للسخاوي : شمس الدين محمد بن عبدالرحمن سخاوي [٥٩٠٢]
- الدرر المنتشرة في الأحاديث المشتهرة : جلال الدين عبدالرحمن سيوطي [٥٩١١]
- تفسير درّ منشور : جلال الدين عبدالرحمن بن ابى بكر سيوطي [٥٩١١]
- الإتقان في علوم القرآن للسيوطي : جلال الدين عبدالرحمن ابوبكر سيوطي [٥٩١١]
- انتباه الأذكياء : جلال الدين عبدالرحمن ابوبكر سيوطي [٥٩١١]
- مهمات المعارف للسيوطي : جلال الدين عبدالرحمن ابوبكر سيوطي [٥٩١١]

- الديباج على مسلم : جلال الدين عبدالرحمن ابوبكر سيوطي [٥٩١١]
- حسن المقصد في عمل المولد : جلال الدين عبدالرحمن ابوبكر سيوطي [٥٩١١]
- الجامع الصغير للسيوطي : جلال الدين عبدالرحمن بن ابوبكر سيوطي [٥٩١١]
- الحباثك في أخبار الملائك : جلال الدين عبدالرحمن ابوبكر سيوطي [٥٩١١]
- تاريخ الخلفاء : جلال الدين عبدالرحمن ابوبكر سيوطي [٥٩١١]
- المواهب اللدنية بالمنح المحمدية : شهاب الدين احمد بن محمد قسطلاني شافعي [٥٩٢٣]
- فتح المعين في شرح قرّة العين بمهمات الدين : زين الدين احمد مليباري شافعي [٥٩٢٨]
- سبل الهدى و الرشاد : ابوعبدالله محمد بن يوسف صالح شافعي [٥٩٣٢]
- فص الخواتم فيما قيل في الولائم : شمس الدين محمد بن طولون حنفي دمشقي [٥٩٥٣]
- جامع الرموز : شمس الدين محمد خراساني قمياني [٥٩٦٢]
- البحر الرائق شرح كنز الدقائق : زين الدين بن ابراهيم ابن نجيم مصري [٥٩٤٠]
- الأشباه و النظائر : زين الدين بن ابراهيم ابن نجيم مصري [٥٩٤٠]
- غنية المستملي شرح منية المصلي معروف بـ كبير : شيخ ابراهيم حلي [٥٩٤١]
- المطالب العالية : حافظ شهاب الدين احمد بن ابن حجر عسقلاني مكي [٥٩٤٣]
- فتح المبين : حافظ شهاب الدين احمد بن ابن حجر عسقلاني مكي [٥٩٤٣]
- تخريج أحاديث الإحياء : حافظ شهاب الدين احمد بن ابن حجر عسقلاني مكي [٥٩٤٣]
- لسان الميزان : شهاب الدين احمد بن حجر عسقلاني مكي [٥٩٤٣]
- كنز العمال : علاء الدين علي متقي بن حسام الدين هندي برهانپوري [٥٩٤٥]
- الطريقة المحمدية : محمد بير علي معروف به بركلي [٥٩٨١]
- ميزان الشريعة الكبرى : شيخ عبدالوهاب بن احمد شعرائي [٥٩٨٣]
- كشف الغمة عن جميع الأمة : شيخ عبدالوهاب بن احمد شعرائي [٥٩٨٣]
- تذكرة الموضوعات : محمد بن طاهر صديق فتحي گجراتي هندي [٥٩٨٦]
- مجمع بحار الأنوار : محمد بن طاهر يثشي هندي [٥٩٨٦]
- نهاية المحتاج : محمد بن شهاب الدين احمد انصاري رمل [١٠٠٣هـ]
- الموضوعات الكبير : علي بن سلطان ملا علي قاري [١٠١٣هـ]
- مورد الروي في مولد النبي : علي بن سلطان ملا علي قاري [١٠١٣هـ]
- مراقبة شرح مشكوة : علي بن سلطان ملا علي قاري حنفي [١٠١٣هـ]



- \* زیادة النصائح لأرباب المصالح : جعفر بن ابراہیم سنہوری مصری [۱۰۲۰ھ]  
 \* فیض القدير : شمس الدین عبدالرؤف مناوی شافعی [۱۰۳۰ھ]  
 \* مکتوبات امام ربانی : سید احمد سرہندی مجدد الف ثانی [۱۰۳۵ھ]  
 \* کشف القناع عن متن الإقناع : منصور بن یونس البہوتی حنبلی [۱۰۵۱ھ]  
 \* جذب القلوب إلى ديار المحبوب : شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی [۱۰۵۲ھ]  
 \* أشعة اللمعات : شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی [۱۰۵۲ھ]  
 \* شرح سفر السعادة : شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی [۱۰۵۲ھ]  
 \* مطالع المسرات : ابو حامد بن ابوالحسن بن محمد فاسی [۱۰۵۲ھ]  
 \* لوامع التنوير في شرح الكوكب المنير : قاضی عبدالباقی بن محمد منوفی مصری [۱۰۶۶ھ]  
 \* كشف الظنون عن أسامي الكتب و الفنون : مصطفیٰ بن عبداللہ قسطنطینی رومی حنفی [۱۰۶۷ھ]  
 \* مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح : ابوالاعلاص حسن بن عمار شرعی نبالی حنفی [۱۰۶۹ھ]  
 \* مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر : عبدالرحمن بن شیخ محمد آفندی سنجی زاده [۱۰۷۸ھ]  
 \* الدر المختار : علاء الدین محمد بن علی حسینی دمشقی حنفی [۱۰۸۸ھ]  
 \* فهرس الفهارس : شمس الدین محمد معروف بہ ابن ہمات زاده [۱۰۹۱ھ]  
 \* غمز عیون البصائر شرح الأشباه والنظائر : احمد بن محمد حموی کی [۱۰۹۸ھ]  
 \* قرة العیون بأنموذج الفنون : احمد بن سید محمد کی حسینی حموی [۱۰۹۸ھ]  
 \* شرح مختصر خلیل للخرشي : محمد بن عبداللہ بن علی ابوعبداللہ خرشی [۱۱۰۱ھ]  
 \* الفواکھ الدوانی علی رسالۃ ابن أبی زید القيروانی : احمد بن غنیم نفراوی [۱۱۲۵ھ]  
 \* نور الأنوار : ملا احمد جیلانی ابن ابوسعید حنفی امیتھوی [۱۱۳۰ھ]  
 \* تفسیر روح البیان : ابوالفداء شیخ اسماعیل حق بروسوی [۱۱۳۷ھ]  
 \* شرح سنن نسائی : ابوالحسن نور الدین بن عبدالہادی [۱۱۳۸ھ]  
 \* حاشیۃ السندي علی ابن ماجہ : ابوالحسن نور الدین بن عبدالہادی [۱۱۳۸ھ]  
 \* کشف الخفاء و مزیل الألباس للعجلونی : ابوالفداء اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی [۱۱۶۲ھ]  
 \* شرح ابن بطلال : عمرو بن زکریا بطلال برہانی اشعری [۱۱۷۶ھ]  
 \* حجة اللہ البالغہ : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]  
 \* الانتباه في سلاسل أولیاء اللہ : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]  
 \* تفہیمات الہیۃ : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]

- \* القول الجمیل : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]  
 \* إزالة الخفاء : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]  
 \* عقد الجید : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]  
 \* الدر الثمین في مبشرات النبی الامین : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]  
 \* مصفیٰ شرح مؤطا : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]  
 \* عقد الجوهر في مولد النبی الأزهر : جعفر بن حسن بن عبدالکریم برزنجی مدنی [۱۱۷۷ھ]  
 \* حياة الأنبياء في قبورهم : احمد بن حسن عبدالکریم جوہری [۱۱۸۲ھ]  
 \* حاشیۃ البجيرمي علی الخطيب : سليمان بن عمر بن محمد بخیری مصری شافعی [۱۱۲۱ھ]  
 \* حاشیۃ البجيرمي علی المنهج : سليمان بن عمر بن محمد بخیری مصری شافعی [۱۱۲۱ھ]  
 \* تفسیر مظہری : قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی [۱۲۲۵ھ]  
 \* تذکرة الموتی و القبور : قاضی ثناء اللہ پانی پتی [۱۲۲۵ھ]  
 \* حاشیۃ الدسوقي : محمد بن احمد بن عرفہ مصری مالکی [۱۲۳۰ھ]  
 \* فتح العزیز معروف بتفسیر عزیزي : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی [۱۲۳۹ھ]  
 \* تحفة اثنا عشریہ : شاہ عبدالعزیز دہلوی [۱۲۳۹ھ]  
 \* وسیلة النجاة : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی [۱۲۳۹ھ]  
 \* سوالات عشرة محرم : شاہ عبدالعزیز دہلوی [۱۲۳۹ھ]  
 \* حاشیۃ الصاوي علی الشرح الصغير : احمد بن محمد صاوی مالکی [۱۲۴۱ھ]  
 \* تقوية الإيمان : اسماعیل دہلوی [۱۲۴۲ھ]  
 \* تذکیر الإخوان : اسماعیل دہلوی [۱۲۴۲ھ]  
 \* صراط مستقیم : اسماعیل دہلوی [۱۲۴۲ھ]  
 \* إثبات رفع یدین : اسماعیل دہلوی [۱۲۴۲ھ]  
 \* حاشیۃ العطار علی جمع الجوامع : شیخ الازہر ابوالسعادات حسن بن محمد شافعی [۱۲۵۰ھ]  
 \* رد المحتار : سید محمد امین معروف ب ابن عابدین شامی حنفی [۱۲۵۲ھ]  
 \* حاشیۃ رد المحتار : سید محمد امین معروف ب ابن عابدین شامی حنفی [۱۲۵۲ھ]  
 \* مائة مسائل : شاہ محمد الحق دہلوی [۱۲۶۲ھ]  
 \* أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب : درویش بیرونی حنفی [۱۲۷۶ھ]  
 \* هدية العارفين : اسماعیل پاشا بن محمد امین بغدادی [۱۲۸۹ھ]



- ✽ ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون : اسماعیل پاشا بن محمد امین [۱۲۸۹ھ]
- ✽ مظاهر حق شرح مشکوٰۃ : نواب قطب الدین خان دہلوی [۱۲۸۹ھ]
- ✽ تحفة العرب و العجم : نواب قطب الدین خان دہلوی [۱۲۸۹ھ]
- ✽ تنویر الحق : قطب الدین خان دہلوی [۱۲۸۹ھ]
- ✽ شفاء السائل : شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی [۱۲۹۶ھ]
- ✽ شفاء الصدور : فیض الحسن سہارن پوری [۱۳۰۴ھ]
- ✽ إعانة الطالبین علی حل ألفاظ فتح المعین : ابوبکر بن سید محمد شطاد میاٹی شافعی [۱۳۱۰ھ]
- ✽ ضیاء القلوب : حاجی امداد اللہ مہاجرکی [۱۳۱۷ھ]
- ✽ کنز الإیمان فی ترجمة القرآن : امام احمد رضا قادری محدث بریلوی [۱۳۳۰ھ]
- ✽ نظم المتناثر من الحديث المتواتر : محمد بن جعفر کتابی [۱۳۳۵ھ]
- ✽ الرسالة المستطرفة : محمد بن جعفر کتابی [۱۳۳۵ھ]
- ✽ تفسیر أضواء البیان : محمد امین بن محمد مختار شفقپٹی [۱۳۹۳ھ]
- ✽ المسند الجامع : ابوالفضل سید ابوالعاطی النوری [۱۴۰۱ھ]
- ✽ إنسان العیون فی سيرة الأمين المأمون : علی بن برہان الدین حلبی [۱۴۰۴ھ]
- ✽ مطالب أولی النهی فی شرح غایة المنتهی : محمد امین بن ملا احمد آقندی داغستانی
- ✽ الإنصاف فیما قیل فی المولد من الغلو و الإجحاف : ابوبکر جابر الجزائری
- ✽ تفسیر همیان الزاد إلى دار العباد : سخون بن عثمان وہبی اباضی
- ✽ حواشی الشروانی : عبد الحمید الشروانی احمد بن قاسم العبادی
- ✽ خزانة الروایات مستند مائة مسائل : قاضی بیگن حنفی گجراتی
- ✽ الفتاویٰ الهندیة : بیعت علمائے اورنگ زیب عالم گیر
- ✽ نصاب الاحتساب : عمر بن محمد بن عوض شامی حنفی
- ✽ کتاب القواعد : عز الدین بن سلام
- ✽ دستور القضاة : صدر بن رشید تبریزی
- ✽ دلائل الأذکار : شیخ محمد تھانوی
- ✽ تمهید : ابوشکور سالمی
- ✽ سبیل الرشاد : محمد عاشق پھلی
- ✽ أنوار محمدی : شیخ محمد محدث تھانوی

- ✽ حواشی مشکوٰۃ : سید جمال الدین
- ✽ وصیت نامہ : عبداللہ گجراتی
- ✽ مکتوبات قدوسی : شیخ عبدالقدوس گنگوہی
- ✽ مخزن أحمدی : سید محمد علی
- ✽ منح الجلیل شرح مختصر خلیل
- ✽ التلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی
- ✽ روضة المحدثین
- ✽ حاشیة الجمل
- ✽ حاشیتا قلبیوبی و عمیرا
- ✽ تفسیر أضواء القرآن
- ✽ فضائل القرآن و تلاوته
- ✽ فضائل القرآن
- ✽ التغنی بالقرآن
- ✽ تاریخ القرآن الکریم
- ✽ التبیان
- ✽ جامع الرسائل
- ✽ شرح الطحاویة
- ✽ فضل حفظ القرآن
- ✽ المعرفة و التاريخ
- ✽ اكتفاء القنوع بما هو مطبوع
- ✽ معجم المطبوعات
- ✽ تکملة مجمع بحار الأنوار
- ✽ دقائق الأخبار
- ✽ المختصر فی أصول الحديث
- ✽ محبة الرسول بین الاتباع و الابتداع
- ✽ شرح الطحاویہ فی العقيدة السلفية
- ✽ تبصرة الحکام فی أصول الأفضیة و مناهج الأحکام



\* الفقه و الشريعة

\* بهجة قلوب الأبرار

\* بريقه محموديه في شرح طريقه محمديه

\* أصول الايمان في ضوء الكتاب والسنة

\* شرح الأربعين النووية في الأحاديث الصحيحة النبوية

\* معجم أصحاب القاضي أبي علي الصدي

\* روضة النعيم

\* تحقيق الحق

\* تفهيم المسائل

\* نصاب الفقه

\* رساله فتوحيه

\* مسائل بهية

\* جامع الأوراد

\* صمصام قادري

\* تنوير الملك

يقول **محمد افروز قادري جرياقوتي** (آدم الله له سلوك سبيل السنة و الجماعة) هذا ما وفقني الله تبارك و تعالى و أعانني عليه من وضع هذا الكتاب الذي دأبت في ترتيبه و تسهيله و تجديده و تهذيبه و تذهيبه و تحقيقه و تخريجه بكل ما في وسعي و طاقتي و ﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا﴾ [طلاق : ٧] و إني أسئله سبحانه و تعالى أن يجعل عملي هذا و جهدي خالصا لوجهه الكريم و هدية الى جناب سيدي رسول الله العظيم أنجو به من نار الجحيم و ما توفيقي إلا بالله العظيم عليه توكلت و إليه أنيب . قد بدأت عمل التسهيل و التخريج يوم الثلاثاء الرابع عشر من صفر المظفر عام ١٤٢٨ هـ الموافق شهر مارس ٢٠٠٧ م و كان الفراغ منه (بفضل الله و منته و توفيقه و معونته) في منتصف يوم الخميس التاسع و العشرين من ربيع الآخر عام ١٤٢٨ هـ من الهجرة النبوية على صاحبها السلام و التحية ، الموافق شهر مايو ٢٠٠٧ م من ميلاد المسيح عليه الصلوة و التسليم .

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا

﴿تَمَّتْ وَ بِالْخَيْرِ عَمَّتْ﴾

## کچھ میری بابت

یکم جنوری ۱۹۷۹ء کی کسی ساعت میں علم و ادب کے حوالے سے مشہور خط ”چریاکوٹ“ میں وارد جہان رنگ و بو ہوا۔ ”محمد افروز احمد“ نام رکھا گیا، (پھر آگے چل کر یہی نام ”محمد افروز قادری جریاقوٹی“ کے روپ میں ظاہر ہوا)۔ تعلیم کے ابتدائی مراحل مقامی مدرسہ ”دارالعلوم قادریہ“ میں طے کرنے کے بعد شوقِ تعلیم کشاں کشاں کھینچ کر اہلسنت کی مرکزی درس گاہ ”جامعہ امجدیہ“ گھوسی لایا جہاں دورہء عالمیت مکمل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ پھر جنوبی ہند کیرالا کی بین الاقوامی شہرت یافتہ یونیورسٹی ”جامعہ الثقافتہ“ سے فضیلت و تخصص کیا۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی تحصیل میں چند ایک سال ممبئی اور پٹنہ وغیرہ کے دورے کرنے پڑے۔ اسی بیچ مختلف قرائے عظام سے تجوید و قراءت کے اسرار و رموز بھی سیکھے۔ تدریس کا باضابطہ آغاز ”جامعہ الرضا“ بریلی شریف سے کیا، جہاں حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری نے ناچیز کو خلافت و اجازت سے مشرف فرمایا، اور قصیدہ بردہ و دلائل الخیرات شریف سمیت جملہ اورد و وظائف کی تحریری اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر ۲۰۰۶ء میں اسلامک لیڈرشپ کے حوالے سے معروف دانش گاہ ”دلاس یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن“ کے شعبہ اسلامیات میں اردو لیکچرر مقرر ہوا، اور الحمد للہ تاہنوز اسی پیغمبرانہ مشغلے سے وابستہ ہوں۔

کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ کا سفر کئی اعتبار سے میری زندگی کا ایک انقلابی موڑ ثابت ہوا۔ یہاں سکھانے کا موقع کم اور سیکھنے کے مواقع زیادہ میسر آئے۔ دنیا جہاں سے تشریف لانے والے علماء و مشائخ سے براہِ راست استفادہ کرنے کی سعادت نصیب ہوتی رہتی ہے۔ علمی ماحول کے زیر اثر رہ کر یہاں بہت کچھ کرنے کا حوصلہ اور ذہن ملا۔ ”چراغِ اردو“ کے نام سے تاریخ ساؤتھ افریقہ میں سب سے پہلا اردو اخبار جاری کیا، جسے بے پناہ مقبولیت ملی۔ خصوصاً یہاں کی یکسوئی نے تصنیف و تالیف کا سنہرا موقع فراہم کیا۔ سال رواں میری کوئی سات کتابیں مختلف مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں۔ وقت ہزارعت، مرنے کے بعد کیا بنتی؟، بچوں کی اخلاقی تربیت کے لیے کہانیوں کے ساتھ چالیس حدیثیں، ابن جوزی کی نصیحت اپنے لختِ جگر کے لیے، موت کیا ہے؟، تجھ رفاعیہ، انوار ساطعہ (تسہیل و تحقیق)۔ جب کہ فنِ تجوید و قراءت پر تصنیف کردہ میری ایک کتاب ”برکات الترتیل“ ہندوستان کے بہت سے اداروں میں داخل نصاب بھی ہے۔ مستزاد یہ کہ اردو و عربی اور انگلش میں ابھی کوئی چار ہزار سے زائد صفحات منتظر اشاعت ہیں۔

ادھر کئی سالوں سے آن لائن ترجمے کی خدمات بھی انجام دیتا آرہا ہوں۔ ڈارونزم کے پرچے اُڑا دینے والے مشہور زمانہ قلم کار ہارون یحییٰ کی کئی ایک کتابیں میرے اردو ترجموں کے ساتھ اشاعت پذیر ہوئی ہیں، ان کے بہت سے آرٹیکلز کا ترجمہ بھی میں نے کیا ہے جو ان کے ویب پیج پر موجود ہیں۔ ابھی حال ہی میں ترکی کے شیخ عثمان نوری توپ باش کی کچھ کتابیں بھی جامعہ اردو میں منتقل کی ہیں اور تاہنوز کام جاری ہے۔ نیز مختلف علمی و فکری، ادبی و تنقیدی اور فقہی و تحقیقی موضوعات پر درجنوں مضامین و مقالات، تبصرے اور تجزیے بھی رقم کیے ہیں۔ سر دست فروغِ دین و مسلک کی لگن میں جٹا ہوا ہوں، جتنا کچھ کر سکتا ہوں اس سے دریغ نہیں کرتا، بس دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس جذبے کو سلامت رکھے اور دارین کی سعادت کے کام کرنے کی توفیق میرے رفیقِ حال فرمادے۔

بقلم مولف



# فہرست مضامین

اداریہ	4
آغاز سخن	5
تقریب	9
تقدیم نفیس	11
انوار ساطعہ کا تاریخی پس منظر	13
انوار ساطعہ کی تصدیق و تائید کرنے والے معاصر علمائے ہند:	20
حضرت مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی	20
حضرت مولانا فیض الحسن سہارن پوری	20
حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری	21
حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد حسین فاروقی مجددی رام پوری	22
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی	22
تاج القول علامہ عبدالقادر بدایونی	23
حضرت مولانا شاہ محمد عبید اللہ کی بدایونی	24
حضرت مولانا صوفی سید عماد الدین رفاعی سورتی گجراتی	24
حضرت مولانا وکیل احمد خفی سکندر پوری	24
حضرت مولانا نذیر احمد خاں رام پوری	25
حضرت مولانا محمد فاروق چریاکوٹی	25
حضرت مولانا محمد عبدالجید فرنگی محلی	25
حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی	26

حضرت مولانا شاہ محمد عادل کان پوری	26
حضرت مولانا عبدالحق خفی دہلوی صاحب تفسیر حقانی	27
حضرت مولانا محمد یعقوب بن مولانا محمد کریم اللہ دہلوی	27
پایہ حریم شریفین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر کی	27
شیخ الشیخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ چشتی تھانوی مہاجر کی	29
کتاب کی وجہ تالیف	33
نور اول:	37
لمعہ اولیٰ،	
مفتیانِ فتاویٰ انکاری کی کچھ عبارتیں	37
لمعہ ثانیہ،	
انوار ساطعہ پر نظر ثانی کی وجہ	38
لمعہ ثالثہ،	
براہین قاطعہ کے احوال	41
لمعہ رابعہ،	
منکرین کے پیشواؤں کا شجرہ و سلسلہ	50
لمعہ خامسہ،	
بدعتِ حسنہ کے سلسلہ میں اقوال اربعہ اور ان کی تردید	51
نور دوم:	97
لمعہ اولیٰ،	
کھانا و شیرینی پر فاتحہ کا جواز	97
لمعہ ثانیہ،	
جمہرات کی فاتحہ اور روحوں کے دنیا میں آنے کی تحقیق	118



## لمعہ ثالثہ

عیدین و شب براءت اور محرم کا فاتحہ

132

## لمعہ رابعہ

فاتحہ سوم کا بیان اور کلمہ طیبہ کے فضائل

139

## لمعہ خامسہ

دسویں بیسویں اور چالیسویں کا جواز

159

تحقیق انیق

164

## لمعہ سادسہ

اموات کے سلسلہ میں چند نصیحتیں

185

نور سوم:

189

## لمعہ اولیٰ

محفل میلاد النبی ﷺ کے اثبات میں

189

## لمعہ ثانیہ

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے خاندان سے میلاد شریف کا ثبوت

198

## لمعہ ثالثہ

اعتراض کہ محفل منانا کنہیا کے جنم سے مشابہت اور اس کا جواب

210

## لمعہ رابعہ

قرآن و حدیث اقوال صحابہ اور دیگر دلائل سے میلاد کی اصل کا ثبوت

216

فرش، کھانا، شیرنی اور عطر کا استعمال

223

مٹھائی بانٹنے کا ثبوت

225

منبر یا چوکی، نیز اشعار پڑھنے کا ثبوت

226

## لمعہ خامسہ

ادلہ شرعیہ کی تحقیق کی روشنی میں محفل میلاد بارہ مہینے جائز ہے

233

براہین قاطعہ گنگوہی کے اعتراضات مع جوابات

242

## لمعہ سادسہ

میلاد میں قیام کرنا ہرگز بدعت سیئہ نہیں

244

قیام کی اچھوتی تحقیق

246

سجدہ پہلے حرام نہ تھا اب ہے

247

سیر ارواح کی تحقیق

254

واقعہ تالاب ششی

266

اولیاء اللہ کے کشف والہام

268

مسئلہ علم غیب مصطفیٰ ﷺ

271

محفل منہیات شرعیہ سے پاک ہونی چاہیے

279

قیام کے سلسلے میں منکرین کے متفرق شبہات

287

## لمعہ سابعہ

ندائے یار رسول اللہ کی تحقیق

303

تحریر مفتی مدینہ

322

عبارت مفتیان مکہ

324

## لمعہ ثامنہ

اعتراضات متفرقہ

327

دیکھنے کے مسائل

333

محفل میلاد بلا اتفاق درست ہے

343



## لمعہ ناسعہ

347	محفل میلاد کو مستحب اور مستحسن قرار دینے والے علماء
351	نقل مواہیر علمائے عرب
353	جواب علمائے مکہ معظمہ
354	جواب علمائے مدینہ منورہ
355	جواب علمائے جدہ
356	جواب علمائے حدیدہ
364	فتویٰ علمائے بغداد شریف
368	علمائے ہندوستان کی مہریں
371	علماء ہند کی مواہیر کا عکس
374	مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات
375	نور چہارم:
375	عصر حاضر کے نامور علمائے کرام و مشائخ عظام کی تقریظات
375	علی گڑھ
375	تقریظ مولانا لطف اللہ علی گڑھی
376	سہارن پور
377	فیض الحسن سہارن پوری
377	قصور
377	تقریظ مولانا غلام دستگیر قصوری
378	ریاست رامپور معروف زان افغاناں
379	تقریظ مولانا مفتی محمد ارشاد حسین مجددی رام پوری
380	تقریظ مولانا محمد اعجاز حسین رام پوری

## بریلی

381	تقریظ مولانا احمد رضا بریلوی
383	بدایوں
386	تقریظ مولانا عبدالقادر بدایونی
387	ممبئی
387	تقریظ مولانا عبید اللہ خفی بدایونی
388	تقریظ مولانا صوفی سید عماد الدین رفاعی
389	حیدر آباد دکن
390	تقریظ مولانا وکیل احمد سکندر پوری
391	احمد آباد گجرات
392	تقریظ مولانا نذیر احمد خاں رام پوری
394	غازی پوری
395	تقریظ مولانا محمد ابوالبرکات
396	چریاکوٹی
397	تقریظ مولانا محمد فاروق عباسی
397	لکھنؤ
398	تقریظ مولانا محمد عبدالحمید فرنگی محلی
399	رام پور ، ضلع سہارن پور
400	تقریظ مولانا سعید الدین
400	تقریظ مولانا ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی
401	بلندہ ، فتح پور ، ہنسوہ
401	تقریظ مولانا قاضی محمد عبدالغفور
402	



## کان پور

تقریظ مولانا شاہ محمد عادل

## اکبر آباد

تقریظ مولانا محمد عبداللہ

## دہلی

تقریظ مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی (صاحب تفسیر حقانی)

تقریظ مولانا محمد یعقوب دہلوی

## دڑکی

تقریظ مولانا محمد عبدالحق سہارن پوری

## میرٹھ

تقریظ مولانا ابو محمد صادق علی مداح

## مکہ معظمہ

تقریظ پایہ حریم مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر کی

اختتام کتاب بہ کلمات طیبات حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر کی

## کتابیات

چھ میری بابت

فہرست مضامین

402

403

404

405

405

405

406

407

407

407

407

409

409

411

415

431

432

بچوں کی اخلاقی تربیت کے لیے کہانیوں کے ساتھ

## چالیس حدیثیں

از: محمد افروز قادری چریا کوٹی

بچے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور چمنستان ہستی کے رنگ برنگے پھول ہیں، اُن کے اخلاق پھول کی پتیوں کی طرح نازک ہوتے ہیں، اچھا ادب اُن کے لیے باوہار ہے جب کہ فحش لٹریچر باؤخزاں۔ زندگی کے جس موڑ پر وہ کھڑے ہوتے ہیں وہ بڑا ہی نازک موڑ ہوتا ہے۔ عادتیں وہیں سے بنتی اور گڑتی ہیں۔ اخلاقی تربیت کا یہ پیش بہا تحفہ دراصل اسی لیے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ایک قابل رشک زندگی کی تعمیر میں وہ اس سے روشنی حاصل کر سکیں، اور قوم و ملت کے لیے قیمتی سرمایہ بن سکیں۔ بچوں کے اخلاق و کردار کی تعمیر و تطہیر کے حوالے سے یہ ادنیٰ سی کوشش شاید آپ کے بچوں کی زندگی میں کامیابی کی لک پیدا کر دے۔ یہ کتاب ہر گھر کے ٹیبل کی ضرورت ہے۔

## مرنے کے بعد کیا ہوتی؟

از: محمد افروز قادری چریا کوٹی

یہ کتاب دراصل پس انتقال خواب میں دیکھے جانے والوں کے کوائف و احوال پر مشتمل ایک وجد آفریں مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا ہر ہر واقعہ اور مرنے والوں کی ایک ایک بات جہاں عبرت آموز و نصیحت خیز ہے، وہیں ذہن و دماغ کو جھنجھوڑنے اور انقلاب لانے والی بھی ہے۔ پڑھتے پڑھتے کہیں کہیں آپ اشک بار ہو جائیں گے تو کہیں تبسم زیر لب سے شاد کام ہوتے نظر آئیں گے۔ یہ واقعات ہمیں اپنی اصلاح کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت کی یاد بھی دلاتے ہیں، اپنے عمل کے محاسبے پر بھی اکساتے ہیں اور رحمت خداوندی سے مایوسی کے اندھیروں سے بھی چھٹکارا دلاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سرخیل اتقیا، حضرت جنید بغدادی - رحمہ اللہ - (متوفی ۲۹۷ھ) کو وصال کے بعد کسی نے عالم خواب میں دیکھ کر دریافت کیا: اے ابوالقاسم! اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا، نیز آپ ہمیں اُس جنس گراں مایہ کے بارے میں آگاہ فرمائیں جس کی مانگ جہان برزخ میں زیادہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: رکوع و سجود، قیام و قعود، کشف و کرامات اور مراقبہ و مجاہدہ سب معدوم ہو گئے اور مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے، بجز اُن چند رکعتوں کے جنہیں میں نے نیم شب کی خلوتوں میں ادا کیا تھا۔





علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:  
 "مستحب ہے کہ اذان کی پہلی شہادت کے سننے پر صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری شہادت کے سننے پر قرۃ  
 یعنی یک یا رسول اللہ کہا جائے اور دونوں انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھ کر کہے:  
 اللہم متعنی باسمع و البصر کیونکہ بے شک ایسے کر نیوالے کو حضور ﷺ اپنے پیچھے جنت میں لے  
 جائیں گے" (رد المحتار)

یہ ادا  
 یعنی انگوٹھے چومنا  
 ادائے صدیق اکبرؐ ہے  
 نسخۃ الفت دلیبر ہے  
 یہ عاشقوں کیلئے نور نظر ہے  
 جنت پانے کا اک ہنر ہے  
 یہ شفاءئے نور نظر ہے

**فیض گنج بخش بک سنٹر**

در بار مارکیٹ راتا دربار لاہور

0321 4021 314



# ترجمہ کنز الایمان کالسانی جاترہ



ڈاکٹر صابر سنبھلی  
ایم اے پی ایچ ڈی



فیض گنج بخش بک سنٹر  
دربارہ مارکیٹ، داتا دربار لاہور

فیض گنج بخش بک سنٹر

دربارہ مارکیٹ، داتا دربار لاہور

0321 4021 314